مَن یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیۡرًا یُفَقِّھۡہُ فِی الدِّیۡنِ (حدیث)

المبسوط

فقہِ شافعی

(جلد دوم)

تالیف

مولانا احمد اللہ (احمد جنگ)

ترتیب جدید وحواشی

ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی

ناشر

معہد امام حسن البنا شہید۔ بھٹکل

نام کتاب : المبسوط (جلد دوم)
تصنیف : مولانا احمد اللہ (احمد جنگ)
ترتیب جدید وحواشی : ڈاکٹر عبد الحمید اطہر ندوی
صفحات : ۵٦۰
قیمت : ۲۵۰
تعداد : ۱۱۰۰
ملنے کے پتے : مولانا ابوالحسن ندوی اسلامک اکیڈمی۔ بھٹکل
پوسٹ بکس نمبر ۳۰۔ کرناٹک
مکتبۃ الشباب العلمیۃ۔ ندوہ روڈ۔ لکھنؤ

ناشر

معہد امام حسن البنا شہید
پوسٹ بکس نمبر ۱۳، بھٹکل 581320 کرناٹک

فہرست کتاب

جنایز

(غسل، کفن، نماز، دفن)

جنایز جنازہ کی جمع ہے، جنازہ مشتق ہے **جـنـز** سے، جس کے معنی ستر کرنے اور ڈھانپنے کے ہیں اور اصطلاحِ شرع میں جنازہ اس میت کو کہتے ہیں جو نعش میں رکھی گئی ہو اور نعش اس چوبی ڈولے یا تابوت کو کہتے ہیں جس میں میت اٹھائی جاتی ہے۔

میت کا لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے عام ہے۔ موت بدن سے روح کے جدا ہونے کو کہتے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ موت اس حالت کو کہتے ہیں جو حیات کے متضاد ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ موت ایسی چیز کے عدم حیات کا نام ہے جس میں حیات کی صلاحیت ہے۔

موت سب سے بڑی مصیبت ہے اور اس سے غفلت اور بھی زیادہ بڑی مصیبت ہے، اس لیے موت کو کثرت سے یاد کرنا مسنون ہے۔ حدیث میں ہے: "**أَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ**" (ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ۲۴۶۰۔ اور ابن ماجہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: کتاب الزھد ۴۲۵۸) لذتوں کو توڑنے والی (موت) کو زیادہ یاد کرو۔

امام غزالی نے کہا ہے کہ ناگہانی موت میں تکلیف کم ہوتی ہے، سوائے اس شخص کے جس کی پشت مظالم کے بوجھ سے بوجھل ہو اور موت کے لیے تیار نہ ہو۔

موت کا اعلان

موت کا اظہار کرنا مندوب ہے تاکہ لوگ نماز جنازہ کے لیے جمع ہوں۔ زمانہ جاہلیت میں میت کے مآثر اور مفاخر کے بیان کرنے کا مذموم طریقہ رائج تھا۔ مفاخر ذاتی صفات اور مآثر خاندانی اوصاف کو کہتے ہیں۔

روح کیا ہے؟

روح متکلمین کے پاس ایک شیئ لطیف کا نام ہے جو بدن کے ساتھ ایسے ملی جلی ہے جیسے ہری ڈالی میں پانی ملا جلا ہے۔ان کا قول ہے کہ روح کو بقا ہے، فنا نہیں۔ مومنین کی ارواح علیین میں ہوتی ہیں اور اوراس کا نور بدن سے متصل ہوتا ہے، بخلاف اس کے کفار کی ارواح سجین میں ہوتی ہیں اوران کا اتصال بدن سے ہوتا ہے۔

ارواح کی قسمیں

تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ راحت اور عذاب روح اور بدن دونوں سے ایک ساتھ متعلق ہیں، ارواح کی پانچ قسمیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ارواح انبیاء بدن سے نکلتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں اوراس کی نعمتوں سے بہرہ اندوز ہوتی ہیں۔

۲۔اسی طرح ارواح شہداء بھی بدن سے نکلتے ہی جنت کی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہیں

۳۔ارواح مومنین صالحین بھی جنت میں پہنچ کر جنت کا نظارہ کرتی ہیں مگر جنت کی نعمتوں سے استفادہ نہیں کرسکتیں۔

۴۔گنہ گار مومنین کی ارواح آسمان اور زمین کے درمیان ہوامیں معلق ہوتی ہیں۔

۵۔ارواح کفار سجین میں ہوتی ہیں۔سجین ساتوں زمین کے نیچے کے طبقے ہیں۔

میت کے چہرے کو بوسہ دینے کا حکم

میت کے گھر والے اوراس کے عزیز ودوست میت کے چہرے کو بوسہ دے سکتے ہیں ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی موت کے بعد ان کے چہرے کو بوسہ دیا تھا۔(ترمذی: باب تقبیل المیت ۹۸۹۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔)

بخاری نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ابوبکر صدیق نے

آپ کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا تھا۔ (بخاری نے یہ روایت ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے کی ہے: باب اللد ود۵۷۰۹۔۵۷۱۰۔۵۷۱۱۔ ابن حبان ۳۰۲۹، مسند احمد، ابن ماجہ، نسائی)

سبکی نے میت کے گھر والوں اور عزیز دوستوں کی حد تک بوسہ دینے کو مندوب اور صالح شخص کی میت کی نسبت بوسہ دینے کو جائز اوران کے علاوہ کو بوسہ دینے کو مکروہ قرار دیا ہے۔

بوسہ دینے میں اتحاد جنس (مرد ہو تو مرد اور عورت ہو تو عورت) یا محرم ہونے کی شرط ہے۔ محلِ سجدہ یعنی پیشانی کا بوسہ دینا اولی ہے، جو لوگ رنج وغم سے بے قابو ہو جائیں اور ضبط نہ کر سکیں ان کے لیے بوسہ دینا حرام ہے۔

میت کے تعلق سے فرض امور

میت کے بارے میں چار چیزیں فرضِ کفایہ ہیں:
غسل، کفن، نماز اور دفن۔

میت کے احکام اس صورت میں عائد ہوتے ہیں جب کہ موت کی نسبت یقین ہو۔ اگر موت کی نسبت شک ہو تو موت کا یقین ہونے تک تاخیر کرنا واجب ہے۔

فرضِ کفایہ ایسا فرض ہے جو بعض کے کرنے سے باقی اشخاص کے ذمہ سے ساقط ہو جائے۔ اگر میت کا علم ایک ہی شخص کو ہو تو چاروں امور کی تکمیل اس کے ذمہ ہوگی۔ اس پر ان چاروں امور کی تکمیل ضروری ہوگی۔ البتہ تجہیز و تکفین کے مصارف کا تعلق میت کے متروکہ مال سے ہوگا جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فرض کفایہ کا تعلق مکلفین سے ہے۔ شرعی طور پر مکلّف بنانا احکام کی تعمیل کی ذمہ داری کو کہتے ہیں اور جس پر ایسی ذمہ داری عائد ہوتی ہو اس کو مکلّف کہتے ہیں، انسان اور جنات مکلّف ہیں، فرشتے مکلّف نہیں ہیں۔

مُحرم میت

مُحرم (احرام کی نیت کرنے والے شخص) کی میت کے بارے میں بھی چاروں امور فرض کفایہ ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ مُحرم مرد کا سر اور مُحرم عورت کا چہرہ کفن میں کھلا رکھا جائے اور ان کے

کفن میں سیا ہوا کپڑا استعمال نہ کیا جائے۔ان کی میت میں خوشبو کا استعمال بھی حرام ہے۔خوشبو کی چیزیں نہ تو مُحرم کے بدن پر اور نہ غسل کے پانی میں اور نہ کفن میں استعمال کی جائیں، اس لیے کہ یہ امور احرام کی حالت میں ممنوع ہیں اور موت کی وجہ سے احرام کی حالت ختم نہیں ہوتی، باقی رہتی ہے۔احرام کی حالت صرف تحلیل (احرام اتارنے) کی وجہ سے برخاست ہوتی ہے۔

مُحرم وہ شخص ہے جس نے حج یا عمرہ کے لیے احرام کی نیت کی ہو اور ابھی حلال نہ ہوا ہو۔حلال ہونا حج سے فراغت پانے کو کہتے ہیں۔

مُحرم احرام کی حالت میں، حلال ہونے سے پہلے انتقال ہو جائے تو قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھے گا، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''إِنَّ الْمُحْرِمَ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مُلَبِّيًا ''۔(بخاری نے ابن عباس سے روایت کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''فإن الله يبعثه يوم القيامة ملبيا ''۔باب الحنوط للميت ١٢٦٦۔نسائی میں 'یقوم' کا لفظ ہے، 'یأتی' کا لفظ نہیں ہے۔٢٨٥٧)

تجہیز و تکفین کے مصارف

تجہیز کے مصارف میں پانی کی قیمت، نہلانے کی اجرت، کفن کی قیمت، میت کے لے جانے اور قبر کے کھودنے اور بھرنے کی اجرت داخل ہیں۔تجہیز کے مصارف سب سے پہلے میت کی متروکہ جائداد سے پورے کیے جائیں گے، اس سے بیوی مستثنی ہے جس کی تجہیز کی ذمہ داری شوہر پر ہے، جس پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری ہے، بشرطیکہ استطاعت رکھتا ہو۔یہاں استطاعتِ فطرہ مراد ہے جو ایک دن اور ایک رات کے کھانے پینے کی چیزوں سے زیادہ ہو۔

جائداد متروکہ پر سب سے پہلے اس رہن اور زکات کا بار ہوگا جو اس جائداد پر ضروری ہے۔اس کے بعد تجہیز کے مصارف کا درجہ ہے اور مصارفِ تجہیز کے بعد قرض کی ادائی اور اس کے بعد وصیت کی تعمیل اور پھر میراث کی تقسیم ہوگی۔

اگر مصارفِ تجہیز سے ورثاء انکار کریں تو حاکم جبراً وصول کرے گا۔اگر میت کچھ بھی مال نہ چھوڑے تو تجہیز کا بار اس شخص پر ہوگا جس کے ذمہ زندگی میں میت کا نفقہ تھا اور یہ بھی نہ ہو تو اس جائداد سے انتظام کیا جائے گا جو اس کام کے لیے وقف کی گئی ہے، اس کے بعد

بیت المال سے مصارف برداشت کیئے جائیں گے۔ اور پھر مالدار مسلمانوں پر ذمہ داری ہوگی، چاہے میت کافر ذمی کی ہو، تاکہ اپنی ذمہ داری کو مسلمان پوری کریں۔

اختلاف: شافعیہ میں عورت کی تجہیز کا بار مستطیع شوہر پر ہے، اگرچہ کہ عورت خود بھی مستطیع ہو اور حنفیہ میں فتوی اس پر ہے کہ عورت کی تجہیز کا بار مطلق شوہر پر ہے اور مالکیہ اور حنبلیہ میں عورت کی تجہیز کا بار اس کی جائیداد پر ہے۔

غسل

میت کو طاق مرتبہ نہلائے، پہلے میں بیری کا پتا اور آخر میں تھوڑا کافور استعمال کیا جائے۔ مسلم میت کا غسل واجب ہے۔ اس کی مزید تفصیلات کے لیے غسل کا باب بھی ملاحظہ ہو۔ میت کے غسل کا وجوب اس لیے نہیں ہے کہ موت کی وجہ سے میت کا جسم نجس ہوگیا ہے بلکہ میت کے بدن کی صفائی کے لیے اور انسانی بدن کی بزرگی کے لحاظ سے میت کے غسل کو واجب کہا گیا ہے۔

اقل غسل یہ ہے کہ میت کے سارے بدن کو ایک مرتبہ پانی پہنچائے، ورنہ اکمل غسل یہ ہے کہ پہلے نجاست ہٹائی جائے اور پھر وضو کرائے اور غسل دے۔

نجاست دور کی جائے

میت کو غسل کی جگہ لانے کے بعد اندرونی نجاست باہر نکالنے کے لیے اس طرح بٹھائے کہ ذرا پیچھے کی طرف جھکا رہے۔ داہنا ہاتھ میت کی گردن کے نیچے دے اور انگوٹھے سے گردن کے منکے کو سنبھالے تاکہ سر پیچھے نہ ڈھلے۔ میت کی پیٹھ کے نیچے اپنے داہنے گھٹنے سے ٹیک دے اور بائیں ہاتھ کو میت کے پیٹ پر بار بار ہلکا اس طرح پھرائے کہ پاخانہ اور پیشاب کا فضلہ انتڑیوں میں ہو تو نکل جائے۔ اس کے بعد میت کو لٹا دے اور بائیں ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر دونوں شرمگاہیں دھوئے۔ اس کے بعد کپڑا نکال کر اپنا بایاں ہاتھ دھولے اور پھر دوسرا کپڑا لپیٹ کر شہادت کی انگلی سے میت کے دانت اور نکپڑے (ناک کے سراخ)

صاف کرے اور میت کو وضو کرائے۔

اگر غسل کے بعد مزید نجاست نکلے تو اس کو بھی نماز سے قبل دھونا واجب ہے اور نماز کے بعد مندوب ہے۔ اگر نجاست کا سلسلہ منقطع نہ ہو تو غسل اور نماز دونوں ویسے ہی صحیح ہوں گے جیسے کہ زندہ شخص کو سلسل البول کا عارضہ ہو۔ لیکن محلِ نجاست پر کپڑا باندھ کر نماز میں ممکنہ عجلت کی جائے۔ بقول منہاج بدن سے بیرونی نجاست ہٹانا بھی شرط ہے، تاکہ غسل کا پانی سارے بدن کو پہنچ سکے۔

وضو

میت کو وضو کرانا مسنون ہے، جیسا کہ زندہ کے لیے غسل سے پہلے وضو مسنون ہے۔ مگر وضو کی نیت واجب ہے، اس لیے کہ وضو تعبدی امر ہے اور تعبدی امر نیت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے: ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ''۔ (بخاری: کتاب بدء الوحی۔ حدیث ۱۔ یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے)

میت کو مسنون وضو کرانے کی نیت کی جائے۔ وضو کے اعضاء تین تین مرتبہ دھوئے۔ مضمضہ اور استنشاق بھی کرائے۔ 'مضمضہ' غرارہ کرنے اور 'استنشاق' ناک میں پانی لینے کو کہتے ہیں۔ میت کا منہ اور ناک صاف کرتے وقت میت کے سر کو جھکائے تاکہ اندر پانی نہ جائے۔ اسی لیے میت کے مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ مندوب نہیں ہے۔ وضو کے بعد میت کو غسل دے۔

غسل

میت کا غسل واجب ہے، مگر غسل کی نیت مسنون ہے بخلاف وضو کے، میت کے پانی میں ڈوبنے سے غسل کا فرض کفایہ ادا نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ مکلّف کا عمل نہیں ہے۔ غسل امر تعبدی ہے جو مکلّف کے کرنے سے ادا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف تکفین اور تدفین امر تعبدی نہیں ہیں اور انسانی فعل کے بغیر بھی ان کی تکمیل ہوسکتی ہے۔

نیت

امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے کہ غسل دینے والے کے لیے غسلِ میت کی نیت واجب نہیں ہے، اس لیے کہ غسل سے صفائی مقصود ہے اور صفائی بغیر نیت کے بھی حاصل ہوتی ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ نیتِ غسل بھی واجب ہے، اس لیے کہ غسل دینے والا طہارت میں میت کی جانب سے نیابت کرتا ہے اور طہارت عمل صالح ہے اور کوئی عمل صالح بغیر نیت کے حاصل نہیں ہوتا۔

امام شافعی نے نیت کو مندوب اس لیے قرار دیا کہ امام مالک کے خلاف نہ ہو جنھوں نے واجب تصور کیا ہے۔

تیمّم

اگر پانی نہ ملے یا میت ایسی جلی ہوئی ہو کہ غسل نہ دیا جا سکے تو میت کو غسل کے عوض تیمّم کرائے۔ تیمّم کی نیت واجب نہیں ہے، مندوب ہے۔ بعض کا قول ہے کہ تیمّم کی نیت اس لیے واجب ہے کہ تیمّم کمزور طہارت ہے اور اس کی تقویت ضروری ہے۔

میت کو کون غسل دے گا؟

میت کی جنس کے اشخاص یا غیر جنس کے محرم رشتہ دار موجود نہ ہوں تو بھی میت کو غسل کے عوض تیمّم کرائے اور وہ بھی حایل کے ذریعہ۔

کمسن لڑکے کو جو حد شہوت کو نہ پہنچا ہو مرد اور عورت دونوں غسل دے سکتے ہیں۔

مرد کی میت کو مرد کا غسل دینا اولی ہے اور عورت کی میت کو عورت کا غسل دینا اولی ہے۔ مرد اپنی بیوی کی میت کو اور عورت اپنے شوہر کی میت کو غسل دے سکتے ہیں مگر شرط یہ ہے کہ مس نہ کریں۔ مس کرنے سے غسل دینے والے کا وضو ٹوٹا ہے۔

اگر میت کے جنس کے لوگ موجود نہ ہوں یعنی میت مرد کی ہو اور اجنبی عورت موجود ہو یا میت عورت کی ہو اور اجنبی مرد موجود ہو یعنی محرم رشتہ دار نہ ہو تو میت کو غسل نہ کرائے بلکہ حائل

کے ذریعہ تیمّم کرائے۔لیکن بدن پر نجاست غیر معفو عنہا پائی جائے تو اس کو دھو کر ہٹائے۔

غسل دینے والے کی طہارت کی شرط نہیں ہے۔ جنابت یا حیض کی حالت میں بھی غسل دینا مکروہ نہیں ہے۔

غسل دینے والوں کے مراتب

مرد کی میت کو غسل دینے میں وہ شخص اولی ہے جو نماز جنازہ پڑھانے میں امامت کے لیے اولی ہے۔مرد کی میت کے غسل دینے میں، اجنبی عورت کے مقابلہ میں، مرد غسل دینے والے کا غسل دینا واجب ہے اور محرم عورت کے مقابلہ میں مندوب ہے۔

اسی طرح عورت کی میت کو غسل دینے میں اجنبی مرد کے مقابلہ میں عورت غاسل پر غسل دینا واجب ہے اور محرم مرد کے مقابلہ میں مندوب ہے۔

غسل دینے اور نماز پڑھانے میں اولویت کے مدارج یہ ہیں:

سب سے پہلے عصبہ کا رشتہ رکھنے والے مردوں کا درجہ ہے۔ پہلے باپ اور اس کے بعد دادا اور اسی طرح اوپر تک پھر بیٹا پھر پوتا اور اسی طرح نیچے تک اور پھر حقیقی بھائی اور پھر علاتی بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا اور پھر علاتی بھائی کا بیٹا پھر چچا پھر علاتی چچا پھر حقیقی چچا کا بیٹا اور پھر علاتی چچا کا بیٹا۔اس کے بعد ولاء (یعنی آزاد کرنے والے) کے رشتہ دار اسی ترتیب سے۔اس کے بعد امام یا امام کا نائب۔

اس کے بعد ذوی الارحام کا درجہ ہے۔ ذوی الارحام میں الأ قرب فالأ قرب کا اصول ہوگا یعنی قرابت کو ترجیح دی جائے گی؛ پہلے ماں کا باپ پھر ماں کا بھائی پھر بیٹی کا بیٹا پھر خالو پھر ماں کا چچا۔

ذوی الارحام کے بعد اجنبی مردوں کا درجہ ہے، پھر زوجہ اور پھر محرم عورتیں۔ رشتہ میں اس شخص کو ترجیح دی جائے گی جو غسل کے مسائل سے زیادہ واقف ہو۔نماز میں قرابت کے ساتھ عمر میں بزرگی کو مقدم رکھا جائے گا۔اس لیے کہ عمر کی وجہ سے قلب میں رقت ہوتی ہے اور رقت کی وجہ سے اس کی دعا اجابت سے قریب ہوتی ہے۔

عورت کی میت کو غسل دینے کے لیے اس کے قریب کی عورت رشتہ داروں کو اولویت ہے اور ان میں بھی ان عورتوں کو ترجیح ہے جو محرم رشتہ رکھتی ہیں۔ عورتوں میں محرم رشتہ سے مراد یہ ہے کہ اگر اس کو مرد فرض کریں تو نکاح نہ ہوسکتا ہو، جیسا کہ بیٹی، ماں اور بہن، برخلاف چچازاد بہن کے۔ ان کے بعد اجنبی عورتوں کا درجہ ہے۔ ان سب کے بعد شوہر کا درجہ ہے اور اس کے بعد محرم مردوں کا درجہ ہے۔

اگر دو مساوی درجہ کے اشخاص میں اختلاف ہو تو قرعہ ڈال کر انتخاب کیا جائے۔

غسل کے آداب

خلوت میں یعنی لوگوں کی نظر سے بچا کر غسل دیا جائے۔

غسل دینے والے اور اس کو مدد دینے والے اور میت کے ولی کے سوائے کوئی اس جگہ بغیر ضرورت داخل نہ ہو۔

سقف یعنی چھت کے نیچے غسل دینا افضل ہے نہ کہ کھلے آسمان میں۔

بلند مقام پر میت کو غسل دیا جائے تاکہ چھینٹے نہ اڑیں جیسا کہ تخت وغیرہ پر۔

میت کا قمیص پرانا اور اس میں سے پانی سرایت کر سکے تو اس قمیص میں ہی میت کو غسل دیا جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیتے وقت گھر کے اندر سے ندا آئی تھی کہ آپ کے جسد مبارک سے قمیص نہ نکالیں، قمیص نہ ہو تو ستر عورت کے ساتھ غسل دیا جائے۔

ٹھنڈے اور کھارے پانی سے نہلائے، سوائے اس کے کہ گرم پانی کی ضرورت ہو۔ اس لیے کہ ٹھنڈا پانی میت کے بدن کو سخت کرتا ہے اور کھارا پانی بدبو کو روکتا ہے۔ ٹھنڈے پانی کے استعمال سے بلحاظ موسم غسل دینے والے کو زحمت ہوتی ہو یا میت کے بدن سے میل دور کرنے میں گرم پانی کی ضرورت ہو تو گرم پانی استعمال کیا جائے۔

آب زمزم سے میت کو نہلانا اس قول کی رعایت کرتے ہوئے مکروہ ہے جو میت کے نجس ہونے کی نسبت ہے۔

میت کو مقام غسل پر لاتے ہی میت کے چہرے کو کسی کپڑے سے ڈھانپنا مستحب ہے۔

غسل دینے والے کے آداب

غسل دینے والے کے لیے مندوب ہے کہ جہاں تک ممکن ہو میت سے نظر بچائے اور مس کرنے سے احتراز کرے، بلکہ میت کے بدن کے لایق ستر (عورت) حصہ پر نظر ڈالنا اور بغیر حایل کے اس حصہ بدن کو مس کرنا حرام ہے، سوائے زوجین کے۔ زوجیت کے حقوق موت سے بھی منقطع نہیں ہوتے۔ اس کی دلیل میراث ہے، زوجین کے لیے بغیر شہوت کے مس اور نظر دونوں جائز ہیں اور بعض کا قول ہے کہ مس نہ کرنا اور نظر نہ کرنا مندوب ہے۔

غسل دینے والے کے لیے مسنون ہے کہ امین اس طرح ہو کہ اگر کوئی خوبی میت میں دیکھے جیسا کہ چہرے کو منور دیکھے یا خوشبو پائے تو اس کا ذکر کرے۔ میت کے محاسن کا ذکر مسنون ہے۔ اس کے برخلاف چہرے کو تاریک یا بو کو متغیر پائے تو اس کا ذکر کرنا بغیر کسی مصلحت کے حرام ہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ''۔ (سنن ابن ماجہ نے یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے: کتاب الحدود ۲۵۴۴۔ مسند احمد میں یہی روایت سلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ سے ہے: ۱۷۰۰۰) جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرتا ہے تو اللہ دنیا اور آخرت میں اس کی ستر پوشی کرتا ہے۔

ترمذی کی روایت میں ہے: ''اُذْکُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاکُمْ وَکُفُّوْا عَنْ مَسَاوِیْھِمْ ''۔ (ترمذی: باب آخر ۱۰۱۹۔ ابن حبان: ۳۰۲۰ ذکر البیان اُن قولہ اذکروا محاسن موتاکم۔ مستدرک حاکم: کتاب الجنائز ۱۴۲۱۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اپنے مرے ہوئے لوگوں کی اچھائیوں بیان کرو اور ان کی برائیوں کا تذکرہ نہ کرو۔

مستدرک حاکم کی روایت میں ہے: ''مَنْ غَسَلَ مَیِّتًا فَکَتَم عَلَیْهِ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ أَرْبَعِیْنَ مَرَّةً''۔ (مستدرک حاکم: کتاب الجنائز ۱۳۰۷۔ یہ روایت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ہے) جو کسی میت کو غسل دے اور اس کے رازوں کو چھپائے تو اللہ اس کی چالیس مرتبہ مغفرت فرماتا ہے۔

مصلحت کی دو صورتیں ہیں:

کسی بدعتی کی میت میں کوئی خوبی پائے تو اس کا ذکر مسنون نہیں ہے بلکہ پوشیدہ

رکھے تاکہ لوگ اس کی بدعت کی پیروی نہ کریں۔

اگر بدعتی کی میت میں کوئی برائی دیکھے تو اس کا ذکر اس نیت سے کرے کہ لوگ اس بدعت سے پرہیز کریں۔

غسل کا طریقہ

میت کو طاق مرتبہ یعنی تین، پانچ، سات یا نو مرتبہ نہلانا مندوب ہے اور یہ بھی مندوب ہے کہ پہلی مرتبہ بدن سے میل صاف کرنے میں بیری کے پتے یا صابون وغیرہ سے مدد لی جائے۔ دوسری مرتبہ نہلانے میں پتے اور صابون کے اثر کو زائل کیا جائے۔ اس غسل کو مزیلہ یعنی زائل کرنے والا کہتے ہیں۔ تیسری مرتبہ غسل میں خالی پانی سے دھویا جائے جس میں تھوڑا سا کافور ملایا جائے۔ کافور میت کے بدن کو تقویت پہنچاتا ہے اور کیڑے مکوڑوں اور سڑنے سے روکتا ہے۔

یہ تعداد اس صورت میں کافی ہے جب کہ بدن کی صفائی ہو جائے، ورنہ بدن کی صفائی کے لیے جتنی مرتبہ ضرورت ہو اتنی مرتبہ بیری کے پتے یا صابون کا استعمال کیا جائے۔

طاق مرتبہ نہلانا بھی مسنون ہے۔ مثلاً صفائی چوتھی مرتبہ غسل میں حاصل ہو تو پانچویں مرتبہ کا نہلانا مسنون ہے۔

مُحرم کی میت میں تحلل اول (یعنی پہلے دن رمیِ جمار، طوافِ افاضہ اور حلق؛ ان تینوں حج کے ارکان کی تکمیل کے بعد تحلل اول ہو جاتا ہے، اس کے بعد اپنی بیوی سے جماع کے علاوہ احرام کے سبھی محرمات مثلاً سلے ہوئے کپڑے پہننا اور خوشبو کا استعمال وغیرہ حلال ہو جاتا ہے) تک کافور ملانا حرام ہے۔ کافور کی قلیل مقدار کی قید اس لیے ہے کہ پانی متغیر نہ ہو جائے۔

آمیزش کے لحاظ سے چیزوں کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ جو پانی میں گھل مل جائے جس کو مخالط کہتے ہیں اور دوسری وہ جو پانی میں گھل مل نہ جائے بلکہ اصلی حالت میں قائم رہے جس کو مجاور کہتے ہیں۔ قلیل مقدار کی قید صرف مخالط کے لیے ہے، نہ کہ مجاور کے لیے۔

بال دھوئے جائیں

وضو کے بعد پہلے میت کا سر اور داڑھی بیری کے پتے یا صابون وغیرہ سے دھوئے۔ اگر بالوں میں پیچ پڑا ہو تو کھلے دندانوں والے کنگھے کے ذریعہ سہولت کے ساتھ پیچ کھولے اور کنگھا کرے اور اس طرح جو بال نکلیں ان کو کفن میں رکھ دینا یا قبر میں دفن کرنا مندوب ہے۔ انسان کے بدن کا کوئی عضو علحدہ ہو جائے اور اس کے بعد ہی موت واقع ہو تو اس عضو کے ساتھ بھی یہی عمل ہوگا۔

ترتیب

میت کو چت لٹا کر پہلے بدن کے داہنے حصہ کو اور پھر بائیں حصہ کو اسی طرح دھوئے۔ اس کے بعد صابون وغیرہ کا اثر دور کرنے کے لیے سر سے پاؤں تک دھوئے۔ اس غسل کو ''مزیلہ'' کہتے ہیں۔ اس کے بعد خالص پانی سے جس میں تھوڑا سا کافور ملا ہوا ہو سر سے پاؤں تک دھوئے۔ یہ تینوں ملا کر ایک مرتبہ کا غسل ہوگا۔ اس لیے کہ آخری خالص پانی کا غسل غسل میں شمار ہوتا ہے۔

اسی طرح دوسرے اور تیسرے مرتبہ کا غسل مسنون ہے۔ تین کو تین سے ضرب دینے سے جملہ تعداد نو ہو جاتی ہے جس میں خالص پانی کے غسل کی تعداد تین ہی رہ جاتی ہے جو شمار کے لائق ہے۔

غسل میں میت کو اوندھی لٹانا حرام ہے۔

پورے بدن کو دھویا جائے

بدن کے دھونے میں عورت کی شرمگاہ کا وہ حصہ بھی داخل ہے جو ثیبہ عورت کے رفع حاجت کے لیے بیٹھنے کے وقت ظاہر ہوتا ہے۔ غیر ختنہ شدہ مرد کے ختنہ کے چمڑے کا حصہ بھی داخل ہے، اس حصہ کو بھی دھونا چاہیے۔ اگر یہ حصہ نہ دھویا جا سکے اور اندرونی نجاست باقی رہ جائے تو اس کے لیے بقول ابن حجر تیمّم کرایا جائے تا کہ اس میت پر نماز جنازہ پڑھی

جاسکے، ورنہ بقول رملی نجاست باقی رہنے کی وجہ سے نہ تیمّم کرایا جاسکتا ہے، نہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ابن حجر کے قول کی تقلید اس لیے مناسب ہے کہ نماز پڑھانے سے میت کی بے حرمتی نہیں ہوتی۔یہ حکم قطعی ہے کہ موت کے بعد ختنہ کرنا حرام ہے۔

پانچ مرتبہ نہلانے میں پہلی مرتبہ ہی بیری کے پتے اور دوسری مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور بقیہ تین مرتبہ خالص پانی سے یا تیسری مرتبہ بیری کے پتے سے اور چوتھی مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور پانچویں مرتبہ خالص پانی سے نہلائے۔

سات مرتبہ نہلانے میں پہلی مرتبہ بیری کے پتے سے اور دوسری مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور تیسری مرتبہ بیری سے اور چوتھی مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور بقیہ تین مرتبہ خالص پانی سے یا تیسری مرتبہ خالص پانی سے اور چوتھی اور پانچویں مرتبہ بیری سے اور چھٹی مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور ساتویں مرتبہ خالص پانی سے یا پہلی مرتبہ بیری سے اور دوسری مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور تیسری مرتبہ بیری سے اور چوتھی مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور پانچویں مرتبہ بیری سے اور چھٹی مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور ساتویں مرتبہ خالص پانی سے نہلائے۔

نو مرتبہ کے نہلانے میں پہلی مرتبہ بیری سے اور دوسری مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور تیسری مرتبہ خالص پانی سے، چوتھی مرتبہ بیری اور پانچویں مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور چھٹی مرتبہ خالص پانی سے، ساتویں مرتبہ بیری سے، آٹھویں مرتبہ اس کو دور کرنے کے لیے اور نویں مرتبہ خالص پانی سے نہلائے۔

خالص پانی میں ہمیشہ تھوڑا کافور شامل کیا جائے اور خالص پانی سے ہمیشہ مزیلہ کے بعد نہلائے، بلکہ سب سے آخر میں بھی خالص پانی سے نہلائے۔

خلاصہ: اقل غسل ایک مرتبہ میت کے پورے بدن کو دھونا ہے۔ادنی کمال تین مرتبہ، اوسط پانچ یا سات مرتبہ اور اکمل نو مرتبہ نہلانا ہے۔

استثناء: شہید اور سقط (ضائع حمل) کو غسل نہ دیا جائے اور نہ ان پر نماز پڑھی جائے۔

شہید کے احکام

شہید: شہادت سے مشتق ہے جس کے معنی گواہی دینے کے ہیں اور چوں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کے لیے جنت کی گواہی دی ہے۔اس اعتبار سے شہید بمعنی ''مشہود لہ'' ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کی روح نے دوسروں سے قبل جنت کو دیکھا اور اس اعتبار سے شہید بمعنی شاہد ہے۔

شہید وہ شخص ہے جو کافروں کی لڑائی میں،لڑائی کی حالت میں،لڑائی کے سبب سے فوت ہوا ہو۔اس کو کسی کافر نے قتل کیا ہو یا کسی مسلم نے غلطی سے قتل کیا ہو یا اسی کا ہتھیار پلٹ کر لگا ہو یا سواری سے گر کر فوت ہو یا اسی طرح اور کوئی صورت ہو۔

کافروں کی لڑائی میں کافروں نے کسی مسلم سے مدد لی ہو اور اس مسلم کے ہاتھ سے کوئی مسلم مارا جائے تو وہ بھی شہید ہے۔کفار کی لڑائی کی قید ہے،قاتل کون تھا اس کی قید نہیں ہے۔لڑائی کی نسبت یہ شرط ہے کہ فرض کفایہ ہو یا مباح ہو۔ایسے کافر ذمی سے لڑائی جس نے عہد شکنی نہیں کی حرام ہے۔باغیوں کے ساتھ لڑائی میں فوت ہو تو شہید نہیں ہے۔مگر باغیوں نے کسی کافر سے مدد لی ہو اور اس کافر کے ہاتھ سے قتل ہو تو شہید ہے۔

اگر لڑائی ختم ہونے کے بعد ایسے زخم سے فوت ہو جو لڑائی میں پہنچا ہے اور زخمی میں حیاتِ مستقرہ باقی رہی ہو تو اظہر قول یہ ہے کہ وہ شہید نہیں ہے۔اگر لڑائی میں ایسا زخم پہنچا ہو کہ زخمی میں صرف حرکتِ مذبوح (یعنی جانور کو ذبح کرنے کے بعد جو حرکت رہتی ہے) باقی رہی ہو اور لڑائی کے بعد فوت ہو جائے تو شہید کے حکم میں داخل ہے۔

کافروں کی لڑائی میں بغیر لڑائی کے سبب؛ مرض وغیرہ کے سبب سے فوت ہو تو شہید نہیں ہے۔حیات مستقرہ اور حرکت مذبوح کی تعریف ذبیحہ کے ضمن میں بیان کی گئی ہے۔

حکم: شہید کا غسل اور اس پر نماز حرام ہے مگر تکفین وتدفین واجب ہے۔شہید کے بدن پر شہادت کا اثر قائم رکھنے کے لیے غسل کو حرام قرار دیا گیا۔شہید کو یہ عظمت اس لیے دی گئی ہے کہ شہادت کی ترغیب ہو۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''إِنَّ رَائِحَتَهُ

يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَكُوْنُ كَرَائِحَةِ الْمِسْكِ ''۔(بخاری ۲۳۵،اور مسلم ۱۸۷۶ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''والذی نفس محمد بیده؛ ما من كلم يكلم في سبيل الله إلا جاء كهيئته حين كلم: اللون كلون الدم والريح ريح المسك ''۔) بے شک اس کی بو قیامت کے دن مشک کی خوشبو کے مانند ہوگی۔

امام بخاری نے جابر سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہیدوں کو ان کے زخموں کے خون کے ساتھ دفن کرنے، غسل نہ دینے اور ان پر نماز نہ پڑھنے کا حکم دیا تھا۔(بخاری:۱۲۷۸)

شہید کے فضائل

حدیث سے شہید کی یہ عزتیں اور شرافتیں ثابت ہیں:
۔پہلے خون کے قطرے پر اس کی بخشش ہوتی ہے
۔شہید ابھی موت کی حالت میں ہوتا ہے اور جنت میں اس کا مقام معین ہوتا ہے
۔شہید ایمان کے زیور سے آراستہ اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہتا ہے
۔فزع اکبر (قیامت) سے بھی محفوظ رہتا ہے
۔اس کے ستّر اہل واقارب کے بارے میں اس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے
۔حیات طیبہ پاتا ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ''(آل عمران:۱۶۹) ان لوگوں کو جو اللہ تعالی کے راستہ میں مارے گئے مردہ مت سمجھو بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں اور روزی پاتے ہیں۔

موت سے قبل شہید جنابت یا حیض ونفاس کی حالت میں ہو تو بھی غسل دینا حرام ہے۔البتہ کوئی بیرونی نجاست لگی ہو تو اس کا زائل کرنا واجب ہے۔

شہید کی تکفین اور تدفین واجب ہے۔اولی یہ ہے کہ خون آلودہ کپڑوں میں ہی تکفین کی جائے۔اگر وہ کافی نہیں ہیں تو اس قدر کپڑے سے تکمیل کی جائے جس سے پورا بدن

چھپ جائے۔ وہی خون آلود لباس باقی رکھا جائے جو عام طور پر پہننے کا لباس ہے۔ جنگی سازوسامان؛ خود، زرہ بکتر، جوتے وغیرہ کو نکال دینا مندوب ہے۔

شہداء کی قسمیں

شہداء کی تین قسمیں ہیں:

۱۔**شهيد الدنيا و الآخرة**: وہ شہید جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے لڑائی کی ہو۔

۲۔ **شهيد الدنيا**: وہ شخص جس نے اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے نہیں بلکہ مال غنیمت وغیرہ کے لیے لڑائی کی ہو۔

ان دونوں قسم کے شہیدوں کی میت کو غسل نہیں دیا جاتا اور ان کی میت پر نماز نہیں پڑھی جاتی۔

۳۔ **شهيد الآخرة**: وہ شہید ہے جس کے لیے صرف آخرت میں رتبہ کی زیادتی ہے اور دنیا میں وہ غیر شہید کے مانند ہے، اس کی میت کو غسل دیا جائے اور اس پر نماز پڑھی جائے۔

ابوشجاع نے مشرکین کی لڑائی کی قید عائد کر کے اس قسم کو نکال دیا ہے۔

ان کی بہت سی قسمیں ہیں:

۱۔عورت جو وضع حمل میں فوت ہو۔

۲۔وہ شخص جس کی موت غرق ہو جانے کی وجہ سے ہو۔

۳۔وہ شخص جو کسی عمارت وغیرہ کے گرنے سے دب کر فوت ہو جائے۔

۴۔وہ شخص جو جلنے سے فوت ہو جائے۔

۵۔وہ شخص جو غربت اور تنہائی میں فوت ہو۔

۶۔وہ شخص جو حصول علم میں فوت ہو جائے۔

۷۔ وہ شخص جو عشق میں فوت ہو جائے، بشرطیکہ عفت قائم رکھے اور خلوت میں شریعت کے حدود سے تجاوز نہ کیا ہو۔ معشوق سے بھی اپنے عشق کو پوشیدہ رکھے۔ شرعی اباحت کا امکان ہو مگر حصول مقصد دشوار ہو۔

ضائع حمل کے احکام

سقط: سقوط سے مشتق ہے جس کے معنی گرنے اور زائل ہونے کے ہیں۔ سقط بمعنی ساقط اس چیز کو کہتے ہیں جو گر جائے۔ اور شرع میں اس حمل کو کہتے ہیں جو پوری مدت سے پہلے وضع ہو۔

سقط کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ مولود جس میں ولادت کے بعد زندگی کی علامتیں پائی جائیں جیسا کہ حرکت، تنفس اور نبض۔ ولادت کے بعد مولود کا رونا لازم نہیں ہے۔ اس مولود کے لیے چاروں امور؛ غسل، کفن، نماز اور دفن واجب ہیں۔

۲۔ وہ مولود جس میں ولادت کے بعد زندگی کی علامتیں نہ پائی جائیں لیکن خلقت پائی جائے، یعنی اعضاء کی تخلیق ہو چکی ہو، اس قسم کے مولود کے لیے تین امور؛ غسل، کفن اور دفن واجب ہیں۔ نماز واجب نہیں ہے۔

۳۔ وہ مولود جس میں خلقت بھی ظاہر نہ ہو، اس کے لیے کوئی چیز واجب نہیں ہے۔ بلکہ اس پر نماز حرام ہے۔ سنت یہ ہے کہ اس کو کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔

سقط کے لیے رملی نے یہ قید عائد کی ہے کہ چھ مہینوں کی مدت کے اندر حمل وضع ہوا ہو۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ولادت کے بعد مولود رویا نہ ہو۔ بہر حال ابوشجاع کے متن کے لحاظ سے غسل اور نماز سے مستثنیٰ وہ مولود ہے جس میں خلقت ظاہر نہیں ہوئی ہو۔

کفن

تین سفید لفافوں کا کفن واجب ہے اور مرد کے لیے افضل یہی ہے۔ عورت کے لیے ازار پھر اوڑھنی پھر قمیص اور پھر دو لفافے افضل ہیں۔ میت کی طہارت اور غسل یا تیمّم کے بعد کفن پہنایا جائے۔

کفن کا کپڑا

سنت ہے کہ کفن کا کپڑا نیا نہ ہو۔ دھویا ہوا سفید ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:
''اِلْبَسُوْا مِنْ ثِيَابِكُمُ الْبَيَاضَ فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ'' (ترمذی: ۹۹۴) سفید لباس پہنو، اس لیے کہ وہ تمہارا بہترین لباس ہے اور اسی میں اپنے مرے ہوئے لوگوں کی تکفین کرو۔

ایسے کپڑے میں میت کی تکفین کرنی چاہیے جس کا استعمال اس کی زندگی میں حلال اور جائز تھا۔ اس کے علاوہ دوسرے کپڑے میں کفن کرنا مکروہ ہے۔ عورت کو ریشمی اور رنگین کپڑے میں کفن کرنا جائز ہے، مگر کراہت کے ساتھ۔

کفن میں مبالغہ اور ضرورت سے زیادہ صرف کرنا مکروہ ہے: **''لَا تُغَالُوْا فِی الْكَفَنِ فَإِنَّهُ يَسْلُبُهُ سَرِيْعًا''** (ابوداود نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب کراهة المغالاة فی الكفن: ۳۱۵۶) کفن میں غلومت کرو۔ بے شک وہ بہت جلد چھینا جاتا ہے یعنی بوسیدہ ہو جاتا ہے۔

کفن کی مقدار

مرد، عورت، بالغ و نابالغ ان سب کی میت کے لیے تین لفافوں کا کفن واجب ہے اور تینوں لفافے ہی ہوں گے۔ ہر ایک لفافے کی مقدار اتنی ہونی چاہیے کہ میت کے پورے بدن کو ڈھانپ سکے۔ مرد کے لیے ان ہی تین لفافوں کا کفن واجب ہے اور افضل بھی یہی ہے۔ اس مقدار پر اضافہ کرنے میں کراہت نہیں، اولویت کے خلاف ہے۔

اضافہ کرنے میں افضل صورت یہ ہے کہ تین لفافوں میں سے ایک لفافہ کم کر کے ازار، قمیص اور عمامہ کا اضافہ کیا جائے، جملہ پانچ کپڑے ہو جائیں گے، مگر افضل وہی تین لفافے مرد کے لیے ہیں۔

میت احرام کی حالت میں ہو تو قمیص اور عمامہ کا اضافہ نہ کیا جائے۔

عورت کے لیے تین لفافوں کا کفن واجب ہے، مگر افضل پانچ کپڑوں کا کفن ہے؛ ازار، پھر اوڑھنی پھر قمیص اور دو لفافے۔

ازار: اس کپڑے کو کہتے ہیں جو کمر پر باندھا جائے اور ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کو ڈھانپے۔

اوڑھنی: وہ کپڑا ہے جو عورت کے سر کے بالوں کو ڈھانپے۔ میت کے مال سے کفن کیا جائے تو مرد کے لیے واجب اور افضل تین لفافے اور عورت کے لیے واجب تین لفافے اور افضل پانچ کپڑے ہیں۔

لیکن میت کے مال سے تکفین نہ ہو بلکہ اس شخص کے مال سے جس کے ذمہ اس کا نفقہ تھا، یا بیت المال سے تکفین کی جائے یا موقوفہ جائداد سے یا مالدار مسلمانوں کے صرفہ سے تو ایک کپڑے کا کفن واجب ہے جو پورے بدن کو ڈھانپے۔

کفن میت کے مال سے ہو اور میت پر قرض کا بار ہو تو کفن ایک کپڑے کا واجب ہے، اگر چہ کہ قرض خواہ صرف سترِ عورت کے کفن پر اصرار کرے۔ قرض خواہ کی رضامندی سے تین کپڑوں کا کفن ہو سکتا ہے۔

اصول یہ ہے کہ سترِ عورت کا کفن خالص اللہ کا حق ہے اور ستر عورت سے بڑھ کر اور پورے بدن کا کفن میت کا حق ہے اور اس میں حق اللہ کا بھی شائبہ ہے اور دوسرے اور تیسرے کپڑے کا کفن خالص میت کا حق ہے۔

خوشبو: میت پر اور کفن میں کافور، عطر، صندل اور عبیر جیسی خوشبو کی چیزوں کا استعمال کرنا مسنون ہے، بشرطیکہ میت مُحرم کی نہ ہو۔ چوتڑوں کے درمیان اور شرمگاہوں پر روئی رکھ کر اس پر خوشبو کی اشیاء ڈالی جائیں اور دونوں چوتڑوں کے اطراف کپڑے سے باندھ دیا جائے۔

بدن کے منافذ: آنکھوں، نکپڑوں اور کانوں میں روئی رکھ کر اس پر خوشبو ڈالی جائے، سجدہ کے مقامات: پیشانی، ہتھیلیوں اور انگلیوں کے درمیان، کہنیوں اور گھٹنوں اور پاؤں کے تلووں اور انگلیوں میں روئی رکھ کر ان پر خوشبو ڈالی جائے۔

تکفین کا طریقہ

مسنون ہے کہ سب سے بہتر کپڑے کے لفافہ کو پہلے نیچے تکفین کی جگہ پر بچھائے اور بقیہ لفافے اس کے اوپر بچھائے اور ان سب کے اوپر میت کو چت لٹائے، دونوں ہاتھ سینے پر، دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھے یا دونوں ہاتھ بازو پر چھوڑ دے اور مذکورہ طریقہ کے مطابق روئی رکھے اور خوشبو لگائے۔

مرد کو پہلے ازار اور پھر قمیص پہنائے اور عمامہ باندھے پھر دونوں لفافے لپیٹے اور عورت کو پہلے ازار پھر قمیص پھر اوڑھنی اور پھر دونوں لفافے لپیٹے۔ لفافہ کا بایاں حصہ پہلے لپیٹے اور پھر داہنا حصہ اس کے اوپر سے لپیٹے اور اسی طرح دوسرا لفافہ لپیٹے۔

کپڑے کی لمبی چیری لے کر میت کے سر کے اوپر، کمر پر اور پاؤں کے نیچے باندھے تا کہ میت کے لے جانے کے وقت میت کے بدن میں انتشار نہ ہو اور بدن پھیلے نہیں۔ مُحرم کی میت کو اس طرح نہ باندھے، عورت کا چہرہ اور مرد کا سر کھلا رکھے۔

قبر میں میت کو لٹانے کے بعد کپڑے کے بندھن کھول دیں، البتہ کمر کی بندش باقی رکھیں۔

کفن پر قرآنی آیتیں یا اللہ کا نام لکھنا حرام ہے تا کہ میت کے سڑنے گلنے کی وجہ سے متبرک الفاظ کی بے حرمتی نہ ہو۔

نماز جنازہ

جنازہ کی نماز مدینہ طیبہ میں ہجرت کے پہلے سال مشروع کی گئی۔ حضرت خدیجہ اور سکوان جو سودہ ام المومنین کے چچازاد بھائی اور پہلے شوہر تھے، ان دونوں کا انتقال ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا، مگر ان پر نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔ ہجرت کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ پہنچے تو براء بن معرور کا انتقال ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ ان کی قبر پر پہنچے اور نماز جنازہ پڑھی۔ (أوائل المدینۃ المنورۃ: موسوعۃ المدینۃ المنورۃ) اسلام میں یہی پہلی نماز ہے جو مدینہ طیبہ میں پڑھی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تیس ہزار

مسلمانوں اور ساٹھ ہزار فرشتوں نے نماز جنازہ پڑھی تھی، مگر خلیفہ نہ ہونے کی وجہ سے سبھوں نے یہ نماز انفرادی پڑھی۔

نماز جنازہ صحیح ہونے کی شرطیں

جنازہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو عام نمازوں کی صحت کے لیے ہیں، البتہ ان کے علاوہ بھی بعض شرطیں ہیں:

میت پاک ہو: نماز سے پہلے میت کا غسل واجب ہے۔ اگر غسل نہ کرایا جا سکے تو تیمّم کرائے۔ اگر میت ختنہ نہ کی ہوئی ہو اور حشفہ کی نجاست نہ دور کی جا سکے تو بقول رملی اس پر نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ ابن حجر کا قول ہے کہ غسل کے بعد اس کو تیمّم بھی کرایا جائے اور نماز پڑھی جائے۔ اس قول کو ماننے میں یہ فائدہ ہے کہ میت کی حرمت باقی رہتی ہے۔

تکفین کے بعد میت پر نماز پڑھنا مندوب ہے۔

تدفین سے پہلے نماز جنازہ پڑھنا واجب ہے۔ بغیر نماز کے میت دفن کی گئی ہو تو اس کو نکالنا نہیں چاہیے، بلکہ قبر کے پاس نماز پڑھی جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براء بن معرور کی قبر پر پڑھی تھی۔

مسجد میں نماز پڑھنا مسنون ہے، تین یا زیادہ طاق صفیں بنائی جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَمُوْتُ فَيُصَلِّيْ عَلَيْهِ ثَلَاثَةُ صُفُوْفٍ إِلَّا غُفِرَ لَهُ**'' (مسند احمد میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس سے ملتی جلتی روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ما من عبد مسلم يموت يشهد له ثلاثة أبيات من جيرانه إلا قال الله عزوجل: ''قد قبلت شهادة عبادي على ما علموا وغفرت له ما أعلم''۔ ۸۹۷۷) کوئی مسلم بندہ فوت ہو جائے اور اس پر تین صفیں نماز پڑھیں تو اس کا بخشا جانا ضروری ہے۔

شافعیہ اور حنبلیہ میں اندرونِ مسجد نماز جنازہ جائز ہے اور حنفیہ اور مالکیہ میں کراہت ہے، اس لیے کہ میت کی نجاست سے مسجد گندی ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اگر میت سے نجاست جاری ہو تو چاروں امام متفق ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھنا مکروہِ تحریمی ہے۔

نمازِ غائبانہ

غائب پر بھی نماز جنازہ پڑھی جائے گی ۔کسی شخص کی موت کی اطلاع دوسرے شہروں میں پہنچے تو نماز جمعہ کے بعد یا کسی اور مجمع میں نماز پڑھ سکتے ہیں ۔ایک ہی شہر کے ایک علاقہ میں کسی کی موت ہوتو اس کی دوسری جانب بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے، بلکہ بلحاظِ سہولت ایک شہر کی متعدد مسجدوں میں بھی نماز جنازہ ہوسکتی ہے۔

میت کا کوئی عضو ملے

اگر میت کے بدن کا کچھ حصہ ملے تو اس کو غسل دینے اور ستر کرنے کے بعد اس پر نماز پڑھے اور حاضر کی میت کی طرح دفن کرے۔ یہ دراصل غائب پر نماز متصور ہوگی۔

جماعت : نماز جنازہ انفراداً اور باجماعت؛ دونوں طرح پڑھی جاسکتی ہے اور یہی سلسلہ قبر پر بھی جاری رہ سکتا ہے۔قبر پر بھی نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، مگر واجب یہ ہے کہ دفن کرنے سے پہلے نماز پڑھی جائے ۔دفن کے بعد جو لوگ حاضر ہوں تین دن تک نماز پڑھ سکتے ہیں۔انبیاء کی قبر پر نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ أَنْبِیَائِھِمْ مَسَاجِدَ** ''(بخاری: باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور ۱۳۳۰۔ مسلم: باب النھی عن بناء المساجد علی القبور ۱۲۱۲۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) یہود اور نصاری پر خدا کی پھٹکار ہو کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنائیں۔

امامت :میت کی نماز کے لیے باپ اولی ہے۔باپ کے بعد دادا اور اسی طرح اوپر تک، اصول کے بعد فروع کا درجہ ہے؛ بیٹا اور پھر پوتا اور اسی طرح نیچے تک ۔پھر باقی عصبہ میراث کی ترتیب سے اور ان کے بعد ذوی الارحام؛ نانا، ماموں، خالو پھر ماں کے چچا کا درجہ ہے۔

اگر ولی کسی اجنبی کو امام مقرر کرے تو جائز ہے۔

خطیب شربینی نے الاقناع میں لکھا ہے: ''**ویندب أن یقف غیر المأموم من إمام ومنفرد عند رأس ذکور وعجز غیرہ من أنثی للإتباع** ''۔امام اور منفرد

نماز میں مرد کی میت کے سر کے مقابلہ میں اور عورت کی میت کی کمر کے مقابلہ میں کھڑا رہے۔

شیخ سلیمان بجیرمی نے ''تحفۃ الحبیب حاشیۃ الاقناع'' میں یہ بھی صراحت کی ہے:

''وتوضع رأس الذكر لجهة يسار الإمام ويكون غالبه لجهة يمينه خلاف ما عليه عمل الناس الآن ۔ أما الانثى فيقف الإمام عند عجيزها ويكون رأسها لجهة يمينها على ما عليه الناس الآن وحكمة المخالفة المبالغة فى ستر غير الذكر كما قاله فى شرح المنهاج ''۔مرد کی میت کا سر امام کی بائیں جانب اور میت کے بدن کا اکثر حصہ امام کی داہنی جانب رہے۔ عورت کی میت کی نسبت صراحت ہے کہ امام عورت کی میت کی کمر کے پاس کھڑا رہے اور میت کا سر امام کی داہنی جانب رہے۔

نووی نے منہاج میں لکھا ہے: ''ويقف عند رأس الرجل وعجزها ''رملی نے اس کی شرح ''نهاية المحتاج'' میں کچھ نہیں کہا ہے، لیکن زرکشی نے ''نهاية المحتاج'' کے حاشیہ میں یہ اضافہ کیا ہے: '' جهة اليمين أشرف وقضية هذه العلة أن يكون أفضل فى الرجل الذكر جعله يمين المصلى فيقف عند رأسه ويكون غالبه على يمينه وهو خلاف عمل الناس، نعم المرأة السنة أن يقف عند عجيزتها فينبغى أن تكون جهة رأسها فى جهة يمينه وهو الموافق لعمل الناس۔

بقول بجیرمی اور زرکشی عورت اور مرد کی میتوں کی نماز میں صرف امام کے کھڑے رہنے کے مقام میں فرق نہیں ہے، بلکہ ان دونوں میتوں کا جنازہ رکھنے میں بھی فرق ہے۔ مرد کی میت کا سرہانا امام کی بائیں جانب اور پائیں امام کی داہنی جانب اور عورت کی میت کا سرہانا داہنی جانب اور پائیں بائیں جانب ہوگا، منفرد بھی اسی طرح کھڑا ہوگا۔

صفوف: جنازہ کی نماز میں کم سے کم تین صفیں بنائی جائیں اور مصلی کی تعداد زیادہ ہو تو طاق صفیں بنانا مسنون ہے، چھ افراد کی تعداد میں تین صفیں اس طرح ہوں گی کہ امام کے ساتھ ایک شخص کھڑا ہوگا اور پھر ذرا پیچھے دو اور ان کے ذرا پیچھے دو کھڑے ہوں گے اور چوں کہ نماز جنازہ میں صفوف کی تعداد کی قید ہے اس لیے جملہ صفوف کا درجہ فضیلت میں

مساوی ہوگا۔ مسبوق جو نماز کے آغاز کے بعد جماعت میں شریک ہو اس کو اختیار ہوگا کہ جس صف میں چاہے شریک ہو جائے۔

جمع: متعدد جنازوں پر اولیا کی رضامندی سے ایک نماز پڑھی جا سکتی ہے، اس لیے کہ نماز سے حقیقت میں دعا مطلوب ہے، ممکن ہو تو ہر ایک جنازہ کے لیے علیحدہ نماز پڑھنا اولیٰ ہے۔ امام کے قریب وہ جنازہ ہوگا جو پہلے آیا، اگرچہ کہ بعد میں آیا ہوا جنازہ ذاتی طور پر کوئی فضیلت رکھتا ہو۔ البتہ مرد کے جنازہ کو عورت کے جنازہ پر مقدم کیا جائے گا۔

نماز جنازہ میں رکوع وسجود

رکوع اور سجود نماز جنازہ میں اس لیے نہیں ہیں کہ نماز جنازہ میں میت مصلیوں کے آگے قبلہ کے رخ میں ہوتی ہے۔ رکوع اور سجود میں جاہلوں کو دھوکا ہو سکتا تھا کہ عیاذاً باللہ میت کو رکوع اور سجدہ کیا گیا۔ اس لیے اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے رکوع اور سجود سے منع کیا گیا۔

ممیّز لڑکے کی طرف سے فرض کفایہ کی تکمیل

ممیّز لڑکے کے نماز پڑھنے سے فرض کفایہ ساقط ہو جاتا ہے، اس لیے کہ حقیقت میں نماز سے میت کے لیے دعا مقصود ہے۔ اور ممیّز لڑکا دعا کی اجابت کے زیادہ قریب ہے۔

چار قسم کے فرض کفایہ ہیں جو ممیّز لڑکے کی جانب سے تکمیل نہیں پا سکتے ہیں:

۱۔ سلام کا جواب

۲۔ جماعت کی تکمیل

۳،۴۔ حج یا عمرہ کے ذریعہ کعبہ مکرمہ کا احیاء یعنی آباد رکھنا

دوسرے فرائض کفایہ؛ نماز جنازہ، جہاد، امر بالمعروف وغیرہ بالغ مردوں کی موجودگی کے باوجود ممیّز لڑکے کے کرنے سے بھی تکمیل پاتے ہیں۔ مرد یا لڑکے کی موجودگی میں عورتوں کے نمازِ جنازہ پڑھنے سے فرضِ کفایہ پر عمل نہیں ہوتا، اس لیے کہ عورت سے مرد نماز کے لیے اکمل ہے۔ البتہ مرد کی عدم موجودگی میں عورتوں سے اس فرض کی تکمیل ہو سکتی ہے۔

تقدیم میت

میت کی موجودگی میں نماز کے دوران مصلی میت سے آگے نہ رہے۔قبر کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

مسلم: مسلم کی میت پر نماز پڑھے۔اگر مسلم کی میت کافر کی میت کے ساتھ ملی ہوئی ہوتو سب پر نماز پڑھی جائے گی اور کہا جائے گا: ''**اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُسْلِمِ مِنْھُمَا**'' یا اللہ! ان دونوں میں سے جو مسلم ہو بخش دے۔

بلحاظ ضرورت نیت میں تردد معاف ہے، لیکن پہلی صورت افضل ہے۔

نماز جنازہ کے ارکان

نماز جنازہ کے سات ارکان ہیں: نیت، قیام، چار تکبیرات، بشمول تکبیر تحریمہ۔ سورہ فاتحہ کی تلاوت، درود، دعا اور سلام۔

۱۔نیت: نماز جنازہ کا ارادہ اور نماز فرض ہونے کا تعین کرنا واجب ہے۔ مطلق فرضیت کی نیت کافی ہے۔فرضِ کفایہ کے اظہار کی ضرورت نہیں: ''**نَوَیْتُ الصَّلَاۃَ عَلٰی ھٰذَا الْمَیِّتِ فَرْضًا أَوْ عَلٰی مَنْ صَلّٰی عَلَیْہِ الْإِمَامُ أَوْ عَلٰی مَنْ حَضَرَ مِنْ أَمْوَاتِ الْمُسْلِمِیْنَ مُسْتَقْبِلاً إِلَی الْکَعْبَۃِ لِلّٰہِ تَعَالٰی**''۔

نام کے ساتھ تعین کرتے ہوئے میت کی طرف اشارہ کرے اور نام میں غلطی ہو تو مضائقہ نہیں۔تکبیر اولی یعنی تکبیر تحریمہ کے ساتھ ساتھ نیت رہنا واجب ہے۔امام کے لیے امامت کی نیت واجب نہیں ہے، مگر امامت کی نیت کرنے میں امام کو جماعت کا ثواب بھی ملے گا، ورنہ نہیں۔مقتدی کے لیے اقتداء کی نیت ضروری ہے۔

۲۔قیام: کھڑے رہنے کی قدرت ہو تو واجب ہے۔قیام نہ کر سکے تو بیٹھ کر اور بیٹھ نہ سکے تو کروٹ لیٹ کر یا چت نماز پڑھے۔

۳۔تکبیرات: تکبیر تحریمہ کو ملا کر چار تکبیرات واجب ہیں۔ ہر تکبیر کے ساتھ رفع

یدین کرنا اور ہاتھ سینہ کے نیچے باندھنا مسنون ہے۔ چاروں تکبیر ایک رکن شمار کی جاتی ہیں، نماز جنازہ میں سجود سہو نہیں ہیں۔

٤۔قراءت: سورہ فاتحہ پہلی تکبیر کے بعد واجب ہے۔نماز دن میں پڑھے یا رات میں، امام ہو یا منفرد، قراءت آہستہ آواز سے پڑھے۔

امام صرف تکبیروں اور سلام کو جہر سے بولے۔منفرد اور امام تکبیروں اور سلام کو بھی آہستہ سے بولے۔تسمیہ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تو سورۃ الفاتحہ کا جزء ہے۔تسمیہ سے پہلے تعوذ یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا اور سورہ فاتحہ کے ختم پر تامین یعنی آمین کہنا مسنون ہے۔

نماز جنازہ میں تخفیف مطلوب ہے۔اس لیے دعائے افتتاح اور دوسرے سورہ کی قراءت مسنون نہیں ہے۔

قبر پر یا غائب پر بھی اسی طرح نماز پڑھے۔

موافق وہ شخص ہے جو تکبیر احرام کے ساتھ امام کے ساتھ شریک ہو اور جو شخص اس کے بعد شریک ہو مسبوق کہلاتا ہے۔مسبوق اپنی تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے، اگرچہ کہ امام آگے بڑھ گیا ہو۔مسبوق پر امام کی نماز کے نظم کی پابندی نہیں ہے۔امام کے سلام کے بعد مسبوق پر واجب ہے کہ واجب امور کی تکمیل کرے اور مندوب ہے کہ مندوب امور کی تکمیل کرے۔سورہ فاتحہ پہلی تکبیر کے بعد ہی پڑھنا واجب نہیں ہے بلکہ دوسری تکبیروں کے بعد درود یا دعاء کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

٥۔درود: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری تکبیر کے بعد درود پڑھنا واجب ہے، اس کے بعد آل رسول پر درود بھیجنا مسنون ہے، اقل درود ''**اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ**'' ہے۔ اکمل درود وہ ہے جو تشہد آخر میں پڑھا جاتا ہے:''**اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی إِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی آلِ إِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ إِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ**''۔

درود میں سلام مسنون نہیں ہے، البتہ درود سے پہلے حمد بھیجنا مسنون ہے۔اسی طرح
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ ۔الخ۔درود دوسری ہی تکبیر کے
بعد پڑھے، نہ کہ تیسری یا چوتھی تکبیر کے بعد۔

دعــا : میت کے لیے تیسری تکبیر کے بعد دعا کرنا واجب ہے۔رسول اللہ ﷺ کا
فرمان ہے: ''**إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوْا لَهُ الدُّعَاءَ**''۔(ابوداود: باب الدعاء للمیت ۳۲۰۱۔ابن ماجہ: کتاب الجنائز ۱۴۹۷۔ابن حبان: ۳۰۷۶۔یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)
جب تم میت پر نماز پڑھو تو اس کے لیے خلوص کے ساتھ دعا کرو۔

اقل دعا: **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ** (مرد کے لیے اور **لھا** مونث کے لیے)

ادنی کمال یہ دعا ہے۔ **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا ۔ اَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ** ۔ (ترمذی ۱۰۲۴۔ابوداود: ۳۲۰۱) **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ (لَهَا) وَارْحَمْهُ (ها)**

اے اللہ! ہمارے زندہ اور ہمارے مردہ، ہمارے حاضر اور ہمارے غائب، ہمارے چھوٹے اور ہمارے بڑے، ہمارے مرد اور ہماری عورت کو بخش دے۔یا اللہ! ہم میں سے جس کو زندہ رکھے، اس کو اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جس کو وفات دے اس کو ایمان پر وفات دے۔یا اللہ! اس کو بخش دے اور اس پر رحم کر۔

اکمل دعا یہ ہے: **اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا** سے **فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ** تک پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدَيْكَ، خَرَجَ مِنْ رُوْحِ الدُّنْيَا وَسَعَتِهَا وَمَحْبُوْبِهِ وَأَحِبَّاءِهِ فِيْهَا إِلٰى ظُلْمَةِ الْقَبْرِ وَمَا هُوَ لَاقِيْهِ۔ كَانَ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ وَأَنْتَ أَعْلَمُ بِهِ مِنَّا۔ اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ نَزَلَ بِكَ وَأَنْتَ خَيْرُ مَنْزُوْلٍ بِهِ وَأَصْبَحَ فَقِيْرًا إِلٰى

رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ غَنِيٌّ عَنْ عَذَابِهِ وَقَدْ جِئْنَاكَ رَاغِبِيْنَ إِلَيْكَ شُفَعَاءَ لَهُ، اَللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِيْ إِحْسَانِهِ وَإِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ وَلَقِّهِ بِرَحْمَتِكَ رِضَاكَ وَقِهِ فِتْنَةَ الْقَبْرِ وَعَذَابَهُ وَافْسَحْ لَهُ فِيْ قَبْرِهِ وَجَافِ الْأَرْضَ عَنْ جَنْبَيْهِ وَلَقِّهِ بِرَحْمَتِكَ الْأَمْنَ مِنْ عَذَابِكَ حَتّٰى تَبْعَثَهُ آمِنًا إِلٰى جَنَّتِكَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔

یا اللہ! یہ تیرا بندہ اور دو بندوں کا بیٹا ہے، دنیا کی راحت اور وسعت، اپنی محبوب چیزوں اور دوستوں سے نکل کر قبر کی تاریکی کی طرف گیا ہے۔ اس نے گواہی دی تھی کہ سوائے تیرے کوئی معبود نہیں ہے، تو اکیلا ہے، کوئی تیرا شریک نہیں ہے، بے شک محمد ﷺ تیرے بندے اور تیرے پیغمبر ہیں، تو اس (میت) کو ہم سے بہتر جانتا ہے۔ یا اللہ! وہ بے شک تیرے پاس مہمان آیا ہے اور تو بہتر میزبان ہے، تیری رحمت کا محتاج ہو کر آیا ہے، اور تو اس کے عذاب سے غنی ہے اور ہم تیرے سامنے اس کی شفاعت کے طلبگار ہو کر حاضر ہوئے ہیں۔ یا اللہ! اگر وہ نیک تھا تو اس کی نیکی میں اضافہ کر اور اگر وہ برا تھا تو اس کی برائیوں کو معاف فرما اور بسبب اپنی رحمت کے اپنی رضا اس کو عطا فرما اور اس کو قبر کے فتنہ اور اس کے عذاب سے بچا اور اس کی قبر کو کشادہ کر اور زمین کو دونوں جانب سے اس کے دور کر اور بسبب اپنی رحمت کے اس کو امن سے اپنے عذاب سے بچا یہاں تک کہ تو اس کو امن کے ساتھ تیری جنت کی طرف بھیجے اپنی رحمت کے سبب۔ اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے۔

میت عورت کی ہو تو ابتداء میں ''إِنَّ هٰذِهِ أَمَتُكَ وَ بِنْتُ عَبْدَيْكَ'' اور مذکر کی ضمیر ''ہ'' کے عوض ''**ھا**'' کی ضمیر اور اسی طرح متعدد میتیں ہو تو واحد کے عوض جمع کی ضمیریں ''**ھم**'' استعمال کی جائیں۔

دعا کے دو حصے ہیں؛ پہلا حصہ عام ہے اور دوسرا حصہ خاص ہے جو حاضر میت سے تعلق رکھتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا سے فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيْمَانِ تک عام دعا ہے جو سنت ہے، اور اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ اقل دعا اور اَللّٰهُمَّ إِنَّ هٰذَا عَبْدُكَ سے يَا أَرْحَمَ

الرَّاحِمِیْنَ تک اکمل دعا خاص میت کے لیے ہے اور واجب ہے اور ارکان میں داخل ہے۔
فتنۂ قبر سے اس دعا میں دو امور کی طرف اشارہ ہے۔ قبر کا ملنا اور منکر نکیر کا سوال۔

قبر کا بھینچنا

قبر کے دونوں جانبوں سے مل جانے اور ان کے درمیان میت کے دب جانے کی آزمائش قبر کی سب سے پہلی مصیبت ہے، جو منکر نکیر کے سوالات سے پہلے پیش آتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''اَلْقَبَرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفُرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ '' (ترمذی: باب ۲۴۶۰۔ یہ روایت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) قبر جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

روایات سے ثابت ہے کہ اس مصیبت سے اللہ کے نیک بندے اور گنہ گار؛ دونوں کو دو چار ہونا پڑتا ہے۔ سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ انصار میں نہایت ارفع واعلیٰ رتبہ رکھتے تھے۔ ان کی موت پر ان کی روح کے استقبال کی مسرت میں عرش ہل گیا۔ جس سے ان کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے، باوجود ان کے مراتب کے سعد ابن معاذ قبر کی اس مصیبت سے نجات نہ پا سکے۔ (بخاری نے یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب مناقب سعد بن معاذ ۳۸۰۳۔ مسلم نے سعد بن ابی وقاص سے یہ روایت کی ہے: باب جواز التمتع ۳۰۲۸)

مروی ہے کہ فاطمہ بنت اسد قبر کی اس مصیبت سے نجات پائی تھیں۔ بچے بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں، صرف انبیاء اس سے محفوظ رہے۔

نکیرین یعنی منکر نکیر فرشتے

منکر نکیر دو فرشتے ہیں جن کو منکر اور نکیر کہا جاتا ہے، منکر ناخوشگوار اور کریہہ چیز کو کہتے ہیں اور چوں کہ ان فرشتوں کی صورت ڈراؤنی اور مہیب ہوتی ہے اس لیے ان کو منکر اور نکیر کہا گیا۔

قبر میں دفن ہونے کے بعد میت سے یہ فرشتے چند سوالات کرتے ہیں۔ میت بحالتِ پریشانی ان سوالات کے جوابات دینے میں لکنت کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انبیاء،

شہدائے معرکہ اور بچے اس مصیبت سے مستثنیٰ ہیں۔ نکیرین اسی قبر میں داخل ہوتے ہیں جس قبر سے کہ میت کا حشر ہوتا ہے یعنی ان کو دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ عارضی طور پر آئندہ منتقلی کے ارادہ سے جس مقام پر میت کو دفن کیا جاتا ہے وہاں سوال نہیں کیا جاتا۔

بعض کا قول ہے کہ فرشتے نکیرین کی شکل میں کافر کی قبر میں اور مبشر اور بشیر کی شکل میں مومن کی قبر میں داخل ہوتے ہیں۔ ہر ایک فرشتہ اپنی اپنی زبان میں میت سے سوالات کرتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ سریانی زبان میں سوالات کرتے ہیں۔ ذیل کے چار سوالات بیان کئے گئے ہیں:

منکر نکیر کے سوالات

۱- الره۔ **قُمْ يَا عَبْدَ اللّٰهِ**۔ اٹھ اے اللہ کے بندے۔

۲- اترح۔ **فِيْمَنْ كُنْتَ**: تو کن لوگوں میں تھا۔

۳- کاره۔ **مَن رَّبُّكَ وَمَا دِيْنُكَ**۔ تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے؟

۴- صالحین۔ **مَا تَقُوْلُ فِىْ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِىْ بُعِثَ فِيْكُمْ وَفِى الْخَلْقِ أَجْمَعِيْنَ** ۔ تم کیا کہتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو تم میں اور ساری مخلوق میں بھیجا گیا۔

بچے کی میت کی مخصوص دعا

بچے کی میت ہو تو میت کی دعا کے عوض **اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لِوَالِدَيْهِ (هَا) فَرَطًا وَّذُخْرًا وَعِظَةً وَاعْتِبَارًا وَسَلَفًا وَشَفِيْعًا وَثَقِّلْ بِهِ (بِهَا) مَوَازِيْنَهُمَا وَأَفْرِغِ الصَّبْرَ عَلٰى قُلُوْبِهِمَا وَلَا تَفْتِنْهُمَا بَعْدَهُ (هَا) وَلَا تَحْرِمْهُمَا أَجْرَهُ (هَا)** پڑھے۔

(یا اللہ! اس کو اس کے ماں باپ کے لیے فرط، ذخیرہ، نصیحت، عبرت، پیش رو، سفارش کرنے والا بنا اور اس کے ذریعہ ان کی نیکیوں کے وزن کو بوجھل بنا اور ان کے دلوں کو صبر سے بھر دے اور ان کو اس کے بعد فتنہ میں مبتلا نہ کر، اور ان کو اجر سے محروم نہ کر)

اگر میت لڑکی کی ہو تو تانیث کی '**ها**' کی ضمیریں پڑھے۔

۶۔ **سلام:** چوتھی تکبیر کے بعد کوئی چیز واجب نہیں ہے مگر اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے۔

اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ (هَا) وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ (هَا) وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُ (هَا)۔

اے اللہ! ہم کو اس کے اجر سے محروم مت کر اور نہ اس کے بعد فتنہ میں ہم کو مبتلا کر پس ہم کو اور اس کو بخش دے۔

اس کے بعد پہلا سلام واجب اور رکن ہے۔ دوسرا سلام مسنون ہے۔ ورحمۃ اللہ کا اضافہ سلام میں مسنون ہے۔ چوتھی تکبیر کے بعد کوئی چیز واجب نہیں ہے، اس لیے چوتھی تکبیر کے بعد ہی سلام پھیرنا جائز ہے۔ بعض کا قول ہے کہ چوتھی تکبیر کے بعد ان آیتوں کو پڑھے: ''**اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ** سے **اَلْحَلِيْمُ** تک''۔(المومن:۲۷) میت میں تبدیلی کا خوف ہو تو نماز میں صرف ارکان پر اکتفا کرے اور سنن کو ترک کرے۔

جنازہ اٹھانا

جنازہ اٹھانا بذاتہ واجب ہے جب میت کی جگہ اور دفن کی جگہ علیحدہ ہوں۔ جنازہ کو لے جانے کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ دو لکڑیوں کے درمیان میت کو لے جائے؛ آگے ایک آدمی دونوں کندھوں پر دونوں جانب دو لکڑیاں رکھے اور اپنا سر ان دو لکڑیوں کے درمیان رکھے اور پیچھے دو لکڑیاں دو آدمیوں کے کندھوں پر دو جانب سے رکھیں۔

بعض کا قول ہے کہ تربیع افضل ہے؛ یعنی آگے دو آدمی اور پیچھے دو آدمی کندھوں پر جنازہ کو اٹھائیں اور عام دستور یہی ہے۔ میت مرد کی ہو یا عورت کی، مرد لوگ ہی جنازہ کو اٹھائیں۔ مردوں کی عدم موجودگی میں عورتیں اٹھا سکتی ہیں، جنازہ کو کندھا دینا عیب نہیں ہے۔ کندھا دینے میں میت کی تعظیم اور توقیر کا اظہار ہوتا ہے۔ صحابہ اور تابعین نے یہ عمل کیا تھا۔

جنازہ کے ساتھ پیادہ آگے اور نزدیک اس طرح چلنا کہ نظر جنازہ پر پڑ سکے افضل ہے۔ میت میں تغیر کا خوف ہو تو تیزی سے چلیں، ورنہ سہولت کے ساتھ۔ حنفیہ کا قول ہے کہ جنازہ کے پیچھے چلیں۔ میت کو لے جاتے ہوئے پیادہ اور واپسی میں پیادہ یا سواری پر آ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو جنازہ کے ساتھ سوار دیکھا تو فرمایا: ''**أَلَا**

تَسۡتَحۡيَوۡنَ إِنَّ الۡمَلَائِكَةَ عَلٰى أَقۡدَامِهِمۡ وَأَنۡتُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِ الدَّوَابِّ ''(ترمذی: باب کراھۃ الرکوب خلف الجنازۃ ۱۰۱۲۔ ابن ماجہ: کتاب الجنائز ۱۴۸۰۔ یہ روایت ثوبان رضی اللہ عنہ سے ہے)
کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ فرشتے تو پیادہ ہیں اور تم چوپایوں کی پشت پر ہو۔

جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے یہ کہنا مستحب ہے: ''اَللّٰهُ أَكۡبَرُ اَللّٰهُ أَكۡبَرُ هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهُ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهُ وَمَازَادَهُمۡ إِيۡمَانًا وَّتَسۡلِيۡمًا''۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ یہ تسبیح پڑھتے تھے۔ سُبۡحَانَ الۡحَيِّ الَّذِیۡ لَا يموۡتُ۔

میت کے چہرے کو ڈھانپنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''خَمِّرُوۡا وُجُوۡهَ مَوۡتَاكُمۡ وَلَا تَتَشَبَّهُوۡا بِالۡيَهُوۡدِ '' فی روایة ''بِأَهۡلِ الۡكِتَابِ ''(السنن الکبری: باب المحرم یموت ۶۸۹۵۔ دار قطنی: الحج ۲۸۰۷۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) اپنے میتوں کے چہرے کو ڈھانپو اور یہودیوں کی مشابہت اختیار نہ کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اہل کتاب کی۔

اس لیے کہ یہ لوگ اپنی میتوں کا چہرہ نہیں ڈھانپتے۔ جنازہ کے لیے کھڑے رہنا مندوب ہے۔ حنفیہ میں افضل ہے کہ قبر میں مٹی ڈالنے تک نہ بیٹھیں۔ جنازہ کے ساتھ قرآنی آیتیں، ذکر یا دورد پکار کر پڑھتے ہوئے چلنا مکروہ ہے، بلکہ موت کے بارے میں دھیان رکھنا مستحب ہے۔ مدابغی نے یہ لکھا ہے کہ یہ حکم صدر اسلام میں تھا، ورنہ اب میت کے شعار میں داخل ہے۔ موت کے بعد سے دفن کی تکمیل تک میت کے پاس بخور وغیرہ خوشبو کا جلانا مندوب ہے۔

دفن

لحد میں میت کو سیدھی کروٹ اور قبلہ رو دفن کرے۔ قبر کا عمق قد آدم اور ہاتھ کی بلندی کے برابر ہو۔ قبر کو مسطح بنائے، اس پر عمارت تعمیر نہ کرے۔ انسان کے مدفن کو قبر کہتے ہیں۔

میت کو قبر میں دفن کرنا واجب ہے۔ اقل دفن یہ ہے کہ میت کی بد بو نہ پھیلے اور صحتِ عامہ میں خلل نہ ڈالے اور درندے وغیرہ میت کو گزند نہ پہنچائیں اور میت کی بے حرمتی نہ

ہونے پائے۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے قابیل نے دوسرے بیٹے ھابیل کو قتل کیا تو اللہ نے دو کوّوں کو بھیجا، ایک نے دوسرے کو قتل کیا، اور قتل کرنے والے کوّے نے زمین کو کھودا اور اس میں دوسرے کوّے کو دفن کر دیا۔ میت کے دفن کرنے کی صراحت اس آیت میں ہے: ﴿فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْأَةَ أَخِيهِ﴾ (المائدۃ:۳۱) پس اللہ نے ایک کوے کو زمین میں کھودنے کے لیے بھیجا تا کہ اس کو بتائے کہ بھائی کی میت کو کس طرح دفن کرے۔

اکمل دفن یہ ہے کہ قبر کا عمق قد آدم اور ہاتھ کی بلندی کے برابر ہو۔ رافعی نے اس عمق کو ساڑھے تین ہاتھ سے تعبیر کیا تھا، نووی نے اس کی ترمیم کر کے ساڑھے چار ہاتھ کی گہرائی تجویز کی۔

قبر کی قسمیں

قبر کی دو قسمیں ہیں: لحد اور شق۔ لحد کے معنی مائل ہونے اور جھکنے کے ہیں۔ شرع میں لحد اُس قبر کو کہتے ہیں جس کی تہہ میں قبلہ کی جانب اتنا کھودیں کہ میت اس میں سما سکے اور چھپ جائے۔ شق اس قبر کو کہتے ہیں جو بالکل سیدھی اور پانی کی نالی کی مانند ہو۔ اگر زمین سخت ہو تو لحد میں دفن کرنا سنت اور افضل ہے اور اگر زمین نرم ہو تو شق کی طرح کھود کر اس کی دونوں جانب دیوار اٹھائے اور اس میں دفن کرے۔

دفن کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ میت کو زمین پر رکھ دیں۔ اگر کسی مقام پر زمین کا کھودنا ممکن نہ ہو تو میت کو زمین پر رکھ کر اس کی چاروں طرف دیواریں اٹھا کر قبر بنائی جائے۔ اس لیے کہ شق قبر کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ صرف کھودنا کافی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ چاروں طرف دیواریں اٹھائے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ کچھ کھودے اور کچھ دیوار اٹھائے۔

فرش: قبر میں فرش بچھانا یا صندوق بنانا مکروہ ہے۔ اگر قبر میں رطوبت یا نمی ہو تو فرش

کرنا مکروہ نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اس سے مستثنیٰ ہے۔ حدیث میں ہے:

''إِفْرَشُوا لِي قَطِيْفِي فِي لَحْدِي فَإِنَّ الْأَرْضَ لَمْ تُسَلَّطْ عَلٰى أَجْسَادِ الْأَنْبِيَاءِ'' (ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی، البتہ روایت میں یہ الفاظ ملتے ہیں: ''إن الله عزوجل حرم علی الأرض أجساد الأنبیاء''۔ یہ روایت حاکم نے اوس بن اوس سے کی ہے، اور کہا ہے کہ ''صحیح علی شرط البخاری''، ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حاکم: ۱/ ۲۷۸۔ ابن حبان: ۵۵۰۔ بیہقی: ۳/ ۲۴۸) میری چادر میری لحد میں بچھادو، تحقیق کہ زمین انبیاء کے جسموں پر قابو نہیں پاتی۔

چوں کہ انبیاء کا جسم تغیر اور مٹی میں حل ہونے سے آزاد ہے، اس لیے ان کی قبروں میں زندوں کی طرح فرش کرنا مناسب ہے۔

سمندر میں تدفین

سمندر کے سفر میں موت ہو اور ساحل قریب ہو تو دفن کے لیے خشکی کا انتظار کیا جائے اور اگر خشکی دور ہو اور میت میں تعفن پیدا ہونے کا خوف ہو تو میت کو دو تختوں کے درمیان باندھ کر سطح سمندر پر بہا دیا جائے۔ ساحل پر کسی مسلمان کو یہ میت ملے تو اس کو دفن کرے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پتھر باندھ کر میت کو وزنی کر کے سمندر میں چھوڑ دیا جائے، تہہ میں جا کر بیٹھ جائے گی۔

دفن کا طریقہ

دفن کے لیے جنازہ کو قبر کی پائیں میں رکھیں۔ میت کو سر کی جانب سے آہستگی سے اٹھائیں اور قبر میں اس طرح دیں کہ سر اونچا اور پاؤں نیچے رہیں۔ سر کو نیچے کر کے میت کو قبر میں اتارنا حرام ہے۔

میت کو قبر میں قبلہ رو کر کے سیدھی کروٹ لٹائیں۔ افضل سیدھی کروٹ ہے جو زندگی میں نیند کے لیے سوتے وقت بھی افضل ہے۔ قبلہ رو کر کے بائیں کروٹ بھی لٹا سکتے ہیں مگر مکروہ ہے۔ میت اگر قبلہ رو نہ ہو تو اس کے لیے قبر کا کھولنا واجب ہے بشرطیکہ متغیر نہ ہوئی ہو، قبر میں لٹانے کے بعد کفن کے اوپر کے بندھن کھول دئے جائیں۔ میت کا سیدھا رخسار کفن ہٹا کر

راست مٹی پر رکھا جائے تا کہ اللہ تعالی کے پاس میت کی عاجزی وانکساری کا اظہار ہو سکے۔

میت کو قبر میں قبلہ رو کر کے اس طرح لٹائے کہ سر اور پاؤں قبر کی دیوار کو لگیں اور پیٹھ کے پیچھے ڈھیلوں اور پتھر سے ٹیک دیا جائے، تا کہ میت نہ تو اوندھی گر جائے، نہ چت پڑ جائے۔

میت کو لحد میں رکھنے کے بعد میت کی پشت سے اور شق کی قبر میں میت سے ذرا اوپر کچی اینٹیں یا برگے جما دیں اور اگلی درازوں کو بھی بند کر کے قبر کی پوری گہرائی میں مٹی بھر دیں۔

قبلہ کی سمت میں لحد کھودنا ضروری نہیں ہے۔ مقابل کی سمت کی دیوار میں بھی لحد کھود سکتے ہیں۔ البتہ میت کو قبلہ رو رکھنے کی شرط ہے اور یہ دونوں جانب ہو سکتا ہے۔

اگر قبر میں سے بدبو پھیلنے یا میت کو درندوں کی طرف سے گزند پہنچنے کا ڈر ہو تو حسبِ ضرورت قبر کی اصلاح واجب ہے۔

قبر پر عمارت کی تعمیر

قبر کی سطح مسطح کرے، قبر کا کوئی حصہ اونٹ کی کوہان کی طرح بلند کر دے۔ قبر کو پختہ نہ کرے اور نہ اس پر کوئی عمارت بنائے۔ قبر پر سائے کے لیے چھت ڈالنا بھی مکروہ ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی قبر پر ایک قبہ دیکھ کر اس کو تڑوایا تھا اور کہا: ''چھوڑ دو، اس کا عمل اس کو سایہ دے گا''۔ (بخاری: باب الجرید علی القبر ؛ ترجمۃ الباب ۲/ ۱۱۹)

قبر کے سرہانے نشانی کے لیے پتھر یا لکڑی گاڑھنا مسنون ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر گاڑھا اور فرمایا تھا کہ اس سے میرے بھائی کی قبر پہچانی جائے گی۔ (شرح السنۃ ۵/ ۴۰۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''رأیت قبر عثمان بن مظعون مرتفعا'' باب فی الفسطاط یضرب علی القبر ۱۱۸۶۸)

یہاں دودھ بھائی مراد ہے۔ ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی حقیقی بھائی نہ تھے بلکہ حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ کی آپ تنہا اولاد تھے۔

قبر پر پانی کا چھڑکاؤ

قبر میں مٹی بھر دینے کے بعد اس پر پانی چھڑکنا مندوب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرزند ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا تھا۔ (الأم: ۱/ ۲۱۸۔ یہ روایت جعفر عن أبیہ سے ہے) عرق گلاب چھڑکنے میں مال بیکار ہوتا ہے اس لیے مکروہ ہے۔ امام سبکی کا قول ہے کہ تھوڑا سا عرقِ گلاب چھڑکنے میں مضایقہ نہیں ہے اس لیے کہ فرشتے آتے ہیں اور خوشبو کو پسند کرتے ہیں۔

غیر مولود عورت

عورت کی میت حمل سے ہو اور بچے کے زندہ رہنے کی امید ہو تو بچے کے ساتھ میت کو دفن کرنا جائز نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ پیٹ چاک کر کے بچے کو نکالیں۔ اگر بچے کے زندہ رہنے کی امید نہ ہو تو بچے کی حرکت بند ہونے تک میت کو دفن نہ کیا جائے۔

دفن کے وقت ستر کیا جائے

دفن کے وقت لوگوں کی نظر سے پردہ کرنے کی نسبت تاکید کی گئی ہے اور مسنون ہے، چاہے میت مرد کی ہو یا عورت کی۔

میت کو قبر میں اتارنے والے

میت کو قبر میں رکھنے والوں کی تعداد ایک یا تین؛ بہر حال طاق ہو۔ عورت کی میت کو بھی مرد ہی قبر میں رکھیں گے، جو شخص جنازہ کی نماز پڑھانے میں مستحق ہے وہی میت کے رکھنے میں مستحق ہے۔ عورت کی میت کے رکھنے کے لیے شوہر کو ترجیح ہے۔ شوہر کے بعد محرم رشتہ دار کو ترجیح ہے اور ان کے بعد مردِ صالح کا درجہ ہے۔ یہ ترتیب مندوب ہے نہ کہ واجب۔

عورت کی نماز میں شوہر کو ترجیح نہیں ہے۔

میت کے غسل اور دفن میں فقہ سے واقف کو سن رسیدہ شخص پر ترجیح ہے، برخلاف نماز کے۔ نماز جنازہ میں سن رسیدہ شخص کو ترجیح ہے، اس لیے کہ نماز جنازہ سے مقصود دعا ہے اور سن

رسیدہ شخص کی دعا دل میں زیادہ رقت پائے جانے کی وجہ سے اجابت سے قریب ہے۔

میت کو قبر میں اتارتے وقت یہ کہنا مسنون ہے: ''بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''۔(ابوداود: ۳۲۱۳۔ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے ۱۰۴۶، یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

قبرستان

جہاں موت ہوئی ہو وہاں کے قبرستان میں دفن کرنا مسنون ہے، تاکہ زائرین کی دعا حاصل ہوتی رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں مدینہ طیبہ میں دفن کئے گئے۔ اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی خصوصیتوں میں سے ہے کہ جہاں فوت ہوتے ہیں وہیں دفن کئے جاتے ہیں، جیسا کہ شہدائے معرکہ۔

ترمذی نے روایت کی ہے کہ ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا تھا: '' مَا قَبَضَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي الْمَوْضَعِ الَّذِيْ يُحِبُّ أَن يُّدْفَنَ فِيْهِ ''(ترمذی نے یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے: ۱۰۱۸) ہر ایک نبی کی روح اسی مقام پر قبض ہوتی ہے جہاں کہ اللہ تعالی ان کو دفن کروانا پسند کرتے ہیں۔ اسی پر ابوبکر صدیق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی نسبت کہا تھا: ''اِدْفَنُوْهُ فِيْ مَوْضَعِ فِرَاشِهِ ''۔(ترمذی نے یہ روایت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی ہے: ۱۰۱۸۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے)

مقامی قبرستان کو چھوڑ کر میت کو دور دراز مقام پر دفن کرنے کے لیے منتقل کرنا حرام ہے اور بعض نے مکروہ کہا ہے۔ سوائے اس کے کہ مکہ، مدینہ، بیت المقدس میں منتقل کیا جائے، ایسے کہ وہاں پہنچنے تک میت متغیر نہ ہو۔ یہ حکم عام میت کی نسبت ہے، ورنہ شہید کو جہاں قتل ہوا دفن کرنا افضل ہے۔

تلقین

تلقین کے کلمات بجیرمی، برماوی اور حبیب محسن کی تالیفات سے اخذ کئے گئے ہیں:

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَ يَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوْ الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ،وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ لِلْعَمَلِ وَالثَّوَابِ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ لِلْقَبْرِ وَالتُّرَابِ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ لِلْبَعْثِ وَالْحِسَابِ تَارَةً أُخْرٰى ۔ يَا عَبْدَاللّٰهِ يَا ابْنَ أَمَةِ اللّٰهِ اُذْكُرِ الْعَهْدَ الَّذِىْ أُخْرِجْتَ عَلَيْهِ مِنْ دَارِ الدُّنْيَا إِلٰى دَارِ الْآخِرَةِ وَهُوَ شَهَادَةُ أَن لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَأَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَأَنَّ النَّارَ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَأَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ فَإِذَا جَاءَكَ الْمَلَكَانِ الْمُوَكَّلَانِ فَلَا يُفْزِعَاكَ وَلَا يُرَوِّعَاكَ وَلَا يُرْهِبَاكَ فَإِنَّمَا هُمَا خَلْقٌ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَإِذَا سَأَلَاكَ عَن رَّبِّكَ وَعَنْ نَبِيِّكَ وَعَنْ دِيْنِكَ فَقُلْ لَّهُمَا اَللّٰهُ رَبِّىْ وَمُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّىْ وَالْإِسْلَامُ دِيْنِىْ وَالْكَعْبَةُ قِبْلَتِىْ وَالْقُرْآنُ إِمَامِىْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَانِىْ۔ ثَبَّتَكَ اللّٰهُ وَإِيَّانَا وَجَمِيْعَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ ۔ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظَّالِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ، يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ إِرْجِعِىْ إِلٰى رَبِّكَ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِىْ فِىْ عِبَادِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ۔

ہر ایک چیز فنا ہوگی اور صرف پروردگار کی ذات باقی رہے گی جو صاحبِ جلالت وکرامت ہے۔ ہر ایک نفس موت کا مزا چکھے گا اور بے شک تمہاری اجرتیں قیامت کے دن پوری پوری دی جائیں گی۔ پس جو دوزخ سے دور کیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ کامیاب ہوا، دنیا کی زندگی سوائے دھوکہ کے سامان کے کیا ہے۔ ہم نے تم کو عمل اور ثواب کے لیے پیدا کیا اور ہم تم کو قبر اور مٹی میں اس کی طرف لوٹائیں گے اور حشر اور حساب کے لیے دوبارہ اسی سے تم کو نکالیں گے۔ اے خدا کے بندے! اے خدا کی باندی کے بیٹے! یاد کرو اس عہد کو جس کے ساتھ تم دنیا سے دارِ

آخرت کی طرف نکلے ہو اور وہ شہادت ہے اس بارے میں کہ اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے پیغمبر ہیں۔ اور بے شک جنت حق ہے اور کوئی شک نہیں کہ دوزخ حق ہے اور درحقیقت قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دوبارہ اٹھائے گا جو قبور میں ہیں، جب تمہارے پاس مقررہ دو فرشتے آئیں تو تم کو پریشان نہ کریں اور نہ ڈرائیں اور نہ خوف دلائیں، بے شک وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جب وہ تمہارے پروردگار کے بارے میں اور تمہارے نبی کے بارے میں اور تمہارے دین کے بارے میں پوچھیں تو ان سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ میرا پروردگار ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں اور اسلام میرا دین ہے اور کعبہ میرا قبلہ ہے اور قرآن میرا رہبر ہے، ایمان والے سب میرے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تم کو اور ہم کو اور تمام ایمان والوں کو اس قولِ ثابت سے ثابت رکھے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قولِ ثابت سے دنیا اور آخرت کی زندگی میں ثابت رکھے گا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو بھٹکائے گا اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اے نفس مطمئنہ! اپنے پروردگار کی طرف ہنسی خوشی لوٹ جا ، میرے بندوں کے زمرہ میں داخل ہو اور میری جنت میں داخل ہو۔

ایک سے زائد میتوں کو ایک قبر میں دفن کرنے کا حکم

دو میتوں کو ایک قبر میں بغیر ضرورت دفن نہ کرے، زمین تنگ ہو اور میتوں کی کثرت ہو تو الگ بات ہے۔ دو میتوں کو ایک قبر میں دفن کرنا مکروہ ہے۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ دو میتوں کو جمع کرنے میں کراہت اس وقت ہے جب کہ اتحاد جنس ہو (یعنی صرف مردوں یا صرف عورتوں کی ہو) یا محرمیت کا رشتہ ہو، ورنہ حرام ہے۔ بعض نے اتحاد جنس کے باوجود حرام قرار دیا ہے۔

جمع کی صورت میں دو کے درمیان کوئی رکاوٹ مثلاً مٹی وغیرہ رکھی جائے تاکہ ایک میت دوسری سے مس نہ ہو۔ خارجہ بن زید اور سعد بن ربیع کو ایک قبر میں، اسی طرح نعمان بن مالک اور عبدالخشخاش کو ایک قبر میں دفن کیا گیا تھا۔ (خارجہ بن زید اور سعد بن ربیع کو ایک ہی قبر میں دفن کرنے کا تذکرہ ''الاستیعاب'' میں ہے: ابن عبدالبر ۲/ ۴۱۷) بعض وقت تین میتوں کو بھی ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ میتوں کو فضیلت کے لحاظ سے مقدم کیا جاتا ہے۔

اتحادِ جنس (مرد ہو تو مرد کے ساتھ، عورت ہو تو عورت کے ساتھ) کے ساتھ مطلق ضرورت پر دو میتوں کا ایک قبر میں دفن کرنا جائز ہے اور اختلاف جنس (ایک مرد ایک عورت) کے ساتھ شدید ضرورت پر دفن کر سکتے ہیں۔

اگر قبر کی کھدائی کے آغاز میں معلوم ہو جائے کہ کوئی میت دفن ہے تو اس کو بھر دیں، اگر پوری قبر کھودنے کے بعد ہڈیاں ملیں تو ان کو ایک جانب کر کے دوسری جانب میت کو دفن کریں۔

نبش یعنی دفن کے بعد میت کو نکالنے کا حکم

دفن کرنے کے بعد میت کو نکالنے میں میت کی ہتک ہے، اس لیے میت کا نکالنا حرام ہے، اگرچہ کہ میت کو منتقل کرنے کے ارادہ کے ساتھ نکالے۔ ضرورت پر قبر کو کھول سکتے ہیں اور ضرورت کے اسباب یہ ہیں:

۱۔ میت بغیر طہارت کے دفن کی گئی ہو اور ابھی متغیر نہ ہوئی ہو۔

۲۔ میت کو غسل نہ دیا گیا ہو اور نہ تیمّم کرایا گیا ہو تو قبر کھول کر غسل یا تیمّم کرائیں۔

۳۔ غصب کی ہوئی زمین میں دفن کیا گیا ہو اور زمین کا مالک مطالبہ کرے تو باوجود تغیر کے قبر کھولی جائے، مالک کے لیے مسنون ہے کہ وہ قبر کھولنے کا مطالبہ نہ کرے۔

۴۔ قبر میں کوئی مال رہ گیا ہو تو باوجود تغیر کے قبر کھولی جائے تاکہ مال ضائع نہ ہو جائے۔

۵۔ میت قبلہ رو نہ دفن کی گئی ہو اور متغیر نہ ہوئی ہو تو قبر کھول کر میت کو قبلہ رو کریں۔

۶۔ بغیر کفن کے میت دفن کی گئی ہو تو اس کو نہ کھولا جائے، اس لیے کہ دفن کے بعد میت خود بخود چھپ جائے گی، پھر ستر کی ضرورت باقی نہ رہی۔

میت پر ماتم کے احکام

میت پر رونے میں مضایقہ نہیں، لیکن چیخے چلائے نہیں اور نہ کپڑے پھاڑے۔ موت ہونے کے پہلے یا بعد؛ دونوں صورتوں میں یہی حکم ہے، لیکن نہ رونا اولی ہے اور آواز کے ساتھ رونا مکروہ ہے۔ بغیر آواز کے رونا جس میں صرف آنسو بہیں، جائز ہے۔ موت

کے بعد میت پر رونا مکروہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''**فَإِذَا وَجَبَ فَلَا تَبْكِيَنَّ بَاكِيَةٌ**''۔ (موطا امام مالک: باب النھی عن البکاء علی المیت ۵۵۴۔ ابوداود: ۳۱۱۳۔ نسائی: ۱۸۴۶۔ یہ روایت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ سے ہے) پس جب موت آگئی تو کسی عورت کو نہ رونا چاہیے۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر حضرت ابوبکر صدیقؓ منبر پر چڑھے اور آپ کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے کہا: ''**مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ**'' تم میں سے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے ہیں تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم مر چکے اور جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو اللہ زندہ ہے، مرتا نہیں۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿**إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ**﴾ ﴿**وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ فَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشَّاكِرِينَ**﴾ (بخاری: ۳۶۶۸، باب مناقب أبي بکر) بے شک تو بھی مرتا ہے اور وہ بھی مرتے ہیں۔ محمد تو ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا؟ اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ بھلا ماننے والوں کو اللہ ثواب دے گا۔

یہ سن کر صحابہ کا جوش وخروش تھم گیا، یہاں تک کہ حضرت عمر نے کہا: خدا کی قسم! مجھ کو ایسا معلوم ہوا کہ اس آیت کو فقط اسی روز میں نے سنا۔ (مسند اسحاق بن راھویہ: ۱۳۳۳۔ ص ۳/۷۲۶) اسی آیت کا اثر تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی تعمیل تھی کہ رسول اللہ کی موت پر سبھوں نے رویا اور چلایا، لیکن حضرت ابوبکر صدیق نے ایسا کچھ نہیں کیا۔

صبر جمیل ہے، مگر رقت ومحبت کی وجہ سے رونے میں مضایقہ نہیں۔ کسی عالم یا مرد صالح کی موت پر علم وصلاح وبرکت کے فقدان کی وجہ سے رونا مستحب ہے، مگر کسی کی موت کی وجہ سے ذریعہ پرورش یا رزق ومعاش کے مسدود ہونے کے خیال سے رونا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر عدم اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔

پانچ اشخاص کی موت پر رونا مندوب ہے:

عالم، عادل امام، صالح سرپرست، سچی ہمت افزائی کرنے والے اور سخی کی موت پر۔

میت کے محاسن بیان کرتے ہوئے چیخ کر اور چلا کر رونا گناہ کبیرہ میں داخل اور حرام ہے۔ یہ دو امور ایک ساتھ کرنا حرام ہے؛ بلند آواز سے رونا اور میت کے محاسن بیان کرنا۔ ان دو امور میں سے ایک امر پایا جائے اور دوسرا امر نہ پایا جائے تو حرمت باقی نہیں رہتی۔

کپڑے پھاڑنا، سر اور سینہ پیٹنا، بال نوچنا، سر پر خاک ڈالنا، سیاہ کپڑے پہننا، بہر حال ایسا عمل کرنا جو رضا اور قضا وقدر کے منافی ہو اور جس سے بے صبری اور بے چینی ظاہر ہوتی ہو حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَطَمَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ'' (بخاری نے یہ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے کی ہے: ۱۲۳۲) مومنین کی صفات میں سے نہیں ہے کہ طمانچے ماریں، گریباں چاک کریں اور زمانہ جاہلیت کی آوازیں نکالیں۔

ان امور کی وجہ سے میت کو عذاب نہیں ہوتا۔

موت ہونے سے پہلے بُھار محمود ہے۔ ابوبکر صدیق سے یہی پیش آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ رَجُلٍ خُيِّرَ فَاخْتَارَ لِقَاءَ اللّٰهِ'' (ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی، البتہ اس معنی کی روایت موجود ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: ''وإن عبدا خيره الله بين الدنيا وبين لقاء الله فاختار لقاء الله'' الطبرانی: ۱۲۹/۳۔ کتاب الدعاء: ۱/۳۶۷) تم اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہو جس کو اختیار دیا گیا تو اس نے اللہ کو اختیار کیا۔ یہ سنتے ہی ابوبکر صدیق رونے لگے اور صحابہ میں سے کوئی اور نہیں رویا، بلکہ آپ کے رونے کو برا مانا۔ ابوبکر صدیق آپ کے اس قول سے سمجھ گئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کے سامنے خود اپنا تذکرہ کر رہے ہیں۔

تعزیت

دفن سے تین روز تک میت کے قرابتداروں کے ساتھ تعزیت کرے۔ تعزیت مصیبت پر صبر کرنے کی ہدایت دینے اور تسلی دینے کو کہتے ہیں۔ صبر کی ہدایت کریں:

''اِصۡبِرۡ إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیۡنَ ''صبر کرو، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اسی طرح صبر پر ثواب کی امید دلائیں۔ میت کی مغفرت اور پسماندگان کے رنج کی تلافی کے لیے دعا کریں۔

تعزیت مسنون ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مَا مِنۡ مُسۡلِمٍ یُعَزِّی أَخَاہُ مِنۡ مُصِیۡبَۃٍ إِلَّا کَسَاہُ اللّٰہُ مِنۡ حُلَلِ الۡکَرَامَۃِ یَوۡمَ الۡقِیَامَۃِ ''(ابن ماجہ۱۶۰۱) مسلم اپنے بھائی کی مصیبت میں تعزیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو زیور بزرگی سے آراستہ کرتا ہے۔

صیغۂ تعزیت: أَعۡظَمَ اللّٰہُ أَجۡرَکَ وَأَحۡسَنَ عَزَاکَ وَغَفَرَ لِمَیِّتِکَ وَجَبَرَ مُصِیۡبَتَکَ أَوۡ أَخۡلَفَ عَلَیۡکَ ۔اللہ تعالیٰ تمہیں بڑا اجر دے گا، تمہارے غم کا بھلا کرے گا، تمہاری میت کو بخشے گا اور تمہاری مصیبت کی شکست کو جوڑ دے گا اور تم کو نعم البدل دے گا۔

تعزیت کی ابتداء سب سے ضعیف شخص سے شروع کی جائے اور ان سب کو تعزیت دی جائے جن کو رنج پہنچا ہے۔میت کے گھر والوں کے لیے مسنون ہے کہ ایک دوسرے کی تعزیت کریں۔

کوئی چھوٹا واقعہ بھی ایسا گزرے جس سے رنج پہنچے اور طبیعت پر شاق گزرے تو تعزیت مسنون ہے۔ چھوٹے، بڑے، مرد اور عورت سب کی تعزیت کی جائے، جوان عورتوں کی صرف اس کے محارم تعزیت کریں۔

تعزیت کا جواب دینا مسنون ہے۔الفاظ یہ ہیں: جَزَاکَ اللّٰہُ خَیۡرًا وَتَقَبَّلَ اللّٰہُ مِنۡکَ وَمِنۡہُ۔ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے اور تمہاری اور اس کی طرف سے قبول کرے۔

تعزیت کی مدّت

تین دن تک تعزیت مسنون ہے بشرطیکہ فریقین ایک ہی جگہ رہتے ہوں۔اگر ان دونوں میں سے کوئی غائب ہو تو اس کی حاضری کے بعد تعزیت کی جائے۔تعزیت دفن کے بعد اولیٰ ہے، اس لیے کہ متعلقین تجہیز و تکفین میں مصروف رہتے ہیں۔

شدت غم کی صورت میں دفن سے پہلے بھی تسلی دینے کے لیے تعزیت کرنا اولیٰ ہے۔

تین دنوں کی مدت کے بعد تعزیت اس لیے مکروہ ہے کہ بعد از وقت تعزیت سے غم تازہ ہوتا ہے۔ تعزیت کی مدت کا صحیح آغاز موت سے ہے۔ تعزیت بذریعہ خط بھی کی جا سکتی ہے۔

کھانا بجھوانا

ہمسایوں کے لیے مسنون ہے کہ میت کے گھر والوں کے لیے اتنی غذا بھیجیں کہ ایک دن اور ایک رات کھا سکیں، اس لیے کہ میت کے گھر والے غم و الم کی وجہ سے پکاتے نہیں اور بھوکے رہتے ہیں۔ میت کے گھر والوں کو کھانا کھلانے میں اصرار کرنا اور سمجھانا بھی مندوب ہے، تا کہ بھوک سے کمزور نہ ہو جائیں۔

بیماری کا علاج

بیماری کا علاج کرنا مسنون ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَضَعْ دَاءً ا إِلَّا وَضَعَ لَهُ دَوَاءً غَيْرَ دَاءٍ وَاحِدٍ؛ اَلْهَرَمُ** '' (ابوداود: باب فی الرجل یتداوی ۳۸۵۷۔ ترمذی: ۲۰۳۸۔ ابن ماجہ: ۳۴۳۶۔ یہ روایت اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ سے ہے) بے شک اللہ تعالی کوئی ایسا مرض نہیں دیتا جس کی دوا مقرر نہیں کی ہو، سوائے ایک بیماری؛ بڑھاپے کے۔

پیاسے کے لیے بہتری اس میں نہیں ہے کہ پانی کے لیے ہاتھ نہ بڑھائے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم متوکلین کے سردار تھے۔ آپ کا مرض بڑھتا گیا، اطباء نے دوا دی اور علاج کیا۔ اللہ تعالی نے اشیاء میں خواص دئے ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

توبہ

گناہوں سے توبہ کرنے میں عجلت کرنا اور موت کے لیے ہر وقت تیار رہنا واجب ہے تا کہ اچانک موت ہونے سے توبہ سے مرحوم نہ رہے۔

موت کی یاد

موت کو یاد کرنا مندوب ہے۔ موت کو یاد کرنے سے دنیاوی خواہشات میں کمی اور

نیک کاموں میں اضافہ ہوتا ہے۔

موت کی تمنا

دنیاوی امور میں کوئی جسمانی یا قلبی تکلیف پہنچے تو ان کی وجہ سے موت کی آرزو کرنا مکروہ ہے۔ دین میں بگاڑ پیدا ہونے یا کسی اخروی مقصد کے لیے موت کی آرزو کرنا مسنون ہے، جیسا کہ فی سبیل اللہ شہادت کی آرزو کرنا۔

زیارتِ قبور

قبروں کی زیارت کرنا مندوب ہے تا کہ آخرت کی یاد تازہ ہو۔ عورتوں کے دل کمزور رہنے کی وجہ سے زیارتِ قبور مکروہ ہے۔ اگر اجنبی مردوں کا مجمع ہو تو عورتوں کے لیے زیارتِ قبور حرام ہے۔ مزار نبوی اس سے مستثنیٰ ہے، عورتوں کے لیے بھی آپ کے مزار کی زیارت مندوب ہے۔ حدیث میں ہے: ''مَنْ زَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ '' (المعجم الکبیر للطبرانی میں یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے: ۱۳۳۱) جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں مجھ سے ملاقات کی۔

زیارت کرنے والے کے لیے مندوب ہے کہ کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰه لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَةَ ۔اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُمْ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُمْ وَاغْفِرْلَنَا وَلَهُمْ۔ (''لاحقون'' تک مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روای ہے: باب استحباب إطالة الغرة ۲۴۹۔ اللھم لاتحرمنا سے اخیر تک ابن ماجہ: کتاب الجنائز ۱۵۴۶، اور مسند امام احمد ۲۴۴۶۹ میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔ نسأل الله لنا ولكم العافية والے الفاظ نہیں ملے)

اے قبور کے رہنے والے گروہ مؤمنین! تم پر سلامتی ہو۔ بے شک خدا چاہے تو ہم قریب میں تم سے ملیں گے۔ ہم اللہ تعالی سے ہماری اور تمہاری عافیت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ یا اللہ! ان کے اجر سے ہمیں محروم نہ کر اور ان کے بعد ہم کو پریشان نہ کر۔ ہم کو اور ان کو بخش دے۔

یٰسٓ وغیرہ جیسی چند آیتوں کی تلاوت کر کے بخششیں اور مدفون لوگوں کے لیے مغفرت کی دعا کریں اور اس ارادے سے خیرات دیں کہ اس کا ثواب انھیں پہنچے۔

قبر کے سر کے محاذی اور قبلہ کی طرف پشت اور قبر کی طرف متوجہ ہو کر سلام کریں۔ قبر یا تابوت کو بوسا دینا یا ہاتھ لگا کر چومنا مکروہ ہے۔

ایصالِ ثواب

چاروں ائمہ کا قول ہے کہ قراءت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ آیت ﴿**لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعٰى**﴾ (النجم: ۳۹) نہیں ہے انسان کے لیے سوائے اس کے جس کے لیے اس نے کوشش کی۔ یہ آیت انسان کو حسنِ عمل کی ترغیب دیتی ہے۔ بعض نے اس آیت کو منسوخ ظاہر کیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ اس آیت کا تعلق قومِ ابراہیم اور قومِ موسیٰ سے تھا، ورنہ امتِ محمدیہ کے لیے وہ ہے جس کی انھوں نے کوشش کی یا ان کے لیے دوسروں نے کوشش کی۔

مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے بچے کو گود میں اٹھا کر پوچھا کہ کیا اس بچے کے لیے حج ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’**نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ**‘‘ (مسلم نے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے: باب صحۃ حج الصبی ۳۳۱۷) ہاں اور تمہارے لیے بھی ثواب ہے۔

مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: یا رسول اللہ! میری ماں فوت ہو چکی ہے، اگر میں اس کے لیے صدقہ دوں تو کیا اس کو فائدہ پہنچے گا تو آپ نے فرمایا: **نَعَمْ** ہاں۔ (مسلم نے یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کی ہے: باب وصول ثواب الصدقات إلی المیت ۴۳۰۷)

درخت کی سبز پتیاں اور پھول قبر پر ڈالنا مسنون ہے، اس لیے کہ جب تک تازہ رہتی ہیں تسبیح پڑھتی ہیں، جو میت کے لیے عذاب میں تخفیف کی باعث ہیں۔

زکات

(شرائط، اشیاء ونصاب زکات۔فطرہ۔مستحقین وممنوعین زکات)

زکات کے لغوی اور شرعی معنی

زکات کے معنی زیادہ ہونے ، برکت ہونے ، نیکی کے بڑھنے ، پاک ہونے اور مدح کرنے کے ہیں۔اور شرع میں خاص نوعیت کے مال سے چند مقررہ اصول پر معینہ شرح سے مال کا کچھ حصہ نکالنے اور مخصوص قسم کے لوگوں پر اس کے صرف کرنے کو زکات کہتے ہیں۔

زکاۃ کی وجہ سے مال میں زیادتی اور برکت ہوتی ہے، زکات لینے والوں کی دعا کے سبب سے نیکی میں زیادتی ہوتی ہے، مال کو زکات پاک کرتی ہے، زکات نکالنے والے کی مدح کرتی ہے اور اس کے ایمان کے صحیح ہونے کی گواہی دیتی ہے۔زکات نہ دینے سے مال کے تلف ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔زکات کے لفظ میں لغوی اور شرعی دونوں معنی کی مناسبت ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾(التوبۃ:۱۰۳)ان کے مال میں سے صدقہ (زکات) لو جس کی وجہ سے تم ان کو پاک کرتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾(البقرۃ:۴۳) زکات دو۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:(بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكَاةِ ۔الخ۔"

(بخاری:۸۔مسلم:۱۶) اسلام پانچ چیزوں پر قائم کیا گیا ہے: اس کی شہادت کہ سوائے اللہ تعالی کے کوئی معبود نہیں ہے اور بے شک محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکات دینا......۔

اللہ تعالی فرماتا ہے:"وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ

سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ ''(التوبۃ:۳۴) جو لوگ سونے اور چاندی کو اکٹھا کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے انھیں تکلیف دہ عذاب کی خوشخبری دو۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ اس آیت میں زکات نہ دینے والوں کے لیے سخت وعید ہے۔

کلام مجید میں زکات کی نسبت مجمل طور پر حکم ہے اور تفصیلی احکام حدیث کے ذریعہ صادر ہوئے ہیں کہ کس قسم کے مال سے کتنی مقدار میں زکات نکالی جائے اور کن لوگوں کو دی جائے۔

زکات اسلام کے پانچ ارکان میں سے ہے۔ زکات سے انکار کفر کا باعث ہے۔ زکات کی ادائی میں کوئی شخص رکاوٹ بن رہا ہو تو اس سے لڑنے کا حکم ہے۔ ہجرت کے دوسرے سال زکات فرض کی گئی، البتہ اختلاف اس بارے میں ہے کہ شعبان میں یا شوال میں۔ صدقہ فطر کے لیے بھی اسی سال حکم ہوا۔

زکات کا رواج قدیم شریعتوں میں بھی تھا۔ حضرت عیسی علیہ السلام نے کہا ہے کہ اللہ تعالی نے انھیں نماز اور زکات کی وصیت کی تھی۔ زکات سے روزہ اور حج افضل ہیں، مگر حدیث میں ارکانِ اسلام کی ترتیب کے لحاظ سے زکات کا بیان پہلے ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ تابعین کی ایک جماعت نخعی، شعبی، عطاء اور مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ زکات کے علاوہ بھی مال میں بعض دوسرے حقوق ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبٰى﴾ (البقرۃ:۱۷۷) اللہ تعالی کی محبت اور خوشنودی کے حصول کے لیے قرابت داروں کو مال دیا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ (البقرۃ:۳) ہم نے ان کو جو مال و متاع دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

اللہ کا فرمان ہے: ﴿أَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ﴾ (البقرۃ:۲۵۴) ہم نے جو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

آیتِ زکات سے یہ آیتیں منسوخ نہیں ہوئی ہیں۔ مولف کی رائے میں استحباباً ان کا اثر باقی ہے۔

زکات واجب ہونے کی شرطیں

زکات واجب ہونے کی چھ شرطیں ہیں: اسلام، آزاد ہونا، ملکیت، نصاب، حول اور سوم۔ ہر چیز کا نصاب جداگانہ ہے۔ زراعت کی پیداوار اور پھل کے لیے حول کی شرط نہیں ہے۔ سوم کی شرط مویشی میں ہے۔ ان شرائط کی موجودگی میں زکات واجب ہوتی ہے۔ ایک شرط بھی مفقود ہو تو زکات واجب نہیں ہے۔

۱۔ مسلمان ہو

اسلام کی قید ہے۔ ابوبکر صدیق کا قول ہے کہ صدقہ ایسا فرض ہے جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔ مرتد ہوتے ہی اس کا مال، مالِ فیئ ہوجائے گا۔ لیکن دوبارہ اسلام لانے پر پرانا حکم ہی لوٹ آئے گا۔ ارتداد کی حالت میں مرجائے تو پورا مال فیئ ہوگا۔ فیئ مالِ غنیمت کو کہتے ہیں۔

۲۔ آزاد ہو

غلام کے لیے زکات نہیں ہے، اس لیے کہ غلام ملکیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

۳۔ ملکیت کامل ہو

ملکیت کامل ہو، ملکیت میں کوئی نقص ہو تو زکات واجب نہیں ہے۔ نابالغ، مجنون اور مسرف (فضول خرچ) کے مال میں بھی زکات واجب ہے۔ زکات نکالتے وقت ولی پر زکات کی نیت واجب ہے۔ چھینے ہوئے، چرائے ہوئے، گمشدہ مال میں بھی زکات کا حق باقی رہے گا۔ مگر واجب اس وقت ہوگی جب کہ دستیاب ہو یا قابو میں آئے۔ زکات اور قرض جمع ہوں اور ترکہ دونوں کے لیے ناکافی ہو تو زکات کو مقدم کیا جائے گا، اس لیے کہ زکات اللہ تعالی کا قرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”دَيْنُ اللّٰهِ أَحَقُّ بِالْقَضَاءِ“۔ (السنن الکبری: باب من قال یصوم عنہ ولیہ ۸۴۸۳۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت مسلم نے اسحاق بن ابراہیم سے کی ہے)

۴۔نصاب

نصاب اس مقررہ مقدار کو کہتے ہیں جس پر زکات واجب ہوتی ہے اور اس سے کم ہو تو زکات واجب نہیں ہوتی۔ ہر چیز کے لیے جداگانہ نصاب ہے۔

۵۔حول

حول پورے ایک سال کی مدت گزرنے کو کہتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ’’لَا زَكَاةَ فِيْ مَالٍ حَتّٰى يَحُوْلَ عَلَيْهِ الْحَوْلُ‘‘ (ابوداود:۱۵۷۳)۔مال میں زکات نہیں ہے جب تک کہ ایک سال نہ گذرے۔

اگر ایک سال کی مدت میں کمی ہو تو زکات نہیں ہے۔اگر سال کے اندر نصاب کا پورا مال یا بعض حصہ فروخت یا منتقل کرے تو مدت منقطع ہوگی اور اس کے بعد پھر دوبارہ خریدے تو جدید ملکیت ہوگی اور اس تاریخ سے مدت شمار ہوگی۔صراف سکہ جات کا تبادلہ اورخریدی کرتے ہیں اس کے لیے بھی مدت کی شرط ہے۔یہ عمل محض زکات سے بچنے کی نیت سے کرنا مکروہ ہے۔پیداوار، زراعت اور پھلوں کے لیے حول شرط نہیں ہے۔

۶۔سوم

سوم چرانے کو کہتے ہیں جو مفت کی چراگاہ میں ہو یا ایسی چراگاہ میں جس کی قیمت بہت کم ہو، اگر چراگاہ کی قیمت کافی ادا کرنا پڑے یا مویشی کو سال کے اکثر حصہ میں چارہ پر پالنا پڑے تو ان کے لیے زکات نہیں ہے۔اگر چارہ کی مقدار دوسری غذا کے مقابلہ میں کم ہو تو زکات واجب ہے، ورنہ نہیں۔سوم کی شرط صرف مویشی کے لیے ہے۔

زکات کی چیزیں

زکات کی چیزیں نو ہیں: اونٹ، گائے، بکری، سونا، چاندی، غلہ، کھجور، انگور اور مالِ تجارت۔

زکات کی چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن پر زکات واجب ہے۔سہولتِ مطالعہ

کی خاطر نو کی تعداد تفصیل سے بیان کی گئی ہے، ورنہ نو کی تقسیم منطقی نہیں ہے۔ کھجور اور انگور پھلوں کی قسم سے ہیں اور ان کے درمیان زکات کے تعلق سے کوئی فرق نہیں ہے۔ پھل کے عنوان میں ان دونوں کا ذکر ہوسکتا ہے۔ اسی طرح مالِ تجارت کے لیے علحدہ عنوان کی ضرورت نہیں۔ زکات کے لیے مالِ تجارت کی قیمت کا تشخص سونے یا چاندی کے ذریعہ ہوتا ہے، اس لیے مالِ تجارت کا شمار سونے اور چاندی کی تفصیل میں بیان کی ہے۔

تقسیم کا دوسرا طریقہ یوں ہوسکتا ہے: وہ چیزیں جن کے عین (ذات اور جنس) سے زکات نکالی جائے جیسے مویشی اور غلہ اور دوسرے وہ چیزیں جن کی قیمت سے زکات نکالی جائے جیسے مالِ تجارت۔

مویشی پر زکات

مویشی میں صرف اونٹ، گائے اور بکری پر زکات واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**فِی الْاِبِلِ صَدَقَتُهَا وَفِی الْغَنَمِ صَدَقَتُهَا وَفِی الْمَعْزِ صَدَقَتُهُ**'' (مسند احمد: ۲۱۵۹۷۔ مستدرک حاکم: کتاب الزکاۃ ۱۴۳۱۔ یہ روایت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے)

گھوڑوں پر زکات واجب نہیں ہے اگر تجارت کے لیے نہ ہوں اور خالی رکھے جائیں۔ امام ابوحنیفہ نے گھوڑوں پر بھی زکات واجب قرار دی ہے۔

گائے میں بھینس بھی داخل ہے۔ بھینس پر زکات واجب ہے۔

مویشی پر زکات واجب ہونے کے لیے سوم کی شرط ہے یعنی چرانے کا بار نہ ہو۔ اگر کسی کے مویشی مختلف مقامات پر ہوں تو ان کی مجموعی تعداد شمار کر کے نصاب کا تعین کیا جائے، ایک مقام پر بیس مویشی اور دوسرے مقام پر بیس مویشی ہوں تو ان میں ایک بکری کی زکات واجب ہوگی۔

اسی طرح ایک مقام پر چالیس اور دوسرے مقام پر چالیس بکریاں ہوں تو جملہ اسّی بکریاں ہوں گی اور ان کی زکات ایک بکری ہوگی۔

نصاب کے لیے مویشی میں ان کے بچوں کو بھی شمار کیا جائے گا، اگر چہ کہ ان پر ایک

سال کی مدت نہ گزری ہو۔

مویشی کے دو نصابوں کی درمیانی تعداد کے لیے کوئی زکات نہ ہوگی۔ مسافت کی دوری کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ برخلاف امام احمد کے جن کے نزدیک مسافت کی دوری کی صورت میں علحدہ علحدہ نصاب شمار کیا جائے گا۔

حاملہ مویشی کی زکات مالک کی رضامندی سے لی جائے، برخلاف قربانی کے جانور کے، حاملہ جانور کے گوشت کی حالت ردّی ہوتی ہے اس لیے قربانی میں جائز نہیں۔

مویشی پر زکات واجب ہونے کے لیے سوم یعنی مفت کی چرانے کی شرط ہے۔ جو مویشی سال کے اکثر حصہ میں چارے پر پالے جائیں ان پر زکات واجب نہیں ہے۔ اگر سال کے نصف یا اس سے کم زمانہ میں چارہ اس مقدار میں دیا جائے کہ اس کے بغیر بھی مویشی زندہ رہ سکتے تھے تو ان پر بھی زکات واجب ہے، ورنہ نہیں۔

اونٹ کا نصاب

اونٹ کا نصاب پانچ سے شروع ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَيْسَ فِيْمَا دُوْنَ الْخَمْسِ مِنَ الْإِبِلِ صَدَقَةٌ'' (مصنف ابن ابی شیبہ نے یہ باب قائم کیا ہے: ''من قال ليس فيما دون الخمس من الإبل صدقة''۔ جس میں علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے: ''إن لم تكن إلا أربع من الذود فليس فيها صدقة'' ۹۹۹۲) اونٹ پانچ سے کم ہوں تو زکات نہیں ہے۔

پانچ اونٹوں پر ایک بکری یا ایک مینڈھی کی زکات واجب ہے۔ بکری اور مینڈی میں نر اور مادہ دونوں کی اجازت ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ مینڈی میں ایک سالہ اور بکری میں دو سالہ عمر کی قید ہے۔ مینڈھی سے مراد ''ضأن'' ہے جس کو فارسی میں ''گوسفند'' کہتے ہیں اور بکری سے مراد ''معز'' ہے جس کو فارسی میں ''بز'' کہتے ہیں۔

دس اونٹوں میں دو بکریاں

پندرہ میں تین

بیس میں چار بکریاں زکات دی جائیں۔

پچیس اونٹوں میں ایک سالہ ایک اونٹ
چھتیس میں دوسالہ ایک اونٹ
چھیالیس میں تین سالہ ایک اونٹ
اکسٹھ میں چار سالہ ایک اونٹ
چھہتّر میں دوسالہ دو اونٹ
اکانوے میں تین سالہ دو اونٹ
ایک سو اکیس میں دوسالہ تین اونٹوں کی زکات واجب ہے۔

اس کے بعد ہر چالیس میں ایک دوسالہ اونٹ اور ہر پچاس میں ایک تین سالہ اونٹ کی زکات دی جائے۔ مثلاً ایک سو چالیس میں تین سالہ دو اور دوسالہ ایک اونٹ، ایک سو پچاس میں تین سالہ تین، ایک سو ساٹھ میں دوسالہ چار اونٹ، ایک سو ستر میں دوسالہ تین اور تین سالہ ایک اونٹ، ایک سو اسی میں تین سالہ دو اور دوسالہ دو اونٹ۔ ایک سو نوے میں تین سالہ تین اور دوسالہ ایک اونٹ، اور دو سو میں تین سالہ چار یا دوسالہ پانچ اونٹ زکات دئے جائیں۔

زکات کی تعداد نص کے لحاظ سے تعبدی ہے، ورنہ حساب سے یہ تعداد نہیں ہو سکتی۔

گائے کا نصاب

گائے کا نصاب تیس سے شروع ہوتا ہے۔ تیس سے کم تعداد ہو تو کوئی زکات نہیں ہے۔ بیل، بھینس بھی اسی میں داخل ہیں۔

تیس گائے میں ایک سالہ ایک نر پاڑے کی زکات واجب ہے۔ اگر نر پاڑے کے بجائے مادہ پاڑی زکات میں دیں تو اولی ہے۔

چالیس میں دوسالہ ایک پاڑی یا ایک سالہ دو پاڑے۔
ساٹھ پر ایک سالہ دو پاڑے۔
ستر پر ایک سالہ ایک پاڑا، دوسالہ ایک پاڑی۔
اسّی میں دوسالہ دو پاڑیاں۔

نوے پر ایک سالہ تین پاڑے۔

سو پر دو سالہ ایک پاڑی اور ایک سالہ دو پاڑے۔

ایک سو دس پر دو سالہ دو پاڑیاں اور ایک سالہ ایک پاڑا۔

ایک سو بیس پر دو سالہ تین پاڑیاں یا ایک سالہ چار پاڑے اور اسی طرح زکات دی جائے۔

بکری کا نصاب

بکری کا نصاب چالیس سے شروع ہوتا ہے۔ چالیس سے کم تعداد کے لیے کوئی زکات نہیں ہے۔ یہ نصاب بکری، مینڈھی، نر و مادہ کے لیے عام ہے مگر فرق یہ ہے کہ مینڈھی کی عمر ایک سال اور بکری کی عمر دو سال ہو۔

ایک سو اکیس میں دو بکریاں۔

دو سو ایک میں تین بکریاں۔

چار سو میں چار اور پھر ہر سو میں ایک بکری کی زکات واجب ہوگی۔

یہ تعداد بھی تعبدی ہے اور حساب پر موقوف نہیں ہے۔

اشتراک یعنی پارٹنر شپ

اشتراک یعنی باہمی مشارکت کو خلط کہتے ہیں اور خلط کی دو قسمیں ہیں، خلطۂ جوار اور خلطۂ شیوع۔

خلطۂ جوار دو چیزوں کی ایسی شرکت کو کہتے ہیں جس میں باہمی امتیاز ہو سکے۔

اور خلطۂ شیوع جس میں باہمی امتیاز نہ ہو سکے۔

یہاں خلطۂ جوار کے احکام بیان کئے گئے ہیں جو خلطۂ شیوع پر بدرجہ اولی صادق آئیں گے۔

اشتراک مویشی، اونٹ، گائے، بکری، سونے چاندی، مالِ تجارت، زراعت، میوہ اور معدن میں موثر ہے۔ دو اشخاص کی نقد رقم ایک تھیلی یا ایک صندوق میں ہو، دو کھیت یا دو باغ ملے

ہوئے ہوں، دواشخاص کا مالِ تجارت ایک دوکان میں ہو، دواشخاص بوقتِ واحد مالِ تجارت خریدیں،خزانہ،دوکان،نگہبان،نقدی نویس،صراف،تولنے والا،دلال،ترازووغیرہ میں امتیاز نہ ہو۔کھیت اور باغ میں محافظ،کھلیان،میوہ سکھانے کا مقام ایک ہوتو شراکت موثر ہے۔

شراکت اسی صورت میں موثر ہے جب کہ جنس کا اتحاد ہویعنی زکوۃ کی چیز ایک ہو۔ جنس میں اختلاف ہوتو اشتراک غیر موثر ہے،جیسا کہ ایک شخص کی گائے اور دوسرے شخص کی بکریاں ہوں۔

شراکت کے لیے شرط ہے کہ دونوں زکات دینے کے اہل ہوں ۔ایک مسلم اور دوسرا غیر مسلم ہوتو شراکت کا کوئی اثرنہیں ۔صرف اس شخص کے حصہ پر زکات لی جائے گی جو مسلم ہو۔شراکت کی نیت شرط نہیں ہے۔

دو مشترکہ اشخاص ایک شخص کی زکات دیں گے،دو آدمیوں کے مویشی مشترک ہوں تو دونوں کی مجموعی تعداد پر ایک شخص کے مویشی کی طرح زکات دی جائے،اس بارے میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔

شراکت کے اثرات

اشتراک کے چار مختلف اثرات ہیں:

۱۔اشتراک دونوں کے لیے تخفیف کا باعث ہوسکتا ہے جیسا کہ دو کی مشترکہ مساوی ملکیت میں اسّی بکریاں ہوں تو ان میں ایک بکری کی زکات ہے۔اگر علحدہ ہوتے تو ہر ایک کے ذمہ ایک بکری کی زکات ہوتی۔

۲۔اشتراک دونوں کے لیے زیادتی کا باعث ہوسکتا ہے جیسا کہ دو کی مشترکہ مساوی ملکیت میں چالیس بکریاں ہوں تو ان میں ایک بکری کی زکات ہوگی،اگر علحدہ ہوتی تو ان کے ذمہ کوئی زکات ہی نہ ہوتی۔

۳۔شراکت ایک کے لیے تخفیف اور دوسرے کے لیے زیادتی کی باعث ہوسکتی ہے جیسا کہ دو کی مشترکہ ملکیت میں ساٹھ بکریوں میں سے ایک کی تہائی اور دوسرے کی دو

تہائی بکریاں ہوں تو مجموعی طور پر ایک بکری کی زکات ہوگی، جس میں سے ایک تہائی بکری کی زکات پہلے شخص کی جانب سے اور دو تہائی بکری کی زکات دوسرے شخص کی جانب سے ہوگی۔ اگر یہ علحدہ ہوتے تو پہلے شخص کے ذمہ کوئی زکات ہی نہ ہوتی اور دوسرے شخص کے ذمہ ایک سالم بکری کی زکات ہوتی

۴۔ شراکت میں نہ تخفیف ہو اور نہ زیادتی جیسا کہ دو کی مشترکہ مساوی ملکیت میں دو سو بکریاں ہوں تو مجموعی طور پر دو بکریوں کی زکات ہوگی۔ اگر علحدہ ہوتے تو بھی ایک کے ذمہ ایک بکری زکات ہوتی۔

شراکت کی شرطیں

شراکت کی چھ شرطیں ہیں:

رات کے بسیرے کی جگہ، صبح کو جمع کرنے کی جگہ، چراگاہ، چرواہا، سانڈھ اور پانی پینے کی جگہ ایک ہو۔ ایک سے مراد یہ ہے کہ ان امور میں اشتراک اور اتحاد ہو اور امتیاز نہ ہو۔

مشترکہ مویشی دو تین مقامات پر رکھے جا سکتے ہیں مگر یہ عمل نہیں ہو سکتا کہ ایک کے مویشی ایک مقام پر اور دوسرے کے مویشی دوسرے مقام پر رکھے جائیں، اسی طرح چرواہوں، سانڈھوں اور پانی کے مقامات کئی ہو سکتے ہیں، حصہ داروں کی تخصیص کے بغیر یہ شرائط شراکت کے لیے مخصوص ہیں۔ زکات واجب ہونے کے شرائط ان کے علاوہ ہیں۔ دودھ دوہنے کی جگہ، دودھ دوہنے والے یا دودھ دوہنے کے برتن کا ایک ہونا ضروری نہیں ہے۔

سونے اور چاندی پر زکات

قیمتی چیزوں میں سونے اور چاندی پر زکات واجب ہے۔ سکہ کی شکل میں ہوں یا نہ ہوں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے ﴿وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيْمٍ﴾ (التوبۃ:۳۴) جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے تم ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

'کنز' اس مال کو کہتے ہیں جو زمین میں دفن کیا گیا ہو اور اس سے فی الوقت کوئی فائدہ نہ اٹھایا جائے، لیکن شریعت میں 'کنز' اس مال کو کہتے ہیں جس پر زکات نہ دی گئی ہو۔

قیمتی چیزوں میں صرف سونے اور چاندی پر زکات واجب ہے۔ موتی، یاقوت اور جواہرات پر زکات نہیں ہے۔ سونا اور چاندی نقد میں شمار کئے گئے ہیں اور لین دین ان کے ذریعہ عمل میں آتی ہے اور دنیا کا نظام ان پر قائم ہے، ان کے لینے اور دینے میں برکت ہے، اگر کسی نے بغیر فائدہ اٹھائے ان کو اٹھا رکھا ہو تو نقدین کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے، اس لیے ان پر زکات واجب کی گئی۔

ان پر زکات واجب ہونے کی وہی شرطیں ہیں جو اس سے پہلے بیان کی گئی ہیں، سوائے سوم یعنی چرائی کے جس کا تعلق مویشی سے ہے: اسلام، آزادی، ملکیت، نصاب اور حول کی پانچوں شرطیں باقی ہیں۔

کھیٹ : اعلی قیمت کی دھات کے ساتھ ادنی قیمت کی دھات ملانے کو کہتے ہیں جیسا کہ سونے کے ساتھ چاندی یا تانبا اور چاندی کے ساتھ کتھل وغیرہ کو ملایا جائے۔ کھیٹ والے سونے اور چاندی پر زکات اس وقت واجب ہوگی جب کہ اس کے خالص حصہ کا اندازہ ہو سکے اور وہ اندازہ نصاب کی مقدار کے مطابق ہو تو زکات میں خالص سونا یا چاندی نکال سکتے ہیں یا غیر خالص اس مقدار میں کہ اس سے خالص کی واجب مقدار برآمد ہو سکے۔

سکے ڈھالنا امام کے فرائض میں سے ہے اور امام کے لیے مکروہ ہے کہ کھیٹ سکہ چلائے۔ حدیث میں ہے: ''**مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا**'' (مسلم: باب قول النبی ﷺ من غشنا فلیس منا: ۲۹۴۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

امام کے سوائے دوسروں کے لیے خالص سکہ ڈھالنا مکروہ ہے اور کھیٹ کا سکہ ڈھالنا حرام ہے۔

زیورات پر زکات

سونے اور چاندی کے زیورات جن کا استعمال مباح ہے اور جو استعمال کئے جاتے

ہیں یا کم از کم جن کے استعمال کا ارادہ ہے ان پر زکات نہیں ہے۔ لیکن ان زیورات پر، جن کا استعمال مباح نہیں ہے یعنی مکروہ یا حرام ہے، زکات واجب ہے۔

سونے اور چاندی کے زیورات اور برتنوں کے استعمال کی نسبت طہارت کے بیان میں تفصیل سے احکام درج کئے گئے ہیں ملاحظہ ہو۔

متعدد زیورات پہننے کے لیے نہیں بلکہ بطورِ مال محفوظ جمع کئے جائیں تو ان پر بھی زکات واجب ہے۔ معیار یہ ہے کہ زیور مباح ہو، استعمال کی نیت ہو، اور اسراف نہ ہو تو اس زیور پر زکات نہیں ہے۔ بہر حال مباح استعمال کی غرض پوری ہو سکے تو زکات نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**أُحِلَّ الذَّهَبُ وَالْحَرِيْرُ لِإِنَاثِ أُمَّتِيْ وَحُرِّمَ عَلَىٰ ذُكُوْرِهَا**'' (نسائی: باب تحریم الذھب علی الرجال ۵۱۴۸۔ مسند احمد: ۱۹۵۲۔ یہ روایت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے ہے) سونا اور ریشم میری امت کی عورتوں پر حلال کئے گئے ہیں اور مردوں پر حرام۔

مرد کے لیے ایک مثقال چاندی کی انگوٹھی مسنون ہے۔ ایک مثقال چار ماشہ اور چار رتی کے مساوی ہے۔

سونے اور چاندی کے برتنوں کا استعمال حرام ہے، اس لیے اس پر زکات واجب ہے۔

جس زیور پر زکات واجب ہو جائے اور اس کے وزن اور قیمت میں اختلاف ہو تو قیمت کے لحاظ سے زکات دی جائے، نہ کہ وزن کے لحاظ سے۔

تمویہ کے معنی سونے اور چاندی سے کسی چیز کو ملمع کرنے کے ہیں۔ ملمع کئے ہوئے زیور کا استعمال اس لیے حرام ہے کہ اس میں مال ضائع ہوتا ہے۔

اختلاف: ائمہ شافعی، مالک اور ابن حنبل رضی اللہ عنہم کے پاس مباح زیورات پر زکات واجب نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ کے پاس مطلق زیورات پر زکات واجب ہے۔

سونے کا نصاب

سونے کا نصاب بیس مثقال سے شروع ہوتا ہے اور اس کا چالیسواں حصہ نصف مثقال زکات ہے۔ بیس مثقال کی مقدار تحدیدی ہے، اگر بیس مثقال میں تھوڑی بھی کمی ہو

تو اس پر زکات نہیں ہے۔حدیث میں ہے: "لَيْسَ فِيْ أَقَلِّ مِنْ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا شَيْئٌ وَفِيْ عِشْرِيْنَ نِصْفُ دِيْنَارٍ"۔(ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، البتہ ابن ماجہ میں ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "أن النبی ﷺ يأخذ من كل عشرين دينارا فصاعدا نصف دينار"۔کتاب الزکاۃ ۱۷۹۱)

دینار اور مثقال مساوی ہیں بلکہ ایک سکہ کے دونام ہیں۔مثقال ۳۱/ ۷ درہم کے مساوی ہے اور ہندوستان کے اوزان کے لحاظ سے ایک مثقال کا وزن تین ماشہ ایک رتی اور بیس مثقال کا وزن ساڑھے سات تولہ ہے۔(مثقال کی دو قسمیں ہیں: ایک عجمی مثقال، یہ ایک مثقال ۴۰۸ گرام ہے، اس اعتبار سے ۲۰ مثقال ۹۶ گرام ہوتا ہے، دوسرا عراقی مثقال ہے: یہ ایک مثقال ۵ گرام کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے بیس مثقال ایک سو گرام ہوتے ہیں۔احتیاط اس میں ہے کہ کم کو مان لیں اور وہ پہلی مقدار ہے، تاکہ فقیروں کا فائدہ ہو، اس اعتبار سے سونے کا نصاب ۹۶ گرام ہوتا ہے۔"الفقہ المنہجی" جلد دوم صفحہ ۲۷۱-۲۷۲) مکہ کے وزن کی نسبت یہ حدیث ہے: "اَلْمِكْيَالُ مِكْيَالُ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَالْوَزْنُ وَزْنُ أَهْلِ مَكَّةَ"۔(ابوداود: باب فی قول النبی ﷺ: المکیال مکیال أهل المدینة: ۳۳۴۲۔یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

مثقال کا وزن زمانہ جاہلیت اور اسلام دونوں میں ایک ہی تھا، مگر درہم زمانہ جاہلیت میں دو قسم کے رائج تھے؛ ایک کا وزن آٹھ دانق اور دوسرے کا چار دانق تھا۔عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں دونوں کا اوسط چھ دانق وزن مقرر کیا گیا اور بعض کا قول ہے کہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں یہ عمل ہوا۔

ایک ہی سونے کی مقدار سے ہر سال زکات نکالی جائے گی، جب تک کہ نصاب باقی رہے، حالاں کہ غلہ سے ایک مرتبہ زکات نکالنے کے بعد اگر کئی سال نصاب کی مقدار باقی رہے تو دوبارہ اس میں سے زکات نہیں نکالی جائے گی۔

سونے، چاندی اور ان کے سکوں کی نسبت ایک ہی حکم ہے۔بیس مثقال سے زیادہ کی زکات بھی اسی حساب سے ہوگی۔پچیس مثقال سونا ہو تو بیس مثقال کی زکات نصف مثقال اور پانچ مثقال کی زکات ۱/ ۸ مثقال اور جملہ زکات ۵/ ۸ مثقال ہوگی۔

سونے اور چاندی دونوں کا نصاب جداگانہ ہے۔سونے کے نصاب کی تکمیل کے

لیے چاندی کو نہ ملائے۔

چاندی کا نصاب

چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ (اس بات پر اتفاق ہے کہ دس درہم وزن میں سات مثقال کے برابر ہوتا ہے اور گرام کے اعتبار سے ۳۳ء۶ گرام کے برابر ہوتا ہے، اس طرح دو سو درہم ۶۷۲ گرام چاندی کے برابر ہوئے۔''الفقہ المنہجی'' جلد دوم صفحہ ۲۷۲) سے شروع ہوتا ہے اور اس کا چالیسواں حصہ پانچ درہم یعنی ایک تولہ تین ماشہ اور پانچ رتی زکات ہے۔ زیادہ پر بھی یہی حساب ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ''۔ (بخاری: ۱۴۱۳۔ مسلم: ۹۸۰) اواق اوقیہ کی جمع ہے اور اوقیہ چالیس درہم کے مساوی ہے۔ چاندی کی زکات سونے کی طرح ہر سال نکالی جائے گی، جب تک کہ نصاب باقی رہے۔

پیداوار کی زکات

پیداوار میں زکات واجب ہونے کے لیے مزید دو شرائط ہیں:

آدمیوں نے بویا ہو اور غلہ کھانے کا ہو اور جمع کیا جا سکے۔

غلہ کا نصاب بغیر بھوسہ کے ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ'' (البقرۃ: ۲۶۷) اور خرچ کرو ان اچھی چیزوں میں سے جو تم نے حاصل کی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کئے ہیں۔

زراعت کی پیداوار میں زکات واجب ہونے کے لیے اسلام، آزاد ہونا، ملکیت اور نصاب کی شرطیں بھی باقی ہیں۔ حول یعنی ایک سال کی مدت اور سوم یعنی چرائی کی شرطوں کا زراعت سے تعلق نہیں ہے۔

غلہ کی نسبت شرط یہ ہے کہ غذا کی جنس سے ہو جس کو آدمیوں نے بویا ہو جیسے گیہوں، جوار، چنا، جو، باجرا وغیرہ۔

ہر جنس کی تیاری پر زکات واجب ہوگی خواہ کتنی ہی مدت صرف ہو۔ غذائی اجناس کی شرط کی وجہ سے مصالحے اور دواؤں کے اجناس احکامِ زکات سے خارج ہو جاتی ہیں۔ زیرا،

دھنیاں، تل، خشخاش، الائچی، لونگ وغیرہ مصالحے اور سونٹھ، سیاہ مرچ، سونف اور اجوائن داؤوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

غذائی اجناس ایسی ہوں جو ذخیرہ کی جاسکتی ہوں۔ وہ اشیاء جو ذخیرہ نہیں کی جاسکتیں جیسا کہ بعض پھل تو اس پر زکات نہیں ہے۔نصاب ایک جنس کے غلہ پر ہوگا، دو جنسوں کو ملا کر نصاب کا حساب نہیں کیا جائے گا۔ایک ہی جنس کے غلہ کی مختلف قسمیں ہوں تو ان سب کو ملا کر نصاب کا تعین کیا جائے گا اور ان کے باہمی تناسب کے حساب سے یا اوسط درجہ سے زکات نکالی جائے گی۔

نصاب کے لیے ایک سال کی پیداوار کو دوسرے سال کی پیداوار سے نہ ملائے۔ ایک سال کی دو فصلوں کو ملائے۔سال سے مراد بارہ مہینے قمری ہیں۔

غلہ کا نصاب پانچ وسق تقریباً نو سو سیر (سات سو لیٹر: دائرۃ المعارف الإسلامیۃ ١٤/ ١٠٥) سے شروع ہوتا ہے۔نصاب کا تعین بھوسا اور چھلکا نکالنے کے بعد ہوگا۔حدیث میں ہے:
''لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسُقٍ صَدَقَةٌ''۔(بخاری:١٣٤٠۔مسلم ٩٧٩)

ایک وسق کے ساٹھ صاع تو پانچ وسق کے تین سو صاع ہوئے، ایک صاع کے چار مد ہو تو تین سو صاع کے بارہ سو مد ہوئے۔ایک مد کے ١-١/٣ رطل بغدادی تو بارہ سو مد کے سولہ سو رطل بغدادی ہوئے۔ایک رطل ١٢٨-٤/٧ درہم کے مساوی ہے۔درہم تین ماشہ ایک رتی کے برابر ہے۔غلہ کے نصاب کی مقدار تحدیدی ہے۔اگر غلہ ایسا ہو جس کو بھوسے کے ساتھ اٹھا کر رکھنے کی ضرورت ہو تو نصاب کے تعین کے لیے اس کے دانہ کی مقدار کا اندازہ کیا جائے۔نصاب سے زیادہ غلہ کی زکات اسی حساب سے ہوگی۔

بارش کے پانی یا بہتے ہوئے پانی سے آبیاری کی گئی ہو تو دسواں حصہ اور اگر ڈول، موٹر یا مشکیزہ یا جانور کے ذریعہ پانی پہنچایا جائے تو بیسواں حصہ زکات کی مقدار ہے اور علی ہذا۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:'' فِيمَا سَقَتِ السَّمَاءُ أَوِ الْعُيُونُ أَوْ كَانَ عَثَرِيًّا الْعُشْرُ وَفِيمَا سُقِيَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ ''۔(بخاری نے یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کی ہے:١٤١٢)

زراعت کی محنت ومشقت کے تناسب سے زکات کی مقدار مقرر کی گئی ہے۔جس

قسم کی زراعت میں محنت زیادہ ہو اس میں زکات کی مقدار کم اور جس میں محنت کم ہو اس میں زکات کی مقدار زیادہ ہے۔

کھیتی کی آبیاری بہتے پانی سے ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ، اگر ڈول اور جانور کے ذریعہ پانی پہنچائے تو پیداوار کا بیسواں حصہ زکات واجب ہے۔ قدرتی پانی اور مشقت سے حاصل کئے ہوئے پانی کی مقدار مساوی ہو تو چالیسویں حصہ کا تین گنا حصہ زکات ہے۔ (یعنی ساڑھے سات فیصد)

پھلوں میں کھجور اور انگور پر زکات واجب ہے۔ کھجور اور انگور جملہ پھلوں میں افضل شمار کئے گئے ہیں اور ان کے بعد انار کا درجہ ہے اور اس کے بعد بقیہ پھل، پھلوں میں زکات کے وجوب کے لیے اسلام، آزادی، ملکیت اور نصاب کی چار شرطیں ہیں۔ ان میں سے ایک شرط بھی مفقود ہو تو زکات واجب نہ ہوگی۔

پھلوں اور زراعت کی پیداوار کا نصاب ایک ہی ہے یعنی پانچ وسق جو نو سو سیر (سات سو لیٹر) کے مساوی ہے۔ اگر کسی درخت کے سال میں دو فصلیں ہوں تو ان دونوں کو نصاب اور زکات کے لیے علحیدہ شمار کیا جائے۔ پیداوار کی مقدار کی طرح زکات دسویں حصہ سے بیسویں حصہ تک ہوگی۔

زمین اور موسم کے اختلاف کی وجہ سے ایک ہی قسم کے مختلف درختوں کے پھل کے زمانہ میں اختلاف ہو تو ایک جگہ شمار کیا جائے۔ زکات سے پہلے پیداوار اور پھلوں کی کوئی مقدار اجرت یا صدقہ میں صرف نہ کی جائے، برخلاف امام احمد کے۔ ان کا قول ہے کہ کھانے اور ہدیہ میں تصرف جائز ہے اور اس کا شمار نہ ہوگا۔

مالِ تجارت

مالِ تجارت میں نصاب کے لیے مالیت کا تعین سال کے اخیر میں خریدی ہوئی قیمت پر ہوگا اور قیمت کا چالیسواں حصہ زکات ہوگی۔

فائدہ کی غرض سے مال کے ردو بدل کرنے کو تجارت کہتے ہیں اور شریعت میں فائدہ کی غرض سے تجارت کی نیت کے ساتھ عوض کے بدلہ مال کے ردو بدل کرنے کو تجارت کہتے ہیں۔

مالِ تجارت میں زکات واجب ہونے کے لیے سات شرطیں ہیں: پانچ شرائط اسلام، آزادی، ملکیت، نصاب اور حول یعنی ایک سال کی مدت کے وہی ہیں جو سونے اور چاندی میں مقرر ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں نصاب کے لیے پوری مدت کا لحاظ کیا جاتا ہے اور مالِ تجارت میں سال کے اخیر میں نصاب کا تعین کیا جاتا ہے۔

مالِ تجارت کے ہر تصرف کے وقت تجارت کی نیت ہو جب تک کہ پورا سرمایہ ختم ہو جائے تاکہ تجارت کے سرمایہ اور بیکار سرمایہ میں امتیاز ہو سکے۔ پورا سرمایہ ایک بار تجارت پر لگانے کے بعد تجارت کی نیت کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ یہ کافی ہے کہ رقم روکے رکھنے کی نیت نہ کرے۔ اگر ایسی نیت کرے تو مدت منقطع ہو گی اور تجارت کے لیے دوبارہ نئی نیت کرنا ضروری ہوگا۔

قیمت کا تعین اسی نقد میں کیا جائے جس نقد سے کہ مالِ تجارت خریدا گیا۔ اگر سال کے اخیر میں مالِ تجارت کی قیمت نصاب کے مطابق ہو تو زکات قیمت سے ادا کی جائے۔ زکات میں مالِ تجارت میں سے کوئی چیز دینا جائز نہیں۔ قیمت کا تعین سونے یا چاندی میں ہوتا ہے، اس لیے زکات بھی سونے یا چاندی میں دی جائے گی۔

اگر مالِ تجارت مویشی یا پھلوں کی قسم سے ہو تو اتفاق اس پر ہے کہ دو قسم کی زکات عائد نہ ہو گی۔ دونوں میں سے جس کے نصاب کی تکمیل ہو اس کی زکات دی جائے، جیسا کہ بکریوں کی تعداد چالیس ہے مگر ان کی قیمت نصاب کے مطابق نہ ہو تو مویشی کی زکات دی جائے یا یہ کہ بکریوں کی تعداد انتالیس ہو مگر قیمت نصاب کے مطابق ہو تو قیمت پر زکات دی جائے، اگر دونوں نصاب پورے ہوں تو عین کی زکات کو قیمت کی زکات پر ترجیح ہے جیسا کہ چالیس بکریاں ہوں اور ان کی قیمت بھی نصاب کے مطابق ہو تو بکری کی زکات دی جائے۔

معدن کی زکات

معدن (کان) سے جس وقت جس قدر سونا اور چاندی برآمد ہو اس کا چالیسواں حصہ زکات ہے، اگر سونا یا چاندی نکالنے کا کام مسلسل ایک ہی کان سے کئی دفعہ ہو رہا ہو تو مجموعی مقدار پر نصاب مقرر ہوگا۔

اگر کانیں مختلف ہوں یا بغیر کسی عذر کے کام کا سلسلہ رک جائے تو مختلف دفعات کی مقداروں کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے۔

سونا اور چاندی دستیاب ہوتے ہی زکات واجب ہوتی ہے مگر صفائی اور ان کو خالص بنانے کے بعد زکات نکالی جائے۔

نصاب کی مقدار وہی ہے جو سونے اور چاندی کے لیے متعین ہے۔ سونے کا نصاب بیس مثقال یعنی ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا نصاب دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولہ (۶۷۲ گرام) ہے۔ نصاب پر جس قدر زیادہ ہو اس کے تناسب سے زیادہ زکات نکالی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''وَفِي الرِّقَّةِ رُبُعُ الْعُشْرِ۔ (بخاری: باب زکاۃ الغنم ۱۴۵۴۔ یہ روایت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے) لَيْسَ فِيْ أَقَلِّ مِنْ عِشْرِيْنَ دِيْنَارًا شَيْءٌ وَفِيْ عِشْرِيْنَ نِصْفُ دِيْنَارٍ''۔ (ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت نہیں ملی، البتہ ابن ماجہ میں ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''أن النبی ﷺ یأخذ من کل عشرین دینارا فصاعدا نصف دینار''۔ کتاب الزکاۃ ۱۷۹۱)

حول یعنی سال گزرنے کی شرط نہیں ہے، جس وقت سونا اور چاندی برآمد ہو زکات واجب ہوگی۔

دفینہ پر زکات

دفینہ کا پانچواں حصہ زکات ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ جو مال دستیاب ہو، نصاب کی مقدار میں ہو، ایک سال گزرنے کی شرط دفینہ میں نہیں ہے جس طرح معدن میں نہیں ہے۔ دفینہ کا نصاب سونے اور چاندی کے نصاب کے مطابق ہے۔

لقطہ

لقطہ وہ مال ہے جو مسجد میں یا راستہ میں پڑا ہوا بغیر محنت کے دستیاب ہو اور جس کے مالک کا علم نہ ہو۔ پانے والے کے لیے مسنون ہے کہ اس کا اعلان کرے اور مالک بظاہر موجود ہو تو مالک کے حوالے کرے۔

فطرہ

فطرت کے معنی خلقت کے ہیں اور زکاتِ فطرہ سے ایسی زکات مراد ہے جس سے انسانی خلقت کی صفائی اور پاکی مقصود ہے۔ فطرہ کی زکات ہجرت کے دوسرے سال عیدالفطر سے دو روز پہلے واجب کی گئی۔ اس زکات سے غرض یہ ہے کہ اگر روزوں میں کوئی کمی ہو تو اس کی تلافی ہو جائے، جیسا کہ نماز کی کمی کا تدارک سجود سہو سے کیا جاتا ہے۔

فطرہ واجب ہونے کی شرطیں

زکاۃِ فطرہ واجب ہونے کے لیے چار شرائط ہیں:

۱۔ اسلام

۲۔ آزادی

۳۔ رمضان کے آخری روز سورج کا غروب

۴۔ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے عید کے دن کے نفقہ سے زائد مال

حضرت ابن عمر نے یہ حدیث بیان کی ہے: ''**فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکَاۃَ الْفِطْرِ مِنْ رَمْضَانَ عَلَی النَّاسِ صَاعًا مِنْ تَمَرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِیْرٍ عَلٰی کُلِّ حُرٍّ أَوْ عَبْدٍ ذَکَرٍ أَوْ أُنْثٰی مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ**''۔ (بخاری ۱۴۳۳۔ مسلم: ۹۸۴۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرض کرنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ اپنی جانب سے حکم دیا تھا، بلکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا جس کو آپ نے بندوں تک پہنچایا۔

زکات فطر واجب ہونے پر اجماع ہے۔ فطرہ دیتے وقت فطرہ کی نیت بھی واجب

ہے تاکہ امتیاز ہو۔ ابوشجاع نے تین شرائط بیان کئے تھے، خطیب اور بیجوری نے آزادی کی شرط کا اضافہ کیا۔

حدیثِ بالا میں 'مسلمین' کی قید ہے۔ مرتد کا فطرہ ملتوی رہے گا۔ اسلام کی طرف لوٹ آئے تو فطرہ واجب ہوگا، ورنہ نہیں۔

اسی طرح آزادی کی شرط ہے۔

زکاتِ فطر کا وقت

رمضان کے آخری دن سورج کے غروب سے فطرہ واجب ہوتا ہے۔ فطرہ واجب ہونے کے لیے ایسے وقت کی ضرورت ہے جس میں رمضان اور شوال دونوں مہینوں کے متصل اجزاء ملتے ہوں۔ رمضان کے آخری زمانہ اور شوال کے ابتدائی زمانہ سے اس کی ترکیب ہوتی ہے۔

اس شخص کی طرف سے فطرہ دیا جائے گا جو غروب کے بعد انتقال کر جائے اور اس نومولود کا نہیں دیا جائے گا جو غروب کے وقت یا غروب کے بعد پیدا ہو۔

یہ مسنون ہے کہ عید کی نماز سے پہلے فطرہ نکالے۔ عید کے دن آخر وقت تک فطرہ میں تاخیر کرنا مکروہ اور عید کا دن گزرنے تک تاخیر کرنا حرام ہے۔

خلاصہ یہ کہ فطرہ کے پانچ اوقات ہیں:

۱۔ وقتِ جواز؛ ماہ رمضان کے شروع سے نکالنا جائز ہے۔

۲۔ وقتِ محبوب؛ جب کہ رمضان کے آخری روز سورج غروب ہو جائے۔

۳۔ وقتِ فضیلت؛ عید کی نماز کو روانہ ہونے سے پہلے۔

۴۔ وقتِ کراہت؛ نماز سے فراغت کے بعد سے دن کے غروب تک تاخیر کرنا۔

۵۔ وقتِ حرمت: اتنی تاخیر کرنا کہ عید کا دن گزر جائے۔

زکاتِ فطر کا وقت نماز کے وقت کی طرح محدود ہے، برخلاف مال کی زکات کے۔

مال کی زیادتی

مال اتنا زیادہ ہو جو اپنے اور متعلقین کے عید کے دن اور رات کے نفقہ سے بآسانی

زیادہ ہو جائے۔ جس شخص کو یہ سہولت حاصل نہ ہو اس پر فطرہ واجب نہیں ہے۔ قرض سے زیادہ ہونے کی شرط نہیں ہے، مگر ابن حجر نے اس کو بھی شرطِ مقدم قرار دیا ہے۔ استطاعت کا تعین فطرہ کے وجوب کے وقت کیا جائے گا۔

فطرہ کی مقدار

مقدارِ فطرہ شہر کے غلہ سے ایک صاع یعنی تین سیر ہے، اپنے اور ان لوگوں کی طرف سے نکالے گا جن کی پرورش اس کے ذمہ ہو۔ فطرہ اپنی طرف سے اور ان متعلقین کی طرف سے جو مسلمان ہوں دیا جائے۔ اگر شہر میں متعدد اجناس بطور غذا استعمال کی جاتی ہوں تو اس جنس سے فطرہ دیا جائے جو اس ملک میں سال بھر میں عام طور پر استعمال کی جائے۔ رواج سے بہتر غلہ بھی فطرہ میں دیا جا سکتا ہے، البتہ بدتر دینا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران:۹۲) تم اس وقت تک بھلائی حاصل نہ کرو گے یہاں تک کہ اپنی پسندیدہ چیزوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرو۔

استطاعت نہ رہنے کی صورت میں ایک صاع سے کم بھی فطرہ دے سکتے ہیں۔ حدیث میں ہے: ''إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ'' (السنن الکبری للبیھقی: باب المریض یفطر ثم لم یصح ۸۴۷۴۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب میں تم کو کسی بات کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کی تکمیل کرو۔

استطاعت نہ ہونے کے لحاظ سے فطرہ اس ترتیب سے نکالا جائے: پہلے اپنا فطرہ، پھر بیوی کا، پھر کمسن اولاد کا، پھر باپ کا، پھر ماں کا، پھر بالغ فرزند کا اگر محتاج ہو۔

صاع کے چار مد ہوتے ہیں اور ایک مد کے ۱-۱/۳ رطل اور اس طرح ایک صاع ۵-۱/۳ رطل ہوئے۔ نووی نے رطل بغدادی کا وزن ایک سو اٹھائیس اور چار ساتویں ۱۲۸-۴/۷ درہم، اور رافعی نے ایک سو تیس درہم قرار دیا ہے۔ لیکن میں نے مکہ کے ایک مد کے پیمانہ کو ہندوستان میں وزن کیا تو تین پاؤ یعنی بارہ چھٹانک ہوا، اس لحاظ سے ایک صاع کے تین سیر ہوئے۔ (''دائرۃ المعارف الاسلامیہ'' نے ایک صاع تین لیٹر کے برابر قرار دیا ہے۔ ج ۱۴/ص ۱۰۵)

مستحقین زکات

مستحقین زکات آٹھ ہیں: فقراء، مساکین، عاملین، مولفین، غلام، مقروضین، غزات اور مسافرین میں سے ہر طبقہ میں کم سے کم تین اشخاص کو زکات دی جائے، سوائے عامل کے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدُقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينَ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (التوبۃ:۶۰)

اس آیت میں صدقات سے مراد زکات ہے اور زکات میں مال کی زکات اور جان کی زکات یعنی فطرہ دونوں شامل ہیں۔

''اِنما'' کے معنی بیشک اور تحقیق کے ہیں اور اس کا استعمال جملہ کے مضمون میں حصر پیدا کررہا ہے، یہاں حصر سے مراد یہ ہے کہ زکات ان ہی آٹھ طبقوں کے اشخاص کو دی جائے، ان طبقوں کے علاوہ کسی کو زکات نہ دی جائے اور اس حد تک چاروں ائمہ میں اتفاق ہے۔

مختلف طبقات کے درمیان جو واوِ عطف سے ربط پیدا کیا گیا ہے اس سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ ان طبقوں میں سے ہر ایک طبقہ کو زکات دینا واجب ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ کا یہ قول ہے کہ ان طبقوں میں سے کسی ایک طبقہ کو زکات دینا بھی جائز ہے۔ آیت کے ظاہری الفاظ کا اطلاق یہ ہے کہ ان آٹھوں طبقوں کے اشخاص پر زکات تقسیم کرنا واجب ہے مگر چوں کہ اس پر عمل کرنا دشوار ہے، اس لیے بعض فقہاء نے ایک طبقہ کو زکات دینا بھی جائز قرار دیا ہے اور حالیہ زمانہ میں اس پر عمل کرنے میں مضایقہ نہیں ہے۔

آٹھوں طبقات کو زکوۃ دی جائے

ان آٹھوں طبقوں کے اشخاص زکات واجب ہونے کی جگہ زکات نکالتے وقت

موجود ہوں تو ان سب کو مساوی طور پر زکات دینا واجب ہے۔ اگر ان طبقوں میں سے بعض طبقوں کے اشخاص مفقود ہوں تو بقیہ طبقوں کے اشخاص کو زکات دی جائے اور اگر سب کے سب مفقود ہوں تو ان کے دستیاب ہونے تک زکات کو محفوظ رکھا جائے اور جب ان میں سے کوئی دستیاب ہو تو زکات دی جائے۔

زکات جملہ طبقوں پر مساوی مقدار میں تقسیم کی جائے، سوائے عاملین کے، چاہے بعض طبقہ کی ضروریات دوسرے طبقوں کے مقابلہ میں زیادہ ہوں۔

ہر ایک طبقہ میں سے کم سے کم تین اشخاص کو زکات دی جائے مگر ان کے درمیان مساوات واجب نہیں ہے، جب مالک زکات تقسیم کرے تو عاملین کے طبقہ کو زکات ان کی محنت اور کارکردگی کے لحاظ سے دے۔ طبقات میں مساوی تقسیم کے حکم سے صرف عاملین کا زمرہ مستثنیٰ ہے۔ اس طبقہ میں تین اشخاص کی قید بھی نہیں ہے، ایک شخص کو بھی دے سکتے ہیں۔

مالک کے راست زکات تقسیم کرنے کی صورت میں عاملین کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

زکات کے لحاظ سے مال کی دو قسمیں ہیں: ظاہری اور باطنی۔

مویشی، پیداوار، زراعت، دفینہ اور پھل ظاہری مال میں اور نقدین، معدن اور مالِ تجارت باطنی مال میں شمار کیے گئے ہیں۔ ظاہری مال کی زکات مالک کے خود تقسیم کرنے کے مقابلہ میں امام کے حوالہ کرنا افضل ہے، اس لیے کہ امام مستحقین سے واقف ہوتا ہے۔ امام عادل نہ ہو یا اعتماد کے لائق نہ ہو تو مالک خود تقسیم کرے یا وکیل کے ذریعہ تقسیم کرائے۔

امام پر چار چیزیں واجب ہیں:

۱۔ جملہ طبقوں میں تقسیم کرے اگر پائے جائیں۔

۲۔ ہر ایک طبقہ کے جملہ افراد پر تقسیم کروائے۔

۳۔ طبقات میں مساوی طور پر تقسیم کرے۔

۴۔ ہر طبقہ کے افراد کو مساوی طور پر دے۔

زکوۃ کی منتقلی کے احکام

زکات کا مال دوسری جگہ منتقل کرنا حرام ہے۔ زکات واجب ہونے کی جگہ مستحقین نہ پائے جائیں یا مستحقین کو تقسیم کرنے کے بعد زکات کا مال بچا رہے تو قریب کی دوسری جگہ کے مستحقین کو زکات دی جائے۔ زکات کی جگہ جو اشخاص موجود ہوں ان کو زکات دی جائے۔ مستحقین کے لیے یہ شرط نہیں ہے کہ زکات کی جگہ کے رہنے والے ہوں۔

مالک اور امام میں فرق یہ ہے کہ مالک زکات کو دوسرے مقام پر منتقل نہیں کرسکتا اور امام اور امام کا نائب منتقل کرسکتا ہے۔

زکوۃ سے بری کرنے کا مسئلہ

جس طرح قرض خواہ کا قرض سے بری کرنا صحیح ہے زکات سے بری کرنا صحیح نہیں ہے۔ قرض خواہ قرض دار سے کہے کہ میں نے قرض معاف کردیا تو قرض معاف ہوجائے گا اور قرض دار قرض سے سبکدوش ہوگا، مگر مستحقینِ زکات مالک سے کہیں کہ ہم نے اپنی زکات کا حصہ معاف کردیا تو زکات کی ذمہ داری سے مالک سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

زکات لینے والا قبضہ کا اہل ہو

زکات کا مال لینے والے میں مال کے قبضہ کی صلاحیت ضروری ہے۔ نابالغ، مجنون اور فضول خرچ کو جس کو اصطلاحِ فقہ میں ''سفیہ'' کہتے ہیں، زکات دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ ان کی جانب سے ولی مالِ زکات لے سکتا ہے۔

زکات کی نیت

زکات کا مال علیحدہ کرتے وقت، اس کے بعد یا دیتے وقت نیت کافی ہے، نیت میں مال کا تعین واجب نہیں ہے لیکن تعین کرنے کے بعد اسی مال کو زکات میں دینا ہوگا۔

مجور کی طرف سے ولی نیت کرے گا۔ مجور اس شخص کو کہتے ہیں جس میں کوئی

نا قابلیت ہو جیسا کہ نابالغ اور مجنون۔

مالک کی نیت ضروری ہے، امام کی نیت کافی نہیں ہے، مگر یہ کہ مالک نہ دے اور امام جبراً وصول کرے۔

بطیبِ خاطر گرانی محسوس کئے بغیر زکات دینا مسنون ہے۔

ا۔فقراء

فقراء فقیر کی جمع ہے اور یہ مشتق ہے ''فقر'' سے، جس کے معنی پیٹھ کے منکوں کے ہیں اور فقیر کے معنی اس شخص کے ہیں جس کی پیٹھ کے منکے ٹوٹ جائیں اور اس معنی کو نقل کر کے ایسا شخص مراد لیا جاتا ہے جس کے پاس نہ مال ہو اور نہ ہنر، جس کے ذریعہ وہ اپنی پرورش کر سکے۔

اگر اس کے پاس مال یا ہنر ہو اور اس کی ضروریات زندگی سے نصف یا نصف سے کم ہو۔ اسبابِ زندگی و پرورش میں غذا، لباس اور رہائش داخل ہیں۔ اگر کسی شخص کی پرورش کے لیے دس اکائیوں کی ضرورت ہے اور اس کے پاس ایک، دو، تین یا چار اکائیاں ہیں تو وہ فقراء کے زمرہ میں داخل ہے۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ مالِ مقبوضہ کے نصاب کے مطابق یا نصاب سے کم یا زیادہ ہونے سے فقیر کے زکات کا اہل ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

فقراء کو اتنی زکات دیں کہ اس کی غالب عمر کے لیے کافی ہو سکے۔ غالب عمر کی مقدار تاریخ پیدائش سے باسٹھ سال قرار دی گئی ہے۔ زکات کے مال سے یہ لوگ زمین ایسی خریدیں کہ بقیہ عمر اپنی روزی حاصل کر سکیں۔ ہنر اور پیشہ کی انجام دہی کے لیے پیشہ کے آلات اور وسائل بھی خرید سکتے ہیں۔ امام جس طرح غازیوں کو زمین دلا سکتا ہے، مالِ زکات سے فقراء کو بھی زمین دلا سکتا ہے۔ تجارت کی طرف مائل ہو تو تجارت کے اسباب خریدے جائیں۔

فقراء کی قسمیں

خلاصہ یہ کہ فقراء کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ شخص جس کے پاس مال نہ ہو اور نہ ہنر جانتا ہو۔
۲۔ دوسرا وہ شخص جس کے پاس مال ہو یا ہنر جانتا ہو مگر حلال نہ ہو۔
۳۔ تیسرا وہ شخص جس کے پاس مال یا ہنر حلال ہو مگر اس کی ضرورتیں پوری نہ کر سکے۔
وہ شخص جس کے ہاتھ میں نقد نہ ہو، مگر دیگر ضروری اسباب کی موجودگی کی وجہ سے بے نیاز ہو تو اس کو زکات نہیں دی جائے گی۔

۲۔ مساکین

مساکین مسکین کی جمع ہے جو سکون سے مشتق ہے۔ مسکین ایسے شخص کو کہتے ہیں جو بوجہ افلاس بیٹھ گیا ہو۔ شرع میں مساکین ان لوگوں کو کہیں گے جو مال یا ہنر رکھتے ہوں مگر اس سے اس کی زندگی کی آدھی یا اس سے زیادہ ضروریات پوری ہوتی ہوں، لیکن اس کے لیے کافی نہ ہوتا ہو، جیسا کہ مثالِ سابق میں ایک شخص کی پرورش کے لیے دس اکائیوں کی ضرورت ہے اور اس کے پاس پانچ، چھ، سات، آٹھ یا نو اکائیاں ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ دنیاوی حالت میں مسکین سے فقیر کی حالت بدتر ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿أَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِيْنَ﴾ (الکھف: ۷۹) لیکن کشتی مسکینوں کی تھی۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ فقیر سے مساکین کی حالت بدتر ہے۔ ''أَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ'' (البلد: ۱۶) یا مسکین جس کی ناک کو مٹی لگی ہو یعنی بدحال۔

فقیر کی طرح مسکین بھی مالِ زکات سے زمین یا اپنے ہنر کے آلات خرید سکتا ہے یا امام یہ اسباب مسکین کے لیے مہیا کر سکتا ہے۔

فرض کفایہ کی مصروفیت فقر و مسکنت کی صفات کے لیے مانع نہیں ہے، مگر نوافل کی مصروفیات مانع ہیں۔ علم شرعی کا حصول فرضِ کفایہ ہے، اس لیے علم شرعی کے حصول میں مصروفیت کی وجہ سے کوئی شخص کما نہ سکے تو اس کو زکات دی جا سکتی ہے۔ فقہ، تفسیر اور حدیث علم شرعی میں شمار کیے گئے ہیں۔

۳۔ عاملین

عاملین وہ اشخاص ہیں جن کو امام صدقات کے وصول کرنے اور صدقات کو مستحقین پر تقسیم کرنے کے لیے مامور کرے۔ زکات کے جمع کرنے والے کو ساعی، تقسیم کرنے والے کو قاسم اور مستحقین کو جمع کرنے والے کو حاشر کہتے ہیں۔ ان کو خدمت کا معاوضہ زکات سے ملتا ہے، اس لیے ان کی نسبت استطاعت کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ ان اشخاص کو باوجود مالدار ہونے کے زکات دی جاتی ہے۔ ان کی نسبت شرط ہے کہ مسلمان ہوں۔ آزاد اور مرد ہونے کی قید نہیں ہے۔

۴۔ مؤلفین

مؤلفین تالیف سے ہے اور مؤلفین ان نومسلموں کو کہتے ہیں جن کو تالیفِ قلوب کے لیے زکات دی جاتی ہے۔

مولفین کی قسمیں

مولفین کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ شخص جو اسلام لایا ہو مگر اس کے اسلام میں کمزوری ہے اور زکات اس کے تالیف قلب کی باعث ہو سکے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص جس نے اسلام لایا اور ارادہ بھی قوی رکھتا ہے اور اس کو اپنی قوم میں ایسا شرف حاصل ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی دوسرے کفار کو اسلام کی طرف ترغیب دلائے

۳۔ تیسرا وہ شخص جو اطراف کے کفار کے شر سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے

۴۔ چوتھا وہ شخص جو زکات کے مانعین کے شر سے مسلمانوں کو بچائے

ان سب کے لیے شرط ہے کہ مسلمان ہوں۔ بلحاظ حالات و مناسبت امام ان کو زکات دے گا۔

ایمان کے تعلق سے مسلمانوں کے مدارج

ایمان کے تعلق سے مسلمانوں کے تین مدارج ہیں:

۱۔ایک درجہ عام انسانوں کا ہے جن کا ایمان کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے۔
۲۔دوسرا درجہ ملائکہ کا ہے جن کا ایمان نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم۔
۳۔تیسرا درجہ انبیاء علیہم السلام کا ہے جن کا ایمان ہمیشہ زیادہ ہوتا رہتا ہے اور کم نہیں ہوتا۔

۵۔رقاب

رقاب: رقبہ کی جمع ہے جس کے معنی گردن کے ہیں اور اس سے مراد غلام ہیں اور غلاموں کے طبقہ سے مراد یہ ہے کہ غلاموں کو غلامی سے رہائی دلانے کے لیے زکات دی جائے۔غلاموں سے وہ مکاتب مراد ہیں جن کے حق میں رہائی کی نسبت معاہدہ تحریر کیا گیا ہو۔ڈاکٹر حمید اللہ کا قول ہے کہ دشمن کے ہاتھ قید شدہ لوگوں کا فدیہ بھی اس زمرہ میں داخل ہے۔اس مد میں زکات کی مقدار کا تعین غلاموں کے مالک کی تصدیق پر ہوگا۔

۶۔غارمین

غارمین: غرم سے ہے جس کے معنی لزوم کے ہیں اور چوں کہ داین (قرض خواہ) اور مدیون (قرض دار) ایک دوسرے کے لازم وملزوم ہیں اس لیے دونوں کو غریم کہتے ہیں، یہاں غارمین سے مقروضین مراد ہیں، جن کو قرض کی ادائیگی کے لیے زکات دی جائے۔

۷۔مجاہدین

فی سبیل اللہ کے معنی اللہ کے راستے کے ہیں اور اس سے مراد ایسا راستہ ہے جو اللہ تک پہنچائے اور یہ ہر ایک بندگی اور اطاعت پر مشتمل ہے، مگر شریعت کے عرف میں اس سے مراد جہاد ہے اور اس طبقہ سے ان غازیوں کی امداد مطلوب ہے جن کے لیے کوئی معاوضہ مقرر نہیں ہے۔اس طبقہ کے لوگوں کو باوجود تونگر ہونے کے حسبِ ضرورت زکات دی جائے۔

اس طبقہ کے افراد کے لیے مرد ہونے کی قید ہے۔غازی کو اس کی اور اس کے اہل و عیال کی پرورش، سفر، اقامت وغیرہ کی ضروریات کے مطابق زکات دی جائے۔غازی کا بیان قسم کے بغیر کافی ہے۔

۸۔ابن السبیل یعنی مسافر

ابن السبیل راستہ چلنے والے مسافر کو کہتے ہیں جس کا سفر معصیت کے لیے نہ ہو اور فی الوقت تنگدست ہو۔اس طبقہ کے لوگوں کو اتنی زکات دی جائے جو ان کو منزل مقصود تک پہنچائے۔اس غرض کے لیے بغیر قسم کے مسافر کا بیان کافی ہے۔

ممنوعین زکات

ممنوعین زکات پانچ ہیں:

۱۔تونگر؛ مال یا ہنر کی وجہ سے۔

۲۔غلام۔

۳۔بنی ہاشم اور بنی مطلب۔

۴۔کافر۔

۵۔وہ شخص جو دوسرے کی پرورش میں ہو۔

ان پانچوں طبقوں کے لوگوں کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔

تونگر کو زکات دینا جائز نہیں ہے خواہ مال کی وجہ سے تونگر ہو یا ہنر کی وجہ سے یا دونوں کی وجہ سے۔

غلام کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔ یہاں غلام سے مراد غیر مکاتب ہے۔مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس کی رہائی کے لیے صحیح معاہدہ عمل میں آیا ہو۔مکاتب کو رہائی دلوانے کے لیے زکات دی جائے گی۔

بنی ہاشم اور بنی مطلب اور ان کے آزاد کردہ غلاموں کے خاندان کے اشخاص کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔مرد اور عورت دونوں ان میں شریک ہیں۔حدیث میں ہے: ’’**إِنَّ هٰــذِهِ الـصَّـدُقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ** ‘‘(مسلم: باب ترک استعمال آل النبی الصدقۃ ۱۰۷۲۔ یہ روایت ربیعہ بن حارث رضی اللہ عنہ سے ہے) بے شک صدقات

لوگوں کے میل ہیں اور اس اعتبار سے محمد اور آل محمد کے لیے موزوں نہیں ہیں۔

یہ بھی روایت ہے: ''لَا أُحِلُّ لَكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ مِنَ الصَّدَقَاتِ شَيْئًا وَلَا غَسَالَةَ الْيَدِ، إِنَّ لَكُمْ فِي خُمُسِ الْخُمُسِ مَا يَكْفِيكُمْ أَوْ يُغْنِيكُمْ '' (معرفۃ الصحابۃ: ۵۸۳۲۔ المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱۳۷۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) اے اہل بیت! صدقات میں سے کچھ بھی تمھارے لیے حلال نہیں ہے۔ بے شک تمہارے لیے خمس الخمس (پانچویں کے پانچویں) سے ایسا حصہ مقرر ہے جو تم کو کافی ہے بلکہ زیادہ ہے۔

اصطخری کا قول ہے کہ اگر ان خاندانوں کے لوگ خمس الخمس سے حصہ نہ پاتے ہوں تو ان کو زکات دینا جائز ہے۔

خاندانِ بنی ہاشم اور بنی مطلب کے افراد زکات لینے سے منع کیے گئے ہیں۔ زکات واجب صدقہ ہے، اس لیے نفل صدقہ اس سے خارج ہے۔ نفل صدقہ یہ لوگ بھی پا سکتے ہیں۔

صدقہ

صدقہ صدق سے مشتق ہے جس کے معنی سچائی کے ہیں، اس کو صدقہ اس لیے کہا گیا کہ صدقہ دینے والے کا ایمان سچا ہوتا ہے۔ تطوع فرض پر زیادتی کو کہتے ہیں اور تطوع صدقہ کو صدقہ مندوبہ بھی کہتے ہیں۔

نووی کا قول ہے کہ صدقہ واجبہ اور صدقہ مندوبہ دونوں آل نبی اور ان کے آزاد کردہ غلاموں پر حلال نہیں ہیں۔ واجب نذر، واجب کفارہ، واجب قربانی اور نفل قربانی میں سے واجب حصہ کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔

نفل صدقہ مسنون ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فمن یعمل مثقال ذرة خیراً یرہ﴾ (الزلزلۃ: ۷) جو شخص ذرّا برابر بھی نیک کام کرے تو اس کا اجر پائے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمَرَةٍ''۔ (بخاری: باب طیب الکلام ۶۰۲۳۔ مسلم: باب الحث علی الصدقۃ ولو بشق تمرۃ ۲۳۹۵۔ یہ روایت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے ہے) آگ سے بچو اگرچہ کہ ایک کھجور دے کر ہی کیوں نہ ہو۔

پسندیدہ چیز صدقہ کرنا مسنون ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ (آل عمران: ۹۲) تم نیکی نہ پاؤ گے یہاں تک کہ اس چیز کو خرچ کرو جس کو تم پسند کرتے ہو۔

صدقہ دے کر احسان جتانے سے اس کا ثواب ختم ہو جاتا ہے اور یہ حرام ہے۔ اللہ تعالی کی جانب سے بندوں پر جو احسان ہوتا ہے اس کا اظہار پسندیدہ ہے۔

رمضان مبارک میں، حاجتوں کے وقت، کسوف کے وقت، مرض کے وقت، سفر، حج اور جہاد کے وقت، عاشورہ ذی الحجہ میں، ایام عید میں اور مکہ اور مدینہ میں صدقہ زیادہ دینا چاہیے، نفل صدقہ تونگروں، قرابت داروں، دوستوں اور کافروں کو دے سکتے ہیں۔

نفل صدقہ چھپا کر دینا اور واجب صدقہ برملا دینا چاہیے۔ اپنی ضرورتوں سے زیادہ کا صدقہ میں دینا مسنون ہے۔ اپنی ضرورت کی چیزوں کو صدقہ میں دینا حرام ہے۔ یہ اس وقت ہے جب وہ اپنی تنگی پر صبر نہ کر سکے، ورنہ اس میں بھی حرمت نہیں ہے، صدقہ قرض دینے سے افضل ہے۔

کافر کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: ''صَدَقَةٌ تُؤْخَذُ مِنْ أَغْنِيَائِهِمْ فَتُرَدُّ عَلٰى فُقَرَائِهِمْ''۔ (بخاری: ۱۳۳۱، مسلم ۱۹) صدقہ (ایسی چیز ہے) جو ان مسلمانوں کے تونگروں سے لیا جاتا ہے اور ان (مسلمانوں) کے فقیروں پر بانٹ دیا جاتا ہے۔

اس شخص کو جو دوسرے کے زیر پرورش ہو زکات دینا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ وہ محتاج نہیں ہے۔

صیام (روزے)

(رویت، شرائطِ صحت، شرائط وجوب، ارکان، مبطلات، مستحبات،
ایام ممنوعہ، یومِ شک، تواصل، کفارہ، صیام تطوع، اعتکاف)

صیام کے لغوی معنی

صیام اور صوم کے معنی امساک اور رکے رہنے کے ہیں۔ گفتگو سے رکے رہنے اور بات چیت نہ کرنے کو بھی صوم کہتے ہیں، جیسا کہ مریم علیہا الصلاۃ والسلام کی زبان سے کلام مجید میں یہ ذکر ہے: ''إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا '' (مریم:۲۶) بے شک میں نے اللہ تعالی کے لیے بات نہ کرنے کی نذر کی ہے۔

صیام کے شرعی معنی

شرع میں ایک خاص نیت کے ساتھ روزہ توڑنے والے امور سے دن بھر رکے رہنے کو صیام کہتے ہیں۔ رمضان ماخوذ ہے ''رمض'' سے، جس کے معنی شدتِ حرارت کے ہیں اور چوں کہ روزہ میں حرارت ہوتی ہے اس لیے روزہ کے مہینے کو ماہِ رمضان کہا گیا۔ رمضان کے روزہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ، أَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا أَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَامٍ أُخَرٍ﴾ (البقرۃ: ۱۸۳۔۱۸۴) اے ایمان والو! تم پر روزہ فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر، شاید کہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔ روزے گنتی کے تھوڑے دن ہیں۔ تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی دوسرے دنوں میں روزہ رکھے۔

روزہ کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے

''بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ'' (بخاری:۸،مسلم۱۶) کی حدیث میں اسلام کے پانچ ارکان بیان کیے گئے ہیں۔ان میں سے ایک رکن رمضان کا روزہ ہے۔رمضان کے روزے کے فرض ہونے کا انکار کرنے والا کافر بن جاتا ہے۔روزے کے وجوب سے انکار نہ کرکے بغیر عذر روزے کو ترک کرے تو اس کو قید کیا جائے اور دن کے وقت کھانے پینے سے روکا جائے،تاکہ روزہ کی ظاہری صورت قائم رہے۔

فرض روزے کی ابتدا

ہجرت کے دوسرے سال شعبان کے مہینہ میں روزہ فرض کیا گیا۔نبی ﷺ نے نو رمضانوں میں روزہ رکھا جن میں سے ایک دفعہ پورے روزے رکھے اور آٹھ دفعہ کم روزے رکھے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ عذرِ شرعی کے ساتھ کم روزے بھی پورے روزوں کے برابر ہیں۔شرعی اعذار کیا ہو سکتے ہیں،روزوں کی اس کمی سے توضیح ہوتی ہے۔

قدیم شریعتوں میں بھی روزہ فرض تھا

روزہ قدیم شریعتوں میں بھی تھا،مگر جس کیفیت کے ساتھ اس امت پر فرض کیا گیا ہے،اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

روزہ حج سے افضل ہے

روزہ حج سے افضل ہے جیسا کہ حدیث میں پانچ ارکانِ اسلام کی ترتیب سے ظاہر ہے۔بعض کا قول ہے کہ حج روزے سے افضل ہے،اس لیے کہ حج کا فرض عمر میں ایک مرتبہ ہے اور حج کی وجہ سے کبیرہ اور صغیرہ دونوں گناہ معاف ہو جاتے ہیں،مگر فقہ میں روزہ کو عام طور پر مقدم اس لیے کیا جاتا ہے کہ روزہ کثرتِ افراد پر فرض ہے اور اس کے مقابلہ میں حج کم لوگوں پر فرض ہے۔

روزوں کے تین درجے

امام غزالی نے روزہ داروں کے حالات کے لحاظ سے روزوں کے تین درجے بیان کیئے ہیں:

۱۔عام لوگوں کا روزہ

۲۔خاص لوگوں کا روزہ

۳۔خاص الخاص لوگوں کا روزہ۔

عام لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ پیٹ کو غذاؤں سے اور شرمگاہ کو فحش سے روکے۔

خاص لوگوں کا روزہ یہ ہے کہ کان، آنکھ، زبان، ہاتھ پاؤں اور تمام اعضاء و جوارح کو معاصی سے روکے اور مذموم صفات اور افعال سے باز رہے۔ افطار میں بھی حلال غذا کی کثرت نہ کرے اور اپنے دل میں بے چین رہے کہ آیا اس کا روزہ قبول ہوا یا نہیں۔ یہ مؤمنین صالحین کا روزہ ہے۔

خاص الخاص کا روزہ یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ سے اپنے قلب کو پاک کرے۔ دنیاوی باتوں کو اپنے دل میں آنے نہ دے۔ اللہ کے سوا تو درکنار یوم آخرت کے دھیان سے بھی یہ روزہ ٹوٹے گا۔ یہ درجہ انبیاء، صدیقین اور مقربین کا ہے۔

روزوں کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**أُعطِيَتْ أُمَّتِي فِي شَهْرِ رَمَضَانَ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي ، أَمَّا الْأُولٰى فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ أَوَّلُ لَيْلَةٍ مِّنْهُ نَظَرَ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ وَمَنْ نَظَرَ إِلَيْهِ لَا يُعَذِّبُهُ أَبَدًا ۔ وَأَمَّا الثَّانِيَةُ فَإِنَّهُمْ يُمْسُونَ وَخَلُوفُ أَفْوَاهِهِمْ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ ۔ وَأَمَّا الثَّالِثَةُ: فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ۔وَأَمَّا الرَّابِعَةُ: فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ جَنَّتَهُ فَيَقُولُ لَهَا: اِسْتَعِدِّي وَتَزَيَّنِي لِعِبَادِي أَوْشَكَ أَن يَّسْتَرِيحُوا مِنْ تَعَبِ الدُّنْيَا إِلٰى**

دَارِ كَرَامَتِیْ ۔وَأَمَّا الْخَامِسَةُ: فَإِنَّهُ إِذَا كَانَ آخِرَ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُمْ جَمِيْعًا۔ فَقَالَ رَجُلٌ : أَهِيَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ: لَا ۔ أَلَمْ تَرَ الْعُمَّالَ يَعْمَلُوْنَ فَإِذَا فَرَغُوْا مِنْ أَعْمَالِهِمْ وَفُّوْا أُجُوْرَهُمْ۔ (شعب الإیمان: فضائل الصوم ۳۳۳۱ص ۲۲۰/۵۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

''ماہِ رمضان میں میری امت کو پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں، پہلی چیز یہ ہے کہ اس رمضان کی پہلی رات کو اللہ تعالی ان کی طرف دیکھتا ہے اور جس کی طرف وہ دیکھتا ہے اس کو کبھی عذاب میں نہیں ڈالتا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ جب وہ شام کرتے ہیں تو ان کے منھ کی بو اللہ کے پاس مشک سے بہتر ہوتی ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ بے شک فرشتے ان کی مغفرت کے لیے دن رات دعا کرتے ہیں۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ بیشک اللہ تعالی جنت کو حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ تیار ہو جاؤ اور آراستہ ہو، میرے بندے دنیا کی تکلیف سے میری کرامت کے گھر میں آرام لینے کے لیے قریب میں آئیں گے۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ جب رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو اللہ تعالی ان سب کو بخش دیتا ہے''۔

ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا وہ شبِ قدر ہے؟

تو آپ نے فرمایا: ''نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کام کرنے والے جب کام کرتے ہیں اور فراغت پاتے ہیں تو ان کو پوری اجرت ملتی ہے''۔

''**یمسون**''''**مساء**'' سے مشتق ہے اور''**مساء**'' زوال کے بعد سے آدھی رات تک ہے۔ زوال سے قبل کے وقت کو صبح کہتے ہیں۔

روزہ واجب ہونے کا وقت

رمضان کا روزہ تین طرح فرض ہوتا ہے:

۱۔اکثر مدت پر۔
۲۔رؤیت ہلال پر۔
۳۔یا اجتہاد پر۔

اکثر مدت

شرع میں مہینہ کی اکثر مدت تیس دن ہے۔شعبان کے مہینے کے تیس دنوں کے پورے ہونے پر رمضان کا روزہ فرض ہوتا ہے، رمضان کا چاند نظر آئے یا نظر نہ آئے، مطلع صاف ہو یا ابر آلود۔شعبان کے تیس دنوں کے گزرنے کے بعد کا دن رمضان کا پہلا دن ہوگا۔

رویت ہلال

شعبان کے مہینہ کی تیسویں رات کو رؤیت ہلال کے ثابت ہونے پر رمضان کا روزہ فرض ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ يَوْمًا'' (بخاری:۱۸۱۰۔مسلم:۱۰۸۰) روزہ رکھو (رمضان کا) ہلال کے نظر آنے پر اور افطار کرو (شوال کے) ہلال کے نظر آنے پر۔اگر ابر کی وجہ سے نظر نہ آسکے تو شعبان کے تیس دنوں کی مدت مکمل کرو۔

حاکم کے سامنے ایک عادل گواہ کے اس بیان سے رؤیت ثابت ہوتی ہے کہ میں نے رمضان کا چاند دیکھا ہے۔ابن عمر نے بیان کیا ہے: ''أَخْبَرْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم أَنِّیْ رَأَيْتُ الْهِلَالَ فَصَامَهُ وَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ'' (ابوداود: باب فی الشھادۃ الواحد علی رؤیۃ ھلال رمضان ۲۳۴۲) میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو آپ نے روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

یہاں خبر دینے سے مراد یہ ہے کہ شہادت کے ذریعہ خبر دی تھی۔اس حدیث کی روایت ابوداؤد نے کی ہے اور ابن حبان نے اس کی تصحیح کی ہے۔(ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''جاء أعرابی إلی النبی ﷺ فقال: إنی رأيت الهلال. قال: أتشهد أن لا إله إلا الله وأن

محمدا رسول الله؟ قال: نعم. قال: يا بلال؛ أذن في الناس أن يصوموا غدا ''۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے ۶۹۱)

ترمذی نے یہ دوسری حدیث بیان کی ہے (ترمذی کی روایت کا حوالہ اوپر گزر چکا ہے): ''أَنَّ أَعْرَابِيًّا شَهِدَ عِنْدَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم بِرُؤْيَتِهِ فَأَمَرَ النَّاسَ بِصِيَامِهِ ''ایک اعرابی نے نبی ﷺ کے پاس چاند دیکھنے کی گواہی دی تو آپ نے سب کو روزہ رکھنے کا حکم دیا۔

یہ احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایک آدمی کی شہادت پر رؤیت کو ثابت قرار دیا گیا، ورنہ دوسرا گواہ نہ ملنے پر روزہ چھوڑنا لازم آتا۔

''رویت کے اثبات پر'' سے مراد یہ ہے کہ حاکم کے حکم کے بغیر روزہ واجب نہ ہوگا۔ یہ ایک مہینہ جو عبادت پر مشتمل ہے، ایک عادل گواہ کی رویت کی شہادت پر ثابت قرار دیا جائے گا۔ معتمد یہ ہے کہ شوال بھی مستقل طور پر ایک شاہد عدل کے بیان پر ثابت قرار دیا جائے گا، اس لیے کہ اس میں بھی عبادت شامل ہے، فطرہ عید کے دن واجب ہے۔

عادل گواہ کی گواہی پر رویت قرار دی گئی اور تیس روزے رکھے گئے تو اس کے بعد رویت ہلال، شوال نہ ہونے یا مطلع کے ابر آلود ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ تیس دنوں کے بعد کا دن شوال کا دن قرار پائے گا۔

دوسری جگہ چاند نظر آ جائے

ایک مقام کی رویت دوسرے مقام کے باشندوں کے لیے ثابت ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دونوں مقامات کا مطلع ایک ہو۔ سورج اور ستاروں کا طلوع اور غروب ایک ہی جگہ اور ایک ہی وقت میں ہو۔ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ مسافت تین منزل یعنی بہتر میل متعین کی گئی ہے۔ مسافت اس سے زیادہ ہو تو مطلع مختلف ہوگا۔

اگر طلوع یا غروب کے اوقات میں تقدیم یا تاخیر ہو تو اس مقام کے باشندوں پر روزہ واجب نہیں جہاں چاند نظر نہیں آیا ہے۔ البتہ کوئی اس مقام کا سفر کرے اور وہاں کے باشندوں کو روزے یا بے روزے کی حالت میں پائے تو ان کی موافقت اس پر لازم ہے،

چاہے مہینے کے اول میں ہو یا اخیر میں، قصر کی مسافت ہو یا نہ ہو۔ سفر کی اکثر مدت کی بحث مسافر کے لیے باقی نہیں رہتی اگر چہ کہ مسافر کے روزے اٹھائیس ہو جائیں یا اکتیس۔ کمی کی صورت میں قضا کرنا ہوگا۔

نماز کی نسبت بھی یہی حکم ہے۔ ایک شخص نے مغرب کی نماز پڑھی اور سفر کر کے ایسے مقام پر پہنچا جہاں ابھی سورج غروب نہیں ہوا تھا تو غروب کے بعد دوبارہ مغرب کی نماز پڑھنا اس پر واجب ہے۔

مشرق میں موجود شہر میں چاند نظر آجائے تو مغرب میں موجود شہر میں اس رویتِ ہلال کا اعتبار ہوگا، البتہ مغرب میں موجود کسی شہر میں چاند نظر آئے تو مشرق میں تین منزل یعنی بہتر میل کی مسافت تک اس پر عمل واجب ہے اور اس سے زیادہ فاصلہ پر واجب نہیں ہے۔

رمضان کا چاند نظر آنے پر اگر میناروں پر روشنی کرنے یا بندوق اور توپ چلانے کا رواج ہو تو اس پر بھی عمل کیا جائے۔

منجم یا مہندس کے قول پر رویت ہلال ثابت نہیں ہوتی ہے اور نہ اس شخص کے قول پر اعتماد کیا جائے گا جس کی شہادت خواب کے کسی واقعہ پر مبنی ہو۔

عبادت کی نسبت احتیاط کرتے ہوئے ایک عادل گواہ کا بیان کافی قرار دیا گیا۔ اگر گواہ کا بیان بے نتیجہ رہے یعنی قاضی یا حاکم اس کو قبول نہ کرے تو حاکم کے اعتماد نہ کرنے کے باوجود روزہ اس شخص پر واجب ہوتا ہے جس نے خود رمضان کا چاند دیکھا ہو یا کسی ثقہ شخص سے چاند دیکھنے کی خبر سنی ہو، چاہے خبر دینے والا نابالغ، فاسق یا عورت ہو۔

اجتہاد

قید میں رہنے یا نظر بندی وغیرہ کی وجہ سے رمضان شروع ہونے کے تعلق سے گمان غالب ہو تو روزہ رکھنا واجب ہے۔ اگر روزے رمضان میں ہوئے ہوں تو ادا ہو جائیں گے، اگر رمضان کے بعد ہوئے ہوں تو قضا ہو جائیں گے اور اگر رمضان سے قبل ہوئے ہوں تو نفل مانے جائیں گے اور رمضان کے داخل ہونے پر ادا کئے جائیں گے۔

روزے صحیح ہونے کی شرطیں

روزے صحیح ہونے کی پانچ مندرجہ ذیل شرطیں ہیں:

۱۔ مسلمان ہو۔

۲۔ ممیّز ہو۔

۳۔ حیض اور نفاس سے پاکی ہو۔

۴۔ جس دن روزہ رکھا جارہا ہو، وہ دن روزہ کے قابل ہو۔

۵۔ صبح صادق اور سورج غروب ہونے کے اوقات سے واقفیت ہو۔

صحتِ صیام کے نام سے متن میں کوئی عنوان نہیں دیا گیا۔ لیکن خطیب اور بیجوری و بجیرمی کی شروح سے اس کو درج کیا گیا ہے۔

روزہ کے صحیح ہونے کے لیے اسلام کی قید ہے۔ روزہ کی صحت کے لیے عقل و تمیز کی شرط ہے، بلوغ کی شرط نہیں ہے، البتہ روزہ واجب ہونے کے لیے بلوغ کی شرط ہے۔ سمجھدار نابالغ لڑکے پر روزہ واجب نہیں ہے، مگر اس کا روزہ صحیح ہے۔

لڑکے کی عمر سات سال ہو اور سمجھ پیدا ہو جائے اور روزہ کی برداشت کی طاقت ہو تو روزہ رکھنے کے لیے اس کو حکم دیا جائے اور دس سال کی عمر میں روزہ نہ رکھے تو زدوکوب کی سزا دی جائے اور روزہ رکھنے پر مجبور کیا جائے جیسا کہ نماز کے لیے شریعت میں حکم دیا گیا ہے۔

روزہ کی برداشت کی طاقت روزہ فرض ہونے کے لیے شرط ہے، صحت کے لیے شرط نہیں ہے۔

حیض و نفاس اور زچگی کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ علقہ اور مضغہ کے گرنے سے بھی روزہ ٹوٹتا ہے۔

عید کے دو دنوں اور تشریق کے تین دنوں یعنی گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں ذی الحجہ؛ جملہ پانچ دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔

روزہ کب شروع ہوتا ہے اور کب ختم ہوتا ہے؟

روزہ صحیح ہونے کے لیے روزہ شروع ہونے اور ختم ہونے کے اوقات سے واقف ہونا ضروری ہے تاکہ ان اوقات کے درمیان کھانے پینے وغیرہ سے پرہیز کرے۔

روزہ صبح صادق سے شروع اور غروب پر ختم ہوتا ہے، اگر فجر کے طلوع ہونے کے بعد نیت کرے تو روزہ صحیح نہ ہوگا۔اسی طرح اگر غروب سمجھ کر افطار کرے اور بعد میں معلوم ہو جائے کہ غروب نہیں ہوا تو روزہ کی قضا واجب ہے۔

ابوشجاع کے متن کے بعض نسخوں میں اوقات سے واقف ہونے کی شرط کو فرایض میں شامل کیا گیا تھا مگر چوں کہ اس پر روزہ کی صحت موقوف ہے، اس لیے ہم نے صحیح ہونے کے شرائط میں اس کو شامل کیا، اور فرائض میں ان ہی امور کو شامل کیا جو ارکان میں داخل ہیں۔

روزے فرض ہونے کی شرطیں

روزے فرض ہونے کی مندرجہ ذیل چار شرطیں ہیں:

ا۔مسلمان ہو۔

۲۔بالغ ہو۔

۳۔عاقل ہو۔

۴۔روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔

ان چاروں شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو روزہ واجب نہیں۔

مسلمان ہونا ہر حال میں شرط ہے۔مرتد ہونے کی صورت میں روزہ صحیح نہیں۔

بالغ ہونے پر روزہ واجب ہوتا ہے۔نابالغ پر روزہ واجب نہیں ہے۔نابالغ میں اگر تمیز کی صلاحیت پیدا ہو چکی ہے اور اس نے روزہ رکھا تو صحیح ہے۔تمیز سے پہلے روزہ صحیح نہیں ہوتا۔

عقل قائم رہنے کی صورت میں روزہ واجب ہے۔مجنون، بیہوش اور نشہ والے پر روزہ رکھنا واجب نہیں ہے۔دن کے وقت گھڑی بھر بھی جنون طاری ہو تو روزہ ٹوٹتا ہے،

بیہوش ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، البتہ پورا دن بیہوش رہے تو ٹوٹ جاتا ہے۔ دن کے کچھ حصہ میں افاقہ ملے تو روزہ صحیح ہے۔

نیند سے روزہ میں کمی نہیں ہوتی، چاہے پورا دن سوتا رہے۔

روزہ رکھنے کی طاقت ہو۔ روزہ رکھنے کی طاقت حساً یا شرعاً نہ ہو تو روزہ واجب نہیں ہے۔ حساً طاقت نہ رہنے کی مثال مرض اور بڑھاپا ہے اور شرعاً طاقت نہ رہنے کی مثال حیض اور نفاس کی حالت ہے۔

ارکانِ صیام

ارکانِ صیام چار ہیں:

۱۔ نیت

۲، ۳، ۴۔ پرہیز کرنا عمداً کھانے پینے سے، جماع اور قئے سے۔

ارکان صیام سے مراد وہ امور ہیں جو روزہ میں فرض ہیں۔ بعض نسخوں میں ارکان کے عوض فرائضِ صوم کے نام سے عنوان قائم کر کے نیت اور نیت میں فرض روزہ کے تعین کو دو امور اور کھانے پینے، جماع کرنے اور قئے کرنے سے پرہیز کرنے کو ایک امر اور اوقاتِ روزہ سے واقفیت کو ایک امر؛ اس طرح جملہ چار امور درج کئے ہیں۔

لیکن بعض نے نیت اور نیت کے متعلقہ امور کو ایک جگہ اور غذا اور جماع اور قئے کو علحدہ بیان کیا ہے۔ ہم نے ان ہی کی تقلید کی ہے۔ بیجوری کی رائے کی تائید کرتے ہوئے اوقاتِ روزہ سے واقفیت کو روزہ صحیح ہونے کی شرطوں میں درج کیا ہے۔

۱۔ دل سے نیت کرنا

دل سے نیت کرنا فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "**إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ**" (بخاری:۱، مسلم:۱۹۰۷۔ عمر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

زبان سے نیت کرنا قطعاً شرط نہیں ہے، البتہ مندوب ہے، تا کہ زبان اور قلب میں

مطابقت ہو۔

ہر روزہ مستقل عبادت ہے اور ہر روزہ کے لیے نیت ضروری ہے جیسا کہ ہر نماز کے لیے الگ نیت ضروری ہے۔ امام مالک کے نزدیک رمضان کی پہلی رات کو پورے مہینہ کے روزہ کی نیت کر لینا بھی کافی ہے اور علامہ بیجوری کی رائے ہے کہ شافعی بھی اس بارے میں مالکی کی تقلید کر سکتے ہیں تا کہ کسی رات کو نیت بھول جانے پر روزہ چھوٹ نہ جائے اور اس کی قضا نہ کرنا پڑے۔

ابو شجاع کے متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کسی شخص نے سحری کی تو محض سحری کر لینے سے روزہ کی نیت نہیں ہوتی ہے، البتہ قولِ معتمد یہ ہے کہ اگر روزہ کے لیے سحری کی اور کھانا کھایا تا کہ دن بھر بھوک نہ لگے یا پانی پیا تا کہ دن بھر پیاس نہ لگے تو یہ کافی ہے۔ اور یہ بمنزلہ نیت ہے، ضمنی طور پر روزہ رکھنے کا ارادہ ظاہر ہو چکا ہے۔ اذرعی کا قول ہے کہ ضمنی طور پر ارادہ کا ظاہر ہونا کافی نہیں ہے، صریح ارادہ کے اظہار کی ضرورت ہے۔

رات ہی میں نیت ضروری ہے

نیت کا رات میں ہونا بھی ضروری ہے، روزہ فرض ہو یا منذورہ یعنی کسی نے روزہ رکھنے کی نذر مانی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ”مَنْ لَّمْ يَبِتِ النِّيَّةَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ“ (دار قطنی: ۲/۲:۱۷۲۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی: ۴/۲۰۲) جس نے فجر سے پہلے یعنی رات میں نیت نہیں کی اس کا روزہ نہیں ہوا۔

اس کا وقت سورج کے غروب سے فجر کے طلوع تک ہے، اس کے درمیان خواہ کسی وقت بھی نیت ہو تو کافی ہے۔ رات کے آخری حصہ میں نیت ہونا ضروری نہیں ہے۔ نیت کر لینے کے بعد کھانے، پینے یا جماع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ فجر طلوع نہ ہو۔

نابالغ کا روزہ نفل ہے، مگر نابالغ کا روزہ صحیح ہونے کے لیے بھی رات ہی میں نیت کرنا واجب ہے۔

فرض روزہ توڑنا حرام ہے، نفل روزہ توڑنا حرام نہیں ہے۔ جس نے فرض روزہ کو عمداً توڑا اس پر واجب ہے کہ فوراً قضا کرے۔ روزہ توڑنے کے باوجود رمضان میں یہ بھی

واجب ہے کہ حرمتِ رمضان کا خیال کرتے ہوئے دن کے وقت نہ کھائے پیئے۔

احناف کے نزدیک فرض اور نفل دونوں روزوں میں دن کے وقت بھی نیت کرنا جائز ہے۔

فرض کی تعیین

روزہ کی نیت میں رمضان کے روزہ یا کفارہ کے روزہ کا تعین بھی واجب ہے۔اس تعین کی مزید ضرورت نہیں کہ ظہار کا کفارہ ہے یا کوئی دوسرا۔اسی طرح نذر کے روزہ کی نیت کافی ہے، نذرِ تبرر یا نذرِ لجاج کی صراحت کی ضرورت نہیں۔نذر اور کفارہ کا بیان آخر میں آئے گا۔

رمضان کے قضا روزے میں دن متعین کرنے کی ضرورت نہیں۔

فرض کی قید لگانے سے نفل روزہ خارج ہے۔نفل روزہ کے لیے رات ہی میں نیت واجب نہیں ہے۔ بلکہ زوال سے پہلے بھی نیت صحیح ہوتی ہے، البتہ شرط یہ ہے کہ روزے کے منافی کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو۔

بعض کی رائے یہ ہے کہ زوال کے بعد بھی نیت ہوسکتی ہے۔نفل روزہ کی صراحت بھی واجب نہیں ہے بلکہ مطلق نفل روزہ کی نیت سے نفل روزہ صحیح ہو جاتا ہے۔

نفل روزے جن کو رواتب بھی کہتے ہیں، عرفہ، دس محرم اور شوال کے چھ روزے ہیں۔ان ایام میں جو روزے رکھے جائیں ان ہی ایام کی طرف منسوب ہوں گے، چاہے نیت میں صراحت نہ کی جائے۔ بلکہ ان ایام میں قضا اور کفارہ کی نیت کی جائے تو نفل روزہ کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

کم سے کم نیت

نَوَيْتُ صَوْمَ رَمَضَانَ یا کہے: **نَوَيْتُ الصَّوْمَ عَنْ رَمَضَانَ** ۔رمضان کے روزہ کی نیت کرتا ہوں یا روزہ کی نیت کرتا ہوں رمضان کے۔

اکمل نیت: **نَوَيْتُ صَوْمَ غَدٍ عَنْ أَدَاءِ فَرْضِ شَهْرِ رَمَضَانَ هٰذِهِ السَّنَةِ لِلّٰهِ تَعَالٰى** ۔میں اس سال کے رمضان کے مہینے کے فرض روزہ کے ادا کی کل کے روز اللہ تعالی کے

لیے نیت کرتا ہوں۔ یہ اضافہ بھی مسنون ہے۔ **إِيْمَانًا وَاحْتِسَابًا لِوَجْهِ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ۔**

۲۔۳۔کھانے پینے سے احتراز

روزہ کا تمام دن کھانے پینے سے پرہیز کرنا واجب ہے، مقدار کی کمی اور زیادتی کی بحث نہیں۔ اختیار کی حالت میں غذا ممنوع ہے، اگر کسی نے بجبر کھلایا پلایا تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ عمداً کھانا پینا ممنوع ہے۔ اگر بھول کر یا ناواقفیت کی وجہ سے کھائے پیے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ ناواقفیت علماء سے دوری کی وجہ سے ہو۔ حدیث میں ہے: ''**مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ**۔ (بخاری:۱۸۳۱۔ مسلم:۱۱۵۵) جو شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھائے یا پیے تو روزہ کو پورا کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کھلایا اور پلایا۔

جہالت کے معنی ناواقفیت کے ہیں۔ یعنی سکونت ایسے مقام پر ہو جو اہل علم سے بہت دور ہو اور شرعی احکام سے واقفیت کے لیے کوئی ذریعہ میسر نہ ہو۔ اس عذر کی بنا پر شرعی مسائل سے ناواقف شخص جاہل معذور کہلاتا ہے۔ اس میں عذر کے علاوہ کوئی اور عذر قابلِ قبول نہیں ہے اور ایسا شخص جاہل غیر معذور کہلاتا ہے۔

۴۔جماع سے پرہیز

جماع سے پرہیز کرنا فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَائِكُمْ**﴾ (البقرۃ:۱۸۷) رمضان کی رات میں اپنی عورتوں کے ساتھ جماع کرنا تمہارے لیے حلال ہے۔

استمناء بھی جماع کے حکم میں داخل ہے، عمداً کسی عمل سے منی کے خارج کرنے کو استمناء کہتے ہیں۔

اگر جماع کی حالت میں ہو اور فجر طلوع ہو جائے اور فوراً علحدہ ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

قئے سے پرہیز

روزہ کی حالت میں عمداً قے کرنے سے پرہیز کرنا فرض ہے۔عمداً قئے کرے تو روزہ ٹوٹے گا۔غلبہ ہوکر اپنے آپ قئے ہوجائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْئُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ وَمَنِ اسْتَقَاءَ فَلْيَقْضِ"۔(ابوداود:۲۳۸۰۔ترمذی:۷۲۰۔یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جس شخص کو روزہ کی حالت میں قئے کا غلبہ ہوا تو اس پر روزہ کی قضا نہیں اور جو عمداً قئے کرے تو قضا ہے۔

ڈکار لینا بھی قئے کے حکم میں داخل ہے۔اگر عمداً ڈکار لی جائے اور معدہ سے کوئی چیز حد ظاہر تک نکلے تو روزہ ٹوٹے گا، ورنہ غلبہ کی وجہ سے ڈکار آئے اور کوئی چیز معدہ سے نکلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔منھ میں حد ظاہر وہ جگہ ہے جہاں سے حاء یا خاء کی آواز نکلتی ہے اور یہ ہونٹوں تک ہے۔ہاء اور ہمزہ کا مخرج باطن میں داخل ہے۔

مبطلاتِ صیام یعنی روزہ توڑنے والی چیزیں

روزہ توڑنے والی چیزیں گیارہ ہیں:

۱۔عمداً کسی چیز کا پیٹ یا سر میں پہنچانا۔

۲۔حقنہ کے ذریعہ شرمگاہ میں کسی چیز کا داخل کرنا۔

۳۔عمداً قئے کرنا۔

۴۔عمداً اگلی شرمگاہ میں جماع کرنا۔

۵۔مباشرت سے انزال ہونا۔

۶۔حیض۔

۷۔نفاس۔

۸۔ولادت۔

۹۔جنون۔

۱۰۔ارتداد۔

کھانے پینے، جماع اور قئے سے پرہیز کرنا روزہ کے ارکان میں سے ہے اور حیض و نفاس کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ یہاں مبطلاتِ صیام کے نام سے دوبارہ ان ہی امور کی صراحت کی گئی ہے۔

ان امور پر عمداً، جان بوجھ کر، اختیار کی حالت میں عمل کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔ بھول کر عمل کرے یا جبر و اکراہ سے عمل کرایا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ جہالت کی وجہ سے عمل کرے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا بشرطیکہ جہالت علماء سے دوری کی وجہ سے ہو۔ جاہل غیر معذور کا حکم عالم کا ہے۔

مبطلاتِ صیام کو مفطرات بھی کہتے ہیں۔مفطر افطار سے ہے اور افطار روزہ توڑنے کو کہتے ہیں خواہ دن کے ختم ہونے پر ہو یا ختم ہونے سے پہلے۔

۱۔ پیٹ یا سر میں کسی مادی چیز کے داخل کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔ جوف سے پیٹ، حلق اور امعاء (آنتیں) مراد ہیں۔کسی مادی چیز کے بدن کے اندر داخل کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔شرع میں دھویں کو بھی مادی چیز اس لیے تصور کیا گیا ہے کہ اس کا اثر محسوس ہوتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمبا کو کا دھواں کھینچنے سے بھی روزہ ٹوٹتا ہے۔

مادی چیز کی قید سے بو اور ذائقہ خارج ہوتے ہیں، داخل ہونے والی چیز کا غذا کے لائق ہونا لازم نہیں ہے۔کنکری کے نگلنے سے بھی روزہ ٹوٹتا ہے۔طاہر اور خالص تھوک اپنے معدن سے نکلتے ہی پیٹ میں داخل ہو تو مضائقہ نہیں لیکن اس کو منھ میں جمع کر کے نگلنا ممنوع ہے۔تھوک کا معدن زبان کے نیچے ہے جہاں سے تھوک برآمد ہوتا ہے۔تھوک زبان کے کناروں سے نکلے اور نگلے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

وضو میں روزہ کی وجہ سے مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ نہ کرنے کے باوجود پانی حلق میں چلا جائے تو مضایقہ نہیں، اس لیے کہ مامور حکم پر عمل کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ بخلاف اس کے وضو میں بحالتِ روزہ مضمضہ اور استنشاق میں ممنوع ہونے کے باوجود

مبالغہ کرے اور پانی حلق میں چلا جائے تو روزہ ٹوٹے گا، اس لیے کہ غیر مامور پر عمل کرنے کی وجہ سے ایسا ہوا۔

خنکی کے لیے یا پیاس کو دور کرنے کی خاطر منہ میں پانی رکھے اور پانی حلق میں چلا جائے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔

مسامات کے ذریعہ کوئی چیز داخل ہو

بدن کے مسامات کے ذریعہ کوئی چیز داخل ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے کہ مسامات نظر نہیں آتے اور نہ کسی چیز کے اس کے اندر داخل ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ سرمہ آنکھ کے ذریعہ اور تیل اور پانی بدن کے مسامات کے ذریعہ داخل ہو جائے تو مضایقہ نہیں۔

۲۔ حقنہ کے ذریعہ کوئی چیز شرمگاہ کے راستہ سے پہنچانے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔ حقنہ اس آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ مریض کی مقعد یعنی پچھلی شرمگاہ کے راستہ سے غذا یا دوائی پہنچائی جاتی ہے۔ دونوں شرمگاہوں کا حکم یکساں ہے اور حقنہ اور تقطیر بھی اسی طرح ایک ہیں۔ تقطیر اگلی شرمگاہ میں استعمال ہوتی ہے۔ حقنہ کی نلی یا کوئی اور چیز کسی ایک شرمگاہ میں داخل کرنا روزہ کے توڑنے کے لیے کافی ہے۔ غذا یا دوا کا پہنچانا لازم نہیں ہے۔

۳۔ قئے عمداً کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے، اگر غالب گمان ہوکر اپنے آپ قئے ہو جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر طبیب کی رائے اور مشورے پر علاج کے لیے قئے کرانے کی ضرورت ہو تو قئے کرنا جائز ہے مگر روزہ ٹوٹے گا، اس لیے کہ یہ عمل شاذ و نادر ہے۔

بلغم سینہ سے اور ریٹھ دماغ سے خارج کرے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، اس لیے کہ ایسی ضرورت عام طور پر پڑتی ہے اور اس سے احتراز دشوار ہے۔

بلغم منہ میں حد ظاہر کو پہنچ جائے اور تھوکنے کا موقع ہو تو تھوک دے، ورنہ اس کے روکے رہنے اور حلق میں چلے جانے سے روزہ ٹوٹے گا۔

فرض نماز میں بلغم منہ میں آئے اور تھوکنے میں دو حروف یا زیادہ کی ترکیب ہوتی ہو تو تھوکنا لازم ہے، اس لیے کہ منہ میں بلغم کی موجودگی کے ساتھ فرض تلاوت کی ادائی دشوار ہے۔

ڈکار کے متعلق بھی وہی حکم ہے جو قئے کی نسبت ہے۔

۴۔شرمگاہ میں عمداً جماع کرنے سے روزہ ٹوٹتا ہے۔دونوں شرمگاہوں کا حکم یکساں ہے آدمی کی ہو یا جانور کی، چاہے انزال نہ ہو۔حشفہ کا داخل ہونا جماع میں شمار کیا جاتا ہے۔

۵۔انزال یعنی منی مباشرت کی وجہ سے جماع کے بغیر نکلے تو روزہ ٹوٹے گا۔ مباشرت دو اشخاص کے بشروں یعنی جلدوں کے حائل کے بغیر راست چھو لینے کو کہتے ہیں۔

مباشرت کی قید کی وجہ سے احتلام خارج ہو گیا۔احتلام کی وجہ سے روزہ قطعاً نہیں ٹوٹتا اور محض نظر کرنے یا غور کرنے سے انزال ہو جائے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا۔عدمِ جماع کی قید اس لیے ہے کہ جماع کی صورت مستقل طور پر روزہ توڑنے والی ہے۔

مذی منی کی قید سے خارج ہے۔اگر مباشرت کی وجہ سے مذی خارج ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ مذی سفید رقیق مادہ ہے جو شہوت کا ہیجان ہونے پر، شدت شہوت اور لذت کے بغیر خارج ہوتا ہے۔مردوں کے مقابلہ میں عورتوں میں اس کا عمل زیادہ ہوتا ہے۔

استمناء سے روزہ ٹوٹتا ہے اگرچہ کہ حائل کے ذریعہ ہو۔استمناء منی نکالنے کے عمل کو کہتے ہیں، خواہ حرام ہو یعنی اپنے ہاتھ سے ہو یا حرام نہ ہو یعنی بیوی کے ہاتھ سے ہو۔استمناء کو بعض نے کبیرہ اور بعض نے صغیرہ گناہ میں شمار کیا ہے اور بعض نے مکروہ قرار دیا ہے۔

لمس چھونا اور بوسہ لینا جس سے شہوت کی تحریک ہوتی ہے اور انزال کا خطرہ ہے روزہ کی حالت میں حرام نہیں ہے، مگر نہ کرنا اولی ہے۔اس لیے کہ روزہ کی حالت میں ترکِ شہوات مسنون ہے۔

لمس اور بوسہ کو مطلق طور پر حرام اس لیے نہیں قرار دیا گیا کہ انزال کا احتمال ضعیف ہے، لمس سے مراد ایسا چھونا ہے جو ناقضِ وضو ہے۔

بوسہ کی قسمیں

بوسہ کی مندرجہ ذیل پانچ قسمیں ہیں:

ا۔پیار سے اصول فروع کے گال پر بوسہ دیں۔اصول سے باپ دادا اور فروع سے

بیٹا اور پوتا مراد ہیں۔

۲۔حصول برکت کے لیے فروع اصول کے سر پر بوسہ دیں۔

۳۔شفقت کے طور پر بہن بھائی کی پیشانی پر بوسہ دے۔

۴۔تحیہ یعنی خیر مقدم کے لیے مسلمان آپس میں ہاتھ کا بوسہ دیں۔

۵۔شہوت سے شوہر اپنی بیوی کے ہونٹوں پر بوسہ دے۔

۶۔حیض کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہے اور اجماع اس پر ہے کہ حرام ہے۔خطیب شربینی نے لکھا ہے کہ حایض کا روزہ صحیح نہ ہونے کی وجہ ظاہر نہیں ہے، اس لیے کہ روزہ کے لیے طہارت شرط نہیں ہے۔بجیرمی نے یہ وجہ بتائی ہے کہ حیض عورت کے قوائے جسمانی میں کمزوری پیدا کرتا ہے اور روزے میں خود بھی کمزوری ہوتی ہے، اس لیے حیض میں عورت روزہ رکھے تو دوگنی کمزوری ہوگی۔

اس بارے میں تردد ہے کہ حایض پر روزہ واجب ہو کر ساقط ہوا یا واجب ہی نہیں ہوا۔اصح قول دوسرا ہے اور اس روزہ کی قضا جدید حکم کی بنا پر واجب ہے۔

۷۔نفاس کی حالت میں روزہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ نفاس بھی حیض کا جمع شدہ خون ہے۔علقہ اور مضغہ کے بعد بھی نفاس کی نسبت یہی حکم ہے۔

۸۔ولادت بغیر نفاس کے بھی ہو تو روزہ ٹوٹتا ہے، یہی قول اصح ہے جس پر اعتماد کیا گیا ہے۔

۹۔جنون سے روزہ ٹوٹتا ہے اس لیے کہ جنون عبادت کے منافی ہے۔

۱۰۔ارتداد سے روزہ ٹوٹتا ہے اس لیے کہ ارتداد بھی عبادت کے منافی ہے۔

آخری پانچ امور؛ حیض، نفاس، ولادت، جنون اور ارتداد میں سے کوئی بھی بات ہو تو روزہ ٹوٹے گا۔بیہوشی صرف اس صورت میں روزے کو توڑے گی جب کہ پورا دن گزرے۔اگر تھوڑا بھی افاقہ ملے تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔نیند سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگرچہ دن بھر سوتا رہے۔

روزے کے مستحبات

روزے کے مستحبات تین ہیں:

۱۔تعجیل افطار یعنی افطار میں جلدی کرنا۔

۲۔سحری میں تاخیر کرنا۔

۳۔فحش کلامی ترک کرنا۔

تین کی تعداد محدود نہیں ہے، روزے کے مستحبات تین سے زیادہ ہیں اور ان میں سے تین کا ذکر ابو شجاع نے کیا ہے، بیجوری اور بجیرمی کی شروح سے مزید مستحبات درج کئے گئے ہیں، یہ امور روزہ کی وجہ سے روزہ کی حالت میں مستحب ہیں، روزہ فرض ہو یا نفل۔

افطار میں جلدی

افطار میں جلدی کرنا مستحب ہے بشرطیکہ سورج کا غروب یقینی ہو جائے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''لَا تَزَالُ أُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْ ا الْفِطْرَ وَأَخَّرُوْا السُّحُوْرَ''۔ (مسند امام احمد: ۵/۱۴۷) میری امت میں اس وقت تک خیر رہے گا جب تک کہ وہ افطار میں جلدی کرے گی اور سحری میں تاخیر۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:''قَالَ اللّٰهُ عزوجل: أَحَبُّ عِبَادِیْ إِلَیَّ أَعْجَلُهُمْ فِطْرًا''۔(ترمذی: باب تعجیل الإفطار ۷۰۰۔ مسند احمد: ۷۲۴۰۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) اللہ عزوجل نے فرمایا ہے کہ میرے نزدیک وہ بندہ سب سے زیادہ محبوب ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم افطار میں جلدی کرتے اور سحری میں تاخیر کرتے تھے۔

افطار میں عمداً تاخیر کرنا مکروہ ہے اور بغیر ارادہ کے تاخیر ہو جائے تو مضائقہ نہیں۔ افطار میں عجلت مسنون ہے، لیکن اصل افطار اس لیے واجب ہے کہ روزہ کا سلسلہ جاری رکھ کر دو یا زیادہ روزوں کے درمیان وصل کرنا (یعنی بغیر افطار کے مسلسل روزے رکھنا) حرام ہے۔

اگر غروب نظر آئے تو اجتہاد کر کے گمانِ غالب پر افطار کرے جیسے کہ نماز کے اوقات میں، اگر سورج کے غروب ہونے میں شک ہوتو افطار میں جلدی کرنا مستحب نہیں ہے بلکہ جائز ہی نہیں۔شک اور غیر اجتہاد کے گمان کا ایک ہی درجہ ہے۔

افطار کے مستحبات

کھجور سے، ورنہ میٹھی چیز سے افطار کرنا مسنون ہے۔تازہ کھجور کو سوکھے کھجور پر ترجیح ہے اور کھجور نہ ہوتو پانی سے روزہ کھولے۔پانی میں آب زمزم اولی ہے۔پانی کے بعد بغیر پکائی ہوئی میٹھی چیز کا درجہ ہے جیسا کہ کشمش، دودھ اور شہد۔شہد سے دودھ افضل ہے اور ان دونوں سے گوشت افضل ہے، ان سب کے بعد پکائے ہوئے حلوہ کا درجہ ہے۔

اصل سنت ایک یا دو کھجور کے کھانے سے حاصل ہوجاتی ہے۔لیکن اکمل یہ ہے کہ تین یا تین سے زیادہ کھجور طاق کی تعداد میں کھائے۔ترمذی نے روایت کی ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز سے پہلے چند تازے کھجور ورنہ چند سوکھے کھجور، ورنہ پانی کے چند گھونٹ سے افطار کرتے تھے۔(ترمذی:۶۹۶۔ابوداود:۲۳۵۶)

امام غزالی بعض علماء کا یہ قول نقل کرتے ہیں: اے مسکین! تم روزہ دار ہوتو غور کرو کہ کس کے پاس افطار کروگے اور کس چیز سے افطار کروگے۔

دعائے افطار

افطار کے بعد اس دعا کا پڑھنا مستحب ہے:

اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ (ابوداود نے معاذ بن زہرہ سے روایت کی ہے کہ ان کو یہ بات پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کہتے تو یہ کہتے:......۳۱۶/۲) **وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ** (یہ الفاظ نہیں ملے)، **ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ**، (ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب افطار کرتے تو یہ کہتے:......دار قطنی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے: التلخیص الحبیر ۸۰۲/۲۔ابوداود:۲۳۵۷) **يَا وَاسِعَ الْفَضْلِ اغْفِرْلِيْ**، (ابن عمر رضی اللہ عنہما افطار کے وقت کہا

کرتے تھے: ''یا واسع المغفرة اغفرلی ''شعب الإیمان ۳/ ۴۰۷) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَعَانَنِیْ فَصُمْتُ وَرَزَقَنِیْ فَأَفْطَرْتُ (شعب الایمان للبیہقی: ۳/۳۰)اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا لِلصِّيَامِ وَبَلِّغْنَا فِيْهِ الْقِيَامَ وَأَعِنَّا عَلَيْهِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ وَأَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ۔(یہ الفاظ حدیث میں نہیں ملے)

اے اللہ! میں نے تیرے لیے روزہ رکھا اور میں نے تیرے دیئے ہوئے رزق پر افطار کیا، تجھ پر ایمان لایا، تیرے لیے سر جھکایا، تجھ پر بھروسہ کیا، پیاس چلی گئی، رگیں گیلی ہوگئیں اور اجر ثابت ہوا اگر اللہ چاہے۔ اے وسیع بزرگی والے! مجھ کو بخش دے، تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اللہ نے مجھ کو مدد دی اور میں نے روزہ رکھا۔ اللہ نے رزق دیا اور میں نے افطار کیا۔ یا اللہ! ہم کو روزہ کی توفیق دے اور اس کے قائم رکھنے میں ہم کو پورا اتار اور مدد کر ہماری اس وقت جب کہ لوگ سو رہے ہوں اور ہم کو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل کر۔

سحری میں تاخیر

سحری میں تاخیر کرنا مستحب ہے اور سحری کرنا خود بھی مستحب ہے۔ حدیث میں ہے: ''تَسَحَّرُوْا فَإِنَّ فِی السُّحُوْرِ بَرَكَةً''۔(بخاری: ۱۸۲۳۔ مسلم: ۱۰۹۵) سحری کرو، سحری کرنے میں برکت ہے۔ یہاں برکت سے مراد اجر و ثواب ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اِسْتَعِيْنُوْا بِطَعَامِ السِّحْرِ عَلٰى صِيَامِ النَّهَارِ وَبِقَيْلُوْلَةِ النَّهَارِ عَلٰى قِيَامِ اللَّيْلِ''۔(مستدرک حاکم: ۱/ ۴۲۵) سحری کے کھانے سے دن کے روزے کو مدد دو اور دن کے قیلولہ سے رات کی عبادت کو۔

سحری کا مقصد تھوڑے سے کھانے پینے سے حاصل ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''تَسَحَّرُوْا وَلَوْ بِجَرْعَةِ مَاءٍ''۔(موارد الظمآن: ۸۸۴) سحری کرو اگر چہ کہ ایک گھونٹ پانی سے۔

اسی چیز سے سحری کرنا مندوب ہے جس سے افطار کرنا مندوب ہے۔

سنت کے حصول کے لیے سحری میں تھوڑا سا کھانا اور پینا مندوب ہے۔ لذیذ غذائیں سحری میں پیٹ بھر کھانا مندوب نہیں ہے۔ شعرانی کا قول ہے: ہم کبھی پیٹ بھر نہ کھائیں، خاص کر رمضان کی راتوں میں بہتر یہ ہے کہ عام دنوں کے مقابلہ میں رمضان

میں کم مقدار میں غذا کھائیں۔ اس لیے کہ رمضان بھوک کا مہینہ ہے۔ جس شخص نے افطار کے بعد اور سحری میں دونوں وقت پیٹ بھر کھایا تو گویا اس نے روزہ نہیں رکھا۔

دودھ پلانے والی عورت اور سخت جسمانی محنت کرنے والا آدمی اس سے مستثنیٰ ہے۔

سحری اس امت کی خصوصیت

سحری میں تاخیر اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، اس لیے کہ سابقہ امتیں سونے سے پہلے کھا لیتی تھیں اور عشاء کے وقت سے کھانا پینا ان پر حرام تھا۔ آغازِ اسلام میں بھی یہی عمل تھا۔

قیلولہ زوال سے پہلے آرام لینے کو کہتے ہیں، اگر چہ کہ نیند نہ لگے۔ بعض نے کہا ہے کہ زوال کے بعد سونے کو قیلولہ کہتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ زوال سے پہلے یا بعد سونے کو قیلولہ کہتے ہیں۔

مناوی نے لکھا ہے کہ زیادہ سونا پسندیدہ نہیں ہے۔ زیادہ سونے سے اخروی اور دنیاوی دونوں امور میں بگاڑ آتا ہے اور غفلت طاری ہوتی ہے۔ طبعی اور نفسانی مزاجوں میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ بلغم اور سووے کو بڑھاتا ہے، معدہ کو ضعیف کرتا ہے، بینائی اور قوّتِ باہ کو کمزور کرتا ہے، منی میں ایسا فساد کرتا ہے کہ اس نطفہ سے جو اولاد ہوتی ہے اس میں لاعلاج بیماریاں پائی جاتی ہیں، یہ تو عام اوقات میں زیادہ سونے کے معایب ہیں، مگر صبح اور عصر کے وقت سونے میں عقلی اور نفسانی شدید نقصانات کا احتمال ہے۔

سحری کا وقت

سحری کا وقت آدھی رات سے شروع ہوتا ہے۔ آدھی رات سے پہلے کھائیں پئیں تو سحری میں شمار نہ ہوگا اور نہ سنت حاصل ہوگی۔ سحری کرنا سنت ہے اور سحری کرنے میں تاخیر کرنا دوسری سنت ہے۔ اس حد تک تاخیر کی جائے کہ فجر سے پہلے پچاس آیتوں کی قراءت ہو سکے۔ اتنی تاخیر نہ کی جائے کہ وقت کی نسبت شک پیدا ہو کہ رات باقی ہے یا گزر چکی۔

شک کی صورت میں تاخیر نہ کرنا افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ''۔ (بخاری: ترجمۃ باب تفسیر الشبھات۔ ترمذی: ۲۵۱۸۔ مسند احمد: ۱۷۲۲۔ یہ روایت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے ہے) چھوڑ دو اس کو جو تم کو شک میں ڈالے اس کی طرف بڑھو جو تم کو شک میں نہ ڈالے۔

رات کے باقی رہنے کی نسبت شک ہونے کے باوجود سحری کرنا جائز ہے، اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ رات باقی ہے۔

فحش باتوں سے اجتناب

روزہ کی حالت میں فحش کلامی نہ کرنا مستحب ہے، ورنہ فحش، کذب، غیبت اور نمیمہ (چغلی) وغیرہ ہر ایک مذموم صفت کا نہ کرنا بذاتہ واجب ہے۔ جھوٹ، غیبت، گالی گلوچ سے روزہ دار اپنی زبان کو محفوظ رکھے۔ کذب کے معنی واقعہ کے خلاف خبر دینا۔ غیبت؛ دوسرے شخص کی نسبت کوئی مکروہ بات کہنا اگر چہ کہ سچی ہو اور اگر چہ کہ اس کے سامنے کہی جائے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ''۔ (الحجرات: ۱۲) کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے بھائی کی میت کا گوشت کھائے؟ یقیناً تم اس کو ناپسند کرو گے۔

نمیمہ؛ فساد برپا کرنے کی نیت سے ایک دوسرے کی چغلی کھانے کو کہتے ہیں۔

روزہ دار کے لیے مسنون ہے کہ گالی کے جواب میں کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔ تین مرتبہ کہنا افضل ہے، زبان سے کہے یا دل میں بولے۔ زبان سے کہنے سے مقصد یہ ہے کہ دوسرے کو گالی دینے سے رکے اور دل میں کہنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے نفس کو گالی کا جواب گالی میں دینے سے باز رکھے۔

نووی نے کہا ہے کہ زبان سے کہے اور رافعی نے نقل کیا ہے کہ اپنے دل میں بولے اور اسی پر اکتفا کرے۔ دونوں کا مقصد یہ ہے کہ زبان سے کہنے میں پارسائی کا اظہار اور ریا کا خوف نہ ہو۔ خوف ہونے کی صورت میں صرف دل میں بولے اور خوف نہ ہونے کی

صورت میں دل میں بولے اور زبان سے بھی بولے۔

روزہ کی حالت میں دن بھر خاموش رہنے کا کیا حکم ہے؟

روزہ کی حالت میں دن بھر خاموش رہنے سے بھی روکا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کھڑا ہوا دیکھ کر دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا کہ اس کا نام ابواسرائیل ہے، اس نے نذر کی ہے کہ روزہ رکھے، کھڑا رہے، بیٹھے نہیں، سایے میں نہ جائے اور بات نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو حکم دو کہ بات کرے، سایے میں جائے اور بیٹھے اور روزہ کو پورا کرے۔ (موطا امام مالک: باب العمل فی المضی إلی الکعبۃ ١٠١٢، یہ روایت حمید بن قیس اور ثور بن زید دیلمی رضی اللہ عنہما سے ہے۔ ابن خزیمہ: ٢٢٤٢)

روزہ کے مزید مستحبات ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

خواہشات کا ترک کرنا بھی مستحب ہے جو مبطلات صیام میں سے نہ ہوں جیسا کہ خوشبو کا سونگھنا۔

روزہ کی حالت میں فصد (رگ کھول کر فاسد خون نکالنے کو فصد کہتے ہیں) نہ لینا مسنون ہے، اس لیے کہ فصد لینے سے کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

ذائقہ کھانے وغیرہ کا نہ چکھنا اس صورت میں مستحب ہے جب کہ حلق میں اتر جانے کا خوف ہو۔

جبڑوں کو نہ ہلاتے رہنا مستحب ہے، اس لیے کہ تھوک پیدا کرتا ہے۔

اگر حدث اکبر پیش آئے تو غسل رات ہی میں مستحب ہے تاکہ آغازِ صوم سے طہارت میں رہے۔

تلاوت قرآن کثرت سے کرنا مستحب ہے۔ ایک دوسرے کو قرآن سنانا بھی مسنون ہے۔ جبرئیل علیہ الصلاۃ والسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ماہِ رمضان میں آتے اور رمضان کے ختم تک آپ کو قرآن مجید سناتے تھے، چوں کہ ملائکہ میں کلام مجید کے حفظ کی صلاحیت نہیں ہے، اس لیے تاویل کی گئی ہے کہ جبرئیل لوحِ محفوظ میں دیکھ کر پڑھتے تھے۔

رمضان میں اعتکاف مستحب ہے، خاص کر آخری عشرہ میں، اس توقع پر کہ شبِ قدر نصیب ہو جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔

صدقہ کثرت سے دینا مستحب ہے، اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو ہوتا رمضان میں صدقہ دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ رمضان میں نیک اعمال کی کثرت مسنون ہے، اس لیے کہ رمضان کے مہینہ میں دوسرے دنوں کے مقابلہ میں کئی گنا ثواب ملتا ہے۔

ایام ممنوعہ یعنی وہ دن جن میں روزہ رکھنا حرام ہے:

پانچ دنوں کے روزے حرام ہیں:

عیدین کے دو اور تشریق کے تین۔ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دو دن اور تشریق کے تین دن جو عید الاضحیٰ کے بعد اور اس سے متصل ہیں ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ اگر روزہ رکھا جائے تو صحیح نہ ہوگا۔

تشریق گوشت کے کباب کاٹ کر دھوپ میں سکھانے کو کہتے ہیں اور ان ایام میں چوں کہ گوشت کثرت سے سکھایا جاتا ہے اس لیے ان کو ایام تشریق کہا گیا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**أَيَّامُ مِنًى أَيَّامُ أَكْلٍ وَّشُرْبٍ** (مسلم نے یہ روایت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے کی ہے: ۱۱۴۲) **وَذِكْرُ اللّٰهِ تَعَالٰى**'' (مسلم: ۱۱۴۱) منیٰ کے دن کھانے پینے اور اللہ تعالی کا ذکر کرنے کے دن ہیں۔

شافعیہ میں عید کے دن کے بعد تین دن ایام تشریق ہیں اور باقی تینوں ائمہ کے نزدیک عید کے بعد دو دن ہیں۔

شک کے دن کا روزہ

شک کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ اس دن روزہ رکھنے کی عادت ہو۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جس نے شک کے دن روزہ رکھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی۔ (ابوداود: ۲۳۳۴۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے: ۶۸۶)

اس سے یہ حکم اخذ کیا گیا ہے کہ شک کے دن روزہ رکھنے میں کراہتِ تحریمی ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔ وہ شخص جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے یا ہر دوسرے دن یا پیر یا جمعرات کو روزہ رکھتا ہے اور شک کا دن اس کے روزے کے دن آئے تو روزہ رکھ سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَا تُقَدِّمُوْا رَمَضَانَ بِصَوْمِ يَوْمٍ أَوْ يَوْمَيْنِ إِلَّا رَجُلٌ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا فَلْيَصُمْهُ ''۔ (بخاری: ۱۸۱۵، اور مسلم: ۱۰۸۲ نے یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے) رمضان کے آگے ایک یا دو دن روزہ نہ رکھو، سوائے اس کے کہ کوئی شخص کوئی خاص دن روزہ رکھتا ہو تو روزہ رکھے۔

شعبان کے نصف آخر کے روزے

جو حکم شک کے روزہ کی نسبت ہے وہی شعبان کے نصف آخر کے دنوں کی نسبت ہے۔ شعبان کے نصفِ آخر کے دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے۔ حدیث میں ہے: ''إِذَا انْتَصَفَ شَعْبَانُ فَلَا تَصُوْمُوْا ''۔ (ابوداود: ۲۳۳۳۔ ترمذی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے: ۷۳۸۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جب نصف شعبان گزر جائے تو روزہ مت رکھو۔

سولہ شعبان سے روزہ رکھنا حرام ہے، مگر پندرہ شعبان کو روزہ رکھے تو اس کے ساتھ سولہ شعبان کو روزہ رکھنا جائز ہے۔ ایک مرتبہ کے عمل کے بعد اس کو عادت قرار دیا جاتا ہے۔ ان ایام میں قضا روزہ رکھنا جائز ہے۔ نفل روزہ کی قضا بھی اس میں داخل ہے۔

عرفہ کے دن اور دس محرم کے روزے مندوب ہیں اور ان دونوں کے چھوٹ جانے پر ان کی قضا شک کے روز بھی مندوب ہے۔ نذر کا روزہ بھی ان ایام میں رکھنا جائز ہے۔ کفارہ کا روزہ بھی شک کے دن رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دعائے استسقاء کے لیے امام کے حکم پر شک کے دن روزہ رکھا جا سکتا ہے۔

شک کے دن سے مراد

شعبان کا تیسواں دن شک کا دن ہے، جب مطلع ابر آلود نہ ہونے کے باوجود چاند نظر

نہ آئے اور لوگ ہلال نظر آیا بیان کریں مگر کس نے دیکھا ہے معلوم نہ ہو سکے یا رؤیت ہلال کی شہادت بچہ، عورت، غلام، فاسق یا فاجر دے۔ ہلال کے نظر نہ آنے کی قید ہے۔ اگر شعبان کی تیسویں رات کو ہلال نظر آ جائے تو وہ یوم شک نہ ہوگا بلکہ وہ صاف طور پر رمضان کا دن ہوگا۔

مطلع ابر آلود نہ ہونے اور صاف ہونے کی قید ہے۔ اگر مطلع ابر آلود ہو تو شک کا دن نہیں ہے بلکہ شعبان کا دن ہے۔ ہلال نظر نہ آئے اور لوگ بیان بھی نہ کریں کہ ہلال نظر آیا تو وہ شک کا دن نہ ہوگا بلکہ قطعی طور پر شعبان کا ہوگا۔

یوم شک کے لیے شرط ہے کہ چاند کے نظر آنے کی خبر پھیلے مگر کس نے دیکھا معلوم نہ ہو سکے۔ اگر یہ معلوم ہو کہ کس نے دیکھا اور وہ شخص عادل بھی ہو تو یوم شک نہیں ہوگا بلکہ صاف طور پر یوم رمضان ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ یوم شک کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ لوگ چاند نظر آنا بیان کریں مگر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ کس نے دیکھا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایسے لوگوں نے دیکھا ہو جن کی شہادت قبول نہیں کی جا سکتی۔ صورتِ دوم کی پھر تین حالتیں ہیں:

دیکھنے والے کی راست گوئی کی نسبت جس شخص کو اعتقاد ہو اس پر روزہ رکھنا واجب ہے اور جس شخص کو اعتقاد نہ ہو بلکہ صرف گمان غالب ہو اس کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے۔ ان دونوں صورتوں میں روزہ رکھے اور بعد میں معلوم ہو کہ وہ رمضان کا دن تھا تو رمضان کا روزہ ادا ہوا۔ جس شخص کو دیکھنے والے کی راست گوئی کی نسبت شک ہو تو اس کے لیے روزہ حرام ہے۔

افطار واجب ہے

دو روزوں کے درمیان افطار واجب ہے۔ افطار کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان چیزوں پر عمل کرے جن سے روزہ میں احتراز کیا جاتا ہے جیسا کہ کھانا پینا وغیرہ۔ دن محلِ روزہ ہے اور رات محلِ افطار۔ روزہ دار رات میں کچھ کھائے یا نہ کھائے مفطر کہلائے گا۔

روزوں میں وصال کا حکم

روزوں میں وصال حرام ہے؛ فرض ہو یا نفل۔ رات میں افطار کئے بغیر روزے کے پیچھے روزہ رکھنے کو وصال کہتے ہیں۔ وصال کے معنی ملانے کے ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم نے ابوہریرہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**إِيَّاكُمْ وَالْوِصَالَ. قِيْلَ: فَإِنَّكَ تُوَاصِلُ؟ قَالَ: فَإِنَّكُمْ لَسْتُمْ فِيْ ذٰلِكَ مِثْلِيْ، إِنِّيْ أَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ**''۔ (صحیح ابن خزیمۃ: باب التسمیۃ الوصال بتعمق فی الدین ۲۰۷۱۔ یہ روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) تم وصال سے احتراز کرو۔ تو کہا گیا کہ آپ خود وصال کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: تم اس بارے میں میرے مانند نہیں ہو۔ میں پروردگار کے پاس ہوں وہ مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔

وصال سے ممانعت شافعیہ کے نزدیک تحریمی اور مالکیہ اور حنبلیہ کے نزدیک تنزیہی ہے۔

یقینی طور پر غروب ہونے کے بعد افطار مطلوب ہے اور افطار میں تاخیر کرنا ممنوع ہے، اس لیے افطار کا بالکلیہ چھوڑ دینا شدت کے ساتھ ممنوع ہے۔ سابقہ امتوں میں روزوں کا وصال یعنی ملا کر رکھنا مباح تھا اور امتِ محمدی کو وصال سے منع کیا گیا۔ یہ حکم امت کی نسبت ہے، ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وصال جائز ہے۔ مذکورہ حدیث سے یہ ظاہر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پروردگار عالم کے پاس ہیں جو آپ کو ایسے ماکولات اور مشروبات کھلاتا اور پلاتا ہے جو جنت کی چیزیں ہیں اور جن کے استعمال سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

یہ مطلب تو جب ہوا کہ کھلانے پلانے کے حقیقی معنی لئے جائیں۔ مجازی معنی کی صورت میں یہ مطلب ہوا کہ اللہ تعالی کے پاس آپ کو عرفان ومعرفت کی غذا پہنچتی ہے۔ قربتِ پروردگار کی وجہ سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلب کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ قلب کی لذت اور روح کی نعمت، اجسام اور ابدان کی غذا سے زیادہ اثر پذیر ہے۔

پیغمبروں کے وجود کا ایک رخ تجریدی ہے جو ان کو اپنے جنس کے دوسرے افراد سے علحدہ کرتا ہے۔ مبدا اول سے جو فیض انھیں ملتا ہے اس کی وجہ سے بھوک پیاس اور

کمزوری کے فتور سے محفوظ رہتے ہیں۔

پیغمبروں کے وجود کا دوسرا رخ وہ ہے جو ان کو دیگر افراد کے ساتھ وابستہ کرتا ہے اور ان سے آدابِ شریعت اخذ کئے جاتے ہیں۔ ان کے باطنی امور ربانی ہیں، تقرب اِلی اللہ سے لذت حاصل کرتے ہیں اور ظاہری امور بشری ہیں جن کی وجہ سے ان کے بدن آفتوں سے متاثر ہوتے ہیں۔

اس تاویل کے بعد اس واقعہ کی نفی نہیں ہوتی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھوک کی شدت کی وجہ سے پیٹ پر پتھر باندھا تھا۔

پیغمبروں کی ظاہری زندگی ان کی امت کے لیے آئینہ کا کام دیتی ہے جس میں وہ ساری چیزیں دکھائی دیتی ہیں جن پر عمل کرنا ان کے لیے واجب ہے۔ ان کے باطنی امور پروردگار کے پاس پردہ غیب میں ہیں جن پر بشری بھوک وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہے۔

اس لیے عام طور پر روزوں کے ملانے سے منع کیا گیا تاکہ ضعف اور کمزوری کے سرایت کرنے سے عبادات اور دینی امور کی بجا آوری میں کوتاہی نہ ہو۔

کفارہ

جماع کا کفارہ

رمضان کے روزہ کے دن عمداً شرمگاہ میں جماع کرنے سے روزہ کی قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان غلام یا باندی کو آزاد کرے، یہ نہ ہوسکے تو دو مہینے مسلسل روزہ رکھے، یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو فی کس ایک مد (بارہ چھٹانک یعنی ۷۵۰ گرام) کے حساب سے کھانا کھلائے۔

اس سے پہلے روزہ کے توڑنے والے گیارہ امور جن کو مبطلات یا مفطرات کہتے ہیں بیان کئے گئے ہیں۔ ان امور سے روزہ ٹوٹتا ہے اور روزہ کی قضا واجب ہوتی ہے مگر ان میں صرف جماع ایک ایسا امر ہے جس کے خاص کیفیات کے ساتھ واقع ہونے پر روزہ کی قضا کے ساتھ کفارہ کی ادائی بھی واجب ہے۔

صحیحین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ سلمہ بن صخر البیاضی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا کہ میں تباہ و برباد ہوگیا۔ آپ نے پوچھا: کیسے؟ عرض کیا کہ رمضان (کے روزہ) میں اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری کی۔ آپ نے پوچھا: ایک غلام کو آزاد کرسکتے ہو؟ جواب دیا: نہیں۔ دو مہینے مسلسل روزہ رکھنے کی طاقت ہے؟ جواب دیا: نہیں۔ کیا ساٹھ مسکینوں کو کھلا سکتے ہو؟ تو سلمہ نے نہیں کہا اور بیٹھ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی وقت کھجور کا ایک بورا تحفہ آیا تھا۔ جس میں پندرہ صاع کھجور تھے۔ ایک صاع کے چار مد کے حساب سے جملہ ساٹھ مد کھجور ہوتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کھجور سلمہ کو دے دئے اور فرمایا: اس کو کفارہ کی ادائی میں صدقہ دے دو۔ سلمہ نے کہا: اللہ کے رسول! اس شخص کو دوں جو ہم سے زیادہ فقر و فاقہ کی حالت میں ہو؟ اللہ کی قسم! مدینہ کے دو ٹیلوں کے درمیان کوئی گھرانہ ایسا نہیں ہے جو ہم سے زیادہ محتاج ہو۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنسے اور فرمایا: جاؤ اور اپنے ہی لوگوں کو کھلاؤ۔ (بخاری: ۱۸۴۳، اور مسلم: ۱۱۱۱ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے)

اس واقعہ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلمہ کے فقر کا علم ہوا تو آپ نے اپنی رائے تبدیل کی اور بجائے کفارہ کے ہدیہ کے طور پر دیا تاکہ سلمہ کے گھر والے کھائیں اور کفارہ اس کے ذمے باقی رہا۔

دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارہ کے طور پر کھانے کی اجازت دی اور سلمہ کے گھر والے مسکین اور ساٹھ کی تعداد میں تھے۔

مگر یہاں یہ اعتراض ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو کفارہ نہیں دیا جاتا جن کی پرورش اپنے ذمہ ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کفارہ دینے والا خود اپنی جانب سے کفارہ نکالے تو یہ اعتراض صحیح ہوگا۔ بخلاف اس کے اگر دوسرا شخص اس کی طرف سے اور اس کی اجازت سے کفارہ نکالے تو خود اس کے گھر والے بھی استفادہ کر سکتے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس عمل کی اجازت دی تھی۔

ہر ایک روزہ مستقل عبادت ہے، اس لیے روزہ کے دنوں کے تعدد کے ساتھ کفارہ کا تعدد ہوگا۔ مگر ایک دن میں متعدد مرتبہ جماع کرے تو کفارہ کی تکرار نہ ہوگی۔

کفارہ واجب ہونے کی شرطیں

کفارہ واجب ہونے کی شرطیں بارہ ہیں، ان میں کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو کفارہ واجب نہ ہوگا:

۱۔ جماع کی قید کی وجہ سے دوسرے مفطرات خارج ہو جاتے ہیں۔ جماع کے لیے

پورا حشفہ غائب ہونا شرط ہے اگرچہ انزال نہ ہو۔

۲۔رمضان کی قید کی وجہ سے غیر رمضان کے روزہ میں جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔کفارہ صرف ماہ رمضان کی خصوصیت ہے۔

۳۔رمضان کے دن کی قید کی وجہ سے رمضان کی رات میں جماع کرنے سے کفارہ نہیں ہے،اس لیے کہ روزہ دن میں ہوتا ہے۔

۴۔عمداً کی قید کی وجہ سے بھول کر جماع کرنے سے کفارہ نہیں ہے۔

۵۔واقفیت کی قید ہے،اگر جماع کی حرمت سے ناواقف ہو کر جماع کرے تو کفارہ نہیں۔

۶۔اختیار کی شرط ہے، جبر و اکراہ سے جماع کرے تو کفارہ نہیں اس لیے کہ جبر و اکراہ کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

۷۔شرمگاہ مطلق طور پر مراد ہے،اگلی ہو یا پچھلی،مرد کی ہو یا عورت کی،آدمی کی ہو یا حیوان کی۔شرمگاہ کی قید سے دوسرے اعضاے بدن خارج ہو جاتے ہیں۔

۸۔مکلّف کی قید ہے۔تکلیف:شرعی ذمہ داری کو کہتے ہیں۔نابالغ لڑکا اگر روزہ کی حالت میں جماع کرے تو اس پر کفارہ نہیں ہے،اس لیے کہ اس پر روزہ ہی فرض نہیں ہے۔

۹۔رات ہی کو روزہ کی نیت کی قید ہے،اگر رات میں روزہ کی نیت نہیں کی اور حرمتِ رمضان کے خیال سے دن بھر مفطرات سے احتراز کرتا رہا اور اس حالت میں جماع کیا تو اس پر کفارہ نہیں ہے،اس لیے کہ وہ حقیقت میں روزے سے نہیں تھا۔

۱۰۔گناہ روزہ کی حالت میں پیش آئے تو کفارہ لازم ہے، روزہ کی حالت میں جماع کرنے سے گناہ سرزد ہوا ہو جس کے لیے کفارہ ہے۔

رات کا وقت ہونے کی نسبت غالب گمان ہو یا شک ہو اور جماع کرے اور پھر ظاہر ہو کہ دن کا وقت تھا تو اس پر کفارہ نہیں ہے،اس لیے کہ اس واقعہ میں گناہ نہیں ہے۔

کفارہ کی نوعیتیں

کفارہ کی تین نوعیتیں ہیں:

سب سے پہلے غلام کی آزادی، اس کے بعد روزے اور اس کے بعد مسکینوں کو کھانا کھلانا۔ یہ ترتیب مقرر ہے۔

غلام میں جنس کی تخصیص نہیں ہے، مرد اور عورت دونوں اس میں شامل ہیں۔ غلام کے مومن ہونے کی شرط ہے۔ غلام کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ عیوب سے پاک ہو۔

روزوں کے شروع کرنے کے بعد غلام دستیاب ہو تو اس کو رہا کرنا مندوب ہے۔ جو روزے ہو چکے ہیں نفل ہو جائیں گے۔

مسکینوں کو کھانا کھلانا شروع کرنے کے بعد روزہ رکھنے پر قدرت حاصل ہو تو روزے ہی رکھے جائیں گے۔ مسلسل روزے رکھنا واجب ہے۔ اگر ایک آخری روزہ بھی چھوٹ جائے تو روزوں کا سلسلہ منقطع ہو جائے گا اور از سر نو روزے سے رہنا ہوگا۔

یہاں ہلالی مہینے مراد ہیں۔ اگر مہینے کے درمیان سے روزہ شروع ہو تو پہلے مہینے کے دنوں کی تکمیل تیسرے مہینے کے دنوں سے، تیس دنوں کے حساب سے کی جائے۔

دو مہینوں کے روزے تو کفارہ ہیں اور جو روزہ ٹوٹا تھا اس میں داخل نہیں ہے۔

کھانا پکا کر کھلانے کی شرط نہیں ہے، غلہ دینے کی شرط ہے۔ شرائط وہی ہیں جو صدقہ فطر کے ہیں۔ مسکین میں فقیر بھی داخل ہے۔ زکات اور دیگر کفاروں کی طرح اس کفارہ کے غلہ کو بھی اپنے متعلقین کو کھلانا جائز نہیں ہے۔

اگر کفارہ کی ادائی کی استطاعت نہ رکھتا ہو؛ نہ غلام آزاد کر سکے، نہ مسلسل روزے رکھ سکے اور نہ مسکینوں کو غلہ دے سکے تو اس کے ذمہ کفارہ برقرار رہے گا اور جب کبھی جس کسی صورت پر قابو پائے ادا کرے۔

کفارہ کی قسمیں

کفارہ کی دو قسمیں ہیں: کفارۂ عظمی اور کفارۂ صغری۔

رمضان کے روزے کی حالت میں جماع کی وجہ سے کفارہ عظمی کی ادائی واجب ہوتی ہے۔اور جب کبھی کفارہ کا لفظ مطلق طور پر بغیر کسی قید کے استعمال ہوگا اس سے کفارہ عظمی مراد لیا جائے گا۔

کفارہ صغری کو فدیہ بھی کہتے ہیں مگر ابوشجاع نے فدیہ کے لیے بھی محض کفارہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔

جماع کرنے والے پر کفارہ کی ذمہ داری ہے نہ کہ فریق دوم مفعول پر یعنی جس کے ساتھ جماع کیا گیا ہے۔مفعول کا روزہ باطل ہونے کے لیے جماع کی حدتک دخول کی قید نہیں ہے بلکہ جماع کی تعریف صادق آنے سے پہلے حشفہ کا کچھ حصہ بھی مفعول کی شرمگاہ میں داخل ہوجائے تو اس کا روزہ ٹوٹتا ہے۔

ایک مد کے بارہ چھٹانک یعنی تین پاؤ غلہ ہوتا ہے۔(۷۵۰گرام)

اگر کوئی شخص فرض روزہ اپنے ذمہ چھوڑ کر فوت ہوجائے تو ہر روزہ کے لیے ایک مد کھانا کھلایا جائے، یہاں شخص سے مراد مسلم اور بالغ ہے، مرد ہو یا عورت۔

فرض روزے کی قید ہے خواہ رمضان کا ہو یا نذر کیا ہوا یا کفارہ کا روزہ۔

قضا روزے

روزے کے فوت ہونے کی چار صورتیں ہیں:

روزہ کسی عذر کی وجہ سے فوت ہوجائے یا بغیر کسی عذر کے، پھر ان دونوں صورتوں میں روزے کے قضا رکھنے کا امکان رہا ہو یا نہ رہا ہو۔

ان میں سے تین صورتوں میں جب کہ روزہ بغیر عذر کے فوت ہوجائے اور اس کے بعد روزے کے قضا رکھنے کا امکان رہے یا نہ رہے اور عذر کی وجہ سے فوت ہونے کے بعد قضا رکھنے کا امکان رہا ہو تو فوت شدہ روزے کا تدارک واجب ہے، صرف ایک صورت میں جب کہ مرض یا سفر وغیرہ کے عذر کے سبب سے روزہ فوت ہوجائے اور روزہ کے فوت ہونے کے بعد مرض یا سفر جاری رہے اور اسی سلسلہ میں فوت ہوجائے اور روزہ کے قضا

رکھنے کا امکان نہ رہے تو فوت شدہ روزے کی وجہ سے کوئی گناہ میت کے دوش پر نہ ہوگا اور اسی لیے ایسے روزہ کا تدارک واجب نہیں۔

ابوشجاع نے ابتدائی تین صورتوں کی نسبت حکم بیان کیا ہے اور شارحین نے اس سے چوتھی صورت کا مفہوم اخذ کیا ہے۔

چھوٹے ہوئے روزے کا تدارک

متوفی کے فوت شدہ روزے کے تدارک کے بارے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ایک قول قدیم اور دوسرا قول جدید۔مصر آنے سے قبل کے اقوال قدیم اور مصر پہنچنے کے بعد کے اقوال جدید کہلاتے ہیں۔امام شافعیؒ ۱۹۸ھ میں مصر پہنچے اور یہیں مذہب جدید شافعی کی بناء ڈالی تھی۔

قول قدیم یہ ہے کہ متوفی کے فوت شدہ روزے کے تدارک کے لئے ولی روزہ رکھے یا فدیہ دے۔مگر روزہ رکھنا سنت ہے اور روزہ کو فضیلت ہے اور اعتماد اسی پر ہے۔

قول قدیم کے مسائل میں صرف یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جس پر اعتماد کیا گیا ہے، اس لیے کہ اس کی تائید میں صحیح احادیث پائی جاتی ہیں، بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَن ماتَ وَعَلَيهِ صِيامٌ صامَ عَنهُ وَلِيّهُ''۔(بخاری:۱۸۵۲۔ مسلم:۱۱۴۷) جو شخص مرجائے اور اس کے ذمہ روزہ ہو تو اس کی طرف سے ولی روزہ رکھے۔

مسلم کی روایت میں ہے: ''اِنّهُ ﷺ قالَ لِامرَأةٍقالَتْ لَهُ اِنَّ اُمّیْ مَاتَتْ وَعَلَيهاصَومُ نَذرٍافَاَصُومُ عَنها؟قال: صُومِیْ عَنْ اُمِّکِ'' (بخاری:۱۸۵۲،اور مسلم: ۱۱۴۸ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور اس نے دریافت کیا: اللہ کے رسول! میری ماں کا انتقال ہوگیا ہے اور اس کے ذمے ایک مہینے کے روزے ہیں، کیا میں اس کی قضا کرسکتا ہوں ؟ آپ ﷺ نے فرمایا: '' جی ہاں، اللہ کا قرض ادا کرنا سب سے زیادہ حق رکھتا ہے''۔)ایک عورت نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ میری ماں مرگئی اور اس پر نذر کا روزہ تھا، کیا میں اس کی طرف سے روزہ رکھوں؟ تو آپ نے فرمایا، اپنی ماں کی طرف سے روزہ رکھو۔

قول جدید یہ ہے کہ صرف فدیہ دے، روزہ نہ رکھے۔استدلال یہ ہے کہ روزہ بدنی عبادت ہے جس میں زندگی ہی میں نیابت نہیں ہوسکتی۔اس پر قیاس کرتے ہوئے حکم لگایا گیا کہ موت کے بعد بھی نیابت نہیں ہوسکتی، جیسا کہ نماز اوراعتکاف میں۔

اگر کوئی شخص فرض نماز یا فرض اعتکاف چھوڑ کر فوت ہوجائے تو اس کے بعد اس کی جانب سے نیابۃً نماز نہیں پڑھی جاسکتی اور نہ اعتکاف کیا جاسکتا ہے، بلکہ ان کے عوض فدیہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔

معتمد یہی قول ہے،اس لئے کہ اس بارے میں کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔

بعض کا قول ہے کہ میت کی جانب سے نیابۃً نماز پڑھی جاسکتی ہے اور بعض کا قول ہے کہ ہرایک نماز کے بدلے ایک مد اور ہرایک دن اور رات کے اعتکاف کے عوض ایک مد کھانا کھلایا جائے۔

شیخ جیچودی کہتے ہیں کہ اس کی تقلید میں مضایقہ نہیں ہے۔امام سبکی نے اپنی ماں کی طرف سے ایسا کیا تھا۔

شافعیہ میں اعتماد اس پر ہے کہ نمازوں میں سے صرف طواف کی دو رکعتیں مستثنیٰ ہیں اور میت کی جانب سے نیابۃً طواف کی دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے جیسا کہ حج میں ہے۔

اگر نذر کی ہو کہ روزے کے ساتھ اعتکاف کرے گا یا اعتکاف کی حالت میں روزہ رکھے گا تو روزے پر قیاس کرتے ہوئے میت کی جانب سے نیابۃً اعتکاف کیا جاسکتا ہے۔ اعتکاف کے لئے ایک لحظہ بھی کافی ہے،سوائے اس کے کہ پورے دن کے اعتکاف کی نذر کی ہو۔اس لئے کہ روزے کے فوت ہونے پر ولی روزہ رکھ سکتا ہے اوراعتماد اسی پر ہے۔

قول جدید جو روزہ نہ رکھنے کا ہے ضعیف ہے۔قول قدیم کے لحاظ سے تدارک کے روزے کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔

محبّ طبری نے بیان کیا ہے کہ ہرایک عبادت خواہ واجب ہو یا مندوب جو میت کی طرف سے ادا کیا جائے اس کا ثواب پہنچتا ہے۔

ولی سے میت کا ہر ایک رشتہ دار مراد ہے، اگر چہ کہ عصبہ میں سے نہ ہو یا حقِ وراثت نہ رکھتا ہو۔

اعتماد اس پر ہے کہ ولی کا ولیِ مال ہونا ضروری نہیں ہے۔ ولیِ مال کی مثال باپ اور دادا ہیں۔

حدیث مذکور میں بیٹی کو ماں کے عوض روزے کا حکم دیا گیا جب کہ بیٹی نہ عصبہ ہے اور نہ ولیِ مال۔

روزہ رکھنا صرف ولی تک محدود نہیں ہے بلکہ کوئی اجنبی بھی روزہ رکھ سکتا ہے مگر میت کی وصیت یا ولی کی اجازت سے۔ اجازت کی ضرورت صرف اجنبی کے لئے ہے، نہ کہ رشتہ دار کے لئے۔ حسن بصریؒ کا قول ہے کہ اجازت سے تیس آدمی ایک ہی روز روزہ رکھیں تو بھی جائز ہے۔

روزہ رکھنے والے کے لیے شرط ہے کہ بالغ اور عاقل ہو۔ غلام بھی میت کی طرف سے روزہ رکھ سکتا ہے، اس لئے کہ غلام فرض علوم کی اہلیت رکھتا ہے، بچہ اور مجنون اہلیت نہیں رکھتے۔

فدیہ میت کی طرف سے غلہ کی جنس میں سے فقیر اور مسکین کو دینے کو کہتے ہیں اور اطعام کھانا کھلانے کو۔ فدیہ اور اطعام دونوں اس مسئلہ میں مترادف ہیں۔ فدیہ میت کے ترکہ سے ولی دے گا بلکہ اجنبی بغیر اجازت کے بھی میت کے مال سے فدیہ نکال سکتا ہے۔ اس لئے کہ فدیہ قرض کی ادائیگی کی طرح ہے، جو ایک شخص کی ملکیت سے اجنبی شخص بھی ادا کر سکتا ہے۔ اگر میت کوئی ترکہ نہ چھوڑے تو ولی خود بھی اپنے صرفہ سے فدیہ دے سکتا ہے، میت کی طرف سے دوسرے شخص کے لئے فدیہ دینا اور روزہ رکھنا مسنون ہے۔

بوڑھے شخص کا فدیہ

بوڑھا شخص روزہ نہ رکھ سکے تو ہر روزے کے لئے ایک مد کھانا کھلائے، متن میں مصنف نے شیخ کا لفظ استعمال کیا ہے اور عربی میں شیخ اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عمر چالیس سال سے متجاوز ہو اور **عجوز یا ھرم** اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عمر انتہائی بڑھاپے کو پہنچی ہو۔

مریض کا فدیہ

وہ مریض جس کی صحت یابی کی امید نہ رہے اس حکم میں داخل ہے۔ ایسے معمولی مریض کی نسبت جس کی صحت یابی کی امید ہو آیندہ صراحت ہو گی۔

روزہ نہ رکھ سکنے سے مراد یہ ہے کہ روزہ رکھنے میں ایسی سخت تکلیف ہو جو عادۃً برداشت نہیں کی جا سکتی۔ رملی نے لکھا ہے کہ ایسی سخت تکلیف مراد ہے جس سے تیمّم جائز ہو جائے۔ اگر کسی نے سخت تکلیف کو برداشت کر کے روزہ رکھا تو روزہ ہو جائے گا اگر چہ کہ دراصل اس کے ذمہ فدیہ واجب تھا۔

اصح قول یہ ہے کہ فدیہ شروع سے واجب تھا، ورنہ بعض کی رائے ہے کہ روزے کے بدل کے طور پر فدیہ واجب ہوا۔

روزہ چھوٹنے کے بعد روزہ رکھنے کی قدرت حاصل ہو تو اس پر روزے کی قضاء لازم نہیں ہے، خواہ ایسی قدرت فدیہ نکالنے کے بعد حاصل ہو جائے یا اس سے پہلے، اور اعتماد اسی پر ہے۔

فدیہ فقیر پر بھی واجب ہے اور اس کے ذمے باقی رہے گا جیسا کہ روضہ میں درج ہے، بخلاف مجموع کے، اس لئے کہ فدیہ کے عاید ہونے کے وقت فدیہ کی ادائی سے عاجز تھا۔

اس آیت کریمہ کی وجہ سے فدیہ واجب ہے: ” **وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ** “ (البقرۃ:۱۸۵) مفسرین کہتے ہیں کہ لائے نفی پوشیدہ ہے اور اصل **لا يطيقونه** ہے اور آیت کے معنی یہ ہوئے: جو طاقت نہیں رکھتے ان کے لئے فدیہ ہے مسکین کو کھلائے۔

دوسری تعبیر یہ ہے کہ **يطيقونه** سے مراد یہ ہے کہ جوانی اور صحت کی حالت میں روزہ کی طاقت تھی مگر بعد میں نا قابلیت پیدا ہوئی۔

ابن عباسؓ اور عائشہؓ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطَوِّقُوْنَهُ پڑھتے تھے جس کے معنی تکلیف اٹھانے اور طاقت نہ رکھنے کے ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں ان لوگوں کو بھی جن کو روزہ رکھنے کی

طاقت تھی اختیار دیا گیا تھا کہ روزہ رکھیں یا فدیہ دیں۔لیکن بعد میں اس آیت ''فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ'' (البقرة:۱۸۵) (جس نے ماہ رمضان دیکھا پس وہ روزہ رکھے) کے نزول سے سابقہ آیت کی تنسیخ ہوگئی۔

پہلی تعبیر کے لحاظ سے آیت منسوخ نہیں ہوگی اور دوسری تعبیر کے لحاظ سے منسوخ ہوگی اور اکثر علماء اسی کی تائید کرتے ہیں۔

قضا کرنے میں تاخیر ہو

قضا کرنے میں تاخیر ہو جائے تو اس کے لئے بھی فدیہ دیا جائے۔روزے کے قضا کرنے میں اتنی تاخیر کی جائے کہ دوسرا رمضان پہنچ جائے تو قضا کے علاوہ ہر روزہ کے لئے ایک فدیہ بھی دیا جائے۔

اگر روزہ رکھنا ممکن نہ ہونے کی وجہ سے تاخیر کی جائے اور عذر دوسرے رمضان تک جاری رہے تو اس تاخیر کے لئے کوئی فدیہ نہیں۔

قول قدیم کے لحاظ سے ولی کی طرف سے روزے رکھنے سے چھوٹے ہوئے روزے کا تدارک ہوگا اور صرف تاخیر کا فدیہ واجب ہوگا۔

فدیہ کی ادائی کا وقت

روزہ کا فدیہ رمضان سے پہلے یا اس روزے کی رات سے پہلے دینا جائز نہیں ہے، بعض نے لکھا ہے کہ اس روزے کی فجر کے بعد فدیہ دیا جائے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت کی ذات کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو روزہ توڑے گی اور روزے کی قضا کرے گی ،اگر اس کے بچے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو بھی وہ روزہ توڑے گی لیکن اس پر قضا اور فدیہ دونوں روزانہ ایک مد کے حساب سے واجب ہوں گے۔

اگر روزے کو قائم رکھ کر مال کو بچانے کی کوشش میں صرف روزہ دار کی جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ صرف دوسرے کی جان کا خطرہ ہو تو قضاء کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہے۔حاملہ اور

مرضعہ (دودھ پلانے والی عورت) تو بظاہر روزے کی قدرت رکھتے ہیں مگر شرعاً معذور ہیں۔

نقصان سے مراد ایسی تکلیف ہے جو عادتاً برداشت نہیں کی جاسکتی، یا ایسی تکلیف جس میں تیمّم جائز ہے۔ مذکورہ بالا صورتوں میں حاملہ اور مرضعہ کے لئے روزے کا افطار کرنا واجب ہے۔

فدیہ سے مراد کفارۂ صغریٰ ہے۔ چونکہ روزے کے وقت کی فضیلت کے چھوٹنے پر فدیہ دیا جاتا ہے، اس لئے اولاد کے متعدد ہونے سے فدیہ کا تعدد لازم نہیں آتا۔ دودھ پینے والا بچہ ایک ہو یا زیادہ، فدیہ ایک ہی دیا جائے گا۔

فدیہ کی مقدار

فدیہ یہ ہے کہ روزے کے لئے ایک مد (۱۲ چھٹانک یعنی تین پاؤ) غلہ ایسی جنس سے دیا جائے جس کی ادائیگی صدقہ فطر میں جائز ہے، اور اعتبار اس پر ہے کہ اپنی اور اپنے متعلقین کی غذا، سکونت اور خدمتگاری کے مصارف سے زیادہ ہو۔

فدیہ کے مستحقین

فدیہ صرف فقراء اور مساکین کو دیا جائے۔ مستحقین زکات کے دوسرے فرقوں کو نہ دیا جائے، اس لئے کہ آیت ”وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ“ میں صرف مسکین کا تعین ہے اور چونکہ فقیر کی حالت مسکین سے ابتر ہے، اس لیے فقیر کو بھی دیا جاسکتا ہے۔ فقیر اور مسکین دونوں کو ملا کر دینا جائز بلکہ افضل ہے۔ ایک شخص کو ایک سے زیادہ فدیہ دیا جاسکتا ہے مگر ایک فدیہ دو اشخاص پر تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔

فدیہ کا وجوب تین وجوہات کی وجہ سے ہے:

۱۔ محض تاخیر کی وجہ سے۔

۲۔ یا اصل روزے کے عوض جیسا کہ بوڑھے شخص کی صورت میں۔

۳۔ حاملہ اور مرضعہ کا فدیہ وقت کی فضیلت چھوٹنے کی وجہ سے۔

سفر اور مرض کی وجہ سے افطار کی رخصت

مریض اور طویل و مباح سفر میں مسافر روزہ افطار کر سکتے ہیں لیکن قضا واجب ہے: ''فَمَنْ كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ '' (البقرۃ:۱۸۴) تم میں سے جو بیمار ہو جائے یا سفر کرے (اور روزہ نہ رکھے) تو وہی مدت ہے دوسرے دنوں سے۔

یعنی جتنے دن روزہ نہ رکھے اتنے دن (رمضان کے علاوہ) دوسرے دنوں میں روزہ رکھے۔ اور دوسرے معنی یہ ہیں کہ روزے کے اثناء میں افطار کرے اور روزہ توڑ دے۔

مریض اور مسافر رخصت کی نیت سے افطار کریں گے۔ افطار کے جواز کے لئے رخصت کی نیت شرط ہے اور سفر شرعی عذر ہے، اگر چہ کہ بظاہر روزے کی قدرت ہو۔

مریض سے ایسا شخص مراد ہے جس کے صحت پانے کی امید ہے۔ روزہ توڑنے کے لئے ضروری ہے کہ ایسی سخت تکلیف محسوس کرے جس کو معمولی طور پر برداشت کرنا دشوار ہو یا ایسی تکلیف جس کی وجہ سے تیمّم جائز ہو جائے، اگر ہلاکت یا کسی عضو کے ضائع یا بیکار ہونے کا غالب گمان ہو تو روزہ توڑنا واجب ہے۔ اگر روزہ نہ توڑنے اور روزہ کو جاری رکھنے کی وجہ سے مر جائے تو گنہگار ہوگا، کیوں کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ'' (البقرۃ:۱۹۵) اپنے ہاتھوں خود کو تباہی میں نہ ڈالو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ '' (النساء:۲۹) اپنی جانوں کو تباہ نہ کرو۔

تکلیف اتنی ہو کہ صحت پانے میں تاخیر ہو یا تیمّم جائز ہو جائے تو ایسے مرض کی وجہ سے روزہ توڑنا جائز ہے۔

تکلیف ایسی شدید ہو کہ ہلاکت کی باعث ہو یا کسی عضو کو ضائع یا بیکار کرے تو روزہ توڑنا واجب ہے۔ مریض کا مرض دن اور رات میں مسلسل جاری رہے تو رات کو روزے کی نیت ہی نہ کرے۔

اگر مریض کا مرض مسلسل نہ ہو بلکہ منقطع ہو جیسا کہ بعض وقت بخار نہ ہو تو روزے

کی نیت کرے۔اس لئے کہ نیت کرتے وقت کوئی عذر شرعی موجود نہیں ہے۔اگر دوبارہ بیمار ہوجائے اور روزہ توڑنے کی نوبت آئے تو روزہ توڑ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

بھوکا اور پیاسا شخص مریض کے حکم میں داخل ہے جب کہ بھوک اور پیاس سے مغلوب ہو۔

رات میں روزے کی نیت کرے اور پھر روزہ توڑنے پر مجبور ہو تو توڑے، ورنہ نہیں۔بھوکے اور پیاسے شخص کی تشبیہ مریض کے ساتھ صرف روزہ توڑنے کی شکل میں ہے نہ کہ روزہ نہ رکھنے کی شکل میں۔مریض اکثر صورت میں شروع ہی سے روزہ نہیں رکھتا اور بھوکا اور پیاسا شخص آغاز میں ہر صورت میں روزہ رکھے گا اور جب بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت نہ کرسکے تو روزہ افطار کرنا جائز اور واجب ہے۔ہلاکت کے خوف میں واجب اور شدید تکلیف کی صورت میں جائز ہے۔

مسافر کے لئے شرط ہے کہ سفر طویل اور مباح ہو۔دو منزل یا اس سے زیادہ مسافت کے سفر کو طویل کہتے ہیں، اور چونکہ ایسے طویل سفر میں نماز قصر کی جاتی ہے اس لئے اس کو سفرِ قصر بھی کہتے ہیں۔دو منزل کی مسافت کے سولہ فرسخ یعنی اڑتالیس میل ہوتے ہیں، (۸۴کلومیٹر۔الفقہ المنہجی) اس سے کم مسافت کا سفر طویل نہ ہوگا۔

مباح سے مراد ایسا سفر ہے جو حرام اغراض کے لئے نہ ہو۔

مسافر کو روزہ نہ رکھنے کے لئے سفر کا صرف طویل ہونا کافی ہے، اگر چہ کہ سفر کی وجہ سے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔نقصان کی قید مریض کے لئے ہے، نہ کہ مسافر کے لئے۔

مسافر روزے کو قضا کرے گا جیسا کہ مذکورہ آیت میں حکم دیا گیا ہے۔

مسافر کو سفر کی وجہ سے نقصان کا خوف نہ ہو تو اس کے لئے روزہ رکھنا ہی افضل ہے۔فضیلت کے متعدد اسباب ہیں:

۱۔جلد سے جلد روزے کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگا۔

۲۔اس کا کوئی وقت عبادت سے خالی نہ ہوگا۔

۳۔ نبی ﷺ اکثر سفر میں بھی روزے رکھتے تھے۔

اگر روزے کی وجہ سے مسافر کو ضرر پہنچنے کا خوف ہو تو روزہ نہ رکھنا افضل ہے۔

صحیحین کی روایت میں ہے: ''أَنَّهُ ﷺ رَأىٰ رَجُلًا صَائِمًا فِي السَّفَرِ قَدْ ظُلِّلَ عَلَيْهِ، فَقَالَ: لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ أَنْ تَصُوْمُوْا فِي السَّفَرِ'' (مسلم: باب جواز الصوم والفطر فی السفر ۲۶۶۸۔ بخاری میں یہ الفاظ ہیں: ''لیس من البر الصوم فی السفر''۔ باب قول النبی ﷺ لمن ظلل علیه واشتد الحر لیس من البر الصوم فی السفر ۱۹۴۶۔ یہ روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) نبی ﷺ نے سفر میں ایک شخص کو روزہ میں (چھتری کا) سایہ کئے ہوئے دیکھا تو فرمایا: سفر میں روزہ رکھنا کوئی نیکی نہیں ہے۔

مسافر کو غالب گمان ہو کہ روزے کی وجہ سے اس کی جان جائے گی یا کوئی عضو ضائع یا بیکار ہوگا تو روزہ رکھنا اس پر حرام ہے بقول امام غزالیؒ۔ اگر فی الحال کوئی ضرر نہ پہنچے مگر آئندہ مضرت پہنچے یا ضعف پیدا ہونے کا خوف ہو اور سفر کو اہمیت ہو جیسے حج یا لڑائی کے لئے سفر کیا جائے تو بقول رافعی روزہ نہ رکھنا اس کے لئے افضل ہے۔

امساک؛ روزے کے دن میں کھانے پینے اور دوسرے مفطرات سے باز رہنے کو کہتے ہیں۔ مریض پر امساک واجب نہیں ہے لیکن مسنون ہے۔

دن میں مسافر قیام کرے، بچہ بالغ ہو جائے، مجنون افاقہ پائے، کافر اسلام لائے، حیض ونفاس والی طہارت پائے تو ان سب کے لیے بھی امساک مسنون ہے، لیکن اس شخص کے لئے جس نے روزہ نہیں رکھا، یا جس نے رات میں روزے کی نیت نہیں کی، یا جس نے شک کے روز روزہ نہیں رکھا اور پھر معلوم ہوا کہ رمضان ہے تو ان سب کے لئے امساک واجب ہے۔ امساک روزے کی خصوصیات میں سے ہے۔

سنت روزے

عرفہ، عاشورہ، تاسوعاء، ایام بیض، ست شوال کے نفل روزے رکھنا مستحب ہے۔
صحیحین کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ صَامَ يَوْمًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بَاعَدَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا''۔ (بخاری: ۲۶۸۵، اور مسلم: ۱۱۵۳ نے یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے کی ہے)

یہاں سبیل سے طاعت اور خریف سے سال مراد ہے۔ اس لئے کہ موسم خریف سال میں ایک بار آتا ہے اور ستر خریف کے ستر سال ہوئے۔

ابوشجاع نے اپنے متن میں صیام تطوع کا ذکر نہیں کیا ہے۔ قاسم غزی اور خطیب کے شروح سے اس کو نقل کیا گیا ہے، تطوع اور متنفل ایسی عبادت کو کہتے ہیں جو فرض پر زائد ہے اور فرض نہیں ہے اور جس سے مقصود اللہ کی قربت حاصل کرنا ہے۔

عرفہ کا روزہ

عرفہ: ماہ ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے۔ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''صِيَامُ يَوْمِ عَرَفَةَ يُكَفِّرُ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ وَالَّتِيْ بَعْدَهُ''۔ (مسلم: کتاب الصیام، باب استحباب ثلاثۃ أیام من کل شھر وصوم یوم عرفۃ: ۱۱۶۲۔ یہ روایت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

تکفیر گناہوں کے بخشنے کو کہتے ہیں اور فقہاء کا قول ہے کہ احادیث میں تکفیر کا تعلق صغیرہ گناہوں سے ہے۔ اور اہل سنت کا مذہب یہی ہے، ورنہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، یا یہ کہ اللہ تعالی خود اپنی رحمت سے بخش دے۔

عرفہ کا روزہ حاجی کے لئے مسنون نہیں ہے بلکہ روزہ نہ رکھنا ہی مسنون ہے۔
جملہ ایام میں یوم عرفہ کو فضلیت ہے۔

عاشوراء کا روزہ

عاشوراء دسویں محرم ہے اور اس دن کا روزہ اس کے پہلے کے ایک سال کے گناہوں کو بخشواتا ہے۔حدیث میں ہے:'' وَصَوْمُ عَاشُوْرَاءَ أَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ أَن يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ ''۔(مسلم کی روایت میں ہے:''ی كفر السنة الماضية'' ۱۱۶۲۔یہ روایت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے)دسویں محرم کے روزے سے میں اللہ تعالی سے امید کرتا ہوں کہ اس کے قبل کے سال بھر کے گناہوں کو معاف کرے گا۔

تاسوعاء کا روزہ

تاسوعاء نویں محرم کو کہتے ہیں ۔نویں محرم کو روزہ رکھنا مسنون ہے۔حدیث میں ہے:''لَئِنْ بَقِيْتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُوْمَنَّ التَّاسِعَ ''۔(مسلم نے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے: ۱۱۳۴)اگر میں آئندہ سال باقی رہوں تو نویں محرم کو ضرور روزہ رکھوں گا۔
لیکن نبی ﷺ اس سے پہلے ہی رحلت فرما گئے۔

ایام بیض کے روزے

ایام بیض چاندنی راتوں والے دنوں کو کہتے ہیں اور اس سے مراد قمری تیرھویں، چودھویں اور پندرھویں تاریخیں ہیں۔
ایام سود اندھیری راتوں والے دنوں کو کہتے ہیں، یہ اٹھائیسویں اور انتیسویں اور تیسویں تاریخیں ہیں۔چاندنی اور تاریکی کے ان دنوں میں نفل روزے رکھنا مستحب ہے۔

ستِ شوال کے روزے

یعنی ماہ شوال کے چھ روزے مستحب ہیں۔حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:''مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالَ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ ''۔

(مسلم نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ۱۱۶۴)

یہ چھ روزے پورے شوال کے مہینے میں الگ الگ رکھے جائیں تو بھی سنت ادا ہوتی ہے مگر افضل یہ ہے کہ عید کے دن سے متصل اور مسلسل رکھے جائیں۔شوال کے مہینے کے ختم ہونے پر یہ روزے فوت ہو جاتے ہیں۔ان ایام میں قضاء، نذر، یا کفارہ کے روزے رکھے جائیں تو بھی سنت ادا ہوتی ہے۔

پیراور جمعرات کے روزے

پیراور جمعرات کے دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے بلکہ تاکید کی گئی ہے، حدیث میں ہے:''إِنَّهُمَا يَوْمَانِ تُعَوَّضُ فِيهِمَا الْأَعْمَالُ فَأُحِبُّ أَنْ تُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا صَائِمٌ ''۔(ترمذی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ۷۴۷)

پیر کے روزہ کو جمعرات پر فضیلت ہے۔پیر کے روز نبی ﷺ کی ولادت ہوئی اور وفات فرما گئے۔آپ نے فرمایا ہے کہ ان دودنوں میں بندوں کے اعمال خدا کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔

بدھ کے دن بھی روزہ رکھنا مستحب ہے۔سابقہ امتوں پر چہارشنبہ کے دن عذاب نازل ہوا تھا اور امت محمدی کو اللہ تعالی نے ایسے عذاب سے محفوظ رکھا اس لئے بطور شکرانہ چہارشنبہ کے دن روزہ رکھنا مسنون ہے، معراج کی رات کے دن (حدیث میں ان دنوں کے روزہ کا ثبوت نہیں ملتا) اور جس دن کھانا نہ ملے روزہ رکھنا مسنون ہے۔(مسلم: ۱۱۵۴،۱۷۰)

مکروہ روزے

تنہا جمعہ، سنیچر یا اتوار کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے۔جمعہ کی نسبت یہ حدیث ہے: ''لَا يَصُمْ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِلَّا أَن يَّصُوْمَ يَوْمًا قَبْلَهُ أَوْ يَصُوْمَ بَعْدَهُ''۔(بخاری: ۱۸۸۴۔ مسلم: ۱۱۴۴)

اس لیے کہ جمعہ عید کا دن ہے، اس کے لئے تبکیر یعنی رات ہی سے بیدار ہو کر تیاری کرنا اور ذکر میں مصروف رہنا، غسل کرنا اور جمع ہونا یہ سب چیزیں مسنون ہیں اور ان کو

کمال خوبی سے انجام دینے کے لئے روزہ نہ رکھنا مستحب ہے، تاکہ روزہ کی کمزوری کی وجہ سے ان امور کی ادائی میں خلل نہ ہو۔

سنیچر کے دن روزہ رکھنا مکروہ ہے، اس لئے کہ یہود ہفتے کے دن روزہ رکھتے تھے اور متبرک جانتے تھے۔ حدیث میں ہے: ''لَا تَصُوْمُوْا يَوْمَ السَّبْتِ إِلَّا فِيْمَا افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ''۔ (ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے)

جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے تین دنوں میں تنہا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔ ان دنوں میں سے کسی کو ملا کر یا اس کے پہلے یا اس کے بعد بھی روزہ رکھیں تو کراہیت دور ہو جاتی ہے۔

سال کے پورے دن سوائے عیدین اور ایام تشریق کے روزہ رکھنا اس شخص کے لیے مکروہ ہے جس کو نقصان پہنچنے یا کسی واجب یا مندوب حق کے چھوٹ جانے کا خوف ہو۔ واجب حق کی مثال بیوی کا نفقہ اور مندوب حق کی مثال حقِ زوجیت ہے۔

صومِ داودی

افضل یہ ہے کہ ایک روز روزہ رکھے اور ایک روز روزہ نہ رکھے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''أَفْضَلُ الصَّوْمِ صَوْمُ أَخِيْ دَاوٗدَ كَانَ يَصُوْمُ يَوْمًا وَ يُفْطِرُ يَوْمًا''۔ (ترمذی: باب سرد الصوم ۷۷۰۔ مسند احمد: ۶۵۳۴۔ یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہے) سب سے بہتر روزہ میرے بھائی داود کا ہے۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے یعنی روزہ نہ رکھتے اور کھاتے پیتے تھے۔

شوہر کی موجودگی میں شوہر کی اجازت کے بغیر، نفل روزہ رکھنا بیوی کے لیے حرام ہے۔ صحیحین کی روایت میں رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''لَا تَصُوْمُ الْمَرْأَةُ وَ زَوْجُهَا شَاهِدٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ''۔ (مستدرک حاکم: کتاب البر والصلة ۷۳۲۹۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

شاہد کے معنی حاضر کے ہیں۔ بغیر اجازت کے روزہ رکھنے کی ممانعت کا تعلق ان روزوں سے ہے جو ہفتہ داری یا ماہواری ہیں، ورنہ جو مکرر نہ ہو یا نادر الوقوع ہو تو ان روزوں کے لئے ممانعت نہیں ہے۔ جیسا کہ عرفہ یا عاشوراء کے روزے۔

نفل روزوں کی قسمیں

خلاصہ یہ کہ نفل روزوں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ روزے جو سال میں ایک مرتبہ آتے ہیں جیسا کہ عرفہ یا عاشورہ۔

۲۔ دوسرے وہ روزے جو مہینے میں ایک مرتبہ آتے ہیں جیسا کہ ایام بیض۔

۳۔ تیسرے وہ روزے جو ہفتہ واری ہیں جیسا کہ دوشنبہ یا پنجشنبہ۔

افضل روزے

روزے کے لئے رمضان کے بعد سب سے افضل مہینہ محرم ہے، اس کے بعد رجب، پھر ذی الحجہ، پھر ذیعقدہ پھر شعبان، ان مہینوں کی اسلام سے پہلے خاص عظمت تھی اور اسلام نے بھی اس عظمت کو قائم رکھا۔ ان مہینوں میں عبادت کی کثرت مسنون ہے۔ شعبان کے نصف آخر میں بلا سبب روزہ رکھنا ممنوع ہے۔

نفل روزہ توڑنے کا حکم

نفل روزے کا توڑنا جائز ہے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اَلصَّائِمُ الْمُتَطَوِّعُ أَمِيرُ نَفْسِهِ، إِنْ شَاءَ صَامَ وَإِنْ شَاءَ أَفْطَرَ''۔ (حاکم: ۱/۴۳۹)

روزے پر قیاس کرتے ہوئے نماز کی نسبت بھی یہی حکم ہے کہ نفل نماز توڑی جاسکتی ہے۔

شروع کرنے کے بعد فرض روزہ یا فرض نماز کا توڑنا حرام ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ''۔ (محمد: ۳۳)

عذر کے ساتھ نفل روزہ توڑنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ مگر بغیر عذر توڑنا مکروہ ہے، جیسا کہ دعوت میں نہ کھانا داعی پر شاق گذرے تو نفل روزہ توڑ سکتا ہے۔ روزہ توڑنے میں کراہت کے یہ معنی ہیں کہ روزے کے گزرے ہوئے حصہ کا کوئی ثواب نہیں ملے گا اور عدم کراہت کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثواب ملے گا۔

اعتکاف

(وقت، شرائط، ارکان، مستثنیات)

اعتکاف کے معنی کسی بات پر مداومت کرنے اور قائم رہنے کے ہیں، خواہ اچھی ہو یا بری۔

شرع میں مسجد میں ایک خاص طریقہ پر نیت کے ساتھ ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ اعتکاف قدیم شریعتوں میں بھی تھا، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَعَهِدْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمٰعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ'' (البقرۃ:۱۲۵) ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کی طرف حکم بھیجا کہ میرے گھر کو پاک رکھا کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے۔

لیکن اعتکاف مخصوص طریقہ پر اس امت کی خصوصیات میں سے ہے۔

اعتکاف کی حیثیت

اعتکاف سنت ہے۔ بعض نے سنت مؤکدہ کہا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ''وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَ أَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ''۔ (البقرۃ:۱۸۷) ہم بستری نہ کرو، جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف کی حالت میں ہو۔

صحیحین میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا تھا، پھر آخری عشرہ میں اس کی پابندی کی، یہاں تک کہا کہ آپ وفات پائے۔ (بخاری :۱۹۳۲، اور مسلم ۱۹۷۲ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیا کرتے تھے، پھر آپ کے بعد آپ کی بیویوں نے اعتکاف کیا۔)

آپ نے پہلے عشرہ میں بھی اعتکاف کیا تھا۔ یہ بھی روایت ہے کہ شوال کے پہلے

عشرہ میں بھی آپ نے اعتکاف کیا تھا۔(بخاری: باب اعتکاف النساء ۲۰۳۳۔ مسلم: باب متی یدخل من أراد الاعتکاف ۲۸۴۲۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) اور چونکہ شوال کے پہلے عشرہ میں عید کا دن بھی شامل ہے جس میں روزہ ممنوع ہے۔اس لئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اعتکاف کے لیے روزے کی شرط نہیں ہے، بخلاف بعض ائمہ کے، جنھوں نے روزے کی شرط رکھی ہے۔

نبی ﷺ کے بعد ازواج مطہرات امہات المؤمنین نے بھی اعتکاف کیا تھا۔

سنت اور مستحب معنی میں مترادف ہیں۔سنت اس کو کہتے ہیں جس پر عمل کرنے میں ثواب ہے اور جس کو چھوڑنے میں عذاب نہیں۔

اعتکاف کی چار حالتیں ہیں:

۱۔ دراصل اعتکاف مستحب ہے۔

۲۔ نذر کرنے کے بعد واجب ہو جاتا ہے۔

۳۔ شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کے لئے حرام ہے۔

۴۔ خوبصورت اور شکیل عورت کے لئے شوہر کی اجازت کے باوجود مکروہ ہے۔

اعتکاف کا وقت

ہر ایک وقت اعتکاف کیا جا سکتا ہے، دن، رات، رمضان وغیرہ کی قید نہیں ہے، اوقات کراہت میں بھی اعتکاف کیا جا سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے جاہلیت میں یعنی اسلام لانے سے قبل ایک رات اعتکاف کرنے کی نذر کی تھی۔آپ نے فرمایا: اپنی نذر کو پوری کرو اور ایک رات اعتکاف کرو۔(بخاری: باب الاعتکاف لیلا ۲۰۳۲۔ یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے)

رات کا اعتکاف دلالت کرتا ہے کہ اعتکاف میں روزہ مشروط نہیں ہے۔

افضل وقت

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف افضل ہے۔اس لئے کہ بقول شافعیؒ شب

قدر ان دنوں میں ہوتی ہے، شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ان راتوں میں سے ہر ایک رات کی نسبت شب قدر کا احتمال ہے۔

بعض ائمہ کا قول ہے کہ شب قدر ہر سال گھومتی رہتی ہے، اس لیے رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں عبادت میں مصروف رہنا چاہئے۔

شیخین کی روایت سے اکیسویں رات اور مسلم کی روایت سے تیئسویں رات اور ابن عباسؓ کی روایت سے ستائیسویں رات شب قدر ہے اور یہ آخری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بھی قول ہے۔(بخاری نے بلال رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر ستائیسویں رات کو ہے: ۴۴۷۰۔ بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفا روایت کیا ہے کہ انھوں نے کہا: شبِ قدر ۲۴ویں رات کو تلاش کرو۔ باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر من العشر الاواخر۔۲۰۲۲۔ مسلم نے اُبیؓ بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم کو رسول اللہ ﷺ نے جس رات کو عبادت کرنے کے لیے کہا تھا وہ ستائیسویں رات ہے۔ باب الترغیب فی قیام رمضان ۱۸۲۱۔۱۸۲۲۔ ابوداود نے عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر تیئسویں رات ہے: باب فی لیلۃ القدر ۱۳۸۱۔ بخاری کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر تلاش کرنے کا حکم دیا: ۲۰۲۱۔۲۰۲۲۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی روایتیں ہیں جن سے مختلف راتوں کے بارے میں معلوم ہوتا ہے، لیکن علماء نے کہا ہے کہ اس رات کو پوشیدہ رکھا گیا ہے اور اس کو آخری عشرہ میں تلاش کرنا چاہیے۔)

کہا جاتا ہے کہ اس بارے میں جملہ تیس اقوال ہیں مگر اکثر ممالک کے علماء نے ستائیسویں رات کو ترجیح دی ہے۔صوفیاء کرام (ابوالحسن شاذلی) نے شب قدر کے تعین کے لئے ایک قاعدہ بیان کیا ہے: رمضان جمعہ سے شروع ہو تو شب قدر انتیس کو ہوگی، سنیچر سے شروع ہو تو اکیسویں کو، اتوار سے شروع ہو تو ستائیسویں کو، پیر سے شروع ہو تو انتیسویں کو، منگل سے شروع ہو تو پچیسویں کو، بدھ سے شروع ہو تو ستائیسویں کو، جمعرات سے شروع ہو تو اکیسویں کو شب قدر ہوگی۔

شب قدر کی یہ نشانی بتائی گئی ہے کہ اس رات نہ گرمی ہوگی، نہ سردی۔ اور اس کے بعد صبح کے طلوع پر سورج میں سفیدی ہوگی اور اس کی کرنیں زیادہ نہ ہوں گی اور یہ حالت سورج کے ذرا بلند ہونے تک باقی رہے گی۔

شبِ قدر کی فضیلت

دوسری راتوں سے شب قدر افضل ہے، اس لیے کہ اس رات کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ''لَیۡلَةُ الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ أَلۡفِ شَھۡرٍ ''۔ (القدر:۳)

اس کو شب قدر اس لئے کہا گیا کہ اس رات کو ایک خاص قدر و منزلت حاصل ہے، اس رات کو چیزوں کی تقدیر لکھی جاتی ہے اور فرشتے ہر شخص کو اس کے لئے مقرر کردہ چیزیں پہنچاتے ہیں، یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے اور قیامت تک باقی رہے گی۔

شب قدر کا درجہ شبِ میلاد النبی ﷺ کے بعد ہے اور شب قدر کے بعد شب معراج پھر شب عرفہ پھر شب جمعہ اور پھر شب شعبان کے نصف اول کی راتیں اور اس کے بعد بقیہ تمام راتیں مساوی ہیں۔

فضیلت کے یہ مدارج امت محمدی کے لئے ہیں، ورنہ نبی ﷺ کے حق میں سب سے افضل معراج کی رات ہے، جس میں آپ نے پروردگار عالم کا دیدار اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ صحیحین میں روایت ہے کہ جس نے عبادت میں شب قدر گزاری، اس کے اگلے سارے گناہ بخشے گئے۔ (بخاری: باب قیام لیلة القدر من الإیمان ۳۵۔ مسلم: باب الترغیب فی قیام رمضان ۱۸۱۷۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

عبادت کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ساری رات نماز، تلاوت اور دعاؤں میں گذارے، یہ دعا اولی ہے: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ کَرِیۡمٌ تُحِبُّ الۡعَفۡوَ فَاعۡفُ عَنِّیۡ ''۔ (ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے: ۳۵۱۳۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

اوسط طریقہ یہ ہے کہ رات کا بڑا حصہ عبادت میں گذارے۔

کمتر طریقہ یہ ہے کہ نماز عشاء جماعت کے ساتھ پڑھے اور نماز صبح بھی جماعت کے ساتھ پڑھنے کی نسبت عزم بالجزم کرے۔

اس رات کی عبادت کی فضیلت کے حصول کے لئے اس رات سے باخبر اور آگاہ ہونا لازم نہیں ہے۔ اگر کسی نے رات عبادت کی اور وہ رات شبِ قدر تھی تو اس کو فضیلت حاصل ہوگئی۔ اگر کسی نے اس رات کو پالیا اور پہچان لیا تو اس پر مستحب ہے کہ اس واقعہ کو بیان نہ کرے۔

قدر کی رات میں قدر کا وقت ایک خفیف لحظہ ہے جیسا کہ بجلی کی چمک، اسی ایک لحظہ کی وجہ سے پوری رات کو فضیلت حاصل ہوئی۔

اعتکاف صحیح ہونے کے شرائط

اعتکاف صحیح ہونے کے لیے تین شرائط ہیں:

۱۔ اسلام

۲۔ عقل

۳۔ حدث اکبر سے پاکی

عقل سے مراد تمیز اور شعور ہے۔ بلوغ کی شرط نہیں ہے، تمیز والے بچے کا اعتکاف صحیح ہوگا۔ عقل کی قید کی وجہ سے مجنون خارج ہو جاتا ہے۔

حدث اکبر؛ حیض، نفاس، اور جنابت کی حالت کو کہتے ہیں۔ حدث اکبر کی حالت میں اعتکاف صحیح نہ ہوگا۔ حدث اکبر کے ساتھ مسجد میں ٹھہرنا بھی ممنوع ہے۔ جنابت احتلام کی وجہ سے ہو اور طہارت میں جلدی کرے تو اعتکاف باطل نہ ہوگا، اگر تاخیر کرے تو باطل ہوگا۔ حیض و نفاس والی عورت اور جنبی شخص کا اعتکاف صحیح نہ ہوگا۔

اعتکاف کے ارکان

اعتکاف کے ارکان تین ہیں:

۱۔ نیت

۲۔ قیام

۳۔ مسجد میں

ابوشجاع نے قیام بہ مسجد کو ایک ہی رکن شمار کیا تھا مگر سہولت کی خاطر ان دونوں کو علحیدہ کیا گیا جیسا کہ خطیب اور دیگر شارحین نے کیا ہے۔ بعض نے معتکف کے اعتکاف کے صحیح ہونے کے شرائط کو بھی ایک رکن قرار دے کر جملہ ارکانِ اعتکاف چار گنائے ہیں، مگر بقول بیجوری معتکف فاعل ہے اور فاعل رکن نہیں شمار کیا جاتا، اس لئے اعتکاف صحیح ہونے کے شرائط کے نام سے اس کو علحیدہ بیان کیا گیا ہے۔

نیت

اعتکاف کے لیے نیت مشروط ہے اور رکن ہے۔ نیت دل سے ہونا ضروری ہے جیسا کہ دوسری عبادتوں میں۔ نیت کا زبان سے ادا کرنا ضروری نہیں ہے۔

نیت کے تین مراتب ہیں:

۱۔ مطلق نیت کرے۔

۲۔ یا مدت معین کرے لیکن تسلسل کی نیت نہ ہو۔

۳۔ یا تسلسل کے ساتھ مدت متعین کرے

ان تینوں صورتوں میں پھر اعتکاف منذور ہو یا مندوب، مطلق نیت کرے، کوئی مدت معین نہ ہو تو مندوب اعتکاف کی نیت کے الفاظ یہ ہوں گے: ''نَوَيْتُ الْإِعْتِكَافَ أَوْ سُنَّةَ الْإِعْتِكَافِ''۔

مطلق اعتکاف کی نذر کرے اور کہے: اللہ تعالی کے لئے اعتکاف کروں گا۔ تو اعتکاف کی نیت یوں ہوگی: ''نَوَيْتُ الْإِعْتِكَافَ الْمَنْذُوْرَ أَوِ الْمَفْرُوْضَ أَوْ فَرْضَ الْإِعْتِكَافِ''۔

ان دونوں مطلق صورتوں میں لوٹنے کے ارادے کے بغیر مسجد سے باہر چلا جائے تو اعتکاف ختم ہوجائے گا، خواہ ضرورت پر نکلے یا بغیر ضرورت کے۔ مسجد سے باہر جانے

کے بعد اگر لوٹ کر آئے تو نیت کی تجدید کرے۔ اگر لوٹنے کے ارادے سے مسجد سے باہر چلا جائے اور لوٹ کر آئے تو نیت کی تجدید کی ضرورت نہ ہوگی، اس لئے کہ لوٹنے کا ارادہ خود نیت کے قائم مقام ہوگا۔

مدت متعین کر کے مندوب اعتکاف کرے تو نیت کرے: ''نَوَيْتُ الْاِعْتِكَافَ شَهْرًا''۔ معین مدت کے ساتھ نذر کرے اور کہے ''لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ أَعْتَكِفَ شَهْرًا'' یا نیت کرے ''نَوَيْتُ الْاِعْتِكَافَ الْمَنْذُوْرَ شَهْرًا'' أو ''اَلْاِعْتِكَافَ الْفَرْضَ شَهْرًا'' أو ''اَلْاِعْتِكَافَ الْمَفْرُوْضَ شَهْرًا''۔

اعتکاف میں داخل ہونے کے بعد قضائے حاجت کی ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر جائے تو اعتکاف ختم ہو جائے گا۔ ارادہ نیت کے قائم مقام ہے۔ اگر قضائے حاجت کے لئے نکلے تو نیت کی تجدید لازم نہیں ہے اور وہ نیت کے وقت سے ہی مستثنیٰ ہے۔

مسلسل کی قید کو بھی مدت پر اضافہ کرے تو مندوب اعتکاف کی یہ نیت ہوگی: ''نَوَيْتُ الْاِعْتِكَافَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا''۔ نذر میں مسلسل کی نیت کر کے کہے: ''لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ أَعْتَكِفَ شَهْرًا مُتَتَابِعًا'' یا یہ نیت کرے: ''نويت الاعتكاف المنذور شهرا متتابعا'' تتابع پے در پے بغیر کسی فصل کے اعتکاف کرنے کو کہتے ہیں۔

مسلسل کی نیت کے بعد کسی عذر کی وجہ سے مسجد سے نکلے تو تسلسل نہ ٹوٹے گا، اگرچہ طویل وقت گزر جائے۔

عذر میں حیض، نفاس اور بیماری بھی داخل ہیں، البتہ لوٹنے کے بعد وقت کی اس مقدار کی قضا کرے جو قضائے حاجت سے زائد صرف ہوا ہے۔

مسلسل کی نیت کے بعد مریض کی عیادت اور مہمان کی ملاقات سے تسلسل باطل ہوگا اور منذور اور فرض اعتکاف میں پھر از سر نو اعتکاف کرنا واجب ہوگا، لیکن مندوب میں واجب نہ ہوگا۔ مندوب اعتکاف میں مریض کی عیادت کے لئے جانا یا اعتکاف پر قائم رہنا دونوں مساوی ہیں۔ جب کہ اجنبی کی عیادت مقصود ہو، مگر قرابت دار یا عزیز، دوست یا محلّہ

والوں کی عیادت نہ کرنا ان کو شاق گزرے تو عیادت افضل ہے۔

قیام طمانینت کی مقدار میں کافی نہیں ہے بلکہ طمانینت سے زیادہ وقت ہو، تاکہ عکوف کہلائے۔ طمانینت اس قدر زمانے کو کہتے ہیں جس میں تسبیح سبحان اللہ کہی جا سکے۔

قیام کی دو قسمیں ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حکمی قیام کی مثال تردد ہے۔ تردد ادھر سے ادھر آنے جانے کو کہتے ہیں۔ اردو میں اس کا ترجمہ ٹہلنا ہو سکتا ہے، اعتکاف کے لئے ٹہلتے ہوئے بھی وقت گزار سکتا ہے۔ محض عبور یعنی مسجد سے گزرنا اعتکاف کی تعریف میں داخل نہیں ہے۔

اعتکاف کی جگہ

اعتکاف مسجد میں کیا جائے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ**'' (البقرۃ:۱۸۷)

عام مسجدوں کے مقابلہ میں جامع مسجد میں اعتکاف کرنا اولی ہے، اس لیے کہ جامع مسجد کی جماعت میں لوگ بہت ہوتے ہیں اور پھر جمعہ کی نماز کے لئے دوسری مسجد کو جانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

مسجد کے بغیر صحیح نہیں ہے؛ مدرسہ، خانقاہ اور عید گاہ میں اعتکاف نہیں ہو سکتا۔ کوئی عبادت مسجد پر موقوف نہیں، صرف اعتکاف، طواف اور تحیۃ المسجد مسجد پر موقوف ہیں، طواف خاص کر مسجد حرام پر موقوف ہے۔

اجتہاد کرنے کے بعد مسجد ہونے کی نسبت گمان ہو تو کافی ہے۔

اگر نذر میں کسی مسجد کا تعین کرے تو اس کی پابندی لازم نہیں، سوائے اس کے کہ متعین کردہ مسجد مکہ، مدینہ، یا اقصی کی ہو۔ ان تینوں مساجد کو خاص فضیلت حاصل ہے اور فضیلت کا درجہ یہ ہے کہ سب سے افضل مسجد مکہ پھر مدینہ، اور پھر مسجد اقصی ہے۔

ادنی کی نذر کر کے اعلی میں اعتکاف کیا جا سکتا ہے، نہ کہ اعلی کی نذر کر کے ادنی میں۔ (مثلاً مسجدِ اقصی میں اعتکاف کی نذر مانے تو مسجد نبوی اور مسجد حرام میں اعتکاف کر سکتا ہے، اگر مسجد نبوی میں اعتکاف کی نذر مانے تو مسجدِ اقصی میں اعتکاف نہیں کر سکتا ہے، البتہ مسجدِ حرام میں کر سکتا ہے)۔

عورت کا اعتکاف

اگر عورت اپنے گھر میں کسی مقام کو نماز کے لئے مقرر کرے تو وہ اس کے لئے بمنزلہ مسجد ہے اور عورت اس میں اعتکاف کر سکتی ہے۔

شیخان نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''**لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلٰى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: مَسْجِدِیْ هٰذَا وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى**'' (بخاری: باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ ۱۱۸۹۔ مسلم: باب لاتشد الرحال إلا إلی ثلاثۃ مساجد ۳۴۵۰۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) صرف تین مساجد کے لیے سفر کیا جا سکتا ہے: میری یہ مسجد، مسجد حرام اور مسجد اقصی کی طرف۔

یعنی محض مساجد کی خاطر طویل سفر اختیار نہ کرو۔ البتہ تین مسجدیں جن کو خاص فضیلت ہے اس میں نماز پڑھنے کے لئے ایسا سفر کر سکتے ہو۔

مستثنیات:

۱۔ نذر کئے ہوئے اعتکاف سے سوائے انسانی حاجت یا حیض کے عذر کو یا ایسے مرض کے باعث جس کے ساتھ مسجد میں قیام کرنا ممکن نہ ہو نکل نہیں سکتا۔ یہاں ایسا اعتکاف مراد ہے جس میں متعین مدت کے ساتھ مسلسل کی نذر کی گئی ہو۔ ورنہ مدت متعین نہ ہو یا مدت متعین ہو مگر مسلسل کی قید نہ ہو تو مسجد سے نکلنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کوئی عذر ہو یا نہ ہو۔

مستثنیات کی قسمیں

مستثنیات تین قسم کے ہیں: انسانی ضروریات، حیض اور مرض۔

انسانی ضروریات: بول و براز یعنی پیشاب اور پاخانے کی ضرورت طبعی اور غیر اختیاری ہے اور ایسی لابدی ہے کہ گویا نیت کے وقت ہی اس کا استثناء کیا گیا۔ ان ضروریات کے لئے مسجد سے باہر جانے کی اجازت ہے۔ ہوا خارج کرنے کے لئے بھی مسجد سے باہر جائے۔ مسجد میں ہوا خارج کرنے میں کراہت ہے۔

کھانا کھانے کے لئے مسجد سے باہر جائے، اس لئے کہ مسجد میں کھانا کھانا پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھا گیا ہے۔قضائے حاجت سے فارغ ہونے کے بعد وضو کرے اور مسجد میں داخل ہو۔

حیض ونفاس کی حالت میں عورت کے لئے مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے اور مسجد کے باہر جانا واجب ہے، احتلام کی حالت میں بھی مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے اور غسل کے لئے مسجد سے فوراباہر جانا واجب ہے۔اگر تاخیر کرے تو اعتکاف میں کمی ہوگی۔حیض ونفاس کے عذر کا موقع صرف اس وقت پیدا ہوگا جب کہ مدت طویل ہو۔

مرض کی وجہ سے مسجد میں قیام کرناممکن نہ ہوتو مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔البتہ شرط یہ ہے کہ مسجد کے قیام میں مشقت محسوس کرے۔جنون اور بے ہوشی بھی مرض میں داخل ہیں۔ان کی وجہ سے مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔مرض اتنا خفیف ہو کہ مسجد کے قیام میں مشقت محسوس نہ کرے تو مسجد کے باہر جانا جائز نہیں ہے جیسا کہ خفیف بخار۔

قضائے حاجت، کھانے پینے اور احتلام کی صورت میں غسل میں جو وقت گزرے وہ لابدی ہے اور مستثنیٰ ہے۔

اعتکاف جماع سے ٹوٹتا ہے۔چھونے یا پیار کرنے سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا۔

نہانے، دھونے، خوشبو لگانے، مونچھ تراشنے، اچھا لباس پہننے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔اس لیے کہ نبی ﷺ نے ان امور کو ترک نہیں کیا تھا اور نہ ان کے ترک کرنے کی ہدایت کی تھی۔معتکف کے لئے مسجد میں کھانا اور پینا جائز ہے مگر مسجد کی صفائی کے ساتھ۔ لیکن مسجد میں برتن میں بھی پیشاب کرنا حرام ہے، معتکف کے لئے مسجد میں سینے وغیرہ جیسے صنعتی کاروبار انجام دینے میں کراہت نہیں ہے، بشرطیکہ کثرت نہ کی جائے، جس میں مسجد کی بے حرمتی ہوتی ہے، البتہ تعلیم اور تلاوت قرآن کی کثرت میں کراہت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ عبادت درعبادت ہے۔

حج

(جغرافیہ، تصریح، مقامات وعمارات، شرائط، ارکان، واجبات
سنن، محرمات، تحلل، متروکات، دماء، حرمت حرم)

جزیرۃ العرب

جزیرۃ العرب براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں ایشیا کا سب سے زیادہ گرم اور خشک قطعہ اور ملک ہے۔ اس جزیرہ نما کے جنوب اور مغرب میں ساحل سمندر کے کنارے اونچی اونچی پہاڑیاں ہیں جن کی بلندی بعض جگہ بارہ ہزار فٹ تک پہنچ گئی ہے۔

اس جزیرہ کا طول شمالاً وجنوباً اٹھارہ سو میل اور عرض شرقاً وغرباً تیرہ سو میل اور رقبہ دس لاکھ مربع میل ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحر عرب اور بحر ہند اور مغرب میں بحر احمر واقع ہے۔

جزیرہ العرب کا اکثر حصہ صحرا ہے۔ اور اس کا شمار دنیا کے گرم ترین صحراء میں ہے۔ ساحلی علاقے اور بعض وادیوں کے قلیل رقبے ایسے ہیں جہاں زراعت ہو سکتی ہے اور نخلستان اور باغات لگائے جا سکتے ہیں۔ اور خاص طور پر شمال مشرقی اور جنوب مغربی حصہ نسبتاً زرخیز ہے۔ سمندر کی موسمی ہواؤں سے سال بھر میں بمشکل ایک انچ سے تین انچ تک بارش ملتی ہے۔ نقشہ سے ظاہر ہے کہ اس وسیع جزیرہ میں دریاؤں، ندیوں اور نالوں کا نام ونشان نہیں ہے۔ جزیرۃ العرب کا مغربی حصہ جو بحر احمر کے ساحل پر ہے حجاز کہلاتا ہے۔ مکہ معظّمہ اور مدینہ طیبہ اسی قطعہ میں واقع ہیں۔

شہر مکہ کا محل وقوع

شہر مکہ کا محل وقوع طول البلد ۲۰ء۲۰، اور عرض البلد ۲۱ء۷ درجہ ہے۔ بحر احمر کے ساحل

جدہ سے اس کا فاصلہ ۴۸ میل (۸۴ کلومیٹر) اور سطح سمندر سے بلندی ۲۷۹ میٹر کے قریب ہے۔

متوازی پہاڑیوں کے سلسلہ کے درمیان شمالاً اور جنوباً ایک وادی گزرتی ہے اسی میں شہر مکہ ہے۔ مشرق میں جبل ابوقبیس اور جبل خندمہ، مغرب میں جبل عمر، جبل ہندی اور جبل قیقعان ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مکہ کی آبادی شمال جنوب تقریبا دو میل لمبی چلی گئی ہے اور عرض مشرق سے مغرب ایک میل سے کم ہے۔ (اب شہرِ مکہ کی آبادی بہت بڑھ گئی ہے)

اس وادی کی سیلابی رو، سبیل وادی ابراہیم کے بالکل کنارے مغربی سمت میں مسجد حرام ہے، جس کے بیچوں بیچ بیت اللہ شریف ہے۔

شہر مکہ کی آبادی ڈیڑھ لاکھ ہے جو حج کے زمانہ میں پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے۔ (اب حج کے موقع پر چالیس لاکھ کے قریب لوگ حج کے لیے پہنچتے ہیں، اور مکہ شہر میں رہنے والوں کی تعداد اس کے علاوہ ہے) شہر کی عام شاہ راہیں وسیع کشادہ اور مانع گرد ہیں۔ ایک بڑی سڑک شہر کے جنوب مغرب جرویل سے باب عمرہ، تکیہ مصری، مسعی، قشاشیہ، سوق اللیل، غزہ اور المعلی سے شہر کے شمال کو جاتی ہے اور اس میں چھوٹے راستے حارۃ الباب، حارۃ الشبیقا، سوق الصغیر، جیاد، سوق اللیل، سوق صفا و مروہ سے آکر ملتے ہیں۔ دوسری سڑک حارۃ الباب سے سوق شامی سے ہوتے ہوئے مروہ کو جاتی ہے۔

اہم محلے

مسجد حرام کے جنوب میں جیاد ہے۔ اس میں تکیۂ مصری، حکومت کا دفتر، سرکاری مطبع، ڈاکخانہ اور تار آفس ہے۔ قشاشیہ میں شعب علی، شعب بنی ہاشم، دار الخیزران یا دار الارقم مخزومی اور بنی شیبہ اور دواخانہ ہے۔ شمال مشرق میں غلہ کا ڈپو ہے، مسجد حرام کے شمال میں شامیہ بڑا تجارتی مقام ہے۔

مکانات تین تین چار چار منزلہ ہیں جو حج کے زمانے میں پھر بھی تنگ ہو جاتے ہیں، پانی کی سربراہی کا انتظام وسیع پیمانہ پر ہے اور حج کے زمانے میں بھی پانی کی بہتات رہتی ہے۔ مکہ اور طائف کے درمیان، عرفات سے آگے حنین سے ایک نہر شہر کو لائی گئی ہے

جس کا نام نہر زبیدہ ہے، یہ نہر خلیفہ ہارون الرشید کی بیگم زبیدہ خاتون نے ۲۰۸ھ ہجری میں تعمیر کروائی، اس پر جا بجا کنویں تعمیر کیے گئے ہیں۔

مکہ کے نام

اس شہر کا مشہور نام تو مکہ ہے، مگر کلام مجید میں مکہ کے علاوہ بکۃ، ام القری اور البلد الأمین کے ناموں سے بھی اس شہر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

''وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ بَعْدِ مَا أَظْهَرَكُمْ عَلَيْهِمْ''۔ (الفتح:۲۴)

''إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ''۔ (آل عمران:۹۶)

''وَهٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا''۔ (الأنعام:۹۲)

''وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ''۔ (والتین:۱۔۴)

مکہ میں آبادی کی ابتدا

اس مبارک شہر کی آبادی کا آغاز اس آیت سے شروع ہوتا ہے: ''رَبَّنَا إِنِّیْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِیْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ''۔ (إبراهيم:۳۷)

جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہما اسلام کو دو ہزار پانچسو برس قبل مسیح لا کر چھوڑا تھا۔

قدیم زمانہ میں وسائلِ حمل ونقل؛ اونٹ، گھوڑے، خچر اور گدھے کی حد تک محدود تھے۔ ایک دن منزل کی مسافت تقریبا آٹھ فرسنگ یعنی ۲۴ میل (۳۶ کلومیٹر) اور مسافتوں کی مقدار کا تعین منزلوں کی تعداد سے کیا جاتا تھا۔

لوگ عراق، شام، نجد، یمن، حضرموت، عمان وغیرہ کی جانب سے بڑے بڑے قافلوں کی شکل میں طویل ریگستانوں کو طے کر کے ہفتوں اور مہینوں کی زحمت برداشت

کرنے کے بعد مکہ پہنچتے تھے۔ تعجب نہیں کہ اب بھی ایک حد تک بدوی اسی نوع کے سفر پر مجبور ہیں، مگر تیز رفتار سواریوں کے ایجاد ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہفتوں اور مہینوں کا سفر گھنٹوں اور دنوں میں طے ہونے لگا۔

جدہ سے مکہ اور مدینہ کا سفر موٹر میں کیا جاتا ہے۔ اگر ابتداء میں موٹریں وسیع ریتلے میدانوں میں سے دوڑتی تھیں تو اب ان کے لئے طویل سڑکیں تعمیر ہو چکی ہیں، جن میں سے بعض مانع گرد بھی ہیں، جدہ سے مکہ پنتالیس میل ہے جو آسانی سے موٹر میں دو ڈھائی گھنٹوں میں اور جدہ سے مدینہ ڈھائی سو میل چوبیس گھنٹوں میں طے ہو سکتا ہے۔ یہی نہیں، طیارہ کے ذریعہ جدہ سے مدینہ کو سوا گھنٹہ میں پہنچ سکتے ہیں، (اب مکہ سے مدینہ کی سڑکیں اتنی کشادہ اور ہموار ہوگئی ہیں کہ بذریعہ کار بھی چار گھنٹوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور جدہ سے مکہ درمیانی رفتار سے صرف ایک گھنٹے میں پہنچ جاتے ہیں، جب کہ یہاں بڑی ٹریفک رہتی ہے۔ جدہ سے مدینہ کا بھی سفر بذریعہ سڑک صرف چار گھنٹے کا ہوگیا ہے) اسی طرح دیگر ممالک سے آنے والے مسافر سمندری جہازوں کے علاوہ راست طیاروں کے ذریعہ بھی پہنچتے ہیں۔

ان طویل اسفار کے علاوہ مکہ سے منی، عرفات، مزدلفہ وغیرہ کے مختصر سفر بھی آسان سے آسان تر ہوگئے ہیں۔ ایک موٹر کی سواری دن بھر میں متعدد چکر لگاتی اور حاجیوں کی بڑی تعداد کو ایک مقام سے دوسرے مقام کو منتقل کرتی ہے۔

حج کے زمانے میں ایک طرف جدہ کی بندرگاہ میں متعدد پانی کے جہاز لنگر انداز دکھائی دیتے ہیں تو دوسری طرف طیران گاہ (ائیرپوٹ) پر طیارے پر جمائے کثیر تعداد میں اڑتے نظر آتے ہیں۔

مسافتوں کا تقابل فی الوقت یہ کہ اونٹ ایک منزل موٹر کا ایک گھنٹہ اور طیارہ کے پانچ منٹ مساوی ہیں۔ (یہ تقریباً آج سے چالیس سال پہلے کا اندازہ ہے، اب رفتار میں کئی گنا اضافہ ہوگیا ہے) سفر کی قدیم صعوبتیں ختم ہوگئیں، مگر مصارف کے اضافہ کے ساتھ۔

مسجد حرام بیچ شہر میں ہے جس کا طول شرقاً غرباً سات سو فٹ اور عرض شمالاً اور جنوباً

پانچ سو فٹ ہے۔ مسجد حرام کی عمارت اطراف سے مسقّف اور بیچ میں صحن ہے اور صحن کے بیچوں بیچ بیت اللہ شریف کی عمارت ہے۔

مسجد حرام کی بیرونی دیواریں اینٹ اور چونے کی ہیں اور اس کے ساتھ پتھر کے ستونوں پر داٹ کی گنبدیں بنائی گئی ہیں اور اس طرح چاروں طرف ساٹھ ساٹھ فٹ کے وسیع دالانیں ہیں۔ مسجد حرام کے دالانوں میں چاروں طرف پتھر کا غیر مرتب فرش ہے اور صحن میں بجرا بچھا ہوا ہے۔ مسجد کے دالانوں سے صحن میں گزرنے کے لئے وسط اور گوشوں سے پتھر کے فرشی راستے دالان کی سطح کے برابر اور صحن سے تقریباً ایک فٹ اونچے بنے ہوئے ہیں جو مطاف پر ختم ہوتے ہیں۔

بیت اللہ شریف کے اطراف کی جگہ کو جس پر طواف کیا جاتا ہے مطاف کہتے ہیں۔ مطاف کی سطح پر سنگ مرمر کا فرش ہے۔ مطاف سے چھ انچ اونچا پتھر کا غیر مرتب فرش ہے اور اس کے اطراف اسی حیثیت کا چھ انچ اونچا اور اسّی فٹ چوڑا ایک دوسرا حلقہ ہے۔ گویا اس طرح باہر کی سطح زمین سے مسجد حرام کی سطح آٹھ فٹ نیچے اور ہر ایک دروازے کے اندر داخل ہونے کی بعد سیڑھیوں کے ذریعہ نیچے مسجد حرام کے دالانوں میں اترتے ہیں اور پھر مسجد حرام کی سطح سے کھلا ہوا صحن پست تر ہے اور مطاف اس سے پست تر اور اس طرح سطح مسجد سے بیت اللہ تقریباً تین فٹ نیچے ہے اور یہ سب مل کر ایک کٹورے کی شکل پیدا کرتے ہیں۔

مسجد حرام کی بیرونی دیواروں سے محض دو مکانات ہیں اور مکانات ایسے تعمیر کئے گئے ہیں کہ اوپر کی منزل سے بیت اللہ شریف نظر آتا ہے۔ (بیت اللہ شریف کا یہ نقشہ بہت قدیم ہے، اب اس میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں اور یہ تبدیلیاں مسلسل جاری ہیں)

مسجد حرام کی تعمیر

مسجد حرام کی تعمیر پہلے نبی ﷺ نے کی اور اطراف دیوار قائم کی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس میں اضافہ کیا اور قد آدم سے کچھ کم دیوار کی تعمیر کی۔ پھر حضرت عثمانؓ نے اس میں توسیع کی پھر عبداللہ بن زبیرؓ پھر ولید بن عبدالملک پھر منصور پھر مہدی اور پھر مامون نے تعمیر کی۔

مسجدِ حرام کے دروازے

مسجد حرام میں داخل ہونے کے لئے چھوٹے بڑے جملہ پچیس دروازے ہیں جن میں پینتالیس (۴۵) محراب ہیں۔کسی میں ایک، کسی میں دو تین، حتیٰ کہ باب الصفا میں پانچ محراب ہیں۔سمت مشرق میں سب سے اوپر شمالی گوشہ میں باب السلام تین محراب والا دروازہ ہے۔حرم میں پہلی مرتبہ حاضر ہونے والا اسی دروازے سے داخل ہوتا ہے۔باب بنی شیبہ میں دو محراب ہیں، یہ دروازہ وسط میں بیت اللہ کے مقابل ہے۔باب النبی میں تین محراب ہیں۔اس کو باب الجنائز اور باب العباس بھی کہتے ہیں۔باب علی میں تین محراب ہیں، جنوب میں باب بغلہ میں دو محراب۔باب پاشا میں دو محراب ہیں، اس کو باب بازاں بھی کہتے ہیں۔باب الصفا میں پانچ محراب ہیں۔سعی کے لئے اسی دروازے سے مسجد حرام سے باہر نکلتے ہیں۔باب شریف منصور میں دو محراب ہیں، باب الجیاد میں دو محراب ہیں، اس کو باب الرحمۃ بھی کہتے ہیں۔باب تکیۂ مصری یا باب المجاہدہ۔باب حمیدیہ میں دو محراب ہیں۔اس کے نام اور بھی ہیں۔باب عجلان، باب المدرسہ اور باب ام ہانی۔اس کے قریب ام ہانی کا مکان تھا جہاں نبی ﷺ معراج کی رات تشریف فرماتے تھے۔مغرب میں باب الوداع میں دو محراب ہیں۔حاجی طواف وداع کے بعد اسی دروازے سے نکل کر مدینہ کو روانہ ہوتے ہیں۔اس کا نام باب حزورہ بھی تھا۔باب ابراہیم سب سے بڑا دروازہ ہے جو ابراہیم حناط ایک مشہور خوشبو ساز کے نام موسوم ہے۔باب رباط اہل یمن۔باب شریف عبداللطیف۔باب داود یہ جس سے رباط داود کو راستہ جاتا ہے۔اور باب عمرہ۔شمال میں باب عتیق واقع ہے جس کو باب سدہ اور باب عمرو بن العاص بھی کہتے ہیں۔باب زمامیہ۔باب باسطیہ یا باب عجد۔باب قطبی۔باب زیادہ میں تین محراب ہیں، اس کو باب الندوہ بھی کہتے۔یہ دروازہ بھی بڑا ہے۔باب القاضی۔باب المکولہ اور باب درینہ یا باب المدرسہ۔مسجد حرام کے سات مینار ہیں، چار گوشوں میں چار، شمال میں دو اور مشرق میں ایک۔(مذکورہ مسجد حرام کے خاکے میں بڑی تبدیلیاں آئی ہیں؛ کتاب کی طوالت کے پیشِ نظر جدید معلومات شامل نہیں کی

جارہی ہیں، مصنف کی معلومات ہی کو باقی رکھا جارہا ہے، تاکہ ۴۰ سال پہلے کے کعبہ کی شکل معلوم رہے۔نئی معلومات کے بارے میں جاننا اب انٹرنیٹ کی سہولت کی وجہ سے بہت ہی آسان ہوگیا ہے)

کعبہ

کعبہ کے معنی بلندی کے ہیں اور بلندی کی وجہ سے اس عمارت کو کعبہ کہا گیا ہے۔ دوسری وجہ تسمیہ یہ ہے کہ کعبہ کی عمارت مکعب ہے۔مکعب اس جسم کو کہتے ہیں جس کی چھوؤں سطح مساوی اوران کے کنارے باہم زاویہ قائم رکھتے ہوں۔

کعبہ کو بیت اللہ بھی کہتے ہیں۔بیت اللہ کی عمارت چوگوشہ بلکہ مستطیل ہے،مگر اس کے ہرایک ضلع کا طول علحیدہ ہے۔شرقی دیوار ۳۷ فٹ ۱۰۔انچ،غربی ۳۹ فٹ ۶۔انچ، شمالی ۳۲ فٹ ۳۔انچ،جنوبی ۳۳ فٹ ۴۔انچ،اور سطح زمین سے خانہ کعبہ کی چھت ۴۸ فٹ ۹۔انچ بلند ہے۔دیواریں پتھر کی بڑی بڑی سلوں سے تعمیر کی گئی ہیں۔

شرقی دیوار میں جنوبی گوشہ سے کوئی ڈھائی گز کے فاصلہ پر ۷*۵ فٹ کا ایک دروازہ ہے،جس میں داخل ہونے کے لئے سیڑھی استعمال کی جاتی ہے۔

کعبہ کی کلید برداری

بیت اللہ شریف کی کلید برداری بنی شیبہ کے خاندان میں چلی آئی ہے اوراس خاندان کا نمائندہ زمانہ حج میں بیت اللہ کے دروازے پر حاضر رہتا ہے اور خاص صورتوں میں داخلہ کی اجازت دیتا ہے۔ عام داخلے کی تواریخ ۱۰/محرم ،۱۲/ربیع الاول،اور ۲۷/ رجب مقرر ہیں۔(اب ایسی کوئی تاریخ طے نہیں ہے)

بیت اللہ کے اندر غیر متوازی فاصلہ سے تین ستون ہیں جو بیت اللہ کے عرض کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں ، یہ ستون عبداللہ بن زبیرؓ نے قائم کئے تھے ،ان کے نام حنان،منان اور دیان ہیں۔

بیت اللہ کے اندر شمال مشرقی گوشہ میں ایک زینہ ہے جس کے ذریعہ خدام چھت

پر چڑھ کر چھت کو صاف کرتے ہیں اور غلافِ کعبہ تبدیل کرتے ہیں۔

کعبہ کی تعمیر

کہا جاتا ہے کہ آدم کے زمین پر اترنے کے بعد فرشتوں نے کعبہ کی تعمیر کی تھی جس کو بنائے ملائکہ کہتے ہیں۔اس کے بعد آدم علیہ السلام اور آپ کی اولاد نے تعمیر کی۔ قدیم بنیادیں موجود تھیں،اسی پر جدید عمارت کی تعمیر کے لئے ارشاد باری ہوا۔ابراہیم اور اسمعیل علیہما السلام دونوں نے مل کر اس کی تعمیر کی۔والد بزرگوار پتھر پر پتھر جماتے اور فرزند ارجمند گارا ملا کر دیتے تھے۔ہاتھ خانۂ کعبہ کی تعمیر میں مشغول تھے تو زبان ذکر الٰہی میں مصروف تھی۔''رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّکَ أَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ''(البقرۃ:۱۲۷)ہمارے پروردگار ہم سے قبول کر، بیشک تو سنتا اور جانتا ہے۔

جس خلوص نیت اور دلی تمناؤں اور مرادوں کے ساتھ ان دونوں برگزیدہ بندوں نے اللہ کے گھر کی تعمیر کا آغاز کیا اور اس کو پایۂ تکمیل کو پہنچایا اللہ پاک نے اس کا ذکر قرآن مجید میں مختلف مواقع پر ان آیتوں میں فرمایا ہے:

''وَ إِذَا ابْتَلٰی إِبْرَاهِیْمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا''(البقرۃ:۱۲۴)اور جب ابرہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورے اتر گئے تو فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا امام بناؤں گا۔

''قَالَ وَمِنْ ذُرِیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِیَ الظّٰلِمِیْنَ ''(البقرۃ:۱۲۴)انھوں نے عرض کیا اور میری اولاد کے متعلق کیا حکم ہے تو جواب دیا: ان میں سے جو ظالم ہوں گے انھیں میرا حکم نہیں پہنچتا۔

''إِنَّ أَوَّلَ بَیْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَّ هُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ ''(آل عمران:۹٦)بے شک پہلا گھر جو بنی نوع انسان کے لئے تعمیر کیا گیا وہی تھا جو مکہ میں تعمیر ہوا برکت والا گھر،سارے جہاں والوں کے لئے ہدایت ہے۔

''فِیْهِ آیَاتٌ بَیِّنٰتٌ مَقَامُ إِبْرَاهِیْمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ''(آل

عمران:۹۷)اس میں اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں؛ مقام ابراہیم ہے اور جو یہاں داخل ہوجاتا ہے اس کو امن حاصل ہے۔

''أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَ يُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ''(العنکبوت:۶۷) کیا لوگوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے کیسا پرامن حرم بنایا، حالانکہ اس کے گردوپیش لوگ لوٹ لئے جاتے ہیں۔

''وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ''(البقر:۱۲۵)اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لئے مرجع امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ۔

''وَعَهِدْنَا إِلٰى إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ''(البقرة:۱۲۵)اورابراہیم اوراسماعیل کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔

''وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا آمِنًا وَّ ارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ ''(البقرة:۱۲۶)اور جب کہ ابراہیم نے دعا کی کہ پروردگار! اس شہر کو پرامن بنادے اور اس کے باشندوں کو پھلوں کا رزق دے جو ان میں سے اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں۔

''وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ''(البقرة:۱۲۷)اور جب ابراہیم اور اسماعیل اس گھر کی بنیادیں قائم کررہے تھے کہ پروردگار ہماری دعا قبول کر۔

''إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَكَ ''(البقرة:۱۲۸)تو سنتا ہے اور جانتا ہے۔ پروردگار تو ہم کو تیرا مطیع وفرمانبردار بنا اور ہماری نسل سے ایسی قوم کو اٹھا جو تیری اطاعت کریں۔

’’وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ،وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ،يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ‘‘(البقرۃ:۱۲۹)اور ہمیں ہماری عبادت کے طریقے بتا اور ہماری توبہ قبول کر، بیشک تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے، پروردگار ان ہی میں سے ایسا رسول بھیج جو انھیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کر دے، بیشک تو بڑی قدرت والا اور حکیم ہے۔

’’وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ بَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ.رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهُ مِنِّيْ.وَمَنْ عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ‘‘(ابراھیم:۳۵۔۳۶)پروردگار!ان بتوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے پس جو کوئی میری پیروی کرے گا تو میرا ہے۔اور جو میرے حکم کی خلاف ورزی کرے گا تو بیشک تو بخشنے والا مہربان ہے۔

’’رَبَّنَا إِنِّيْ أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ‘‘(ابراھیم:۳۷)پروردگار!میں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو ایک کف دست میدان میں بسایا ہے، تیرے بزرگ گھر کے پاس جو زراعت کے قابل نہیں۔

’’رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ‘‘(ابراہیم:۳۷)تاکہ نماز کو قائم رکھیں، پس تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مایل کر اور ان کو پھلوں کا رزق دے، امید ہے کہ وہ تیرے شکر گذار رہوں گے۔

’’وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَلَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ،وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ،لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ أَيَّامٍ مَّعْلُوْمَاتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوْا

مِنۡهَا وَأَطۡعِمُوا الۡبَائِسَ الۡفَقِيۡرَ ''(الحج:۲۶-۲۸)اور جب ہم نے ابراہیم کے لئے اس گھر کی جگہ مقرر کردی اور ہدایت کی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں، رکوع اور سجود کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔ اور لوگوں میں حج کی منادی کرو۔ لوگ تمھارے پاس پیادہ اور دبلی اونٹنیوں پر کٹھن راستوں سے آئیں گے تا کہ اپنے سود و بہبود کو دیکھیں اور خدا کا نام لیں یعنی قربانی دیں مقررہ دنوں میں، ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیا ہے، پس تم اس میں سے کھاؤ اور تنگ دست اور محتاج کو کھلاؤ۔

عہد ابراہیمی کے بعد جرہم اور عمالقہ کے قبیلوں نے اپنے اپنے وقت خانۂ کعبہ کی تعمیر و ترمیم کی۔ بنی اسمعیل میں سے قصی بن کلاب نے اس احاطہ پر چھت ڈال کر اس کو مکان کی شکل میں تبدیل کیا۔

نبی ﷺ کی بعثت سے پندرہ سال پہلے اہل قریش نے از سر نو اس کی تعمیر کی مگر مصارف تعمیر میں گنجائش کم ہونے کی وجہ سے ابراہیمی بنیاد سے کچھ رقبہ پانچ چھ گز شمال کی جانب کم کر دیا اور چھت ڈال کر شرقی دیوار میں سطح زمین سے قد آدم بلندی پر دروازہ نصب کیا۔ اس چھوٹی ہوئی جگہ کو حطیم کہا جاتا ہے اور بیت اللہ کے ساتھ طواف میں داخل ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے دوسو برس بعد سے آغاز اسلام تک خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا مسکن رہا اور آٹھ ہجری سے معبود واحد کی عبادت گاہ بنا رہا۔ اللہ تعالیٰ اس کی شرف و عظمت میں زیادتی کرے اور تا قیام قیامت دشمنوں سے محفوظ رکھے۔

خلافت راشدہ کا دور ختم ہونے کے بعد حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے قریش کی عمارت ڈھا کر حطیم کو شامل کر کے ابراہیمی بنیاد پر از سر نو بیت اللہ کی تعمیر کی اور شرقی دروازے کے علاوہ اس کے مقابل میں غربی دیوار میں بھی دوسرے دروازہ کا اضافہ کیا۔

حلبی نے لکھا ہے کہ بنائے ابراہیم اور بنائے قریش کے درمیان ۲۶۷۵ سال اور بنائے قریش اور بنائے عبد اللہ بن زبیر کے درمیان ۸۲ سال گزرے اور ان تینوں مرتبہ کعبہ کی از سر نو تعمیر ہوئی۔

عبدالملک بن مروان کی خلافت کے زمانہ میں عراق کے گورنر حجاج بن یوسف نے کعبہ کا شمالی حصہ منہدم کر کے اس کو بیت اللہ سے خارج کیا اور حطیم کو دوبارہ قائم کیا اور غربی دروازے کو بند کر دیا۔ خلفائے بنی عباس نے عبداللہ بن زبیر کی قائم کردہ بنیاد پر دوبارہ تعمیر کا ارادہ کیا مگر علمائے وقت کی مخالفت کی وجہ سے سابقہ عمارت میں ردوبدل نہ ہوسکا اور اس طرح حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر قائم رہی۔

گیارہویں صدی ہجری کے طوفانی سیلاب نے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچایا تو سلطان مرادخان شاہ ترکی نے ۱۰۴۰ھ ہجری میں قریش کی قائم کردہ بنیاد پر خانہ کعبہ تعمیر کیا، اس کے اطراف مسجد حرام کی عمارت بھی سلطان مراد خان موصوف کی تعمیر کردہ ہے۔ دیگر ترکی سلاطین بھی اس مسجد کی ترمیم اور تزئین میں کافی دلچسپی لیتے رہے۔

حجراسود

حجراسود کے معنی سیاہ پتھر کے ہیں، یہ پتھر بیت اللہ کے شرقی جنوبی گوشہ میں اور جنوبی دیوار میں سطح زمین سے کچھ کم پانچ فٹ کی بلندی پر چاندی کے حلقہ میں نصب کیا ہوا ہے۔ اس میں تین بڑے اور بقیہ چھوٹے ٹکڑے ہیں اور ان سب کا مجموعی قطر گیارہ انچ ہے۔ زمانہ قدیم میں شخصی عداوت کی وجہ سے عمرو بن حارث نے اس پتھر کو اکھاڑ کر چاہ زمزم میں دفن کر کے کنویں کو پاٹ دیا تھا۔ مدتوں یہ پتھر مدفون رہا اور اس کا پتہ نہ تھا۔

نبی ﷺ کے جدامجد عبدالمطلب نے بعثت سے پہلے خواب میں اس کو دیکھا اور برآمد کیا اور زمزم کو صاف کیا۔

قریش کی تعمیر کے وقت قریش کے چار اہم قبیلوں میں اختلاف ہوا کہ اس پتھر کے نصب کرنے کا شرف کس قبیلہ کو حاصل ہو۔ نبی ﷺ اس وقت سچے، راست باز، مشیر اور امین تصور کئے جانے لگے تھے، آپ پر اس کا تصفیہ چھوڑا گیا، آپ نے اس پتھر کو ایک چادر میں رکھا اور چاروں قبیلوں کے سردار اس چادر کو اٹھا کر اس کی جگہ لے آئے اور آپ نے اس کو اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔

اس کے بعد قرامطہ کے دور حکومت میں طاہر بن ابوسعید نے ۳۱۷ھ ہجری میں مکہ پر حملہ کیا تو اس پتھر کی وجہ سے شاید لوگ اس طرف دوڑے آئیں گے اپنے ساتھ لے گیا، مگر کسی نے رخ نہیں کیا۔ ۳۳۹ھ ہجری میں بمشکل تمام اس پتھر کو دوبارہ حاصل کیا گیا اور بیت اللہ میں نصب کر دیا گیا۔

بار بار کے اکھیڑ بند میں اس کے ٹکڑے ہو گئے تھے، اسی لیے اس کو چاندی کے حلقہ میں نصب کیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ یہ پتھر جنت کے یاقوتوں میں سے ہے۔ آدم علیہ اسلام کے ساتھ جنت سے زمین پر پانچ چیزیں نازل ہوئی تھیں: حجر اسود، انجیر کے پتے جس سے آدم علیہ السلام نے ستر کا کام لیا تھا۔ موسی علیہ السلام کا عصا، عود بخور لوبان اور عود کی لکڑی اور سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی۔

بعض کا قول ہے کہ طواف کے آغاز کی علامت کے لئے اس کو نصب کیا گیا ہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تو ایک پتھر ہے، جو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہے، نہ نقصان، اگر نبی ﷺ کو تجھ کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری: باب ما ذکر فی تقبیل الحجر الأسود ۱۵۹۷۔ مسلم: باب استحباب تقبیل الحجر ۳۱۲۶۔ یہ روایت عباس بن ربیعہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کی ہے)

حطیم

حطیم؛ ایک چھوٹی منڈیر کی دیوار چار فٹ بلند نصف دائرہ کی شکل میں کعبہ کے شمال میں واقع ہے، اس کے دونوں کناروں اور کعبہ کے گوشوں کے درمیان راستہ کھلا ہوا ہے۔ کعبہ کی شمالی دیوار کے وسط سے اس نصف دائرہ کا وسط کوئی پندرہ فٹ ہے، اس درمیانی رقبہ کو حطیم کہتے ہیں۔ کعبہ کے ساتھ حطیم بھی طواف میں داخل ہے۔ اس کو حجرِ اسماعیل بھی کہتے ہیں۔ ایک روایت ہے کہ ہاجرہ اور اسماعیل علیہا السلام یہاں دفن ہیں۔

شاذ روان

شاذ روان؛ کعبہ کی بنیاد کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو کعبہ کے اطراف سطح زمین سے ایک فٹ بلند ہے۔ کہا جاتا کہ شرقی دیوار کا شاذ روان دراصل کعبہ کی بنیاد میں داخل ہے۔ دیگر سمتوں کا شاذ روان جو بعد میں اضافہ کیا گیا ہے کعبہ میں داخل نہیں ہے۔

حفرہ

حفرہ؛ کے معنی گڑھے کے ہیں، کعبہ کی شرقی دیوار سے ملا ہوا کعبہ کے دروازے سے قریب ایک چھوٹا حوض کا گڑھا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کعبہ کی تعمیر کے وقت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام اس میں گارا بناتے تھے، اہل مکہ اس کو معجنۃ کہتے ہیں۔ شیخ محی الدین بن عربی لکھتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسی جگہ نماز پڑھی اور یہیں پنجگانہ نمازوں کے اوقات طے ہوئے تھے۔

میزاب رحمت

میزاب؛ چار فٹ لمبا اور ایک فٹ چوڑا ایک طلائی پرنالہ ہے جو حطیم کی جانب کعبہ کی چھت میں لگا ہوا ہے۔ بارش کا پانی اس کے ذریعہ نکلتا ہے۔ اس کو میزاب رحمت بھی کہتے ہیں۔

ملتزم

ملتزم؛ حجر اسود اور کعبہ کے دروازے کے درمیان دیوار کے اس حصہ کو کہتے ہیں جہاں حاجی کھڑے ہو کر دعا مانگتے ہیں۔

مستجار

مستجار مغربی دیوار کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو رکن یمانی اور اس مقام کے درمیان ہے جہاں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تعمیر کعبہ کے وقت دروازہ بنایا تھا، جس کو بعد میں حجاج بن یوسف نے بند کر دیا۔ اس کو ''مستجار من الذنوب'' کہتے ہیں۔

غلافِ کعبہ

غلاف کعبہ خانہ کعبہ کی دیواروں پر نبی ﷺ نے یمنی چادر کا غلاف چڑھایا تھا اور آپ کے بعد دیباج کا اور کبھی مصری کپڑے کا غلاف چڑھایا گیا، مگر یہ غلاف نہیں اتارے جاتے تھے اور ان کی متعدد تہیں ہوگئی تھیں۔ عباسی خلیفہ مہدی کے دور خلافت (۷۷۵ تا ۷۸۵ء) سے سابقہ غلاف اتار کر نیا غلاف چڑھایا جانے لگا۔

غلاف موٹے سیاہ ریشم سے بُنا جاتا ہے اور بخط طغری ہم رنگ ریشم سے تمام غلاف پر اوپر سے نیچے تک ”لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ و اللہ جلالہ“ بنا ہوا ہے، اوپر سے ذرا نیچے ہٹ کر پیشانی کے طور پر سنہرے زردوزی کام میں لکھی ہوئی آیات قرآنی کی ایک چوڑی پٹی لگائی جاتی ہے جس کو ”حوام“ کہتے ہیں، کعبہ کے دروازے پر بھی سیاہ زردوزی کا پردہ ڈالا جاتا ہے۔ اس غلاف میں حجر اسود کے مقام پر ایک سوراخ بنا ہوا ہے۔ اس غلاف کی تیاری کے لئے مصر میں کاریگروں کا ایک خاص عملہ مقرر ہے۔ اس غلاف کی روانگی کی رسم نہایت عظمت وشان کے ساتھ قاہرہ میں انجام پاتا ہے۔ جلوس کے ساتھ محمل کی سواری نکلتی ہے اور جلوس میں مختلف طریقوں کی جماعتوں کی ٹکڑیاں اپنے اپنے امتیازی علم لئے ہوئے شریک رہتے ہیں۔ جلوس کے ساتھ حکومت مصر کی پیادہ اور سوار فوج رہتی ہے اور سارے شہر میں اس روز عام تعطیل منائی جاتی ہے۔ (اب یہ طریقہ نہیں ہے، اور غلاف کی بنائی میں مصر ہی کو خصوصیت باقی نہیں ہے، بلکہ اب سعودی عرب میں ہی اس کی بنائی کی جاتی ہے)

ہم نے اپنے حج کے سفر کے دوران ۱۲/ ذیعقدہ ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۵/ ستمبر ۱۹۲۹ء بروز جمعرات شہر قاہرہ میں صبح دس بجے سے بارہ بجے تک اس مبارک جلوس کے معائنہ کی مسرت اور برکت حاصل کی، اس رسم کو ”محمل روانگی“ کے نام سے پکارتے ہیں اور اس کے ساتھ مصری حاجیوں کا قافلہ مکہ معظّمہ کو حج کے لئے روانہ ہوتا ہے، ہر سال حاجیوں کے عرفات کو روانہ ہونے کے بعد اور ان کی واپسی سے پہلے پرانا غلاف اتار کر نیا غلاف چڑھایا جاتا ہے۔ حاجیوں کی بھیڑ سے محفوظ رکھنے کے خیال سے اس نئے غلاف کا نچلا حصہ قد آدم بلندی پر اٹھا کر باندھ دیا جاتا

ہے اور اس کے اوپر سفید چادر لپیٹ دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد چند دنوں مکہ میں اس غلاف کو تیار کرنے کی کوشش کی گئی اور بعد میں بند کردی گئی۔

مصلی

بیت اللہ شریف کے چاروں جانب چار مصلی ہیں، شمال میں حنفی مصلی دومنزلہ ہے۔ پہلی چھت پختہ اور دوسری چھت پر آہنی چادر ہے، جنوب میں مالکی مصلی ہے، سبز رنگ کے چار ستونوں پر آہنی چادر کی چھت ہے۔ مغرب میں حنبلی مصلی ہے۔ مشرق میں شافعی مصلی خود مقام ابراہیم ہے۔ امام شافعی نے اس کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پیروی میں مصلی بنایا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ اس مقام پر پہنچے تو عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا مقام ابراہیم یہی ہے؟ آپ نے جواب دیا: ہاں یہی ہے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کیا ہم اس کو نماز کی جگہ نہ بنائیں؟ آپ خاموش رہے۔ اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی: ''وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى''۔ (البقرۃ:۱۲۵)

اس مقام پر چھوٹا قبہ ہے اور اس کے اندر مربع شکل کا پتھر ہے جس پر کھڑے ہوکر ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی تھی، اس قبہ کے باہر مشرق کی جانب دالان کے طور پر کچھ حصہ مسقّف ہے جہاں طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔

فی الوقت حطیم اور حفرہ کے درمیان امام کے قیام کا مقام ہے اور پنجگانہ نمازیں ایک ہی جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہیں۔ نمازوں کی قرات اور تکبیرات اور خطبے لاوڈاسپیکر کے ذریعہ ساری مسجد حرام اور اس کے باہر سنائی دیتے ہیں۔

زمزم

مقام ابراہیم کے جنوب مشرق میں ذرا ہٹ کر ایک کنواں ہے جس کا نام زمزم ہے۔ اس کنویں کے اطراف دیواریں ہیں اور اوپر چھت، ایک کمرہ کی شکل ہے، آمدورفت کے لئے مشرق میں دروازہ ہے، کنویں کے اطراف پتھر کا فرش ہے، کہتے ہیں کہ اس کنویں

کے پانی میں کیڑا پیدا نہیں ہوتا۔ کنویں کا قطر آٹھ فٹ اور گہرائی پچاس ساٹھ فٹ ہے۔

آب زمزم کس طرح نمودار ہوا؟ ابرہیم علیہ السلام کا ایک دلچسپ واقعہ ہے، حصرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ کو اولاد نہیں ہوئی اور مایوس ہوئیں تو اولاد کی خاطر انھوں نے ہاجرہ کو جو متناسب اعضاء کے ساتھ حسن و جمال بھی رکھتی تھیں، ان کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ تو ہوا، لیکن ہاجرہ کے بطن سے اسمعیل جیسا لڑکا تولد ہونا تھا کہ سارہ کے دل میں رقابت کی آگ بھڑکی۔ انھوں نے حضرت ابراہیم کو مجبور کیا کہ ماں اور لڑکے دونوں کو کسی ایسے مقام پر چھوڑ آئیں کہ پھر کوئی خبر نہ ملے۔

حضرت ابراہیم ہاجرہ اور اسمعیل کو لے چلے اور ایک لق و دق بے آب و گیاہ وادی میں ماں اور بیٹے کو چھوڑ آئے اور تھیلی میں کچھ کھجور اور چھاگل میں تھوڑا سا پانی رکھ کر واپس ہو رہے تھے کہ ہاجرہ آپ کے پیچھے دوڑیں اور پکارا کہ اس ویران وادی میں ہمیں تنہا چھوڑ کر کہاں چلے۔ اس سوال کا کوئی جواب نہ ملا تو ہاجرہ نے پھر پکارا، حضرت ابراہیم نے ایک کہی نہ دو اور اپنا راستہ لیا کہ اس میں کوئی راز ضرور ہے۔ سوال کیا کہ کیا اللہ تعالی کے حکم سے آپ نے یہ عمل کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سن کر ہاجرہ مطمئن ہوئیں اور اپنے دل میں یہ کہتی ہوئی واپس ہوئیں کہ جب ایسا ہے تو ہمیں کوئی ڈر نہیں۔

ہاجرہ اس مقام پر لوٹ آئیں جہاں اسماعیل تھے اور حضرت ابراہیم اس مقام پر پہنچے جہاں آگے چل کر بیت اللہ کی بناء قائم ہونے والی تھی۔ وہاں آپ نے ہاتھ اٹھایا اور دعا مانگی: ''رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ '' (ابراهیم: ۳۷) پروردگار میں نے اپنی اولاد کو ایک غیر مزروع وادی میں چھوڑا ہے۔

چھاگل میں پانی ہی کتنا تھا؟! تھوڑی دیر میں ختم ہو گیا۔ پانی کا ختم ہونا تھا کہ پیاس لگی، ماں کا دودھ خشک ہو گیا، اسماعیل بھوک سے رونے اور تلملانے لگے۔ معصوم جان کتنی دیر روتی اور تلملاتی۔ زبان خشک ہو گئی، آواز ہونٹوں کے باہر نہیں نکلتی۔ ماں کی مامتا سے یہ نہ ہوسکتا تھا کہ پیٹ کی اولاد کو آنکھوں تلے سسکتا دیکھے۔

بچے کو دیکھ کر کھڑی ہو گئیں، صفا کی پہاڑی قریب تھی، اس پر چڑھیں اور بارگاہ رب العزت میں دعا کیں اور ادھر ادھر دیکھا کہ شاید غیب سے کوئی مدد پہنچے مگر کوئی نظر نہ آیا تو پہاڑی سے اتر پڑیں، نیچے گہری وادی تھی، اس کو طئے کر کے دوسری طرف مروہ پر پہنچیں، چاروں طرف نظر دوڑائی، مگر یہاں بھی کوئی دکھائی نہیں دیا، مایوس ہو کر بچے کے پاس لوٹ آئیں اور بچے کو اسی حال میں بلبلاتے دیکھا۔

اضطراب کی حالت میں کبھی صفا کی پہاڑی پر اور کبھی مروہ کی پہاڑی پر دوڑتی جاتیں اور پھر بے چین ہو کر ایک مرتبہ بچے کو دیکھنے کے لئے دوڑ کر لوٹ آتیں۔اس طور سے مایوسی کے عالم میں ہاجرہ نے صفا اور مروہ کے سات چکر لگائے۔جس کو سات سعی کے نام سے مناسک حج میں فرض کیا گیا ہے۔آخری مرتبہ جب ہاجرہ مروہ کی پہاڑی پر چڑھیں تو ایک آواز سنائی دی۔آواز کا سننا ہی تھا کہ ہاجرہ کے دل میں امید کی لہر دوڑی اور اس آواز سے مدد مانگی، آواز دراصل جبرئیل کی تھی۔

جبرئیل نے پوچھا: تم کون ہو؟

ہاجرہ نے جواب دیا: ام ولد ابراہیم (ابراہیم کے لڑکے کی ماں) ہوں۔

جبرئیل نے سوال کیا: تم کو کس کے سہارے اس ویران وادی میں چھوڑا گیا ہے؟

ہاجرہ نے جواب دیا: اللہ کے۔

جبرئیل نے کہا: پھر تو تمھیں ایسی ذات کے حوالہ کیا گیا ہے جو تمھارے لئے بالکل کافی ہے۔

یہ کہہ کر جبرئیل آواز سناتے آگے جا رہے تھے اور اس آواز کے پیچھے پیچھے ہاجرہ جا رہی تھیں۔اس طرح یہ دونوں اسماعیل کے پاس سے گزرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں اب چاہ زمزم ہے۔جبرئیل نے اپنی ایڑھی زمین پر ماری اور بعض نے لکھا ہے کہ پنکھ سے زمین پر مارا اور زمین میں سے پانی ابل پڑا اور بہا اور بہتے بہتے اسماعیل تک پہنچ گیا۔ ہاجرہ زمی زمی کہتی ہوئی دوڑیں، زمی امر کا صیغہ ہے، جس کے معنی ''ٹھہرو، رک جاؤ'' کے

ہیں۔ ہاجرہ نے مٹی سمیٹ کر چھوٹا سا بند باندھ دیا تا کہ پانی ضائع نہ ہو جائے۔

پانی خود بھی پیا اور چھاگل میں بھر لیا اور بچے کو دودھ پلایا۔ جبرئیل نے چلتے چلتے یہ خوشخبری سنائی کہ تمھیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔ یہی لڑکا اور اس کا باپ دونوں مل کر اس جگہ اللہ کے گھر کی بنا ڈالیں گے۔

یہ بھی روایت ہے کہ ابراہیم کو ہاجرہ سے اس قدر انس اور شغف تھا کہ ملک شام سے براق کی سواری پر ہاجرہ کے پاس آیا کرتے تھے۔ اسماعیل کی ولادت کے چودہ برس بعد سارہ کو بھی لڑکا ہوا جن کا نام اسحٰق رکھا گیا۔

منبر

خلفائے راشدین کے زمانہ میں حطیم میں کھڑے رہ کر خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں منبر کا استعمال شروع ہوا اور سلطان سلیمان خان نے مقام ابراہیم کے پہلو میں شمال کی جانب تیرہ زینے والا ایک منبر تعمیر کرایا، جس پر سنگ مرمر کا فرش ہے اور اس کے اوپر مخروطی گنبد ہے۔

عرفہ

عرفہ عرف سے مشتق ہے جس کے معنی پہچاننے کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس مقام کو پہچانا تھا اور آدم اور حوا علیہما السلام جنت سے اترنے کے بعد اس مقام پر پہلی مرتبہ ملے تھے، راوی بیان کرتے ہیں کہ آدم ہندوستان میں اور حوا جدہ میں اترے تھے اور پھر دونوں عرفہ کے مقام پر ملے تھے۔

طبری نے لکھا ہے کہ آیت ''إِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ آدَمَ '' (الأعراف:۱۷۲) کا تعلق اسی مقام سے ہے۔ یہی مقام ہے جہاں اللہ تعالی نے تخلیق عالم سے پہلے آدم اور آدم کی ذریت سے ''**أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ** '' کا سوال کیا تھا: کیا میں تمھارا پرودگار نہیں ہوں؟ تو جواب ملا: ''**بلی**'' ہاں۔

اس کو عرفات بھی کہتے ہیں جو عرفہ کی جمع ہے، یہاں کی چپہ چپہ زمین عرفہ ہے تو جملہ سرزمین کو عرفات بھی کہہ سکتے ہیں۔

نصف دائرہ کی شکل میں پہاڑیوں کا سلسلہ مغرب سے شمال اور شمال سے مشرق کی جانب گیا ہے، اس کے درمیان اور اس کے جنوب میں عرفات کا میدان دس مربع میل ہے جو حج کے زمانہ میں حاجیوں کے خیموں سے پٹا ہوا ہوتا ہے۔ مکہ کے مشرق میں سات میل کے فاصلہ پر عرفات ہے، شمال کی پہاڑی میں جبل رحمہ ہے۔ اسی پر مُدَّ عائے آدم اور مُدَّ عائے نبی اور منبر ہے۔

اس میدان کے آغاز میں مکہ کی جانب دو ستون علمین ہیں جو حرم مکہ کی حد کی علامت کے لئے ہیں۔ اس کے ذرا آگے مسجد نمرہ ہے۔ عرفات کے میدان کی شمالی پہاڑیوں کے دامن سے نہر زبیدہ بہتی ہے اور اس میدان میں متعدد بڑے بڑے حوض تعمیر کئے گئے ہیں جن کو حج کے زمانہ میں نہر کے پانی سے بھر دیا جاتا ہے۔ اور یہاں سے پانی استعمال کے لئے لیے جاتے ہیں۔

اس میدان میں رہائشی پختہ عمارتیں نہیں ہیں۔ جبل عرفات پر سفید چادروں کے ایک جیسے لباس میں برہنہ پا، برہنہ سر حاجیوں کا جمع ہونا اور بارگاہ رب العزت میں عجز و انکساری کے ساتھ مغفرت کی دعا کرنا اور ذکر الٰہی میں مصروف رہنا آنے والی قیامت کا چھوٹا سا منظر پیش کرتا ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ حجۃ الوداع میں جمعہ کے روز رسول اللہ ﷺ عرفات میں کھڑے دعا کر رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی: ''اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا'' (المائدۃ:۳) آج کے دن میں نے تمھارے دین کو کامل کیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کیا اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

منیٰ

منی ایک مقام ہے جو مکہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر ایک وادی کے درمیان ہے،

جو مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہے، اس وادی کے شمال اور جنوب میں پہاڑیوں کا متوازی سلسلہ ہے۔ راستہ کے دونوں جانب سہ منزلہ چہار منزلہ مکانات حاجیوں کی رہائش کے لئے تعمیر کئے گئے ہیں۔ ان عمارات کے علاوہ سارا میدان خیموں سے پٹا ہوا رہتا ہے۔

مکہ سے آتے ہوئے پہلے جمرۂ عقبہ اور پھر وسطی اور اس کے بعد کبری ملتا ہے اور اس کے بعد داہنے ہاتھ کی جانب مسجد خیف کی عمارت ہے، یہاں پانی کے ذخیرہ کے لیے متعدد حوض بنے ہوئے ہیں۔

مزدلفہ

مزدلفہ ایک کھلے ہوئے میدان کا نام ہے، جہاں رہائش کے لئے کوئی عمارت نہیں ہے۔ اس مقام پر ایک مسجد ہے جس کو مشعر الحرام کہتے ہیں۔

لفظِ حج کی تحقیق

حج حاء کے زبر اور زیر دونوں کے ساتھ قرأت سبعہ میں پڑھا جاتا ہے۔ حج کے معنی مطلق قصد اور ارادے کے ہیں، عبادت کے لئے یا دوسرے کاموں کے لئے جیسا کہ کھانا پینا وغیرہ۔ بعض کا قول ہے کہ حج صرف کسی نیک کام کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔

شرع میں عبادت کی غرض سے بیت اللہ شریف کا قصد کرنے کو حج کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَ لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلاً'' (آل عمران: ۹۷)

حج قدیم شریعتوں سے جاری ہے۔ سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے بیت اللہ شریف کا حج کیا۔ آپ نے چالیس مرتبہ ہندوستان سے پیادہ حج کیا۔ دوسرے سب نبیوں نے بھی کیا، مگر بعض کا قول ہے کہ نوح اور صالح علیہما السلام کو حج کا موقع نہیں ملا۔

مناسک حج ادا کرنے کے لیے جو خاص طریقے بتائے گئے ہیں وہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حج فرض کیا گیا اور بعض نے کہا ہے کہ

پانچویں سال، جملہ عبادتیں ہجرت کے بعد شریعت میں داخل ہوئیں سوائے نماز کے۔

حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض

حج زندگی میں صرف ایک مرتبہ فرض ہے، اس لئے کہ نبی ﷺ نے حج فرض ہونے کے بعد صرف ایک مرتبہ کیا تھا، جس کو حجۃ الوداع، حجۃ البلاغ اور حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے اس حج میں مکہ کے لوگوں کو رخصت کیا اور اس کے بعد پھر حج نہیں کیا۔ اس حج میں آپ نے حلال اور حرام کی تفصیل بیان کی اور آخر میں فرمایا: ''هَلْ بَلَّغْتُ'' کیا میں نے پہنچا دیا؟ تو سبھوں نے جواب دیا: ہاں۔

یہ واقعہ ہجرت کے دسویں سال کا ہے، مسلم نے روایت کی ہے کہ اس موقع پر صحابہ نے استفسار کیا: ''أَعُمْرَتُنَا هٰذِهِ لِعَامِنَا أَمْ لِلْأَبَدِ'' ۔کیا ہمارا یہ حج اس سال کے لیے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ تو آپ نے فرمایا: ''لِلْأَبَـــدِ''۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے۔ (مسند احمد: ۱۴۱۴۸۔ ابن حبان: ذکر الأمر لمن أهل بالحج خالصا ۹/۲۱۔ حد ۳۷۹۱)

آپ نے یہ بھی فرمایا: ''مَنْ حَجَّ حَجَّةً فَقَدْ أَدّٰى فَرْضَهُ وَ مَنْ حَجَّ ثَانِيَةً فَقَدْ دَايَنَ رَبَّهُ وَمَنْ حَجَّ ثَلَاثَ حِجَجٍ حَرَّمَ اللّٰهُ شِعْرَهُ وَبِشْرَهُ عَلَى النَّارِ'' (اس طرح کی کوئی روایت تلاش کے باوجود نہیں ملی) جس نے ایک حج کیا تو اس نے فرض ادا کیا، جس نے دوسرا حج کیا تو اللہ تعالی کو قرض دیا اور جس نے تیسرا حج کیا تو اللہ تعالی نے اس کے بال اور جلد پر (دوزخ) آگ حرام کردی۔

دینی ارکان کی قسمیں

حج دین کا جزء اور رکن ہے۔ حج کے انکار سے کفر لازم آتا ہے۔ اسلام کے ارکان تین نوعیت کے ہیں:

۱۔ بعض محض بدنی ہیں جو بدن سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ شہادتین، نماز اور روزہ۔

۲۔ بعض محض مالی ہیں جیسا کہ زکات۔

۳۔ بعض بدنی اور مالی دونوں کو شامل ہیں جیسا کہ حج۔

حج کے جملہ اعمال تعبدی ہیں جس کی غرض وغایت اور علت ظاہر نہیں ہے۔ حج کی عبادت افضل البلاد مکہ مکرمہ کی حد تک مقرر ہے۔ اللہ تعالی نے وعدہ کیا ہے کہ ہر سال کم سے کم چھ لاکھ افراد حج کریں گے۔ اگر تعداد میں کمی ہوگی تو ملائکہ اس کی تکمیل کریں گے۔

احکام حج

حج فرض عین ہے جیسا کہ اسلام۔
احیائے کعبہ کے لئے فرض کفایہ ہے۔
ہر سال مندوب ہے جیسا کہ بچوں اور غلاموں کا حج۔
حرام ہے جب کہ حج سے نقصان ہونا یقینی ہو یا غالب گمان ہو۔
مکروہ ہے جب کہ نقصان کا صرف خوف یا شک ہو۔

حج کے فضائل

حج سے صغیرہ اور کبیرہ گناہ اور ان کے ضمنی گناہ بخشے جاتے ہیں، بشرطیکہ حج میں یا حج کے بعد اور حج کے مستقل ارادہ کے ساتھ ادائی پر قدرت پانے سے قبل انتقال ہو جائے، ضمنی گناہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو آدمیوں کے تعلق سے عمل میں آئے ہیں۔ رحمانی نے لکھا ہے کہ وہی کبائر اور صغائر گناہ بخشے جاتے ہیں جن کا تعلق اخروی امور سے ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مَنْ جَاءَ حَاجًّا يُرِيْدُ وَجْهَ اللّٰهِ تَعَالٰى فَقَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَ مَا تَأَخَّرَ وَ يُشَفَّعُ فِيْمَنْ دَعَا لَهُ'' (ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے: ''من حج فلم يرفث ولم يفسق، غفر له ما تقدم من ذنبه''۔ باب ماجاء فی ثواب الحج والعمرۃ ۸۱۰) جو شخص حج کے لئے خالص اللہ کے لیے آیا تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخشے گئے اور وہ جس کے لئے دعا کی، قبول ہوتی ہے۔

دوسری روایت میں ہے: ''مَنْ قَضٰى نُسُكَهُ وَسَلِمَ النَّاسُ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ'' (المنتخب من مسند عبد بن حمید ۱۱۵۰۔ اخبار مکۃ للفاکہانی: ذکر

استئناف العمل بعد الحج ۹۳۰۔ یہ روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) جس نے حج کے مناسک ادا کئے اور لوگ اس کی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے تو اس کے پچھلے گناہ بخشے گئے۔

حاجی کے لئے مندوب ہے کہ دوسروں کے لئے مغفرت کی دعا کرے، چاہے اس سے نہ کہا گیا ہو، غیر حاجی کے لئے مندوب ہے کہ حاجی سے دعا کی درخواست کرے۔

عمرہ کے معنی

عمرہ کے معنی زیارت کے ہیں اور شرع میں عبادت کی غرض سے بیت اللہ شریف کی زیارت کو عمرہ کہتے ہیں۔

حج اور عمرہ میں فرق

حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج میں عرفہ کا وقوف ایک رکن ہے جو عمرہ میں نہیں ہے۔

عمرہ کا حکم

اظہر قول یہ ہے کہ عمرہ فرض ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ**'' (البقرۃ:۱۹۶) حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پورے کرو۔

اس آیت کی رو سے دونوں امور یکساں فرض ہیں، بعض کا قول ہے کہ جس طرح وضو غسل میں داخل ہے اسی طرح عمرہ حج میں داخل ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے ہر نماز کے لئے غسل واجب تھا اور بعد ازاں غسل کے عوض وضو کا حکم دیا گیا، اس لئے غسل کے بعد وضو کی ضروریات باقی نہیں رہتی۔

مراتب حج وعمرہ

مراتب حج وعمرہ پانچ ہیں:

(۱) مطلق صحیح ہونے کے لئے اسلام کی شرط ہے۔ اس کی طرف سے حج صحیح ہو یا نہ ہو۔ مکلّف کی بھی قید نہیں ہے۔ ماں کا ولی بچے کی جانب سے احرام کی نیت کرے اور اسی

طرح مجنون کی جانب سے بھی، مثلاً کہے: ''أَحْـرَمْـتُ عَنْ هٰذَا أَوْ عَنْ فُلَانٍ ''۔البتہ بیہوش شخص کی نسبت بے ہوش شخص ہی کے احرام کی نیت کرے۔

ولی اپنے احرام کی نیت پہلے یا بعد بھی کرسکتا ہے۔ولی بچے کے ساتھ طواف کرے اوراس کی طرف سے دو رکعتیں پڑھے،اس کے ساتھ ہی سعی کرے اور پھینکنے کے لیے اس کو کنکریاں دے اور اگر نہ پھینک سکے تو خود ولی اس کی طرف سے بھی کنکریاں پھینکے۔ولی پہلے مناسک حج بجالائے اوراس کے بعد غیر ممیّز بچے کی جانب سے۔

ممیّز بچہ طواف کرے اور طواف کی دو رکعتیں ادا کرے، سعی کرے اور کنکریاں پھینکے اوراس کا ثواب اس کو ملے گا۔بچہ جو خود عبادت بجالائے یااس کی طرف سے دوسرا شخص انجام دے اس کا ثواب پائے گا۔اجماع اس پر ہے کہ بچے کے نام پر گناہ نہیں لکھے جاتے۔

(۲)اس کی طرف سے صحیح ہونے کے لئے اسلام اور تمیز دونوں کی شرط ہے جیسا کہ دوسری عبادتوں میں،ممیّز اپنے ولی ،باپ ،دادا، پھر وصی اور پھر حاکم کی اجازت سے احرام کی نیت کرے۔

(۳) نذر کا حج صحیح ہونے کے لیے اسلام، تمیزاور بلوغ کی شرط ہے، آزادی کی قید نہیں ہے۔غلام بھی حج کی نذر کرسکتا ہے۔

(۴) اسلامی فرض ادا ہونے کے لیے اسلام، تمیز، بلوغ اورآزاد ہونے کی شرط ہے، استطاعت کی قید نہیں ہے۔فقیر کا حج حج اسلام ہوسکتا ہے، چاہے عدم استطاعت کی وجہ سے سفر میں نقصان پہنچنے کا خوف ہواورایسا سفراس کے لئے حرام ہو۔

اس لیے کہ فقیر کا حال مکمل ہے، بخلاف بچے اور غلام کے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''أَيَّمَا صَبِيٍّ حَجَّ ثُمَّ بَلَغَ الْحِنْثَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرٰى، وَأَيَّمَا عَبْدٍ حَجَّ ثُمَّ عُتِقَ فَعَلَيْهِ حَجَّةٌ أُخْرٰى '' (السنن الکبری للبیھقی: باب إثبات فرض الحج علی من استطاع إلیہ سبیلا ۸۸۷۵۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) جولڑکا حج کرے پھر وہ بالغ ہوتواس پر دوسرا حج ہے اور جو غلام حج کرے، پھر وہ آزاد ہوتو اس پر دوسرا حج ہے۔

یہی حکم لڑکی اور کنیز کے لئے بھی ہے۔

(۵) حج فرض ہونے کے لیے اسلام، تمیز، بلوغ، آزادی، اور استطاعت کی شرط ہے۔ اور مصنف متن نے صرف اسی آخری مرتبہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

حج فرض ہونے کے شرائط

حج اور عمرہ فرض ہونے کے شرائط پانچ ہیں:

۱۔ اسلام	۲۔ بلوغ
۳۔ عقل	۴۔ حریت

۵۔ استطاعت

ان پانچوں شرائط کے پائے جانے پر حج اور عمرہ واجب ہوتے ہیں۔ اگر کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو واجب نہیں ہوتے۔ شرط چیز کی ماہیت سے خارج ہے اور اس سے پہلے اس کا پایا جانا ضروری ہے، بخلاف رکن کے، جو چیز کا جزء اور اس کی ماہیت میں داخل ہے۔

زادِ راہ، سواری، راستے کا امن اور سفر کا امکان؛ استطاعت کی شرطیں ہیں، نہ کہ وجوب حج کی جیسا کہ مصنف نے اپنے متن میں تحریر کیا ہے، خطیب اور ابن قاسم اور بیجوری نے ان امور کے شرط ہونے کو استطاعت میں درج کیا ہے اور ہم نے ان کی تقلید کی ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ مسلمان ہو، کافر اصلی پر حج واجب نہیں ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ بالغ ہو، بچہ مکلّف نہیں ہے، اس لیے اس پر حج واجب نہیں، بچے کا حج نفل ہے، اس لیے حج میں بچے کو نفل کا ثواب ملے گا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ عقل والا ہو، مجنون مکلّف نہیں اس لئے حج واجب نہیں ہے، جیسا کہ بچے پر۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ آزاد ہو، غلام پر حج واجب نہیں ہے، اس لیے کہ مالک کو اس کی خدمات سے استفادہ کرنے کا حق ہے اور حج کی وجہ سے مالک کی منفعت میں خلل ہوتا ہے۔

استطاعت کی شرطیں

پانچویں شرط استطاعت کے پانچ شرائط ہیں:

۱۔زادراہ

۲۔سامان سفر

۳۔سواری کا مہیا ہونا

۴۔راستے کا امن

۵۔سفر کا امکان

یہ جملہ امور آمد و رفت کے دونوں اسفار سے متعلق ہیں۔اگر یہ چیزیں موجود نہ ہوں اور بھیک مانگ کر سفر کا ارادہ کرے تو مکروہ ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:''وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ''(البقرۃ:۱۹۷)اور راستہ کا خرچ لیا کرو اس لئے کہ خرچ میں (گداگری سے) بچا رہنا بہتر ہے۔

یہاں تقوی سے مراد بھیک مانگنے کی ذلت سے احتراز کرنے کے ہیں۔

سواری کی شرط اس صورت میں ہوگی جب کہ مکہ کی مسافت دو منزل یا اس سے زیادہ ہو۔ان اشخاص کے لئے جن کی سکونت مکہ کے قریب ہو، سواری کی شرط نہیں۔قربت کا معیار یہ ہے کہ مسافت دو منزل سے کم ہو۔

راستے میں پانی اور مویشی کے لیے چارے کی موجودگی بھی شرط ہے۔یہ بھی مشروط ہے کہ یہ چیزیں قیمت مثل پر مل سکیں۔قیمت مثل سے مراد وہ قیمت ہے جو اس زمانہ اور اس ملک میں رائج ہے۔

یہ بھی شرط ہے کہ اس پر قرض کا بوجھ نہ ہو اور سفر حج کی پوری مدت میں متعلقین کے نفقہ، سکونت اور خدمت کے مصارف برداشت کر سکے۔

تجارتی مال اور اراضی کی قیمت استطاعت میں داخل ہے، اس کو مصارف حج میں صرف کرے۔قرض میں معیاری اور غیر معیاری اور قرض حسنہ شامل ہیں۔اللہ تعالی کے

مالی حقوق کفارہ اور زکات بھی قرض میں داخل ہیں۔

متعلقین میں بیوی، فروع یعنی اولاد، اور اصول یعنی ماں باپ دادا بھی شامل ہیں۔ مکہ کے قیام کا زمانہ بھی سفر حج میں شمار ہوگا۔

راستہ پرامن ہو۔ امن کی توقع ہو اور خطرہ کا احتمال نہ ہو، اگر سفر میں اپنی ذات، مال یا اسباب کو نقصان پہنچنے کا خوف ہو تو اس پر حج واجب نہیں ہے۔ راستے میں ٹھہرنے کے مقامات پر پانی وغیرہ کی سہولت بھی مشروط ہے۔

امکان سفر: وقت اتنا ہو کہ سفر طے کر سکے۔ اس میں وہ وقت بھی شامل ہے جو سامانِ سفر اور سواری کی تیاری کے لئے درکار ہے۔

حج کے ارکان

حج کے ارکان چھ ہیں:

۱۔نیت احرام

۲۔وقوف عرفہ

۳۔طواف

۴۔سعی

۵۔حلق یا تقصیر یعنی بال مونڈھنا یا کم کرنا

٦۔اکثر ارکان میں ترتیب

رکن چیز کا جزء ہے اور اس کی ماہیت میں داخل ہے، بخلاف شرط کے، جو ماہیت سے خارج ہے اور رکن سے پہلے ہوتی ہے۔

ابوشجاع نے اپنے متن میں نیت، وقوف عرفہ، طواف اور سعی کے چار ارکان درج کئے ہیں۔حلق یا تقصیر کو واجبات میں شمار کیا ہے اور ترتیبِ ارکان کو چھوڑ دیا ہے، مگر چونکہ حلق یا تقصیر ایسے مناسک ہیں جن پر تحلل (یعنی حج سے حلال ہونا) موقوف ہے اور جن کا بدل دم سے نہیں ہوسکتا اس لئے راجح قول یہ ہے کہ ارکان حج میں حلق یا تقصیر داخل ہیں۔

ارکانِ حج میں ترتیب اس طرح لازم ہے کہ جملہ ارکان سے پہلے احرام کی نیت، طواف اور حلق یا تقصیر سے پہلے وقوف اور سعی سے پہلے طواف پر عمل کرنا چاہئے۔اس لئے حج میں ترتیب بھی ایک رکن اسی طرح ہے جس طرح ارکان نماز میں ترتیب ایک رکن ہے۔

احرام کی نیت

احرام حج کے مناسک میں داخل ہونے اور اس کے شروع کرنے کو کہتے ہیں۔

اس کو احرام اس لیے کہا گیا کہ احرام کے ساتھ حرم میں داخل ہوتے ہیں یا یہ کہ احرام کی وجہ سے بہت سے کام حرام ہو جاتے ہیں، جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

نیت حج کا رکن ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ'' (بخاری: ۱، مسلم: ۱۹۰۷۔ یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

نیت کے الفاظ یہ ہیں: ''نَوَيْتُ الْحَجَّ أَوِ الْعُمْرَةَ وَأَحْرَمْتُ بِهِ أَوْ بِاللّٰهِ تَعَالٰى''۔

احرام میں حج یا عمرہ یا دونوں کے تعین کے ساتھ نیت کرے۔ اگر نیت کو مطلق چھوڑ دے اور کہے: ''نَوَيْتُ الْإِحْرَامَ'' اور یہ نیت حج کے مہینوں یعنی شوال، ذیعقدہ یا ذی الحجہ میں کی جائے تو حج اور عمرہ میں سے جو چاہے ارادہ کر کے عمل کرے یا دونوں پر عمل کرے، اگر حج کا زمانہ نہ ہو تو عمرہ کے ارادہ سے عمل کرے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک شوال سے پہلے بھی حج کے لئے احرام باندھا جا سکتا ہے۔ افضل یہ ہے کہ راستہ چلنے کے لئے متوجہ ہو کر احرام کی نیت کرے۔

احرام کی نماز کے لیے مکروہ اوقات کے علاوہ میں دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔

حج کے مسنون غسل

احرام کے لئے غسل مسنون ہے اگر چہ کہ عورت حیض کی حالت میں ہو۔

مکہ میں داخل ہوتے وقت غسل مسنون ہے۔

وقوف عرفہ کے وقت غسل مسنون ہے۔

عید کے روز اور کنکریاں مارنے کے لئے ایام تشریق میں زوال کے بعد بھی غسل مسنون ہے۔

اگر غسل سے عاجز ہو تو تیمّم کرے، پھر بدن کو خوشبو لگائے، چادر وغیرہ کو خوشبو لگانا مسنون نہیں ہے۔

احرام کا لباس تبدیل کرتے وقت مرد کو چاہئے کہ سیئے ہوئے، بنے ہوئے کپڑے، ٹوپی، موزے اور جوتے وغیرہ اتار دے اور بطور وجوب تہبند باندھے اور چادر

اوڑھے اور یہ دونوں سفید اور جدید ہوں تو مندوب ہے، ورنہ پاک وصاف ہوں۔

نووی نے اس عمل کو مستحب ظاہر کیا تھا۔ مگر بیجوری کا قول وجوب کی نسبت ہے۔

تہبند (ازار) سے مراد وہ کپڑا ہے جس سے ناف اور گھٹنے کے درمیان کا حصہ ڈھانپا جائے۔ چادر وہ ہے جو بدن کے بالائی حصہ پر اوڑھی جائے، رنگین کپڑے کا استعمال مکروہ ہے۔

عورت ہاتھوں کو پونچوں تک مہندی لگائے۔

تلبیہ: نیت کے ساتھ تلبیہ کے الفاظ زبان سے کہنا مسنون ہے: ''**نَوَيْتُ الْحَجَّ وَأَحْرَمْتُ بِهِ لِلّٰهِ تَعَالٰى لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ** الخ'' طواف اور سعی میں تلبیہ مسنون نہیں، اس لیے کہ طواف اور سعی کے لیے خاص ذکر اور دعائیں مقرر ہیں۔

افضل یہ ہے کہ عرفہ میں وقوف سے پہلے مکہ میں داخل ہو اور جب بیت اللہ نظر آئے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيفًا وَ تَعْظِيمًا وَ تَكْرِيمًا وَ مَهَابَةً وَزِدْ شَرَفَهُ وَكَرَمَهُ مِمَّنْ حَجَّهُ أَوِ اعْتَمَرَهُ تَشْرِيفًا وَ تَكْرِيمًا وَبِرًّا ۔اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْكَ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ ۔(مسند الشافعی: ۱۲۵۔ السنن الکبری: ۵/۷۳۔ معرفۃ السنن: ۴/۴۷۔ یہ روایت ابن جریج رضی اللہ عنہ سے ہے)

یا اللہ! اس گھر کے شرف، عظمت، کرامت اور شان وشوکت کو زیادہ کر، اور جس نے حج یا عمرہ کر کے اس کی تعظیم وتکریم کی، اس کے شرف، بزرگی اور نیکی کو زیادہ کر۔ یا اللہ! تو سلامتی ہی سلامتی ہے اور سلامتی تیری طرف سے ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو سلامتی عطا فرما۔

مکہ میں ثنیہ کَدا ء سے داخل ہو اور ثنیہ کُدا ء سے نکلے۔ ثنیہ تنگ پہاڑی راستے کو اور کَدا ء بلند اور کُدا ء پست مقام کو کہتے ہیں۔ مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہو اور طواف قدوم شروع کرے، بشرطیکہ جماعت کھڑی رہنے کا عذر نہ ہو۔

تجارت یا زیارت کے لئے بھی حرم میں داخل ہو تو طواف قدوم مسنون ہے، جس

طرح مسجد کے لیے تحیۃ المسجد ہے، اسی طرح بیت اللہ کے لیے طواف تحیۃ الحرم ہے۔تحیۃ الحرم چھوڑنا مکروہ ہے۔

احرام کی حالت میں کثرت سے تلبیہ کہنا مسنون ہے اور خاص حالات کی تبدیلی کے وقت، اوپر چڑھتے ہوئے، نیچے اترتے ہوئے، سواری کے وقت، رات ہوتے اور دن نکلتے وقت، مرد بلند آواز میں اور عورت پست آواز میں تلبیہ کہے۔

وقوف عرفہ

وقوف عرفہ سے مراد مقام عرفہ پر عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ کے روز سورج کے زوال کے بعد کم سے کم ایک لحظہ حاضری ہے۔وقوف کی مدت یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر ہونے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

عرفہ کے وقوف کے لیے غسل مسنون ہے اور غسل کا وقت فجر سے ہے مگر وقوف سے قریب تر زمانہ میں غسل افضل ہے جیسا کہ جمعہ کی نماز کو جانے سے قریب تر زمانے میں غسل افضل ہے۔

مسنون ہے کہ عرفہ کے دن کو آئندہ رات کے ساتھ ملائے اور سورج کے غروب ہونے تک رکا رہے۔اگر غروب سے پہلے اس مقام سے روانہ ہو جائے تو قربانی دینا مسنون ہے۔قربانی کی تفصیل آئندہ آئے گی۔

عرفہ کی سرزمین کے کسی حصہ پر بھی وقوف کرنا کافی ہے۔فضا میں اڑنا کافی نہیں ہے، وقوف کے وقت عبادت کا اہل ہونے کی قید ہے؛ بیہوش، مجنون یا نشے میں نہ ہو، اس لیے کہ ان حالات میں انسان عبادت کے اہل نہیں رہتا۔

اس رکن کو اتنی فضیلت ہے کہ یہ تنہا حج کے مساوی ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اَلْحَجُّ عَرَفَةٌ''۔(ابوداود وغیرہ اصحاب سنن نے یہ روایت کی ہے)

اگر عرفہ کے دن جمعہ آئے تو اور بھی فضیلت ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''أَفْضَلُ الْأَيَّامِ يَوْمُ عَرَفَةَ إِذَا وَافَقَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ سَبْعِيْنَ حَجَّةً

فِيْ غَيْرِهَا ''(ابن حجر عسقلانی نے رزین کے حوالہ سے مرفوعاً اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے: ''فھو حدیث لا أعرف حالہ''۔ فتح الباری: باب قولہ الیوم أکملت لکم دینکم ۲۷۱/۸) سب دنوں میں افضل عرفہ کا دن ہے اور جب وہ جمعہ کے دن آئے تو وہ ستر دفعہ کے حج سے جو غیر جمعہ میں آئے افضل ہے۔

دوسری روایت میں ہے: ''**إِذَا كَانَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ غَفَرَ اللّٰهُ لِجَمِيْعِ أَهْلِ الْمَوْقَفِ** ''(ابن بطال نے شرح صحیح البخاری میں لکھا ہے: ''وقالت طائفة: من وقف بعرفة بخطأ شامل لجميع أهل الموقف في يوم قبل يوم عرفة أو بعده يجزئ عنه''۔ کتاب الصیام ۳۰۳/۱۶۔ مذکورہ حدیث کے الفاظ نہیں ملے) جب عرفہ جمعہ کے دن ہو تو اللہ تعالی تمام وقوف کرنے والوں کو بخش دے گا۔

جس طرح کسی عمل کو جگہ سے شرف ہے، اسی طرح زمانے سے بھی شرف ہے اور جمعہ ہفتے کے سات دنوں میں افضل ہے، جمعہ کے دن ایک وقت ایسا ہے جب کہ مسلمان اللہ تعالی سے جو چیز مانگتا ہے اس کو ملتی ہے۔ وہ وقت جمعہ کے خطبہ کے لئے امام کے منبر پر آنے سے شروع ہوتا ہے اور نماز کے ختم ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع میں جمعہ کے دن عرفہ میں وقوف کیا تھا۔

دعائے عرفہ

نبی ﷺ نے فرمایا کہ یوم عرفہ کی دعا سب سے افضل ہے اور آپ نے اور دوسرے نبیوں نے جو دعا مانگی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے: ''**لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ''(ترمذی: باب فی دعاء یوم عرفة عن عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده ۸۵۸۵۔ ترمذی نے اس روایت کو غریب من ھذا الوجہ کہا ہے۔ قال ﷺ: خير الدعاء يوم عرفة وقد قلت وقال الأنبياء من قبلي: لا إلـــــه ......) نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ تعالی کے، وہ تنہا ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، حکومت اسی کی ہے اور اسی کے لئے تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

بیہقی کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''**اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا ،اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْلِيْ أَمْرِيْ** ''(الدعوات الکبیر للبیہقی:

باب القول والدعاء یوم عرفۃ۲/ ۲۴۸۔ یہ روایت علی رضی اللہ عنہ سے ہے) یا اللہ! میرے دل میں نور اور بینائی پیدا کر، میرے سینے کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر۔

آدم علیہ السلام کے دعا کے الفاظ یہ ہیں: ''رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ'' (الأعراف:۲۳) ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔ اگر تو نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو ہم گھاٹے میں رہیں گے۔

مرد عرفات کے ٹیلوں کی چٹانوں پر ذکر واذکار میں مصروف رہیں اور عورتیں اور بچے ان کے کناروں پر۔

طواف

''وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ'' (الحج:۲۹) اور طواف کرو قدیم مکان کا۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ بیت اللہ شریف کا طواف بھی نماز ہے، مگر فرق یہ ہے کہ طواف میں اللہ تعالی نے گفتگو کو مباح کیا ہے۔

جملہ ارکان میں طواف افضل ہے اور پھر وقوف پھر سعی پھر حلق۔ نیت تو عبادت کا وسیلہ ہے، طواف خانہ کعبہ کے اطراف سات چکر لگانے کو کہتے ہیں اور ایک چکر کو شوط کہتے ہیں۔

طواف کے واجبات

طواف کے واجبات آٹھ ہیں، خواہ طواف قدوم ہو یا طواف وداع یا طواف فرض یا طوافِ افاضہ یا طوافِ نذر؛ سب کے لئے یہی واجبات ہیں۔ سلیمان بجیرمی نے ان کو شرائطِ طواف کے نام سے نامزد کیا ہے اور ابراہیم بیجوری نے ان کو واجبات طواف سے موسوم کیا ہے:

طواف کے لئے چکروں کی تعداد سات متعین کی گئی ہے، اگر اس میں کچھ بھی کمی ہو تو طواف نہ ہوگا۔

خانہ کعبہ کو بائیں جانب رکھ کر سامنے کی طرف چلے، اگر کعبہ کی طرف منھ کر کے یا

پیٹھ کر کے یا کعبہ کو داہنی جانب کر کے یا بائیں جانب کر کے الٹے پاؤں رکن یمانی کی طرف چلے تو طواف صحیح نہ ہوگا۔ اسلام سے قبل مشرکین بیت اللہ کو داہنی جانب رکھ کر طواف کرتے تھے، اس کے خلاف مسلمانوں کو بائیں جانب رکھ کر طواف کرنے کے لئے حکم دیا گیا۔

اس کے علاوہ انسان کا قلب بھی بائیں جانب ہوتا ہے، اور قلب کو کعبہ سے قربت ہوتی ہے۔ منھ کے سامنے چلنا ضروری ہے، نہ کہ الٹے پاؤں۔

حجر اسود سے طواف کی ابتداء کرے، اگر حجر اسود کے سوائے کسی دوسرے مقام سے طواف شروع کرے تو حجر اسود کو پہنچنے تک کا فاصلہ طواف میں شمار نہ ہوگا۔

مسجد کی قید ہے، اگر چہ کہ بیت اللہ شریف سے ہٹ جائے، مگر حرم سے خارج نہ ہو، مسجد حرام کی فضاء میں، اس کی چھت پر یا بلندی پر بھی طواف ہوسکتا ہے۔ بیت اللہ شریف اور طواف کرنے والے کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو مضائقہ نہیں۔

حجر اسماعیل اور شاذ روان بھی کعبہ میں داخل ہیں اور ان دونوں کو طواف میں گھیر لینا واجب ہے، حجر اسماعیل اور شاذ روان کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

نیت: طواف کے لیے نیت واجب ہے، جیسا کہ دوسری عبادتوں میں ہے: ''نَوَیْتُ طَوَافَ الْفَرْضِ أَوِ السُّنَّةِ لِلّٰهِ تَعَالٰی''۔

طواف کی نیت کے ساتھ تلبیہ مسنون نہیں ہے۔

عدم صارف: طواف کرتے ہوئے کسی اور غرض کے لئے نہ پلٹے، ورنہ طواف منقطع ہوگا۔

ستر: طواف میں ستر واجب ہے۔ ستر اس حصۂ بدن کو کہتے ہیں جس کو ڈھانپنے کا حکم ہے۔

طہارت: طواف میں حدث اصغر اور حدث اکبر اور نجاست سے طہارت واجب ہے جیسا کہ نماز میں حکم ہے۔ حدیث میں ہے: ''اَلطَّوَافُ بِالْبَیْتِ صَلَاةٌ'' (نسائی نے صحیح سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: باب إباحة الكلام في الطّواف ۲۹۲۲۔ مستدرک

حاکم: أول کتاب المناسک ١٦٨٦۔السنن الکبری ۴/١٢٢) بیت اللہ کا طواف بھی نماز ہے۔

مگر فرق یہ ہے کہ بات کرنا، چلنا، بیت اللہ کو باز و رکھنا اور تین حرکت پے در پے کرنا جو طواف میں جائز ہیں نماز میں جائز نہیں۔

عورت حیض کی حالت میں طواف نہیں کرسکتی جب تک کہ پاک نہ ہو۔اگر قافلہ کوچ کرے اور عورت پیچھے نہ ٹھہر سکے تو بغیر طواف کے چلی جائے۔طواف اس کے ذمہ باقی رہے گا، البتہ احرام کی وجہ سے حرام کردہ اموراس پر حرام نہ ہوں گے۔جب بھی قدرت پائے گی طواف کرے گی، چاہے جتنے بھی سال گزر جائیں۔

ارکان حج میں سے صرف طواف ایسا رکن ہے جس کے لئے طہارت شرط ہے، ورنہ بقیہ ارکان کی ادائیگی کے لئے بشمول وقوف عرفہ طہارت شرط نہیں ہے۔

اگر ستر کھل جائے یا وضو ٹوٹ جائے تو ستر کو برابر کرے اور وضو کی تجدید کرے اور طواف کا سلسلہ جاری رکھے، چاہے فصل طویل ہو جائے، بخلاف نماز کے، لیکن از سر نو طواف کرنا مسنون ہے، تا کہ جو حضرات اعادہ کو واجب کہتے ہیں ان کے خلاف نہ ہو۔

مقامِ طواف پر ایسی نجاست کی موجودگی جس سے احتراز دشوار ہے معاف ہے۔

طواف کی قسمیں

طواف کی تین قسمیں ہیں: فرض، واجب اور مسنون۔

فرض طواف حج کا رکن ہے اور سب ارکان میں افضل ہے۔اس کو طواف افاضہ بھی کہتے ہیں۔

طواف واجب کی پھر تین قسمیں ہیں: طواف قدوم، طواف وداع اور نذر۔

کوئی شخص خواہ کسی غرض کے لیے مکہ میں داخل ہو، اس پر طواف قدوم واجب ہے اسی طرح مکہ سے روانہ ہوتے وقت طواف وداع واجب ہے۔طواف قدوم اور طواف وداع؛ یہ دونوں طواف مستقل طور پر اس شخص کے لئے واجب ہیں، جو مکہ میں داخل ہو یا مکہ سے روانہ، مکہ کا باشندہ ہو یا نہ ہو۔طواف وداع کے بعد توشے یا سواری کی تیاری وغیرہ میں

تھوڑا وقت صرف ہو جائے تو مضائقہ نہیں، ورنہ زیادہ دیر ہونے کی صورت میں طواف وداع دوبارہ کرنا ہوگا۔

اگر کوئی شخص واپسی کے ارادے سے جائے اور بغیر قیام کے واپس آئے اور سفر مختصر ہو تو اس کے لئے طواف وداع نہیں ہے۔طواف وداع کے وجوب کی نسبت مسلم کی یہ حدیث ہے: ''لَا يَنْفِرَنَّ أَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ آخِرَ عَهْدِهِ بِالْبَيْتِ ''(مسلم: ۲۳۵۰) تم سفر پر روانہ نہ ہو جب تک کہ آخری وقت بیت اللہ شریف نہ جاؤ۔

نذر کرنے کے بعد طواف واجب ہو جاتا ہے۔

طواف سنت کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔دن رات میں جب موقع ملے طواف کر سکتا ہے، وقت کراہت میں بھی طواف کرنا ممنوع نہیں ہے، اس لیے کہ مسجد حرام میں ہر وقت نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

طواف میں حجر اسود کا استلام، تقبیل اور رکن یمانی کا استلام مسنون ہے، کسی اور رکن کا استلام مسنون نہیں ہے۔استلام ہاتھ لگانے کو کہتے ہیں اور داہنا ہاتھ لگانا افضل ہے۔ تقبیل بوسہ دینے کو کہتے ہیں۔حجر اسود کو اس طرح بوسہ دے کہ آواز نہ سنائی دے۔استلام اور تقبیل کی خاطر مرد بیت اللہ سے قریب طواف کرے، سوائے اس کے کہ ہجوم اس قدر ہو کہ دوسروں کو اذیت پہنچتی ہو۔ہجوم ہو تو ہاتھ لگائے اور بوسہ دے، یہ نہ ہو سکے تو اشارہ کر کے ہاتھ کو بوسہ دے۔

عورت کے لئے استلام اور تقبیل مسنون نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ تخلیہ کی حالت ہو۔رکن یمانی کا استلام مسنون ہے۔رکن عراقی اور رکن شامی کے لئے کچھ بھی مسنون نہیں ہے۔

فرض طواف

طواف فرض یا افاضہ کو دوسرے طوافوں پر امتیاز حاصل ہے۔اس طواف کے پہلے تین چکروں میں مرد ''رمل'' کرے اور بقیہ چار چکروں میں عادت کے مطابق معمولی چال

چلے۔اعتدال کے ساتھ کندھے ہلاتے ہوئے اکڑ کر دوڑنے کو'رمل' کہتے ہیں، جملہ چکروں میں 'اضطباع' کرے۔'اضطباع' کندھوں پر اوڑھی ہوئی چادر کے داہنے کنارے کو داہنے بغل کے نیچے سے اور سینے پر سے لے کر بائیں کندھے پر اس طرح ڈالنے کو کہتے ہیں کہ داہنا ہاتھ مونڈھے تک پورا کھلا ہو جائے۔

مرد ہو یا عورت پیادہ چلے، سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو۔رمل اور اضطباع عورت کے لئے مسنون نہیں ہیں۔

رمل کی دعا

رمل میں یہ دعا پڑھے: ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا أَوْ عُمْرَةً مَبْرُوْرَةً وَ ذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَ تِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ ''۔اے اللہ! اس حج یا عمرہ کو مقبول کر، گناہوں کو بخش دے اور سعی کو مشکور کر اور تجارت کو تباہ نہ ہونے دے، اے بڑی قوت والے اور اے بڑے بخشنے والے!

بقیہ چار چکروں میں یہ دعا پڑھے: ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ، رَبَّنَا آتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِى الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ''ہمارے پروردگار! بخش دے اور رحم کر اور درگزر کر جس کو تو جانتا ہے۔ بیشک تو بڑا طاقتور اور بڑا بزرگ ہے۔اے پروردگار! ہم کو دنیا میں اور آخرت میں نیکی دے اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔

طواف کی سنتیں

طواف میں موالات مسنون ہے تا کہ اس قول کے خلاف نہ ہو جس میں موالات واجب ہے، موالات پے درپے اور مسلسل بغیر فصل کے عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

طواف کے لئے مسجد حرام میں باب السلام سے داخل ہو کر رکن یمانی کی طرف بڑھے اور جب مقابل میں پہنچے تو رکن یمانی کو ہاتھ لگائے اور داہنا ہاتھ لگانا افضل ہے اور

پھر داہنی جانب پلٹے تاکہ بیت اللہ بائیں بازو رہے اور اپنے منھ کے سامنے چلے۔ حجر اسود کو ہاتھ لگائے، بوسہ دے اور پیشانی لگائے، حجر اسود کو ہر مرتبہ ہاتھ لگائے اور تاکیداً پہلی مرتبہ اس دعا کا پڑھنا مسنون ہے:

''بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُمَّ إِيْمَانًا بِكَ وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ وَوَفَاءً بِعَهْدِكَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّةِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ''۔ شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے اور اللہ تعالیٰ سب سے بزرگ ہے۔ اے اللہ! تجھ پر ایمان لاتے ہوئے اور تیری کتاب کی تصدیق کرتے ہوئے اور تیرے ساتھ کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہوئے اور تیرے نبی کی سنت کی پیروی کرتے ہوئے جو ہمارے سردار محمد ہیں۔

کعبہ کے در پر پڑھنے کی دعا: کعبہ کے دروازے پر پہنچے تو کہے: ''اَللّٰهُمَّ إِنَّ الْبَيْتَ بَيْتُكَ وَالْحَرَمُ حَرَمُكَ وَالْأَمْنُ أَمْنُكَ وَهٰذَا مُقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ''۔ اے اللہ! بیشک یہ تیرا ہی گھر ہے اور تیرا ہی حرم ہے اور یہ تیرا ہی امن ہے۔ اور اسی مقام پر تجھ سے دوزخ سے پناہ مانگی جاتی ہے۔

ھذا کہتے وقت مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کرے۔

رکن عراقی کے پاس پڑھنے کی دعا: رکن عراقی کے پاس پہنچے تو کہے: ''اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّكِّ وَ الشِّرْكِ وَالشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْأَخْلَاقِ وَسُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْأَهْلِ وَ الْمَالِ وَالْوَلَدِ''۔ اے اللہ! بیشک تجھ سے پناہ مانگتا ہوں شک اور شرک سے اور اختلاف اور نفاق سے اور اہل، مال اور اولاد میں برے اخلاق اور بری حالت سے۔

دعائے میزاب: میزاب کے پاس پہنچنے پر یہ دعا مانگے: ''اَللّٰهُمَّ أَظِلَّنِیْ فِیْ ظِلِّكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّكَ وَاسْقِنِیْ بِكَأْسِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ ﷺ شَرْبَةً هَنِيْئَةً مَرِيْئَةً لَا أَظْمَأُ بَعْدَهَا أَبَدًا يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ''۔ اے اللہ! مجھ کو تیرے (عرش کے سایہ کے) نیچے سایہ دے اس دن جب کہ تیرے عرش کے سایہ کے

سوائے کوئی سایہ نہ ہوگا اور ہمارے سردار محمد ﷺ کے پیالے سے برکت والے اور خوش گوار گھونٹ سے مجھ کو ایسا سیراب کر کہ اس کے پینے کے بعد میں کبھی پیاسا نہ ہوں ، اے صاحب جلالت وکرامت۔

رکن شامی اور رکن یمانی کے درمیان پڑھنے کی دعا: ''رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ''
پروردگار! ہم کو دنیا اور آخرت میں نیکی نصیب کر اور ہم کو دوزخ کی آگ سے بچا۔

طواف کی نماز:

طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا مسنون ہے۔ یہ نماز مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا اولی ہے، اس کے بعد حطیم میں، پھر مسجد میں، پھر حرم میں۔ پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھے۔ رات کے وقت سورج کے طلوع ہونے تک جہراً پڑھے اور بقیہ اوقات میں سراً۔

طواف کے بعد کسی فرض یا نفل نماز کے پڑھنے سے بھی ان رکعتوں کی ادائی ہو جاتی ہے۔ حجۃ الوداع میں حضرت عمر کے اس سوال پر کہ کیا مقام ابراہیم پر نماز نہ پڑھی جائے تو نبی ﷺ خاموش رہے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى'' (البقرۃ:۱۲۵)

طواف اور نماز کے بعد حجر اسود کو ہاتھ لگانا مسنون ہے۔ دو رکعات ادا کرنے کے بعد سعی کے لیے باب الصفا سے باہر نکلے۔

سعی

سعی کے معنی دوڑنے کے ہیں، مگر یہاں محض چلنے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سات مرتبہ سعی کرنا ارکان حج میں داخل ہے۔ دار قطنی نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اِسْعَوْا فَإِنَّ السَّعْیَ قَدْ کُتِبَ عَلَیْکُمْ'' (مسند

احمد: ۲۷۴۰۷۔ابن خزیمہ: باب ذکر البیان أن السعی بین الصفا والمروۃ ۲۷۶۵۔ مستدرک حاکم: ذکر حبیبۃ بن أبی تجزئۃ ۶۹۴۳۔ یہ روایت حبیبہ بن أبی تجزئۃ سے ہے) سعی کرو، بیشک سعی تم پر فرض کی گئی ہے۔

مسجد حرام کی جنوبی شرقی سمت میں ''کوہ ابوقبیس'' ہے اوراس کے دامن میں ایک چٹان ہے جس کو صفا کہتے ہیں۔اس کے سامنے مسجد حرام کے شمالی مشرقی سمت میں دوسری پہاڑی ہے جس کو مروہ کہتے ہیں۔صفا اور مروہ کے درمیان چارسو چالیس گز کا فاصلہ ہے۔قبس کے معنی چنگاری کے ہیں اور چونکہ آدم علیہ السلام نے اسی پہاڑی سے اولین آگ حاصل کی تھی جوایک مدت تک سلسلہ بہ سلسلہ جاری رہی،اس لیے اس کو'کوہ ابوقبیس' کہا جاتا ہے۔صفا سے مروہ جاتے ہوئے مسجد حرام بائیں جانب اور مروہ سے صفا جاتے ہوئے مسجد حرام داہنی جانب پڑتی ہے۔

میلین اخضرین: مسجد حرام کے باہر ہر دوسمت میں دو دو سبز ستون نصب کئے گئے ہیں۔یہ ستون پتھر کے ہیں اور قد آدم سے کچھ زیادہ بلند ہیں۔ان کو سبز روغن سے رنگ دیا گیا ہے۔دوستون مسجد حرام کے شرقی جنوبی کے قریب اور دوستون مشرق میں باب النبی ﷺ کے قریب ہے۔ان ستونوں کے درمیان کا فاصلہ پچھتر گز ہے۔اوراس مسافت کو دوڑ کر طے کرنا اور بقیہ مسافت کو معمولی رفتار سے چل کر طے کرنا مسنون ہے۔صفا سے پہلے ستونوں کی مسافت بیاسی گز اور دوسرے ستونوں سے مروہ کی مسافت چوراسی گز ہے۔

سعی کی شرطیں:

سعی کی شرطیں سات ہیں:

۱۔ پورے سات مرتبہ سعی کرے،اگر سات مرتبہ سے تھوڑی بھی کمی ہوجائے تو سعی صحیح نہ ہوگی۔

۲۔صفا سے سعی شروع کرے اورمروہ پر ختم کرے۔نبی ﷺ سے سوال کیا گیا: ''أَنَبْدَأُ بِالصَّفَا أَوْ بِالْمَرْوَةِ؟ ''ہم صفا سے شروع کریں یا مروہ سے؟ تو آپ نے فرمایا: ''اِبْدَؤُا بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ بِهِ ''۔شروع کرو جیسا کہ اللہ تعالی نے کلام مجید کی آیت میں شروع

کیا ہے: ''إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ''۔ (البقرۃ:۱۹۸) (مسند احمد:۱۵۲۸۔ مسلم کی روایت میں ہے: ''أبدأ بما بدأ الله به''۔ باب حجۃ النبی ﷺ ۳۰۰۹، ابوداود میں 'نبدأ' ہے: باب صفۃ حجۃ النبی ۱۹۰۷۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے)

صفا سے مروہ تک ایک سعی اور پھر مروہ سے صفا تک دوسری سعی کی مسافت ایک میل چھ فرلانگ کے قریب ہوتی ہے۔ اور اسی طرح سعی کی تعداد شمار ہوگی۔ صفا سے روانگی چار دفعہ اور مروہ سے روانگی تین دفعہ ہوگی اور جملہ سات سعی کی مسافت ایک میل چھ فرلانگ کے قریب ہوگی۔ (صفا اور مروہ کے درمیان کی مسافر ۳۷۵ میٹر ہے، سات چکر کی جملہ مسافت ۲٫۷۶۱.۵ کلومیٹر ہوتی ہے)

۳۔ طوافِ فرض یا طواف قدوم کے بعد سعی ہوگی، مگر طواف قدوم کے بعد وقوف عرفہ ہو تو سعی نہ کرے۔ طوافِ فرض کے بعد سعی واجب ہے۔ طواف قدوم کے بعد سعی کر چکا ہو تو طوافِ فرض کے بعد سعی کرنا مکروہ ہے۔

۴۔ صفا اور مروہ کے درمیان کی پوری مسافت طے کرے۔ صفا سے روانہ ہوتے وقت ایڑھی صفا کی پہاڑی کو اور مروہ کو پہنچیں تو پاؤں کی انگلیاں مروہ کی پہاڑی کو چھوئیں۔ صفا اور مروہ کے دامن میں اب سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، دو تین سیڑھیاں چڑھنا کافی ہے۔

۵۔ دونوں مقامات کی درمیانی وادی منکوس کے شکم میں سعی کرے جس میں اب پتھر کا فرش بچھا ہوا اور مسطح ہے۔

۶۔ منکوس ہو کر سعی نہ کرے بلکہ اکڑ کر چلنا مسنون ہے۔

۷۔ سعی کے دوران میں سعی ہی کا ارادہ ہو، کسی اور شخص کے مقابلہ میں مسابقت کے لئے دوڑنے کا ارادہ نہ ہو۔

سعی کی سنتیں

صفا سے پہلے سبز ستون تک عادی چال میں چلے اور پہلے ستون سے دوسرے ستون تک اپنی پوری قوت سے دوڑے اور دوسرے ستون سے مروہ تک پھر عادی چال چلے اور اسی طرح واپسی کا سفر کرے اور بقیہ سعی اسی طرح کرے۔

طواف اور سعی کے درمیان بھی موالات مسنون ہے۔ طواف کے بعد ہی سعی کرے، موالات کے معنی پے درپے اور مسلسل بغیر کسی وقفہ کے عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

ستر اور طہارت مسنون اور افضل ہیں، شرط نہیں ہیں، جیسا کہ طواف کے لئے شرط ہے۔

سعی میں تلبیہ مسنون نہیں ہے، اس لیے کہ سعی کے لیے علحدہ دعا مقرر ہے۔

اس دعا کا سعی میں پڑھنا مسنون ہے: ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعَزُّ الْأَكْرَمُ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَعُمْرَةً مَبْرُوْرَةً وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَ سَعْيًا مَشْكُوْرًا وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ، يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ۔اَللّٰهُ اَكْبَرُ ،اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ،وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ،اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى مَا أَوْلَانَا، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، صَدَقَ وَعْدَهُ وَنَصَرَعَبْدَهُ وَأَعَزَّ جُنْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ''۔

اے میرے پروردگار! مغفرت فرما اور رحم فرما اور ان گناہوں کو معاف فرما جن کو تو جانتا ہے، تو سب سے زیادہ عزیز اور بزرگ ہے، الٰہی تو اس کو حج مقبول اور عمرہ مقبول بنا اور گناہوں کو بخش دے اور قابلِ قدر کوشش بنا اور ایسی تجارت بنا جو کبھی تباہ نہیں ہوتی، اے عزیز اور اے بخشنے والے۔ اللہ سب سے بزرگ ہے، اللہ سب سے بزرگ ہے، اللہ سب سے بزرگ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے شکر اور اللہ تعالیٰ سب سے بزرگ ہے، اس پر اللہ ہی کی تعریف ہے جو اس نے ہم کو ہدایت دی اور شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اس چیز پر جس کا ہم کو مالک کیا، کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے، وہ تنہا ہے، کوئی اس کا شریک نہیں، اسی کے لئے حکومت ہے اور اسی کے لئے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر بڑا قدرت رکھنے والا ہے، سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے، اس کا وعدہ سچا ہوا اور اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور اپنے لشکر کو غالب کیا اور

اس نے تنہا سبھی جماعتوں کو شکست دی، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، اس کے لیے دین کو خالص کرتے ہوئے، اگرچہ کہ کافروں کو برا لگے۔

ذکر اور دعا کو تین تین بار بولے۔ سواری پر بھی سعی کر سکتا ہے۔

حلق یا تقصیر

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''مُحَلِّقِيْنَ رُؤُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ''(الفتح:۲۷)۔ سر مونڈھے ہوئے اور (بال) چھوٹے کئے ہوئے۔

حلق سر سے بال مونڈھنے اور تقصیر بال کاٹنے کو کہتے ہیں۔ وہ بال جو سر سے لٹکے ہوئے اور پراگندہ ہوں ان کی حلق یا تقصیر بھی کافی ہے۔ لیکن سر کے بال ہونا لازم ہے۔

سر کے بجائے تھوڑی وغیرہ کے بالوں کے نکالنے سے اس رکن کی تکمیل نہیں ہوتی، مرد کے لئے حلق افضل ہے، مگر نذر کیا ہو تو سر مونڈھانا بھی واجب ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ '' یا اللہ! سر مونڈھنے والوں پر رحم کر۔ صحابہ نے عرض کیا: ''وَالْمُقَصِّرِيْنَ'' اور بال کاٹنے والوں پر؟ تو آپ نے فرمایا: ''اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْمُحَلِّقِيْنَ ''۔ آپ نے تین مرتبہ یہی جواب دیا اور چوتھے مرتبہ فرمایا: ''وَالْمُقَصِّرِيْنَ''۔ (بخاری: باب الحلق والتقصیر عند الإحلال ۱۷۲۷، مسلم: باب تفضیل الحلق علی القصر ۳۲۰۵۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اس سے سر کے مونڈھنے کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ کلام مجید میں ''محلقین'' پہلے اور ''مقصرین'' بعد میں آیا ہے اور عرب کا دستور یہ ہے کہ پہلے اہم اور افضل امر کا ذکر کرتے ہیں۔

اقل حلق یا تقصیر یہ ہے کہ سر سے تین بال نکالے جائیں، خواہ مونڈھ کر، اکھیڑ کر، توڑ کر یا کاٹ کر، سر میں بال ہی نہ ہوں تو سر پر استرا پھیرنے سے سنت حاصل ہو جاتی ہے، اگر حج سے قبل عمرہ کرے اور عمرہ کے بعد حج کرے اور عمرہ اور حج کے درمیان اتنی مختصر مدت ہو کہ اگر عمرہ کے بعد سر کے بال مونڈھے جائیں تو یوم نحر یعنی عید کے روز سر پر بال نمایاں نہ ہو سکیں تو عمرہ میں صرف بالوں کی تقصیر کرے اور حج کے بعد مونڈھے۔

عورت کے لئے تقصیر میں فضیلت ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ حَلْقٌ، إِنَّمَا عَلَى النِّسَاءِ التَّقْصِيْرُ''۔ (ابوداود: باب الحلق والتقصیر ۱۹۸۶۔ یہ روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)

مجموع میں لکھا ہے کہ اکثروں کا قول ہے کہ عورت کے لئے حلق مکروہ ہے۔

بال نکالتے وقت قبلہ کی طرف رخ کرنا اور داہنے جانب سے شروع کرنا مسنون ہے۔

حلق یا تقصیر کو ابو شجاع نے واجبات حج میں شمار کیا ہے، مگر چونکہ حلق یا تقصیر ایسے مناسک حج میں سے ہے جن پر تحلل (یعنی حج سے حلال ہونا) موقوف ہے اور جس کے چھوٹنے پر دم سے کمی پوری نہیں ہوسکتی، اس لیے راجح اور معتمد قول یہ ہے کہ حلق یا تقصیر ارکان حج میں داخل ہیں۔ یہ امتیاز شافعیہ میں حج کے باب کی حد تک ہے، ورنہ دیگر مسائل میں واجبات میں ارکان اور شروط دونوں شامل ہیں۔

ترتیب

اہم ارکان حج میں ترتیب واجب ہے، جملہ ارکان سے پہلے احرام کی نیت کرے، طواف اور حلق سے پہلے عرفہ میں وقوف کرے۔ سعی سے پہلے طواف کرے۔

حج کے ارکان میں ترتیب ایسے ہی واجب ہے جیسا کہ نماز کے ارکان میں۔

حلق اور طواف کے درمیان ترتیب واجب نہیں ہے۔ حلق سے پہلے طواف اور طواف سے پہلے حلق اور طواف اور حلق دونوں سے پہلے سعی کی جاسکتی ہے۔

عمرہ کے ارکان

عمرہ کے ارکان پانچ ہیں: نیت، طواف، سعی، حلق یا تقصیر، اور ترتیب۔

عمرہ میں نیت کرے: ''نَوَيْتُ فَرْضَ الْعُمْرَةِ أَوِ الْعُمْرَةَ وَأَحْرَمْتُ بِهَا لِلّٰهِ تَعَالٰى''۔ میں فرض عمرہ کی یا عمرہ کی نیت کرتا ہوں اور نیت کرتا ہوں اس کی اللہ تعالی کے لئے۔

طواف، سعی، حلق یا تقصیر اور ترتیب کی پوری تفصیل ارکان حج میں بیان کی جاچکی

ہیں۔بعینہ اسی کے مطابق عمرہ کے ارکان ادا کئے جائیں۔

حج اور عمرہ میں فرق

حج اور عمرہ میں صرف اسی قدر فرق ہے کہ حج میں وقوف عرفہ بھی ایک رکن ہے اور عمرہ میں وقوف عرفہ ہے ہی نہیں۔

حج کے لئے وقت مقرر ہے، عمرہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔

طواف اور سعی کے جو واجبات اور سنن حج میں ہیں وہی عمرہ میں ہیں۔

عمرہ کے قریب زمانہ میں حج کرنا ہو تو عمرہ کے بعد حلق کے عوض تقصیر کرنا افضل ہے تاکہ حج کے بعد حلق کرے۔

حج کے واجبات

حج کے واجبات سات ہیں:

۱۔میقات سے احرام
۲۔رمی جمار
۳۔طواف قدوم
۴۔طواف وداع
۵۔مزدلفہ میں رات گزارنا
۶۔منی میں رات گزارنا
۷۔احرام کے محرمات سے اجتناب

میقات سے احرام کی نیت کرنا

میقات وقت سے ماخوذ ہے اور میقات کے معنی کسی چیز کی حد کے ہیں۔احرام کے معنی نیت کرنے کے ہیں۔اور احرام؛ اصل میں حج کے ارکان میں سے ہے لیکن میقات سے احرام کرنا حج کے واجبات میں داخل ہے۔

میقات کی دو قسمیں ہیں: میقات زمانی اور میقات مکانی۔

میقات زمانی:

حج کے لئے میقات زمانی؛ ابتدائے شوال سے ذیقعدہ اور ذی الحجہ کی دس راتوں

تک ہے۔عمرہ کے لئے میقات زمانی سال کے پورے دن ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
''اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ'' (البقرۃ:۱۹۷)

آغاز شوال سے یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کی فجر تک جب کبھی حج کے لئے احرام کرے حج منعقد ہوگا، بشرطیکہ حج ہونے کا امکان ہو ورنہ عمرہ ہوگا۔ دیگر ائمہ کے نزدیک ماہِ شوال سے پہلے بھی حج کے لئے احرام باندھا جا سکتا ہے۔

میقات مکانی:

وہ مقام ہے جہاں سے حج وعمرہ کے لئے احرام کرنا واجب ہے۔امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے اہل مدینہ کے لئے ذوالحلیفہ میقات مقرر کی، اہل شام اور مصر کے لئے جحفہ، اہل نجد کے لئے قرن، اہل یمن کے لئے یلملم اور فرمایا:''هُنَّ لَهُنَّ وَلِمَنْ أَتٰى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ مِمَّنْ أَرَادَ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ'' (بخاری:۱۵۲۴۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)

امام احمد نے بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے یہ میقاتیں حجۃ الوداع میں مقرر کی تھیں۔ (ابن ماجہ:۳۰۹۳۔ مسند احمد۔ البانی نے اس کو صحیح کہا ہے) مقررہ میقات کے آخر سے بھی احرام کیا جا سکتا ہے۔مگر ابتدائے میقات سے احرام کرنا افضل ہے، سوائے ذوالحلیفہ کے، ذوالحلیفہ کی مسجد سے احرام کرے جہاں نبی ﷺ نے احرام کیا تھا۔

کن مقامات کے باشندوں کے لئے کون سی میقات ہے، ذیل میں صراحت کی جاتی ہے۔

مکہ اس شخص کے لئے میقات ہے جو مکہ میں مقیم ہے، خواہ مکہ کا متوطن ہو یا عارضی طور پر مکہ میں سکونت اختیار کی ہو۔ یہ مسنون ہے کہ غسل کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور اپنے گھر سے احرام کرے، اگر اس کا کوئی گھر ہو۔

ذوالحلیفہ: مدینہ اور شام کی سمت سے آنے والے کے لئے میقات ہے، ذوالحلیفہ مدینہ کے جنوب میں چھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں سے مکہ دس منزل رہتا ہے،

سب میقاتوں میں یہ میقات دور ہے۔ذوالحلیفہ کی مسجد سے احرام کرنا افضل ہے، جہاں کہ نبی ﷺ نے احرام کیا تھا۔

رابغ؛مصر یا مغرب کی سمت کے لئے میقات ہے،اصل میں جحفہ میقات تھی مگر اس مقام پر پانی کے فقدان کی وجہ سے اس کو چھوڑ کر اس کے مقابل رابغ سے احرام کیا جاتا ہے۔

یلملم ؛تہامہ،یمن اور ہندوستان کے لئے میقات ہے،جبل سعدیہ کے دامن میں ایک مقام کا نام یلملم ہے،مکہ سے دومنزل کے فاصلہ پر ہے، ہندوستان سے سمندری سفر میں یہ مقام کامران کے بعد ملتا ہے اور جہاز اس کے محاذی پہنچے تو احرام باندھا جاتا ہے، غالباً یہ عمل بعض سہولتوں پر مبنی ہے،اس لئے کہ کامران سے مکہ کا سفر چار سو میل سے زیادہ ہے۔

قرنِ منازل؛نجد،حجاز اور نجد یمن کے لئے میقات ہے۔قرن ایک پہاڑ ہے جو مکہ کے تقریباً مشرق میں دومنزل کے فاصلہ پر ہے۔

ذاتِ عرق ؛مشرق سے آنے والوں کے لئے میقات ہے۔عراق اسی سمت میں ہے۔ذات عرق ایک چھوٹی بستی ہے جو مکہ سے دومنزل کے فاصلہ پر ہے،مگر شمال مشرق کی سمت میں واقع ہے۔

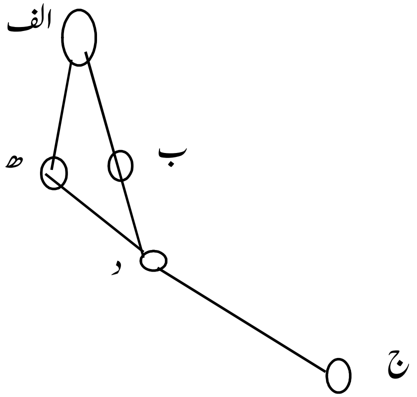
اگر خشکی یا تری کے ایسے راستے سے سفر کرے جس پر معینہ میقاتوں میں سے کوئی میقات راستے میں نہ پڑتی ہو تو اس مقام پر احرام کرے جس کے محاذی کوئی میقات پڑتی ہو۔اگر اس سمت سے دو میقاتیں محاذی ہوں تو قریب کی یعنی پہلی میقات سے احرام کرے،اگر کوئی میقات محاذی نہ ہو تو اس مقام پر احرام کرے جہاں سے مکہ معظّمہ دومنزل رہ جائے،ایک منزل کے آٹھ فرسنگ یعنی چوبیس میل ہوتے ہیں اور اس طرح اڑتالیس میل کے فاصلہ سے احرام کرنے میں واجب کی تعمیل ہوتی ہے۔

جس شخص کی سکونت مکہ اور میقات کے درمیان ہو تو اس کے لئے خود اس کا مسکن میقات ہے۔

مسافر کے میقات کے محاذی آنے سے یہ مراد ہے کہ بازوؤں سے مقابلہ میں

آئے، نہ کہ سامنے سے، یعنی مکہ اور میقات کے خطہ کے سلسلہ میں نہیں۔ اس لئے کہ آخری صورت میں خط کی طوالت جس قدر ہوگی اسی قدر مسافت بڑھتی جائے گی، توضیح کے لئے حاشیہ کی شکل درج کی جاتی ہے۔

الف کو مکہ فرض کیا جائے اور ب کو میقات۔ حاجی کے سفر کا راستہ **ج** سے **د** اور **ھ** پر سے گزرتا ہوا الف مکہ کو پہنچتا ہے تو حاجی **ھ** کے مقام پر پہنچے تو احرام کرے گا، نہ کے **د** کے مقام پر، اس لئے کہ الف سے ب کو سیدھا خط آتا ہے، وہ ب سے **د** کو اور **د** کے آگے جس قدر چاہے طویل ہوسکتا ہے۔ اور اس لحاظ سے میقات کے مقام کا فاصلہ زیادہ سے زیادہ ہوتا جائے گا۔



عمرہ کے لئے میقات مکانی اس شخص کے لئے جو حرم کے باہر سے آیا ہو وہی مقام ہے جو حج کے لئے ہے۔ البتہ اس شخص کے لئے جو حدود حرم میں ''حِل'' ہے یعنی وہ مقام ہے جو حرم کے حدود سے خارج ہے۔ احرام کے لئے حرم سے باہر ''حِل'' تک جانا واجب ہے۔ ایک قدم بھی حل سے باہر ہو جائے تو کافی ہے۔

افضل حل

افضل حل جعرانہ ہے، اس کے بعد تنعیم اور پھر حدیبیہ۔ جعرانہ ایک گاؤں کا نام ہے جو طائف کے راستے میں مکہ سے اٹھارہ میل ہے۔ تنعیم وادی نعمان میں ایک مقام کا نام

ہے جس کے داہنی جانب وادی ناعم اور بائیں جانب وادی تنعیم ہے۔ تنعیم اور مکہ کے درمیان تین میل کی مسافت ہے، اس مقام پر ایک مسجد ہے جس کو 'مسجد عمرہ' کہتے ہیں، عموما حاجی اس مقام پر آ کر مسجد میں دو رکعت نماز پڑھ کر عمرہ کے لئے احرام کرتے ہیں۔

حدیبیہ ایک کنویں کا نام ہے جو جدہ اور مدینہ کے راستوں کے درمیان مکہ سے اٹھارہ میل پر ہے۔ یہ کنواں حدباء کے درخت کی وجہ سے موسوم ہے جس کے پاس بیعت الرضوان ہوئی تھی۔

رمیِ جمار

رمی تیر مارنے اور کنکری پھینکنے کو کہتے ہیں۔ جمرہ اس مقام کو کہتے ہیں جس کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ منیٰ میں تین جمرے ہیں جن کو کنکریاں مارنا واجب ہے۔ جمرۂ کبری عرفات کے رخ میں مسجد خیف کے قریب ہے اور جمرۂ عقبہ مکہ کے رخ میں ہے اور ان دونوں کے درمیان جمرۂ وسطی ہے۔ جمرۂ عقبی ظاہر ہے اور بقیہ دو جمرے ظاہر نہیں ہیں، البتہ ان پر ایک ایک ستون علامت کے لئے قائم کیا گیا ہے۔

نبی ﷺ کے بعد ان جمروں کے اطراف حدود کے لئے چھوٹی سی منڈیر کی دیوار بنائی گئی ہے۔ جمرۂ عقبہ پہاڑ کے دامن میں ہے اور اس کو سنگسار کرنے کے لئے ایک ہی سمت ہے۔ بقیہ دو جمروں کی سمتیں کھلی ہوئی ہیں۔ ہر سمت سے سنگسار ہو سکتا ہے۔

جمروں کے اطراف تین ہاتھ کی حد متاخرین نے مقرر کی ہے۔

یوم نحر یعنی دسویں ذی الحجہ کو سات کنکریاں جمرۂ عقبہ کو اور تشریق کے تینوں دن تینوں جمروں کو سات سات کنکریاں؛ پہلے کبری کو پھر وسطی کو پھر عقبہ کو مارنا واجب ہے، اللہ تعالی کے فرمان: ''اُذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ '' (البقرۃ:۲۰۳) میں معدودات سے مراد تشریق کے ایام ہیں۔

رمی جمار میں یہ حکمت مضمر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کرنے کا ارادہ کیا تو شیطان نے آپ کے دل میں وسوسہ پیدا کیا اور آپ نے شیطان کو

دور کرنے کے لئے کنکریاں ماری تھیں، جس کو شریعت میں باقی رکھا گیا، جو شخص کنکریاں مارنے سے عاجز ہو تو اس کی طرف سے دوسرا شخص مار سکتا ہے، مگر اپنی جانب سے کنکریاں مارنے کے بعد، نہ کہ پہلے۔

رمیِ جمار کا وقت

جمرۂ عقبہ کو کنکریاں مارنے کا وقت نحر کی رات یعنی دس ذی الحجہ کی نصف شب سے شروع ہوتا ہے، مگر فضیلت کا وقت سورج کے بلند ہونے کے بعد سے زوال تک ہے، اختیاری وقت سورج غروب ہونے تک اور جواز کا وقت تشریق کے تیسرے روز سورج کے غروب تک ہے۔

تشریق کے دنوں میں کنکریاں مارنے کا وقت ہر روز سورج کے زوال سے شروع ہوتا ہے۔ اور فضیلت کا وقت نماز ظہر سے پہلے ہے۔ اختیاری وقت اس روز کے سورج کے غروب ہونے تک ہے، نتیجہ یہ کہ جملہ جمروں کو کنکریاں مارنے کا وقتِ جواز تشریق کے آخری روز مغرب کو ختم ہوتا ہے۔ فوت شدہ رمی دن میں اور رات میں بطور ادا کی جا سکتی ہے۔ ایام تشریق کے بعد سنگساری صحیح نہیں ہے۔

نفر

نفر کے معنی برخاست کرنے اور روانہ ہونے کے ہیں۔ نفر کی دو قسمیں ہیں: نفر اول اور نفر دوم۔ تشریق کے دوسرے روز زوال کے بعد سے فارغ ہو کر منی سے روانہ ہو جانے کو نفر اول کہتے ہیں، اگر آفتاب غروب ہو گیا تو رات منی میں گذار کر تیسرے دن رمی کرنا واجب ہے، تیسرے روز رمی کے بعد منی سے روانگی کو نفر دوم کہتے ہیں۔ اور افضل یہی ہے، مگر نفر اول بھی جائز ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ”**فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَیْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَیْهِ لِمَنِ اتَّقٰی**“ (البقرة:۲۰۳) کسی نے جلدی سے دو دنوں میں کیا تو کوئی مضائقہ نہیں اور کسی نے تاخیر کر کے پورا عمل کیا تو بھی کوئی مضائقہ نہیں

ہے، یہ اس کے لئے ہے جس نے تقویٰ کیا۔

نفرِ اول کی شرطیں

نفر اول پانچ شرطوں کے ساتھ جائز ہے:

۱۔ ایام تشریق کے دوسرے دن کوچ کرے

۲۔ سورج کے زوال کے بعد کوچ کرے

۳۔ منیٰ میں دو راتیں گزاری ہو

۴۔ یا کسی عذر کی وجہ سے ترک کیا ہو

۵۔ نفر اول کی نیت کی ہو

تدارک

اگر ایک یا دو کنکریاں کم مارے تو ہر ایک کنکری کے عوض ایک مد (تین پاؤ) غلہ فدیہ دے، اگر تین کنکریاں یا اس سے زیادہ کی کمی کی ہو تو دم واجب ہے۔

رمی صحیح ہونے کی شرطیں

رمی صحیح ہونے کی سات شرطیں ہیں:

۱۔ ترتیب
۲۔ تعداد
۳۔ یکے بعد دیگرے
۴۔ قصد
۵۔ نشانہ
۶۔ ہاتھ
۷۔ پتھر

ترتیب: یوم نحر میں جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں مارے، تشریق کے پہلے روز پہلے جمرۂ کبریٰ کو پھر جمرۂ وسطیٰ کو اور اخیر میں جمرۂ عقبہ کو سات سات کنکریاں مارے اور اسی طرح تشریق کے دوسرے اور تیسرے روز بھی رمی کرے۔

تینوں جمروں کی رمی میں ترتیب واجب ہے۔

تعداد: ہر ایک جمرہ کو سات سات کنکریاں مارنا واجب ہے۔ یوم نحر کو جمرۂ عقبہ کو سات کنکریاں اور تشریق کے تین دنوں میں ہر روز تینوں جمروں میں سے ہر ایک جمرہ کو سات کنکریوں کے حساب سے روزانہ تین جمروں کی اکیس کنکریاں اور تین دنوں کی ترسٹھ کنکریاں اور جملہ کنکریوں کی تعداد ستر ہوتی ہے۔

یکے بعد دیگرے سے مراد یہ ہے کہ وقت واحد میں دو تین کنکریاں نہ مارے، بلکہ ایک ایک کر کے مارے، ایک وقت میں دو یا زیادہ کنکریاں مارے تو ایک ہی شمار ہوگی۔

قصد: رمی کے ارادے سے مارے، بغیر ارادے کے مارے تو شمار نہ ہوگا۔ نشانہ لے کر مارے، خالی پھینک دینا یا رکھ دینا کافی نہ ہوگا۔

ہاتھ سے مارے، اگر کوئی عذر نہ ہو، کنکری پتھر کی قسم سے ہونا ضروری ہے، مٹی یا لکڑی کا ٹکڑا کافی نہیں ہے۔

رمی کی سنتیں

رمی کی سنتیں چھ ہیں:

۱۔ کنکری کی مقدار اتنی ہو جو دو انگلیوں میں سما سکے، بڑے پتھر مارنا مکروہ ہے۔

۲۔ کنکریوں کی طہارت مسنون ہے۔ کنکریوں کی طہارت میں شبہ ہو تو ان کو دھونا مسنون ہے۔

۳۔ مزدلفہ سے یوم نحر کی سات کنکریاں چن لینا مسنون ہے، بقیہ کنکریاں وادی محسر سے یا منی سے بھی لی جاسکتی ہیں، مگر اولی یہ ہے کہ ستر کنکریاں مزدلفہ ہی سے لائے، مکہ سے چلیں تو پہلے منی، اس کے بعد وادی محسر اور پھر مشعر الحرام یا مزدلفہ اور اس کے بعد عرفہ آتا ہے۔

ماری ہوئی کنکری کو اٹھا کر مارنا مکروہ ہے۔

۴۔ داہنے ہاتھ سے کنکری مارنا مسنون ہے

۵۔ کنکری کو انگوٹھے اور شہادت کی انگلی کے درمیان پکڑ کو مارے۔

۶۔ ہر کنکری مارتے وقت یہ دعا پڑھنا مسنون ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهُ وَنَصَرَ عَبْدَهُ وَأَعَزَّ جُنْدَهُ وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ ۔شروع کرتا ہوں میں اللہ کے نام سے اور اللہ سب سے بزرگ ہے، اللہ تعالی نے اپنا وعدہ سچا کیا اور بندے کی مدد کی اور اپنے لشکر کو غالب کیا، جماعتوں کو تنہا شکست دی ، اللہ تعالی کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور دین کو اس کے لئے خالص کر کے ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں، اگر چہ یہ بات کافروں کو بری لگے۔

طواف قدوم اور طوافِ وداع

کوئی شخص خواہ کسی غرض کے لئے مکہ میں داخل ہو اس پر طواف قدوم واجب ہے۔

اسی طرح مکہ سے روانہ ہوتے وقت طواف واجب ہے جس کو طوافِ وداع کہا جاتا ہے۔طواف قدوم اور طواف وداع یہ دونوں طواف اس شخص کے لئے مستقل طور پر واجب ہیں، جو مکہ میں داخل ہو یا مکہ سے روانہ ہو، مکہ کا باشندہ ہو یا نہ ہو، اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

مزدلفہ میں رات گزارنا

مزدلفہ کو مشعر الحرام کہتے ہیں اور وہاں ایک مسجد اسی نام سے ہے۔مزدلفہ میں شب عید کے نصف آخر میں کم سے کم ایک لحظہ کے لئے موجود رہنا واجب ہے۔اگر اس کو ترک کرے تو دم لازم آتا ہے۔ایک لحظہ کا قیام اس لئے کافی ہے کہ حاجی وہاں رات کا تقریبا ایک ربع حصہ گزرنے کے بعد پہنچتا ہے اور آدھی رات کے گزرنے کے ساتھ ہی روانہ ہونا پڑتا ہے۔

یہاں مغرب اور عشاء کی دونمازیں ملا کر جمع تاخیر کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

مغرب کے بعد عرفات سے روانہ ہو کر حاجی مزدلفہ پہنچتا ہے اور رات کا بقیہ حصہ یہاں گزار کر صبح سویرے منی کو روانہ ہو جاتا ہے۔

بقیہ مناسک حج کثیر مقدار میں ہیں اور ان میں خاصی مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے، اس لیے بھی مزدلفہ میں رات گزارنے میں تخفیف رکھی گئی ہے۔

رافعی کی تائید کرتے ہوئے ابوشجاع نے اس کو سنن حج میں شمار کیا تھا، مگر چونکہ اس کے ترک ہونے پر دم واجب ہوتا ہے اس لیے نووی نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔

ابن قاسم اور خطیب کی رائے ہے کہ رافعی کا قول مرجوع اور ضعیف ہے اور نووی کا قول راجح اور معتمد علیہ ہے۔

مزدلفہ سے یوم نحر کی رمی کے لئے صرف سات کنکریوں کا حاصل کرنا مسنون ہے، بخلاف خطیب کے جنھوں نے پوری ستر کنکریوں کو اس جگہ سے لینا مسنون قرار دیا ہے۔

منیٰ میں رات گزارنا

ایام تشریق کی تینوں راتوں کا بڑا حصہ منی میں گزارنا اس شخص کے لیے واجب ہے جو نفر دوم پر عمل کرے، ورنہ نفر اول سے استفادہ کرنے کی صورت میں صرف دو راتوں کا بڑا حصہ منی میں گزارنا واجب ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى**'' (البقرۃ:۲۰۳)

ایسے شخص سے منی میں تیسری رات گزارنا اور تیسرے دن کی رمی ساقط ہو جاتی ہے۔ یہ بھی واجب ہے، ابوشجاع نے اس کو سنن میں شمار کیا تھا، دلائل وہی ہیں جو مزدلفہ میں رات گزارنے کے سلسلہ میں بیان کئے گئے ہیں۔

محرمات سے اجتناب

احرام کی حالت میں ان امور سے باز رہنا واجب ہے جن کو احرام کی حالت میں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کی تفصیل محرمات احرام کے عنوان کے تحت بیان کی جائے گی۔

عمرہ کے واجبات

عمرہ کے واجبات دو ہیں:

۱۔ میقات سے احرام کی نیت کرنا

۲۔ احرام کے محرمات سے اجتناب

میقات سے احرام کی نیت کرنا عمرہ کے لئے بھی اسی طرح واجب ہے جس طرح حج کے لئے۔

میقات

میقات کی دو قسمیں ہیں: میقات زمانی اور میقات مکانی۔

عمرہ کے لئے میقات زمانی سال کے پورے دن ہیں، سوائے اس کے کہ عارضی سبب کی وجہ سے احرام کی نیت نہ کر سکے، جیسا کہ حج کے احرام کی نیت کر چکا ہو اور مناسک حج کی ادائی میں مصروف ہو اور ابھی حج سے فارغ نہ ہوا ہو۔

میقات مکانی وہ مقام ہے جہاں سے عمرہ کے لئے احرام کی نیت کرنا اس شخص کے لئے واجب ہے جو حرم کے باہر سے آئے، میقات مکانی وہی مقام ہے جو حج کے لئے مقرر ہے اور جس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

اس شخص کے لئے جو حرم ہی میں ہو میقات مکانی وہ مقام ہے جو حرم سے خارج اور ''حِل'' کہلاتا ہے۔ احرام کے لئے حرم سے باہر ''حل'' تک جانا واجب ہے۔ ایک قدم بھی باہر جائے تو کافی ہے، اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

وہ سارے امور جو حج کے احرام کی حالت میں ممنوع ہیں عمرہ کے احرام میں بھی ممنوع ہیں۔

حج وعمرہ کی سنتیں

حج وعمرہ کی سنتیں چھ ہیں:

۱۔افراد	۲۔تلبیہ
۳۔طواف کی نماز	۴۔دخول بیت اللہ
۵۔آب زمزم	۶۔زیارت مدینہ

طواف قدوم اور طواف وداع کو ابوشجاع نے حج کی سنتوں میں شمار کیا ہے، لیکن

پہلے وضاحت کی گئی ہے کہ یہ دونوں طواف واجب ہیں۔

حج کے تین طریقے

حج اور عمرہ کی ادائی کے تین طریقے ہیں:

۱۔ اِفراد ۲۔ تمتع ۳۔ قِران

اِفراد

پہلے حج کے لئے حج کی میقات سے احرام کی نیت کرے اور مناسک حج ادا کرے اور اس سے فراغت پانے کے بعد مکہ سے باہر نکلے اور حل کے قریب تر مقام تک پہنچے اور عمرہ کے لیے احرام کی نیت کر کے مناسک عمرہ ادا کرے۔ عمرہ کی تکمیل اسی ذی الحجہ میں کرنا افضل ہے۔

افراد کے معنی علیحدہ کرنے کے ہیں اور چونکہ اس طریقے میں حج اور عمرہ دونوں کے لیے علحدہ احرام کی نیت کی جاتی ہے اور مناسک بھی علحدہ ادا کیے جاتے ہیں، اس لیے اس طریقہ کو افراد کہا گیا۔

شافعیہ میں افراد کو فضیلت ہے، عمرہ کے احرام کے لئے حل میں ایک قدم رکھنا بھی کافی ہے، حل کا افضل مقام جعرانہ ہے پھر تنعیم اور پھر حدیبیہ۔ ان کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

تمتع

پہلے عمرہ کے لیے احرام کی نیت کرے اور مناسک عمرہ ادا کرے اور عمرہ سے فراغت پانے کے بعد حج کے لیے احرام کی نیت کرے، تمتع کے معنی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں اور چونکہ ان دونوں مناسک کے درمیان محرمات احرام سے استفادہ کیا جا سکتا ہے اس لیے اس کو تمتع کہا گیا۔

قِران

حج اور عمرہ دونوں کے لئے ایک ساتھ احرام کی نیت کرے یا پہلے عمرہ کے لیے

احرام کی نیت کرے اور عمرہ کے مناسک شروع کرنے سے پہلے ہی حج کے لئے بھی احرام کی نیت کرے اور اس کے بعد مناسک ادا کرے تو حج اور عمرہ دونوں حاصل ہو جاتے ہیں۔

حج کے لئے احرام کی نیت کرنے کے بعد عمرہ کے لئے احرام نہیں ہوسکتا، قران کے معنی ملنے کے ہیں اور چونکہ دونوں مناسک کو ایک ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے اس طریقہ کو قران کہا گیا۔

سب سے افضل افراد ہے پھر تمتع اور پھر قران، حنفیہ کے نزدیک قران افضل ہے اور مالکیہ کے نزدیک تمتع کو ترجیح ہے، تمتع اور قران دونوں میں باہر سے آنے والوں کے لئے دم ہے۔ ان لوگوں کے لئے جو حرم کے باشندے ہیں کوئی دم نہیں ہے۔ مسجد حرام سے دو منزل (یعنی حدود قصر جو ۸۴ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے) کے اندر رہنے والے حرم کے باشندوں کی تعریف میں داخل ہیں۔

تلبیہ

لبیک کے کلمات کہنے کو تلبیہ کہتے ہیں، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ احرام کی حالت میں تلبیہ کا کثرت سے کہنا مسنون ہے۔ تبدیل حالات کے وقت تلبیہ میں تاکید بھی ہے یعنی اونچے چڑھتے، نیچے اترتے، رات ہوتے اور دن نکلتے اور ایک دوسرے کی ملاقات کے وقت تلبیہ کہنا مسنون ہے اور احرام کے وقت تلبیہ کہنا سب سے اولی ہے۔

نجس موقعوں پر تلبیہ کہنے میں کراہت ہے، جس طرح ذکر کرنے میں، طواف اور سعی کے لئے خاص اذکار اور رمی کے لئے تکبیر کے کلمات مقرر ہیں، اس لیے طواف، سعی اور رمی میں تلبیہ کہنا مسنون نہیں ہے۔

مرد تلبیہ بلند آواز میں کہے، نہ اتنا کہ دوسروں کو تکلیف پہنچے، عورت اجنبی مرد کی موجودگی میں اتنی آواز میں کہے کہ خود سن سکے اور اجنبی نہ ہو تو عورت بھی آواز بلند کرے۔

تلبیہ کے کلمات

لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ ، إِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْكَ لَا

شَرِيْكَ لَكَ ۔میں حاضر ہوں، یااللہ! میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، بیشک تمام تعریف اور تمام نعمت تیرے لئے ہے، اور حکومت تیری ہے، تیرے ساتھ کوئی شریک نہیں ہے۔

جو شخص عربی میں نہیں بول سکتا اس کا ترجمہ اپنی زبان میں کہہ سکتا ہے۔ مسنون ہے کہ تلبیہ کے الفاظ میں نہ کمی کرے اور نہ اضافہ۔

درود: تلبیہ سے فارغ ہونے کے بعد نبی ﷺ پر درود بھیجے اور درود ابراہیمی بہتر ہے جو تشہد کے بعد پڑھا جاتا ہے، درود کی آواز تلبیہ کی آواز سے کسی قدر پست رہے۔ تین مرتبہ مسلسل تلبیہ کہے اور اس کے بعد تین مرتبہ مسلسل درود پڑھے۔

دعا: درود کے بعد دعا مانگے۔ **اَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْ سَخَطِكَ وَالنَّارِ** ۔یااللہ میں تجھ سے تیری رضا اور جنت مانگتا ہوں اور تیرے قہر اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لَكَ وَلِلرَّسُوْلِ وَ آمَنُوْا بِكَ وَوَثِقُوْا بِوَعْدِكَ وَ وَثِقُوْا بِعَهْدِكَ وَاتَّبَعُوْا أَمْرَكَ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ وَفَدُوْكَ وَالَّذِیْنَ ارْتَضَیْتَ بِهِمْ ۔یااللہ! مجھے ان لوگوں میں رکھ جنھوں نے تیری اور تیرے پیغمبر کی دعوت پر جواب دیا اور تجھ پر ایمان لائے اور تیرے وعدہ پر بھروسہ کیا اور تیرے عہد کو پورا کیا اور تیرے حکم کی تعمیل کی ۔یا اللہ! مجھ کو تیرے پاس آنے والوں کے ساتھ کر جن سے تو راضی ہوا اور جن کو تو نے پسند کیا۔

''**اَللّٰهُمَّ یَسِّرْ لِیْ مَا نَوَیْتُ وَ تَقَبَّلْ مِنِّیْ یَا کَرِیْمُ** '' یااللہ! میرے ارادہ کو آسان کر اور مجھ سے قبول کرا ے کریم۔

محرم کو کوئی اچھی یا بری چیز نظر آئے تو کہے: ''**لَبَّیْكَ إِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْآخِرَةِ**'' غیر محرم لبیک کا لفظ اس میں سے حذف کرے۔

طواف کی نماز

طواف سے فارغ ہونے کے بعد دو رکعت نماز دن میں سراً اور رات میں جہر سے

پڑھے، فجر سے سورج نکلنے تک کا وقت رات میں داخل ہے۔ اس نماز کے لئے سنت طواف کی نیت کرے اور سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھے۔ یہ نماز موت تک بھی ساقط نہیں ہوتی، اس کے عوض کوئی فرض نماز یا نفل نماز پڑھے تو بھی طواف کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

نماز پڑھنے کی افضل جگہ

افضل یہ ہے کہ مقام ابراہیم کے پیچھے نماز پڑھے، پھر کعبہ میں، پھر میزاب کے نیچے، پھر حطیم میں، پھر یمانی ستونوں کے درمیان، پھر بقیہ مسجد میں، پھر داف خدیجہ میں، پھر منزل نبی ﷺ میں، پھر دار خیزران میں، پھر بقیہ مکہ میں، پھر بقیہ حرم میں، پھر حل میں جہاں کہیں اور جس وقت چاہے۔

دعا: نماز کے بعد اس دعا کا مانگنا مسنون ہے جو آدم علیہ السلام نے مانگی تھی:

اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ تَعْلَمُ سِرِّيْ وَ عَلَانِيَّتِيْ فَاقْبَلْ مَعْذِرَتِيْ وَتَعْلَمُ حَاجَتِيْ فَأَعْطِنِيْ سُؤْلِيْ،وَتَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرِ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ، اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ إِيْمَانًا يُبَاشِرُ قَلْبِيْ وَ يَقِيْنًا صَادِقًا حَتّٰى أَعْلَمَ أَنَّهُ لَا يُصِيْبُنِيْ إِلَّا مَا قَدَّرْتَهُ لِيْ وَ رَضِّنِيْ بِقَضَائِكَ وَقَدَرِكَ۔ (الدعوات الکبری للبیہقی: ۲۱۷، أخبار مکۃ للأزرقی: ۲/۳۷۰۔ إتحاف المهرۃ لابن حجر: ۲۱۸۹۔ یہ روایت عامر بن الحصیب سے ہے)

اے اللہ! تو بیشک میرا باطن جانتا ہے، پس میری عذر خواہی کو قبول کر، تو میری حاجت جانتا ہے، میرا مقصد عطا کر۔ جو میرے دل میں ہے اس کو تو جانتا ہے، پس مجھ کو بخش دے، تیرے سوا کوئی گناہوں کو نہیں بخشتا۔ اے اللہ! میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جو میرے دل کے ساتھ ہو اور ایسا یقین جو سچا ہو جس کے ذریعہ میں جانوں کہ تیری طرف سے مقرر کردہ کے علاوہ کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور مجھ کو تیری قضا و قدر پر راضی کر۔

دخول کعبہ

کعبہ میں داخل ہونا اور کعبہ میں نماز پڑھنا مسنون ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ ہجوم

اتنا نہ ہو کہ دوسروں کو اذیت پہنچے۔اذیت کی صورت میں کعبہ میں داخل ہونا ہی حرام ہے۔

آب زمزم

زمزم کا پانی پینا مسنون ہے۔کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''خَيْرُ مَاءٍ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ مَاءُ زَمْزَمَ '' (المعجم الکبیر للطبرانی ۱۱۰۰۴۔ص ۹/ ۲۰۸) زمزم کا پانی روئے زمین کا بہترین پانی ہے۔

یہ بھی روایت ہے: '' فِيْهِ طَعَامٌ مِّنَ الطُّعْمِ وَشِفَاءٌ مِّنَ السُّقْمِ '' (ابن ماجہ: کتاب المناسک، باب الشرب من زمزم ۳۰۶۲۔مسند احمد: ۱۴۸۹۲۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)۔یہ کھانے کے لئے غذا اور مرض کے لئے شفاء ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ '' (ابن ماجہ: ۳۰۶۱، ۳۰۶۲، مسند احمد: ۱۴۵۵۴، ۱۴۴۳۵۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے ہے) زمزم کا پانی اس مقصد کے لئے ہے جس کے لئے پیا جائے۔

قبلہ کی طرف رخ کر کے پیئے اور یہ دعا پڑھے:

''اَللّٰهُمَّ إِنَّهُ بَلَغَنِيْ عَنْ نَبِيِّكَ ﷺ أَنَّ مَاءَ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ وَأَنَا أَشْرَبُهُ بِكَذَا وَكَذَا '' اے اللہ! یہ بات تیرے نبی ﷺ سے مجھ تک پہنچی ہے کہ زمزم کا پانی اس مقصد کے لئے ہے جس کے لئے پیا جائے۔اور میں فلاں فلاں مقصد کے لیے پیتا ہوں۔

ابن عباس نے یہ دعا پڑھی تھی: ''اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا وَرِزْقًا وَاسِعًا وَشِفَاءً مِنْ كُلِّ دَاءٍ '' (مستدرک حاکم نے مجاہد سے یہ روایت کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے: أول کتاب المناسک ۱۷۳۹) اے اللہ! میں تجھ سے سود مند علم مانگتا ہوں اور کشادہ رزق اور ہر مرض سے شفا۔

سر، چہرے اور سینہ پر زمزم کا پانی پھیرے، زمزم تک پہنچنا اور اس کے اندر جھانکنا بھی مسنون ہے، حاجی یا معتمر کی قید نہیں ہے، بلکہ ہر شخص کے لئے مسنون ہے، زمزم کے کنویں کی تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔

مدینہ طیبہ

مدینہ طیبہ کے بھی بہت سے نام ہیں، ان میں سے چند ناموں کا ذکر کیا جاتا ہے:

المدینة۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''یَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَی الۡمَدِیۡنَۃِ لَیُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡہَا الۡاَذَلَّ'' (المنافقون: ۸)

یثرب: ''اِذۡ قَالَتۡ طَّآئِفَۃٌ مِّنۡہُمۡ یٰۤاَہۡلَ یَثۡرِبَ لَا مُقَامَ لَکُمۡ فَارۡجِعُوۡا'' (الأحزاب: ۱۱۳)

الدار: اللہ فرماتا ہے: ''وَالَّذِیۡنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ یُحِبُّوۡنَ مَنۡ ہَاجَرَ اِلَیۡہِمۡ'' (الحشر: ۹)

نبی ﷺ نے طیبہ اور طابہ کہہ کر بھی پکارا ہے۔ (طابہ کی روایت مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے ہے: ۳۳۶۳، ۲۴۶۳، ۱۳۸۷، مسند احمد میں براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہے: ۱۸۱۵۲، اور السنن الکبری للبیہقی میں منذر بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہے: ۱۲۱۳۱اص ۶/ ۳۷۱۔ طیبہ کی روایت تاریخ المدینة لابن شبیة میں زید بن اسلم سے مرسلاً ہے: باب ماجاء فی أسماء المدینة ۴۴۵)

مدینہ کا محل وقوع

مدینہ طیبہ کا محل وقوع طول البلد ۶ ۳۹ء، اور عرض البلد ۲ ۲۵ء درجہ ہے۔ بحر احمر کے ساحل ینبوع سے اس کا فاصلہ تقریباً سوا سو میل اور جدہ سے تقریباً ڈھائی سو میل ہے، سطح سمندر سے بلندی تین ہزار فٹ کے قریب ہے۔ اس ارتفاع کا نتیجہ یہ ہے کہ مکہ معظّمہ کے مقابلہ میں مدینہ طیبہ کی آب وہوا کسی قدر معتدل ہے۔ یہاں گرمی نسبتاً کم ہوتی ہے۔

سرزمین سیاہی مائل ہے، اس میں آتش فشانی لاوے کی آمیزش ہے اور پانی آسانی سے دستیاب ہوتا ہے، شہر کے اطراف فصیل کے طور پر ایک دیوار شمال میں اور دو دیواریں جنوب میں ہیں۔ جنوب کی پہلی دیوار کے باہر مدینہ کی آبادی پھیلی تو دوسری دیوار اس جانب تعمیر کی گئی، یہ دیواریں بعض مقامات پر گرگئی ہیں۔

شمالی دیوار میں شمالی مغربی گوشہ میں باب شامی اور عین شمال میں باب الضیافہ اور مشرق میں باب الجمعہ اور جنوب میں باب مصری ہے۔جنوب کی بیرونی دیوار میں بقیع کے جنوب میں باب العوالی اور اس کے بعد باب القبا اور باب مصری کے مقابلہ میں باب العنبر یہ اور شمال مغرب میں باب الصغیر ہے۔

مسجد نبوی کے باب السلام سے باب مصری کو ایک کشادہ سڑک جاتی ہے، اسی سڑک پر ''السوق الکبیر'' بڑا بازار ہے۔دوسری سڑک ''البلاط'' مسجد نبوی سے باب شامی کو جاتی ہے، اس پر بھی دوکانیں اور مکانات ہیں۔

شہر کے جنوب مغرب میں مناخہ میدان ہے۔یہاں اجناس، غلہ، گوشت، ترکاری اور میوہ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں۔اسی نواح میں سوق الحراج ہے جس میں پرانا سامان بکتا ہے۔

زقاق تنگ اور گلی کے راستہ کو کہتے ہیں، شمال میں زقاق البقر، زقاق الخیاطین، زقاق الجس، زقاق عنقینی، زقاق سمہیدی، زقاق البذور، زقاق الاغوات اور حارۃ البقیع اور جنوب میں زقاق باہو، زقاق الکبریت، زقاق القماشین، زقاق حیدر، زقاق الحجابین اور زقاق مالک بن انس ہے۔

شہر کی پانی کی ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک نہر زرقاء کے نام سے جنوب میں دو تین میل کے فاصلہ سے قبا سے آتی ہے۔یہ نہر حضرت معاویہ کے حکم پر مروان نے جاری کی تھی، مروان کی آنکھوں کے رنگ کی مناسبت سے ازرق پکارتے تھے اور اسی بناء پر ان کی جاری کردہ نہر کا نام ''عین الزرقاء'' یا ''عین الازرق'' ہوگیا۔مختلف مقامات پر اس نہر پر کنویں تعمیر کئے گئے اور پانی کا ذخیرہ کر کے بعض مقامات پر نل کے ذریعہ بھی پانی پہنچایا گیا ہے۔

شہر پناہ کے شمال اور جنوب میں شہر کے باہر وسیع باغات ہیں اور ان میں مکانات ہیں، جو موسم گرما میں استعمال کئے جاتے ہیں۔جنوب میں اس بیرونی آبادی کے درمیان سے وادی بطحان گزرتی ہے۔اس پر ایک وسیع پل ہے اور باب مصری کے جنوب میں اس پل کے

بعد باب عنبریہ ہے، اس پل کے مشرق میں باب قبا ہے جہاں سے قبا کو راستہ جاتا ہے۔

مدینہ کے شمال میں جبل احد اور شمال مغرب میں جبل سلع ہے۔ مدینہ طیبہ کی معمولی آبادی تیس ہزار ہے۔ (اب اس میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے) جس میں حج کے زمانہ میں کثرت سے اضافہ ہوجاتا ہے۔

موسم حج کے لحاظ سے مکہ اور مدینہ میں بہت بڑا فرق ہے۔ مکہ میں ایک محدود وقت میں ہر ایک حاجی موجود رہتا ہے جس کی وجہ مکہ کی آبادی اپنی انتہائی مقدار پانچ چھ لاکھ تعداد کو پہنچ جاتی ہے۔ (اب صرف حاجیوں کی تعداد چالیس لاکھ کے قریب پہنچتی ہے) بخلاف اس کے مدینہ کی یہ شکل نہیں ہے۔ حج کے پہلے اور حج کے بعد حاجی کثیر تعداد میں یکے بعد دیگرے آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ حاجیوں کے قیام کے لئے دو منزلہ اور سہ منزلہ مکانات ہیں، جو حج کے زمانے میں معمور ہوجاتے ہیں۔

مسجد نبوی شہر مدینہ کے مشرق میں ہے اور یہاں قبلہ ٹھیک جنوب کے رخ میں ہے۔ شمالاً اور جنوباً مسجد نبوی کا طول تین سو ستر فٹ اور جنوبی جانب عرض دو سو تراسی فٹ ہے۔ لیکن جنوب میں یہ عرض دو سو سولہ فٹ ہوگیا ہے۔ (اب مسجد نبوی کو بہت ہی وسیع بنایا گیا ہے)

مسجد کے جنوب مغربی گوشہ میں اور مغربی دیوار میں باب السلام اور اس کے شمال میں باب الرحمہ ہے۔ شمال میں باب المخز ن اور باب المجید دو دروازے ہیں مگر ان میں سے باب المجید استعمال میں ہے۔ مشرق میں اوپر باب جبرئیل اور اس کے قریب نیچے باب النساء ہے۔

مسجد حرام کی طرح مسجد نبوی چاروں سمتوں میں مسقّف اور اس کے وسط میں کھلا صحن ہے، مسقّف کا وسیع حصہ جنوب یعنی قبلہ کی جانب ہے۔ اس جانب بارہ درجہ کا مسقّف دالان ہے، مغرب کی سمت میں تین درجہ اور شمال و مشرق میں دو دو درجہ کے دالان مسقّف ہیں، ان سب دالانوں میں سنگ مرمر کا فرش بچھا ہوا ہے اور دالانوں کے درمیان کھلے ہوئے صحن کا طول ایک سو اسی فٹ شمالاً جنوباً اور عرض ایک سو سولہ فٹ شرقاً اور غرباً ہے۔

مسجد نبوی کی تعمیر

نبی ﷺ نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی اور پھر غزوۂ خیبر کے بعد ۷ ہجری میں اس کی توسیع کی۔ آپ کے زمانے میں اس مسجد کا طول ایک سو پچاس فٹ اور عرض بھی اسی قدر ہوگیا تھا، محراب النبی، منبر شریف، اسطوانہ عائشہ، اسطوانہ ابولبانہ، اسطوانہ سریر، اسطوانہ حرس، اسطوانہ وفود، باب الرحمہ، باب جبرئیل، روضہ کے مقامات اب بھی قائم ہیں، البتہ تعمیر وہ نہیں ہے جو آپ کے زمانہ میں تھی۔

حضرت عمر فاروق نے جنوب، مغرب اور شمال کی سمتوں میں مسجد میں توسیع کی، حضرت عثمان نے انہی سمتوں میں مزید توسیع کی۔ آپ کے بعد ولید بن عبدالملک نے مشرق، مغرب اور شمال میں اضافہ کیا اور مہدی بن منصور نے شمال کی جانب وسیع رقبہ کا اضافہ کیا اور پھر سلطان عبدالمجید خان نے ۱۲۷۰ ہجری میں پوری مسجد کی تعمیر کی اور شمال کی جانب گھروں کا اضافہ کیا، یہی تعمیر اس وقت تک قائم ہے، علاوہ اس کے کہ بعد کے ترک کے بادشاہ اس مسجد کی ترمیم وتزئین کرتے رہے۔

مزارِ نبوی

مسجد نبوی کے جنوب مشرقی حصہ میں نبی ﷺ کی استراحت گاہ ہے۔ آپ کے پہلو میں ذرا پیچھے ہٹ کر ابوبکر صدیق ہیں اور ان سے ذرا ہٹ کر عمر فاروق ہیں۔ ان تینوں کی دیواروں کے اطراف اس وقت جالی ہے، جالی کا جنوبی ضلع پینتالیس فٹ اور مغربی ضلع تیس فٹ ہے۔ جالی کے جنوب میں پچیس فٹ مسجد کا حصہ اور مشرق میں پندرہ فٹ مسجد کا حصہ باقی رہتا ہے۔ جالی کے اند ذرا ہٹ کر چاروں جانب سبز رنگ کے ریشمی پردے پڑے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ان پردوں کے اوپر ریشمی چھت بھی ہے، جالی اور ستونوں کی پیشانی پر یہ مشہور عربی اشعار مرقوم ہیں:

يَا خَيْرَ مَنْ دُفِنَتَ فِي الْقَاعِ أَعْظَمِهِ

فَطَابَ مِنْ طِيبِهِنَّ الْقَاعُ الْأَكَمُ

اس سرزمین کی خوبی کیا کہنا جس میں آپ کا جسد مبارک پوشیدہ ہے، جس کی خوشبو سے میدان اور پہاڑوں کی چوٹیاں مہک رہی ہیں۔

نَفْسِی الْفِدَاءُ لِقَبْرٍ أَنْتَ سَاكِنُهُ

فِيهِ الْعَفَافُ، فِيهِ الْجُودُ وَالْكَرَمُ

اس تربت پر میری جان قربان جس میں آپ تشریف فرما ہیں، جس میں عفت، جود و کرم پوشیدہ ہے۔

مسجد نبوی کی چھت ڈاٹ کی ہے اور اس کے پہلو میں بلند سبز رنگ کی گنبد نمایاں ہے، جو مدینہ طیبہ کو آتے ہوئے دور سے دکھائی دیتی ہے، خصوصا طیارہ کے سفر میں بلندی سے کافی مسافت سے اس کا منظر زائرین میں ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے۔

جالی کے شمال میں فاطمۃ الزہرا کی مزار بتائی جاتی ہے، مگر دراصل آپ جنت البقیع میں ہیں، اس کے آگے شمال میں محرابِ تہجد اور اس سے ذرا آگے راستہ چھوڑ کر اصحابِ صفہ کا چبوترہ ہے۔

روضہ

روضہ اس مقام کو کہتے ہیں جو جالی اور منبر شریف کے درمیان ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ''مَابَيْنَ بَيْتِي وَ مِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ '' (بخاری: باب فضل بین القبر والمنبر ۱۱۹۵۔ مسلم: باب مابین القبر والمنبر روضۃ من ریاض الجنۃ ۳۴۳۴۔ یہ روایت عبداللہ بن زید مازنی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ بخاری میں یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے ۱۱۹۶) میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

گھر سے مراد یہاں مزار شریف ہے، اس لیے کہ یہ قدیم دستور ہے کہ انبیاء علیہم السلام جس مقام پر رحلت فرماتے ہیں وہیں سپرد خاک کئے جاتے ہیں، چنانچہ اسی مقام پر حجرۂ نبوی تھا جس میں آپ رونق افروز تھے۔

مسجد نبوی میں نماز کی ادائی کی نسبت آپ نے فرمایا: ''صَلَاةٌ فِیْ مَسْجِدِیْ هٰذَا خَیْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِیْمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ'' (بخاری: باب فضل الصلاۃ فی مکۃ والمدینۃ ۱۱۹۰۔ مسلم: باب فضل الصلاۃ بمسجدی مکۃ والمدینۃ ۳۴۴۰۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) اس میری مسجد میں پڑھی ہوئی نماز دوسری مسجدوں کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، سوائے مسجد حرام کی نماز کے۔

نقشہ میں مسجد نبوی کا وہ حصہ بھی ظاہر کیا گیا ہے جس کی تعمیر نبی ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی اور اس کے بعد جو اضافے ہوتے رہے ہیں ان کی بھی صراحت کی گئی ہے۔

ابوبکر موصلی سے مروی ہے: ''هٰذَا مَسْجِدِیْ وَمَا زِیْدَ فِیْهِ فَهُوَ مِنْهُ'' (رواہ ابن شیبۃ والدیلمی فی مسند الفردوس من حدیث أبی هریرۃ مرفوعا۔ سبل السلام ۲/۲۱۶) یہ میری مسجد ہے اور اس میں جو کچھ اضافہ کیا جائے گا اسی میں داخل ہے۔

حضرت ابو ہریرہ نے روایت کی ہے: ''لَوْ مُدَّ هٰذَا الْمَسْجِدُ إِلٰی صَنْعَاءَ کَانَ مَسْجِدِیْ'' اگر یہ مسجد صنعاء تک بڑھائی جائے تو بھی میری ہی مسجد ہوگی۔

حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: ''لَوْ مُدَّ مَسْجِدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ إِلٰی ذِی الْحُلَیْفَةِ لَکَانَ مِنْهُ'' رسول اللہ ﷺ کی مسجد ذی الحلیفہ تک بڑھائی جائے تو بھی آپ ہی کی مسجد ہوگی۔

جنت البقیع

مسجد نبوی کے مشرق میں باب جمعہ کے باہر جنت البقیع کا احاطہ ہے، اس کے جنوب میں قبۃ اہلِ بیت ہے۔ اس میں فاطمۃ الزہرا، عباس، امام حسن، امام جعفر صادق، امام زین العابدین، امام محمد باقر کی قبریں ہیں۔ اس کے شمال میں صاحبزادہ نبی ﷺ ابراہیم اور ان کے بعد امہات المومنین ازواج مطہرات؛ سودہ، حفصہ، صفیہ، میمونہ، عائشہ صدیقہ، جویریہ، زینب بنت جحش اور زینت بنت خزیمہ رضوان اللہ علیہن ہیں۔

خدیجہ الکبری مکہ میں قبرستان المعلی میں ہیں۔ صاحبزادیاں نبی ﷺ ام کلثوم،

رقیہ اور زینب رضی اللہ علیہن بھی یہیں ہیں، اور بہت سے شہداء رضوان اللہ علیہم ہیں، شمال مشرقی گوشہ میں حلیمہ اور مشرق کے کنارے وسط میں عثمان کی قبریں ہیں، نافع شیخ القراء، فاطمہ ام علی رضی اللہ عنہا، مصعب بن عمیر، عبداللہ بن جحش، شماس بن عثمان، جعفر بن شماس، امام مالک بن انس رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی جنت البقیع میں دفن ہیں۔

بقیع کے علاوہ مدینہ میں دوسرے مقامات پر یہ قبریں ہیں: رسول اللہ ﷺ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب، شہر مدینہ میں شیخ ابوشجاع فقیہ شافعی مسجد نبوی کے مشرق میں مرمر کے فرش کی گلیاری سے متصل مدفون ہیں۔

احد

مدینہ کے شمال میں جبل احد چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس کے دامن میں بڑا میدان اور دوسری سمت میں باغات ہیں، یہاں شہدائے جنگ احد اور حمزہ رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں اور وہ مقامات بھی بتائے جاتے ہیں جہاں نبی ﷺ کا دندان مبارک شہید ہوا اور جس مقام پر آپ نے آرام کیا تھا۔

مسجد قبا

مدینہ کے جنوب میں دو میل کے فاصلہ پر مسجد قبا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں ہجرت کے بعد مدینہ پہنچنے سے پہلے نبی ﷺ نے چند دنوں قیام کیا تھا۔ نبی ﷺ نے اس مسجد کی بنیاد رکھی اور صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس کی تعمیر کی، اسلام کی یہ پہلی مسجد ہے، اس مسجد کے سمتِ قبلہ کے تعین کے لئے نبی ﷺ پر کشف ہوا اور خانۂ کعبہ دکھائی دیا جس کے توسط سے آپ نے اس مسجد کے قبلہ کی سمت کا تعین کیا تھا۔

اس مسجد کے صحن کے وسط میں ایک مقام مبرک الناقۃ ہے جہاں آپ کی اونٹنی رکی تھی، اسی مسجد کی ضد میں منافقین نے مسجد ضرار بنائی اور نبی ﷺ سے افتتاح کی درخواست کی تھی، مگر اس کے خلاف حکم باری تعالیٰ نازل ہوا اور یہ مسجد منہدم کروادی گئی۔

مسجدِ جمعہ

قبا سے ذرا آگے مدینہ طیبہ کی جانب مسجد جمعہ ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں مدینہ والوں نے نبی ﷺ کا استقبال کیا تھا۔ مدینہ کی لڑکیوں نے دف کے ساتھ ان اشعار کو گایا اور آپ کو خوش آمدید کیا تھا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ

چودہویں کا چاند ہم پر نمودار ہوا، وداع کی گھاٹیوں پر سے۔
قبا کی جنوب میں ایک پہاڑی ثنیۃ الوداع کی طرف اشارہ کیا۔

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

ہم پر شکر واجب ہوگیا، اس (دین) کے لئے جس کی طرف داعی یعنی نبی ﷺ نے دعوت دی۔

أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

اے وہ جس کو ہمارے پاس بھیجا گیا ہے، تو ایسی چیز لایا ہے جس کی اطاعت کی جائے گی۔

أَشْرَقَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا وَاخْتَفَتْ مِنْهُ الْبُدُوْرُ

چودھواں چاند ہم پر نمودار ہوا، دوسرے سب چاند ماند ہو گئے

مِثْلَ حُسْنِکَ مَا رَأَيْنَا قَطُّ يَا وَجْهَ السُّرُوْرِ

تیرے حسن کے مانند ہم نے نہیں دیکھا، کبھی بھی اے ہنس مکھ چہرے۔

مسجد قبلتین

یعنی دو قبلوں والی مسجد؛ یہ مسجد مدینہ کے شمال مغرب میں تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس مسجد میں بیت المقدس کا رخ کر کے نبی ﷺ ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے اور دو رکعت ہو چکی تھیں کہ وحی نازل ہوئی اور تبدیل قبلہ کا حکم ملا اور آپ نے فوراً کعبہ کی طرف پلٹ کر بقیہ دو

رکعت نماز کی تکمیل کی، استقبال قبلہ کے بیان میں اس کی تفصیل درج ہے، یہ واقعہ ہجرت کے سترہ مہینوں بعد کا ہے، اس مسجد میں فی الوقت کعبہ کے رخ میں عمارت اور اصل محراب ہے۔

دیگر مسجدیں

دیگر مساجد یہ ہیں:

مسجد الفتح، شمال وغرب میں جبل سلع کے دامن میں۔

مسجد اجابہ، بقیع کے شمال میں۔

مسجد ذباب یا رایہ شمال میں ذباب کی پہاڑی پر۔

مسجد سقیا مغرب میں۔

مسجد غمامہ مغرب میں۔ یہ دراصل کھلی جگہ تھی جہاں نبی ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، اس کو پہلے ''مصلی'' کہتے تھے۔

مدینہ کے کنویں

بئر کی جمع آبار ہے اور بئر کنویں کو کہتے ہیں، مدینہ میں مشہور اور تاریخی کنویں یہ ہیں:

بئر اریس، مسجد کے قریب ہے۔ عثمان بن عفان کے ہاتھ سے نبی ﷺ کی انگوٹھی اس کنویں میں گری تھی۔

بئر اعواف جس کو نبی ﷺ نے صدقہ کیا تھا۔

بئر انس بن مالک، اس کے قریب نبی ﷺ کے والد عبداللہ مدفون ہیں۔

بئر بضاعۃ ۔ بئر برجاء اور بئر غرس۔

سلام کی پیشی

مزار شریف کی زیارت مسنون ہے۔ یہ حکم ہر شخص کے لئے عام ہے، حاجی یا معتمر کی قید نہیں ہے۔ مدینہ طیبہ کا راستہ طے کرتے ہوئے کثرت سے درود وسلام بھیجتے رہنا مسنون ہے اور جب مدینہ کی بستی دکھائی دے تو درود وسلام کی اور زیادتی کی جائے اور دعا

کی جائے کہ اللہ تعالی زیارت مدینہ کو قبول اور سود مند کرے۔

مدینہ میں داخل ہونے سے قبل غسل کرے اور صاف ستھرا لباس پہنے۔ مسجد میں داخل ہوتو روضۂ شریف کی طرف جائے۔ روضۂ شریف اس مقام کو کہتے ہیں جو مزار شریف اور منبر نبوی کے درمیان ہے۔ یہاں تحیۃ المسجد پڑھے، اولی یہ ہے کہ اس جگہ پڑھے جہاں نبی ﷺ نے نماز پڑھی تھی۔ نماز کے بعد اس نعمت کے عطاء کرنے پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرے، پھر قبلہ کی طرف پشت کر کے مزار شریف کے سرھانے رخ کر کے چار ہاتھ کے فاصلہ پر ادب کے ساتھ انکساری کی حالت میں کھڑا ہو۔

فاصلہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، مگر فی الوقت اس بارے میں کسی غور کی ضروت اس لیے نہیں ہے کہ مزار شریف کے اطراف جالی بنی ہوئی ہے۔ اور یہ جالی خود حد فاصل ہے۔ دنیا کے علائق سے اپنے قلب کو پاک کر کے آواز بلند کئے بغیر نبی ﷺ کی خدمت میں اس طرح سلام بھیجے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ـ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ حَقًّا، بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَأَدَّيْتَ الْأَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْأُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ وَجَلَوْتَ الظُّلْمَةَ وَنَطَقْتَ بِالْحِكْمَةِ وَجَاهَدتَّ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ، جَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا أَفْضَلَ الْجَزَاءِ۔

اے اللہ کے رسول! آپ پر سلام، اے اللہ کے نبی! آپ پر سلام، اے اللہ کے محبوب! آپ پر سلام، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بیشک اللہ کے سچے رسول ہیں، آپ نے خدا کے پیام کو پوری طرح پہنچایا اور اس کی امانت کو ادا کیا۔ امت کو نصیحت کی۔ تکلیف دور کی، تاریکی کو روشن کیا اور جو کہا حکمت کے ساتھ کہا اور اللہ کے راستے میں پورا پورا جہاد کیا۔ اللہ تعالی آپ کو ہماری طرف سے بہترین جزا دے۔

اگر کسی نے حاجی سے درخواست کی ہو کہ نبی ﷺ کی خدمت میں اس کا سلام پہنچا دے تو سلام پہنچانا بھی مسنون ہے۔

نبی ﷺ کی خدمت میں سلام بجالانے کے بعد داہنی جانب چند قدم پیچھے ہٹے اور ابوبکر صدیق کی خدمت میں اسی طرح سلام بھیجے۔ ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ يَا خَلِيْفَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ جَزَاكَ اللّٰهُ عَنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ ﷺ خَيْرًا''۔ پھر چند قدم اور پیچھے ہٹے اور عمر کی خدمت میں اسی طرح سلام بھیجے اور نبی ﷺ کی مزار مبارک کی طرف لوٹ آئے اور آپ کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالی کی بارگاہ میں اپنی بخشش اور مقصد براری کے لئے دعا کرے، جب کوچ کا ارادہ کرے تو مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز پڑھے اور مزار شریف پر آئے اور اسی طرح سلام بجالائے جس طرح اوپر بیان کیا گیا۔

محرمات احرام

محرمات احرام بارہ ہیں:

۱۔سیا ہوا یا بنا ہوا لباس پہننا	۲۔مرد کے لیے سر ڈھانپنا
۳۔عورت کے لئے چہرہ ڈھانپنا	۴۔بالوں میں تیل لگانا
۵۔حلق یا تقصیر یعنی بال نکالنا	۶۔ناخن تراشنا
۷۔عطر لگانا	۸۔شکار کرنا
۹۔درخت کاٹنا	۱۰۔عقد نکاح
۱۱۔جماع	۱۲۔شہوت کے ساتھ مباشرت

بعض امور جو معمولی حالت میں حلال اور جائز ہیں، البتہ احرام کی حالت میں حرام ہیں۔ حج کے لئے احرام ہو یا عمرہ کے لئے یا دونوں کے لئے یا مطلق طور پر اور پھر احرام صحیح ہو یا فاسد۔

محرمات تین قسم کی ہیں؛ بعض مرد کے لئے مخصوص ہیں جیسا کہ سیا ہوا لباس اور سر چھپانا۔ بعض عورت کے لئے مخصوص ہیں جیسا کہ چہرہ ڈھانپنا، اور بعض مرد اور عورت دونوں کے لئے عام ہیں جیسا کہ بال نکالنا اور ناخن تراشنا وغیرہ، مُحرم کے لئے ان محرمات سے پرہیز کرنا واجب ہے۔

حرام ہونے کی شرطیں یہ ہیں کہ حرمت کا علم ہو اور قصداً عمل کرے اور مختار اور مکلّف ہو۔ اگر کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو حرمت کا حکم عائد نہ ہوگا۔

فدیہ کے حکم کے لحاظ سے محرمات کی پھر دوسری تقسیم بھی ہے۔ اگر ضائع کرنے کی نوعیت کے محرمات ہوں جیسا کہ شکار اور درخت کاٹنا، فدیہ واجب ہونے کے لیے قصد اور علم کی ضرورت نہیں۔

محرمات تفریحی ہوں جیسا کہ خوشبو کا استعمال، لباس اور بالوں میں تیل لگانا تو فدیہ واجب ہونے کے لئے قصد اور علم کی ضرورت ہے۔

غیر مکلّف کے لئے کوئی فدیہ ہی نہیں ہے۔ احرام کی حالت میں شکار، جماع اور عقد نکاح کرنا گناہِ کبیرہ ہیں اور بقیہ سب گناہ صغیرہ۔

احرام کی حالت میں لباس

لباس سیا ہوا یا بنا ہوا ہو جیسے قمیص، پاجامہ، شیروانی، قبا، موزہ، بنیان، زرہ بکتر یا نمدہ کی طرح جمائی ہوئی چیز کا بدن کے کسی حصہ پر عادت کے طور پر پہننا مرد کے لئے حرام ہے۔ عادت کے خلاف اگر کوئی شخص قمیص کو پہننے کے عوض مونڈھوں پر سے ڈال دے یا قمیص کو ازار کے عوض کمر پر باندھ لے تو حرام نہیں ہے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت ابن عمر سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے سوال کیا: مَـايَـلْبَسُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ محرم کونسا لباس پہنے؟ آپ نے فرمایا: **لَا يَـلْبَسُ الْقَمِيْصَ وَلَا الْعَمَائِمَ وَلَا السَّرَاوِيْلَاتِ وَلَا الْبُرْنُسَ وَإِن لَّمْ يَـجِـدْ نَعْلَيْنِ ۔فَيَلْبَسْ الْخُفَّيْنَ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُوْنَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ وَلَا ثَـوْبًـا مَسَّـهُ زَعْفَرَانٌ وَلَا وَرْسٌ وَلَا تَنْتَقِبِ الْمَرْأَةُ الْمُحْرِمَةُ وَلَا تَلْبَسِ الْقُفَّازَيْنِ** ۔نہ پہنے قمیص اور نہ عمامے اور نہ پاجامے اور نہ ٹوپیاں اور نہ موزے، سوائے اس شخص کے جس کے پاس نعلین نہ ہو تو موزے پہنے اور ان کو ٹخنوں کے نیچے کاٹ دے، اور نہ وہ لباس پہنے جس کو زعفران یا ورس لگی ہو اور عورت نہ نقاب ڈالے اور نہ دستانے

پہنے۔(بخاری: باب ماینھی من الطیب للمحرم والمحرمۃ ۱۸۳۸۔ باب لبس الخفین للمحرم إذا لم یجد النعلین ۱۸۴۲، مسلم: باب مایباح للمحرم بحج أو عمرۃ ۲۸۴۹۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے۔)

سر ڈھانپنا

مرد کے لئے پورے سر یا اس کے بعض حصہ کو ستر کرنے والی چیز یعنی شملہ، ٹوپی وغیرہ سے ڈھانپنا حرام ہے۔ صحیحین میں روایت ہے کہ ایک شخص بحالت احرام اونٹ سے گرا اور فوت ہوا تو نبی ﷺ نے فرمایا: **لا تخمّروا رأسه فإنّه يُبعث يوم القيامة ملبّيا**"۔(مسلم: کتاب الحج، باب مایفعل بالمحرم إذا مات ۱۲۰۶۔ السنن الکبری: باب لایغطی المحرم رأسہ ۹۳۴۹۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) اس کے سر کو چادر سے مت ڈھانپو، اس لیے کہ وہ قیامت کے دن لبیک کہتا ہوا اٹھے گا۔

اگر گرمی یا جاڑے کے عذر کی وجہ سے سر کو ڈھانپے یا زخم کی وجہ سے پٹی باندھے تو حرام نہیں ہے، مگر فدیہ دینا لازم ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: "**وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ**"۔(الحج: ۷۸) تم پر دین کے بارے میں تنگی نہیں کی۔

مرد میں لڑکا داخل ہے اور عورت خارج ہے۔ عورت کے لئے سر ڈھانپنا حرام نہیں ہے بلکہ نماز میں سر ڈھانپنا واجب ہے۔ پاؤں میں پاتابہ اور ہاتھوں میں دستانہ پہننا بھی مرد کے لئے حرام ہے۔ اس چیز کا پہننا حرام ہے جو ساتر تصور کی جائے، سیئے ہوئے ہونے یا نہ ہونے کی قید نہیں ہے۔

شال سِیی ہوئی نہیں ہے، مگر سر اوڑھنے کی عادت ہے، اس لیے شال کا بھی سر پر رکھنا حرام ہے۔ اگر ایسی چیز سر پر رکھیں جو ساتر تصور نہ کی جائے تو حرام نہیں ہے، جیسا کہ سر پر ہاتھ رکھے یا محل کے سایہ میں رہے یا چھتری پکڑے۔

چہرہ چھپانا

عورت کے لئے چہرہ ڈھانپنا بھی حرام ہے، چاہے اجنبی لوگ موجود ہوں اور فتنہ

کا خوف ہو، مگر مردوں پر واجب ہے کہ نظر نیچی کریں۔

ہاتھوں میں دستانہ پہننا بھی حرام ہے، اگر کسی کا سر نماز میں ستر کے لائق ہے اور سر کے ستر کی تکمیل کے لئے عورت چہرے کے صرف اسی قدر حصہ کو ڈھانپ سکتی ہے، جس کے بغیر سر کا ستر نہیں ہوسکتا۔ عورت کے لئے جائز ہے کہ لکڑی یا برقعہ وغیرہ کے ذریعہ اس طرح نقاب لٹکائے کہ چہرے سے دور رہے اور چہرے کی جلد کو نہ چھوئے، ورنہ فدیہ لازم ہوگا۔

بالوں میں تیل لگانا

سر اور چہرے کے بالوں کو تیل لگانا حرام ہے، سر اور چہرہ کے علاوہ بقیہ پورے بدن کو تیل لگانا ممنوع نہیں ہے، ترجیل بالوں میں سنگھار کرنے کو کہتے ہیں۔ متن کے بعض نسخوں میں محض کنگھی کرنے کو اور بعض میں تیل لگا کر کنگھی کرنے کو حرام لکھا ہے، حالانکہ محض کنگھی کرنا مکروہ ہے اور تیل لگا کر کنگھی کرنا حرام ہے۔

حلق یا تقصیر

حلق کے لفظی معنی بالوں کو جڑ سے نکالنے کے ہیں، مگر یہاں بالوں کا ہر قسم کا ازالہ خواہ منڈھا کر، اکھیڑ کر، کاٹ کر یا جلا کر کیا جائے حرام ہے۔ سر اور چہرے کی تخصیص نہیں ہے۔ سارے بدن کے بالوں کا نکالنا حرام ہے، برخلاف تیل لگانے کے، جو صرف سر اور چہرے کی حد تک محدود ہے۔ ''وَلَا تُحَلِّقُوْا رُؤُوْسَكُمْ'' (البقرۃ:۱۹۶) مت منڈھوا اپنے سروں (کے بالوں) کو۔

ناخن تراشنا

ہاتھ پاؤں کے ناخن تراشنا یا کسی اور طرح سے نکالنا حرام ہے۔ حلق پر قیاس کرتے ہوئے یہ حکم دیا گیا ہے۔ ناخن کا کچھ حصہ ٹوٹے اور تکلیف ہو تو صرف اسی ناخن کو نکالا جا سکتا ہے، اور اس صورت میں فدیہ نہیں ہے۔

خوشبو کا استعمال

بدن یا لباس پر اس ارادے سے خوشبو کا استعمال کہ بہترین بو حاصل کرے جیسے مشک

اور کافور وغیرہ سے، حرام ہے، یہ حکم سابقہ حدیث کے اس جزء کی وجہ سے ہے: ''وَلَا يَلْبَسُ مِنَ الثِّيَابِ مَا مَسَّهُ وَرْسٌ أَوْ زَعْفَرَانٌ''۔ ورس اور زعفران دونوں خوشبو کی چیزیں ہیں۔ بغیر خوشبو کے ارادے کے غذا یا دوا وغیرہ میں مصالحے وغیرہ جیسی چیزوں کا استعمال ممنوع نہیں۔

ارادہ کی قید سے دوسری صورتیں خارج ہو جاتی ہیں۔ مثلاً ہوا خوشبو اڑا کر لائے یا احرام کی حالت یاد نہ رہے، یا حرمت کا علم نہ ہو، ان صورتوں میں فدیہ بھی نہیں ہے۔ اگر حرمت کا علم ہو تو فدیہ واجب ہوگا۔

خوشبو لگانے سے منع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ احرام کی حالت میں بارگاہ رب العزت میں بندہ کی بے بضاعتی، انکساری، حقارت اور ندامت کا اظہار مطلوب ہے، تاکہ معافی اور مغفرت کی درخواست کرے۔ حدیث میں ہے: ''اَلْحَاجُّ أَشْعَثُ وَ أَغْبَرُ'' (بیہقی نے اس عنوان سے باب قائم کیا ہے: باب الحاج أشعث وأغبر ۵/ ۵۸۔ البتہ اس باب کے تحت جو الفاظ روایت کیے ہیں وہ یہ ہیں: ''إن الله تعالى يباهي بأهل عرفات أهل السماء فيقول لهم: أنظروا إلى عبادي جاء وني شعثا غبرا''۔ ۹۳۷۶۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) حاجی گرد و غبار آلود ہوتا ہے۔

صید یعنی شکار کرنا

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا'' (المائدۃ: ۹۶) تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا جب تک کہ تم احرام کی حالت میں ہو۔

فتح مکہ کے روز نبی ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهَا وَلَا يُنَفَّرُ صَيْدُهَا'' (بخاری: باب لا ینفر صید الحرم ۱۸۳۳۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) اللہ کے حکم سے اس شہر کو عظمت دی گئی ہے، نہ اس کا درخت کاٹا جائے اور نہ اس کا شکار بھگایا جائے۔

خشکی کے ماکول وحشی جانور کا شکار حرام ہے۔ تری کے جانور کا شکار حرام نہیں ہے۔ ہر ایک جانور جو خشکی میں زندہ رہتا ہے، اگرچہ کہ تری میں بھی زندہ رہ سکے خشکی کا جانور کہلاتا ہے اور جو جانور سوائے تری کے زندہ ہی نہیں رہتا وہ تری کا جانور کہلاتا ہے۔

شکار حرام ہونے کی شرطیں

شکار حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں:

جانور خشکی میں رہنے والا ماکول اور اصل میں وحشی ہو۔

وحشی جانور مانوس ہو جائے تو بھی اس کی حرمت باقی رہتی ہے۔ پالتو جانور وحشی ہو جائے تو وہ حرام نہیں ہوتا ہے۔ اس متولد کا شکار بھی حرام ہے جس کے ماں باپ میں سے کوئی ایک وحشی اور ماکول ہو۔ شکار مار ڈالنا ضروری نہیں ہے۔ جال یا پھاندے سے پکڑنا یا اس کو اپنے قبضہ میں لینا، قیمت لینا یا مفت یا شکار بھگانا یا اس کا پیچھا کرنا یا اس کو بسیرے کی جگہ سے نکالنا یا اس کے جسم کے کسی حصہ بال اور پر کو چھیڑنا بھی حرمت میں داخل ہے۔

وحشی کی قید کی وجہ سے پالتو جانور گائے وغیرہ اور ماکول کی قید کی وجہ سے غیر ماکول جانور بھیڑیئے وغیرہ کا شکار ممنوع نہیں ہے۔

شکار میں مدد دینا اور شکار کی رہنمائی کرنا بھی حرام ہے۔ حلال (جو احرام میں نہ ہو) پر بھی حرم کے اندر بری وحشی اور ماکول جانور کا شکار حرام ہے۔ حلال اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حج اور عمرہ کے مناسک سے فراغت پائی ہو، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

درخت کاٹنا

حرم کے درخت کاٹنا یا اکھیڑنا حرام ہے۔ البتہ اناج، پھل، ترکاری اور دوا کے درختوں کا کاٹنا جائز ہے، سوکھے درخت اور گھاس کاٹنا جائز ہے، محرم اور حلال کے لیے یکساں حکم ہے، درخت میں خودرو اور بوئے ہوئے میں فرق نہیں ہے۔ البتہ حل میں خودرو میں حرمت ہے۔

عقد نکاح

مُحرم اپنے لئے یا دوسرے کے لئے اصالۃً، وکالۃً یا ولایۃً نکاح نہیں کرسکتا۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**لَا يَنْكَحُ الْمُحْرِمُ وَ لَا يُنْكِحُ**'' (مسلم نے یہ روایت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب تحریم نکاح المحرم وکراھۃ خطبتہ ۳۵۱۲)

مُحرم احرام کی حالت میں نکاح نہیں کرسکتا ہے، مُحرم کسی کی ولایت یا وکالت بھی نہیں کرسکتا اور نہ نکاح میں گواہ بن سکتا ہے۔

جماع

احرام کی حالت میں وطی یعنی جماع کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ** ''(البقرۃ:۱۹۷) حج کے زمانہ میں مجامعت، بدکاری اور لڑائی نہیں ہوسکتی۔

اگر میاں بیوی میں سے ایک نے مناسک سے فراغت پائی اور دوسرے نے فراغت نہیں پائی تو فراغت پایا ہوا شخص دوسرے کو جماع کا موقع نہیں دے گا۔ اس لئے کہ گناہ میں تعاون کرنا ممنوع ہے۔ جماع میں عورت کی اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہیں، حائل کے ساتھ یا بغیر حائل کے سب داخل ہیں۔

شہوت کے ساتھ مباشرت

شہوت کے ساتھ مباشرت بھی حرام ہے، جماع کے علاوہ دیگر مقدمات: شہوت، بوسہ، لپٹنا وغیرہ مباشرت میں داخل ہیں اور اس صورت میں فدیہ واجب ہے۔ بغیر شہوت کے مباشرت حرام نہیں ہے۔

ان محرمات میں فدیہ ہے، سوائے نکاح کے، جو منعقد ہی نہیں ہوتا اور نکاح سے کوئی بگاڑ اور فساد نہیں ہوتا ہے، مگر یہ کہ جماع کیا جائے۔ بگاڑ سے مُحرم احرام سے خارج نہیں ہوتا۔ احرام کے محرمات میں سے کسی ایک کے ارتکاب سے بھی فدیہ لازم آتا ہے۔ فدیہ کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

احرام کی حالت میں نکاح کرنے سے فدیہ اس لیے نہیں ہے کہ نکاح ہی منعقد نہیں ہوتا۔ ان محرمات کے ارتکاب کی وجہ سے حج اور عمرہ کے مناسک میں کوئی بگاڑ نہیں ہوتا، مگر یہ کہ شرمگاہ میں جماع کیا جائے، مگر شرط یہ ہے کہ عمرہ میں مناسک عمرہ سے پہلے اور

حج میں تحلل اول سے پہلے جماع کیا جائے۔

وہ عمرہ جو حج کے ساتھ قران کی صورت میں ادا کیا جائے صحیح ہونے اور بگڑنے دونوں میں حج کے تابع ہے۔صحیح ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوم عید کے جمرہ عقبہ اور طوافِ افاضہ اور سعی کے بعد لیکن حلق سے پہلے جماع ہو تو حج صحیح ہوگا، اس لیے کہ جماع تحلل اول کے بعد ہوا ہے اور حج کے ساتھ عمرہ بھی صحیح ہوا۔عمرہ منفرد ہوتا تو فاسد ہوتا، اس لیے کہ حلق بھی عمرہ کے ارکان میں سے ہے اور عمرہ کے مناسک ابھی پورے نہیں ہوئے تھے کہ جماع ہوا۔

بگڑنے میں تابع ہونے کی مثال یہ ہے کہ طوافِ قدوم، سعی اور حلق کے بعد اور طوافِ افاضہ اور یوم عید کے جمرۂ عقبہ سے پہلے جماع ہو جائے تو حج فاسد ہوگا، اس لیے کہ تحلل اول سے پہلے جماع ہوا ہے اور حج کے ساتھ عمرہ بھی فاسد ہو گیا۔ورنہ عمرہ منفرد ہوتا تو فاسد نہ ہوتا، اس لیے کہ جماع عمرہ کے مناسک سے فراغت پانے کے بعد ہوا ہے۔

تحلل اول اور وقوف سے پہلے جماع کی وجہ سے حج بگڑنے کے سلسلہ میں اجماع ہے، مگر وقوف کے بعد کی صورت میں ابوحنیفہ کو اختلاف ہے۔حج ایسی عبادت ہے جس میں بگاڑ ہونے کے باوجود حاجی اس سے خارج نہیں ہوتا، اس لیے کہ حج کا تعلق اس قدر گہرا ہے کہ موت بھی اس کو منقطع نہیں کرتی۔موت کے بعد بھی مُحرم کا حکم باقی رہتا ہے اور میت کا سر نہیں ڈھاپا جاتا ہے۔''لَا تُخَمِّرُوْا رَأْسَهُ ''۔اس کے برخلاف دوسری عبادتیں جیسا کہ روزہ بگاڑ کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے۔

جماع کے علاوہ دوسرے محرمات کے ارتکاب کی صورت میں بگاڑ ہی نہیں ہوتا، بگاڑ ہونے کے باوجود مُحرم احرام سے نہیں نکلتا، بلکہ اس پر حج اور عمرہ کے مناسک کی تکمیل واجب ہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ''(البقرة:۱۹۶) حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔

اس آیت میں صحیح اور فاسد میں امتیاز نہ کر کے ہر صورت میں تکمیل کے لئے حکم دیا گیا ہے۔

تحلل

حج میں دو تحلل ہیں: تحلل اول؛ اس حالت کو کہتے ہیں جب کہ جمرہ عقبہ، طوافِ افاضہ اور بال منڈھانے یا کٹانے؛ تین امور میں سے کوئی دو امور ادا ہو جائیں۔

تحلل دوم یہ ہے کہ تیسرا بھی ادا ہو جائے، تحلل اول کے بعد جماع ومباشرت کے علاوہ جملہ محرمات حلال ہو جاتے ہیں جیسا کہ سر چھپانا، چہرہ چھپانا، بالوں میں تیل لگانا، حلق، ناخن تراشنا، خوشبو کا استعمال اور شکار۔

تحلل دوم کے بعد بقیہ محرمات بھی حلال ہو جاتے ہیں لیکن مناسک حج کی تکمیل کا وجوب باقی رہتا ہے جیسا کہ تشریق کے تین دنوں میں تین جمرات کی رمی اور منی میں رات گزارنا۔

عمرہ میں ایک ہی تحلل ہے اور وہ جملہ مناسکِ عمرہ؛ طواف، سعی اور حلق یا تقصیر سے فراغت پانے پر حاصل ہوتا ہے۔

متروکاتِ حج

عرفہ میں وقوف فوت ہو جائے تو حاجی کے لیے واجب ہے کہ عمرہ کی طرف منتقل ہو جائے اور اس پر قضا اور ہدی کے جانور کی قربانی واجب ہے۔

رکن چھوڑ دے تو احرام سے خارج نہ ہوگا جب تک کہ اس کو ادا نہ کرے۔

واجب کو ترک کرے تو اس پر دم لازم ہے، سنت کو ترک کرے تو کوئی چیز لازم نہیں۔

وقوفِ عرفہ چھوٹ جائے

حج کے ارکان میں وقوف سب سے اہم رکن ہے۔ وقوف پر حج موقوف ہے۔ وقوف کے چھوٹ جانے پر حج ہی فوت ہو جاتا ہے۔ عرفہ میں وقوف کا وقت یومِ عید کی فجر تک ہے۔ طلوعِ فجر کے ساتھ ہی وقوف کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ اس لیے اگر کوئی شخص فجر کے طلوع کے بعد عرفہ پہنچے اور وقوف نہ کر سکے تو اس پر واجب ہے کہ تحلل کی نیت کرے، اور معتمد یہ ہے کہ مجموعی طور پر عمرہ کی نیت واجب نہیں ہے۔ ان اعمال میں ترتیب شرط نہیں ہے۔

عرفہ پہنچنے میں تاخیر ہوئی اور حج فوت ہو گیا تو فوری طور پر آئندہ سال اس کی قضا کرنا واجب ہے، خواہ حج فرض ہو یا نفل۔ یہاں قضا کے معنی لغوی ادا کرنے کے ہیں، نہ کہ شرعی، اس لیے کہ حج کے لئے وقت مقرر ہے اور اس وقت کے علاوہ دوسرے اوقات میں ادا نہیں ہو سکتا۔

حصر

حصر کے معنی راستہ روکنے اور جانے نہ دینے کے ہیں۔ اگر کوئی شخص ایک راستہ سے روکا جائے اور دوسرا راستہ کھلا ہو تو اس پر لازم ہے کہ دوسرا راستہ اختیار کرے۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے کے بعد بھی حج فوت ہو جائے اور عمرہ کی طرف تحلل کرے تو اس پر حج کی قضا اس لیے واجب نہیں ہے کہ مقدور بھر کوشش کرنے کے باوجود وقت پر عرفہ نہ پہنچ سکا۔ اگر دوسرا راستہ ہی نہ ہو اور عمرہ کی طرف تحلل کرے تو اس پر بھی حج کی قضا واجب نہیں ہے۔

جس نے وقوفِ عرفہ کے ترک ہونے پر عمرہ کی طرف تحلل کیا تو اس پر قضا کے علاوہ ہدی بھی واجب ہے۔ ہدی دم یا قربانی کے جانور ذبح کرنے کو کہتے ہیں۔ جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

کوئی رکن چھوٹ جائے

وقوف کے علاوہ کسی اور رکن کے ترک ہونے پر احرام سے خارج نہیں ہوگا جب تک کہ اس رکن کو ادا نہ کرے، اس لئے کہ ارکان پر حج اور عمرہ موقوف ہیں۔ چھوٹے ہوئے رکن کا جبر دم کے ذریعہ نہیں ہو سکتا، اس کا ادا کرنا ضروری ہے۔ رکن کے ترک ہونے میں ارادہ کا نہ ہونا، سہو یا ناواقفیت کا کوئی اثر نہیں ہے۔

حیض

اگر حیض کی وجہ سے طواف کیے بغیر قافلہ کے ساتھ سفر کرنے پر مجبور ہو اور انتظار نہ کر سکتی ہو تو تحلل کرے گی، اور دم دے گی اور اس کے ذمہ طواف باقی رہے گا۔ مگر محرمات اس پر حرام نہیں ہوں گے، جب کبھی ممکن ہو واپس آئے گی اور طواف کے لئے احرام کی نیت کرے گی۔

حج کی کوئی سنت چھوٹ جائے

سنت ترک ہو جائے تو کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، خواہ حج کی سنت ہو یا عمرہ کی سنت، سنت پر حج یا عمرہ موقوف نہیں ہے، سنتوں کے بغیر بھی حج اور عمرہ کی تکمیل ہوسکتی ہے، جس طرح دوسری عبادتوں نماز اور وضو میں ہے۔

البتہ وقوف عرفہ میں رات اور دن کے ملانے کی سنت ترک ہو جائے تو دم کا ادا کرنا مندوب ہے۔

خلاصہ یہ کہ رکن پر حج اور عمرہ موقوف ہیں اور اس کے ترک پر دم سے جبر یعنی کمی پوری نہیں ہوسکتی۔ واجب کے ترک پر دم سے کمی پوری ہوسکتی ہے اور سنت کے ترک پر دم یا کسی اور بات کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

واجب دم

دماء۔دم کی جمع ہے اور دم کے معنی خون اور جانور کے ہیں۔احرام کی حالت میں کسی واجب کے ترک ہونے یا کسی حرام کے عمل میں آنے سے شریعت کے حکم کے مطابق جو حیوان ذبح کیا جاتا ہے یا اس کے عوض جو روزے رکھے جاتے ہیں یا جو صدقہ دیا جاتا ہے اس کو دم یا ہدی اور اردو میں قربانی کہتے ہیں۔

ہدی کے دو اعراب ہیں: ہاء مفتوح دال ساکن اور یاء مخفف، دوسرا اعراب دال مکسور اور یاء مشدد۔

واجب دم کی قسمیں

واجب دم کی پانچ قسمیں ہیں:

ترکِ عبادت کی وجہ سے جو دم واجب ہوتا ہے اس میں ترتیب ہے؛ ایک بکری اور بکری نہ ملے تو دس روزے۔تین حج کے زمانہ میں اور سات وطن واپسی کے بعد۔

بال نکالنے اور خوشبو کے استعمال سے جو دم واجب ہوتا ہے اس میں اختیار ہے؛ ایک بکری یا تین روزے یا تین صاع غلہ چھ مسکینوں کو دے۔

احصار کی وجہ سے دم ایک بکری ہے۔

شکار کی وجہ سے جو دم واجب ہوتا ہے اس میں اختیار ہے، جس جانور کی مثال مل سکتی ہے اس کو ذبح کرے یا اس کی قیمت سے غلہ خرید کر صدقہ دے یا غلہ کے ہر مد کے عوض ایک روزہ رکھے۔

جماع کی وجہ سے دم اس ترتیب سے واجب ہے کہ ایک اونٹ، ورنہ ایک گائے،

ورنہ سات بکریاں، ورنہ اونٹ کی قیمت سے غلہ خرید کر صدقہ دے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ہر مد کے عوض ایک روزہ رکھے۔

حرم ہی میں ذبح کرے اور غلہ صدقہ دے، اختیاری روزہ جہاں چاہے رکھے۔

ابو شجاع نے واجب دم کی پانچ قسمیں اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں، ابن قاسم غزی نے نو کی تعداد درج کی ہے: دم تمتع، دم قران، دم فوات، دم ترک مامور بہ، حلق یا ناخن تراشنے کی وجہ سے دم، دم احصار، شکار کا دم، جماع کا دم اور استمتاع کا دم۔

خطیب شربینی نے فرداً فرداً جملہ بیس شکلیں بیان کی ہیں اور شیخ بیجوری نے نذر پر عمل نہ کرنے کا اضافہ کر کے جملہ اکیس کی کامل تعداد لکھی ہے۔ ابن مقری نے بھی اپنی مشہور نظم میں اتنی ہی تعداد درج کی ہے۔ تمتع، قران، فوات حج، میقات سے احرام کی نیت نہ کرنا، مزدلفہ میں رات نہ گزارنا، منیٰ میں رات نہ گزارنا، رمی مکمل نہ کرنا، طواف وداع چھوڑنا، مسنون نذر پوری نہ کرنا، احصار، جماع، شکار کرنا، درخت نکالنا، حلق یا تقصیر، ناخن تراشنا، سلے ہوئے کپڑے پہننا، بالوں میں تیل لگنا، خوشبو، مباشرت، دو تحلل کے درمیان جماع، اور حجِ فاسد کے بعد جماع۔

دم کے احکام

مذکورہ بالا تعداد افراد کے لحاظ سے ہے، لیکن احکام کے لحاظ سے دم کی مندرجہ ذیل چار قسمیں ہیں:

۱۔ دم ترتیب وتقدیر
۲۔ دم ترتیب وتعدیل
۳۔ دم تخییر وتقدیر
۴۔ دم تخییر وتعدیل

ترتیب میں پہلی صورت پر عمل کرنا واجب ہے اور دوسری صورت پر عمل نہیں کیا جا سکتا، سوائے اس کے کہ پہلی صورت پر عمل کرنے سے عاجز ہو۔ تقدیر کے معنی یہ ہیں کہ

شریعت نے ایک چیز کے عوض دوسری چیز کی تعداد مقرر کردی ہے جس میں کمی یا زیادتی نہیں ہوسکتی۔ تعدیل کے معنی ایک چیز کی قیمت مقرر کر کے اس کی قیمت کے مطابق دوسری چیز پر عمل کرنے کے ہیں۔ تخییر کے یہ معنی ہیں کہ چند چیزوں میں سے جس چیز پر چاہے عمل کرے۔ اب ہم ان احکام کے لحاظ سے دم کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں کہ کس حکم کے تحت کس امر کے تعلق سے کون سا دم واجب ہے۔

دم ترتیب و تقدیر

یہ دم نو اسباب کے پیش آنے پر واجب ہوتا ہے:

۱،۲۔ تمتع اور قران کے طریقوں پر حج ادا کرے

۳۔ عرفہ میں وقوف نہ کرنے سے حج فوت ہو جائے اور تحلل کرے

۴۔ میقات سے احرام کی نیت نہ کرے

۵،۶۔ مزدلفہ اور منیٰ میں رات نہ گزارے

۷۔ رمی کی تکمیل نہ کرے

۸۔ طواف وداع نہ کرے

۹۔ نذر کی تعمیل نہ کرے

ان اسباب میں سے ہر ایک سبب کے لئے ایک دم واجب ہے۔ دم کی ترتیب یہ ہے کہ ایک بکری یا دس روزے۔

بکری کے عوض اونٹ یا گائے کے ساتویں حصہ سے بھی دم ادا ہوسکتا ہے اور پورے اونٹ اور پوری گائے سے سات دموں کی ادائی ہوسکتی ہے، اگرچہ کہ ان کے اسباب مختلف ہوں۔

یہاں ترتیب کے یہ معنی ہیں کہ بکری ذبح کرے اور بکری نہ ملنے کی صورت میں روزے رکھے، تقدیر سے یہ مراد ہے کہ بکری کی عدم دستیابی پر دس روزے رکھے، نہ اس سے کم، نہ اس سے زیادہ۔

حج میں افراد کا طریقہ مسنون اور افضل ہے۔افراد حج ادا کرنے میں کوئی دم واجب نہیں ہے،لیکن تمتع اور قران کے طریقوں کے مطابق فرض حج ادا کرے تو اس شخص کے لئے دم نہیں ہے جو مسجد حرام کا باشندہ ہے، بقیہ سب کے لئے دم واجب ہے۔وہ شخص مسجد حرام کا باشندہ تصور کیا گیا ہے،جس کی سکونت مسجد حرام سے قصر کی مسافت سے کم ہو۔

بکری''صادة'' کا ترجمہ ہے،جس میں مینڈھی،نراور مادہ سب داخل ہیں، جانور کے ذبح کے لائق ہونے کی نسبت وہی شرائط ہیں جو قربانی میں ہیں۔البتہ شکار کے دم میں یہ شرائط نہیں ہیں۔ بلکہ کم عمر والے کے لئے کم عمر والا، زیادہ عمر والے کے لئے زیادہ عمر والا اورعیب دار کے لئے عیب دار جانور ذبح کیا جاسکتا ہے۔

تمتع کا دم حج کے احرام کے وقت واجب ہوتا ہے اور عمرہ سے فارغ ہونے پر ذبح کرنا جائز ہے لیکن عید کے دن ذبح کرنا افضل ہے۔

بکری نہ ملے تو دس روزے رکھے؛ تین حج کے زمانہ میں اور سات وطن واپسی کے بعد۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:''**فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ**''(البقرة: ۱۹۶)رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:''**فَمَن لَّمْ يَجِدْهَدْيًا فَلْيَصُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ إِذَا رَجَعَ إِلَىٰ أَهْلِهِ**''(بخاری ۱۵۸۴،۱۶۹۲۔یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

حج کے تین روزوں میں مستحب یہ ہے کہ عرفہ سے قبل چھٹی سے آٹھویں تاریخ تک رکھے۔

اثنائے سفر جماع کے روزوں کا رکھنا جائز نہیں ہے۔اگر مکہ میں قیام ہی کا ارادہ ہو تو یہ سات روزے بھی مکہ میں رکھے، اگر تین روزے حج کے زمانہ میں رکھے بغیر وطن کو لوٹ جائے تو وطن میں دس کے دس روزے رکھنا واجب ہے اور ان کے درمیان بھی چار دنوں کے فصل کی ضرورت ہے، تین روزے متواتر رکھنا مندوب ہے اور اسی طرح سات روزے سفر کی حالت میں رکھنا جائز نہیں ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:''**وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ**''۔

اگر عید کے دن سے پہلے تین روزے نہ رکھ سکے تو عید کے دن اور تشریق کے تین دنوں؛

جملہ چار دنوں کے بعد یہ روزے قضا رکھے، ان چار دنوں میں روزے رکھنا جائز نہیں ہے۔

مندوب اور واجب دم کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس کے علاوہ بعض صورتوں میں دم مندوب بھی ہے، جب کہ طوافِ قدوم چھوٹ جائے، طواف کی دو رکعات نہ پڑھے، یا عرفہ میں دن کے ساتھ رات کو نہ ملا سکے۔

دم ترتیب و تعدیل

اس قسم کا دم دو اسباب کے پیش آنے پر واجب ہوتا ہے: احصار اور جماع

ان دو اسباب میں سے ہر ایک سبب کے لئے ایک دم مقرر ہے۔

احصار کا دم

احصار حج اور عرفہ کے مناسک سے روکنے اور منع کرنے کو کہتے ہیں۔ احصار چھ طرح ہو سکتا ہے:

۱۔ دشمن روک دے۔

۲۔ یا بلا وجہ غلام کو مالک قید میں رکھے۔

۳۔ بیوی کو شوہر روکے۔

۴۔ اولاد کو ان کے اصل باپ دادا وغیرہ روکیں۔

۵۔ قرض دار کو قرض خواہ روک دے۔

احصار کی وجہ سے مُحرم کے لئے جائز ہے کہ تحلل کی نیت کے ساتھ تحلل کرے، تحلل حج اور عمرہ کے مناسک سے نکلنے کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ نکلنے کی نیت کرنے سے احرام کے خلاف ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''**فَإِنۡ أُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡيِ**'' (البقرۃ:۱۹۶) پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی کا جانور جو میسر آئے۔

جانور کے ذبح کرتے وقت تحلل کی نیت کرنا بھی ضروری ہے، اسی طرح سر کے منڈھاتے یا ترشواتے وقت احصار کا دم ایک بکری ہے، یا اس کے عوض ایک اونٹ کا

ساتواں حصہ یا گائے کا ساتواں حصہ، جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا۔

دم کے لئے جانور نہ مل سکے تو دم تمتع پر قیاس کرتے ہوئے بکری کی قیمت مقرر کر کے اس کے مطابق غلہ صدقہ دے، تحلل کی نیت اور حلق کے ساتھ اگر اس سے عاجز ہو تو اس کے عوض جہاں کہیں چاہے ہر مد کے بدلہ ایک روزہ رکھے اور مد کے کسر کے لئے بھی ایک روزہ رکھے۔ (یعنی ایک مد مکمل نہ ہو، بلکہ اس سے کم ہو تو اس کسر کے لیے ایک روزہ رکھے)

جانور کو اس جگہ ذبح کرے جہاں کہ حج اور عمرہ سے روکا گیا، حل کا مقام ہو یا حرم کا، احصار کی جگہ کے علاوہ دوسرے مقام پر ذبح کرنا کافی نہیں۔ البتہ روزے کے لئے کسی جگہ کی قید نہیں، حلق کے لئے شرط یہ ہے کہ ذبح کے بعد سر مونڈھے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

''وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ'' (البقرۃ:۱۹۶)

بیماری کی وجہ سے تحلل نہ کرے، مگر یہ کہ احرام کے وقت ایسی شرط لگائی ہو۔

جماع کا دم

جماع جو عاقل اور مختار کی جانب سے عمداً احرام ہونے کا علم رہتے ہوئے اگلی شرمگاہ میں کی جائے یا پچھلی شرمگاہ میں، اس سے دم واجب ہوتا ہے۔ یہاں جماع سے مراد وہ ہے جو حج میں فساد پیدا کرتی ہے اور جس کا ذکر محرمات احرام کے سلسلہ نمبر گیارہ پر کیا گیا ہے۔

تحلل اول اور دوم کے درمیان جماع کرنے سے حج فاسد نہیں ہوتا ہے۔ جماعِ مفسد کا دم یہ ہے کہ ایک اونٹ ذبح کرے، اگر اونٹ نہ مل سکے تو ایک گائے ذبح کرے، اور گائے نہ مل سکے تو سات بکریاں، بکریاں بھی نہ مل سکیں تو اصل کی طرف رجوع کرے اور اونٹ کی قیمت کے مطابق غلہ خریدے اور حرم کے مسکینوں اور فقیروں پر تقسیم کرے۔ ہر ایک کو کتنی مقدار میں غلہ دیا جائے اس کی قید نہیں ہے۔ نقد قیمت کا صدقہ دینا کافی نہیں ہے۔

اگر غلہ خرید کر صدقہ دینے کی استطاعت نہ ہو تو ہر مد اور اس کی کسر کے عوض ایک روزہ رکھے، یہ صحیح ہے کہ دم صرف مرد پر واجب ہے، نہ کہ عورت پر، روزہ رکھنے کے لئے کسی مقام کی قید نہیں ہے۔

تحلل اول اور دوم کے درمیان جماع سے حج فاسد نہیں ہوتا ہے۔ جماع کے لئے ایک بکری کا دم واجب ہے یا تین روزے یا تین صاع غلہ چھ مسکینوں کو دینے میں اختیار ہے جیسا کے آئے گا۔

احصار اور جماع دونوں کے دم میں ترتیب کے معنی یہ ہیں کہ پہلی چیز پر عمل کرنا واجب ہے، مگر یہ کہ اس پر عمل کرنے سے عاجز ہوتو دوسری چیز کی طرف منتقل ہوجائے اور عمل کرے، اور تعدیل کہتے ہیں پہلی چیز کی قیمت مقرر کرکے اس کے موافق غلہ صدقہ دینے کو، دم کے صحیح ہونے کے لئے جانور اور غلہ کی نسبت وہی شرائط ہیں جو قربانی اور فطرہ میں ہیں۔

دم احصار کو ابوشجاع نے تیسری قسم اور جماعِ مفسد کو پانچویں قسم میں بیان کیا ہے مگر چونکہ ان دونوں امور کی نسبت ترتیب وتعدیل کے احکام یکساں ہیں، اس لیے ان کو ایک جگہ درج کیا گیا۔

دم تخییر وتعدیل

اس نوع کا دم دو اسباب کے پیش آنے پر واجب ہوتا ہے: شکار اور درخت کاٹنا، ان کے ارتکاب پر اختیار رہے کہ دم دے یا جانور کی قیمت کا تعین کرکے اس کے مطابق غلہ صدقہ دے، یا ہر ایک مد اور اس کی کسر کی نسبت سے ایک روزہ رکھے۔

شکار کی وجہ سے جو دم واجب ہے اس میں تین امور میں اختیار ہے:

۱۔ جس جانور کی مثال صورت اور خلقت میں ہو اس کو ذبح کرے اور حرم کے مسکینوں اور فقیروں پر تقسیم کرے

۲۔ یا مثل کی قیمت کا تعین کرے اور اس کے مطابق غلہ خریدے اور تقسیم کرے

۳۔ یا ایک مد اور اس کی کسر کے عوض ایک روزہ رکھے

شکار کے جانور کی مثال بظاہر کوئی موجود نہ ہوتو دو امور میں اختیار ہے:

۱۔ اس کی قیمت کے مطابق غلہ صدقہ دے۔

۲۔ یا ہر ایک مد اور اس کی کسر کے عوض ایک روزہ رکھے۔

شترمرغ کی مثال اونٹ اور جنگلی گدھے کی مثال گائے اور ہرن کی مثال بکری ہے۔

دم کے جانور کو زندہ نہ دے بلکہ ذبح کرے۔ کم عمر والے شکار کے لئے کم عمر والا جانور اور زیادہ عمر والے کے لئے زیادہ عمر والا، عیب دار کے لئے عیب دار جانور، نر کے لئے نر اور مادہ کے لئے مادہ ذبح کرے۔ ادنی کے لئے اعلی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن اعلی کے لئے ادنی نہیں۔

شکار ہی کی ایک صورت ہے جس میں قربانی کے شرائط کا لحاظ نہیں کیا جاتا، لیکن حج کے دوسرے سارے دم میں ان شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

جانور کی قیمت نقد سکہ میں تقسیم نہ کرے بلکہ جانور ذبح کرے اور صدقہ دے۔ جانور ذبح کر کے حرم کے مسکینوں اور فقیروں کو دینا واجب ہے۔

شکار کیا ہوا جانور مردار کی تعریف میں داخل ہے، یہ ابوشجاع کے متن میں چوتھی قسم ہے۔

حرم کا درخت ضائع کیا جائے

حرم مکی کے درخت کاٹنے پر جو دم واجب ہوتا ہے۔ اس میں اختیار ہے؛ درخت بڑا ہو تو گائے ذبح کرے، چھوٹا ہو تو بکری، یا اس کی قیمت کا تعین کر کے غلہ خریدے اور صدقہ دے۔ یا ہر مد اور اس کی کسر کے لئے روزہ رکھے۔

اگر درخت بہت ہی چھوٹا ہو تو اس کی قیمت مقرر کر کے صدقہ دینا کافی ہے۔ گائے اور بکری میں وہ صفات پائی جائیں جو قربانی کے جانور کے لئے مقرر ہیں۔ حرم مدینہ کے درخت بھی حرمت میں مساوی ہیں، لیکن اس کے لئے کوئی فدیہ نہیں ہے۔

دم تخییر وتقدیر

اس نوع کا دم آٹھ اسباب کے پیش آنے پر واجب ہوتا ہے:

۱۔ حلق؛ تین یا تین سے زیادہ بال نکالے۔

۲۔ تین یا تین سے زیادہ ناخن تراشے۔

۳۔ سیا ہوا لباس پہنے۔

۴۔ بالوں کو تیل لگائے۔
۵۔ خوشبو استعمال کرے۔
۶۔ مقدمات جماع عمل میں لائے یعنی بوسہ لے یا چھوئے۔
۷۔ تحلل اول اور دوم کے درمیان جماع کرے۔
۸۔ حج فاسد مکمل کرنے سے پہلے جماع کرے۔

آیت ''وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ ''اور اسی پر قیاس کرتے ہوئے ناخن تراشنے کے سلسلہ میں بھی یہ حکم دیا گیا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَرِيۡضًا أَوۡ بِهِ أَذًى مِن رَّأۡسِهِ فَفِدۡيَةٌ مِنۡ صِيَامٍ أَوۡ صَدَقَةٍ أَوۡ نُسُكٍ''(البقرۃ:۱۹۶)

ان اسباب میں سے ہر ایک سبب کے لئے ایک دم واجب ہے۔ دم کی ادائی میں اختیار ہے؛ ایک بکری ذبح کرے یا تین صاع غلہ مسکینوں کو دے، ہر شخص کو نصف صاع دے یا تین روزے رکھے۔ ایک صاع کے ہندوستان میں تین سیر ہوتے ہیں (یعنی تین کلو)، جانور اور غلہ میں قربانی اور فطرہ کے صفات مشروط ہیں۔ ابوشجاع کے متن میں دوسری قسم ہے۔

مقامِ ہدی، مسکینوں کو کھانا کھلانا اور روزہ؛ کسی حکم کردہ امر کو چھوڑنے یا کسی حرام کا ارتکاب کرنے پر حج یا عمرہ میں جو نقص ہوتا ہے اس کو دور کرنے کے لئے دم دینا یا ہدی واجب ہے۔ جانور کی قیمت کے مطابق غلہ دینا یا غلہ کے عوض روزہ رکھنا بھی ہدی میں داخل ہے۔ محض تقرب الی اللہ یا نفل کے طور پر قربانی دے تو اس پر بھی ہدی کا لفظ مطلق طور پر صادق آتا ہے، مگر فرق یہ ہے کہ نفل قربانی قربانی کے دنوں میں دی جائے گی اور واجب قربانی کے لئے جس کو ''دم جبران'' کہتے ہیں وقت مخصوص نہیں ہے۔

ہدی کی قسمیں

ہدی کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جو ہدی احصار کی وجہ سے ہے، اس کا حرم بھیجنا واجب نہیں ہے۔ مقام احصار پر اس کا ذبح کرنا لازم ہے۔ بغیر ذبح کئے زندہ جانور کا صدقہ دینا کافی نہیں ہے۔

۲۔احصار کے علاوہ بقیہ سب ہدی میں یہ شرط ہے کہ حرم ہی میں ذبح کیے جائیں، چونکہ عمرہ کا تحلل مروہ پر ہوتا ہے، اس لیے عمرہ کی ہدی کو مروہ پر اور منیٰ حاجی کے تحلل کا مقام ہے، اس لیے حج کی ہدی کو منیٰ پر ذبح کرنا افضل ہے، خواہ ہدی واجب ہو، منذور یا نفل۔

قربانی میں سے کچھ بھی نہ کھائے، البتہ نفل قربانی میں سے کھا سکتا ہے۔

اختیاری روزہ حرم اور غیر حرم میں رکھنا جائز ہے، اس لیے کہ حاجی کے روزہ میں حرم والوں کے لیے کوئی فائدہ نہیں ہے، لیکن حرم کے شرف کا لحاظ کرتے ہوئے حرم میں روزہ رکھنا اولی ہے۔

جانور کی قربانی اور مسکینوں کو غلہ دینے کی شرطیں

قربانی کے جانور اور فطرہ کے غلہ کی نسبت جو شرائط ہیں وہ یہاں بھی ہیں۔

حرمت حرم

حرم کے شکار کو قتل کرنا جائز نہیں اور نہ حرم کے درختوں کو کاٹنا یا ضائع کرنا جائز ہے۔اس بارے میں کوئی احرام میں ہو یا نہ ہو برابر ہیں، نبی ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا:
''إِنَّ هٰذَا الْبَلَدَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللّٰهِ لَا يُعْضَدُ شَجَرُهُ وَلَا يُنفَرُ صَيْدُهُ''۔

(بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جس کے الفاظ مذکورہ حدیث سے تھوڑے سے مختلف ہیں: باب لاینفر صدالحرم ۱۸۳۳۔جس کے الفاظ یہ ہیں: ''فهو حرام بحرمة الله إلى يوم القيامة، لا يعضد شوكه، ولا ينفر صيده، ولا يلتقط لقطة إلا لمن عرفها......)

اس حکم کا تعلق حرم کے علاقہ سے ہے۔احرام کی حالت ہو یا نہ ہو، مذکورہ بالا محرمات کا تعلق احرام کی حالت سے تھا، خواہ اندرون حرم ہو یا اس کے باہر۔

شکار کو قتل کرنے کی قید نہیں ہے۔جانور کا پکڑنا، بھگانا اور اس کو چھیڑنا بھی اس میں داخل ہے، اس حکم میں حرم مکہ اور حرم مدینہ دونوں داخل ہیں اور حرمت میں دونوں حرم مساوی بھی ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ حرم مکہ کی حرمت کی خلاف ورزی میں دم ہے اور حرم مدینہ کی خلاف

ورزی میں کوئی دم نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ حرم مکہ مناسک اور ادائی کا مقام ہے، برخلاف مدینہ کے۔حرم مدینہ کی نسبت نبی ﷺ نے فرمایا: ''**إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ مَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا لَا يُقْطَعُ عِضَاهَا وَلَا يُصَادُ بَيْنَهَا** ''(مسلم نے یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب فضل المدینۃ ۳۳۸۳۔جب کہ بخاری میں بھی یہ روایت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''إن إبراهيم حرم مكة وإني أحرم ما بين لابتيها ''۔۷۳۳۳ یہ روایت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے۔مسلم میں یہی روایت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہے: باب فضل المدینۃ ۳۳۸۱)

لابة: سیاہ پتھروں والی سرزمین کو کہتے ہیں۔''عضا'' کے معنی درخت کے ہیں۔

مسلم نے ابوسعید خدری سے یہ حدیث بیان کی ہے: ''**اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ حَرَّمَ مَكَّةَ فَجَعَلَهَا حَرَمًا وَإِنِّي حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا مَا بَيْنَ مَأْزِمَيْهَا** ''(مسلم میں یہ روایت ابوسعید مولی المہری سے ہے: باب الترغیب فی سکنی المدینۃ ۳۴۰۲) مازم دو پہاڑوں کے درمیان تنگ گھاٹی کے راستے کو کہتے ہیں۔

حرم مکہ اور حرم مدینہ میں کوئی جانور شکار کیا جائے تو میتہ یعنی مردار کی تعریف میں داخل ہے، حرمین کی مٹی کا منتقل کرنا بھی حرام ہے، البتہ زمزم کو تبرک کے لئے لے جانا جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔

حرم کے درخت

حرم کے درخت یا نباتات کاٹنا یا اکھیڑنا جائز نہیں ہے۔نباتات میں زمین سے اگنے والی چیزیں شامل ہیں جن کو ٹہنی نہ ہو، جیسا کہ بیل، ترکاری، گھاس پات۔

درخت میں کوئی فرق نہیں؛ خودرو ہو یا بویا ہوا، برخلاف نباتات کے۔نباتات میں صرف خودرو میں حرمت ہے۔سوکھے ہوئے یا تکلیف دینے والے کانٹے وغیرہ کے درخت کا کاٹنا یا اکھیڑنا حرام نہیں ہے، درختوں کا پھل اور مسواک کے لئے باریک ڈالیوں کا حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ تجارت کے لئے نہ ہو۔

جانوروں کے چارے اور ادویہ کی جڑی بوٹی اور کھانے کی سبزی ترکاری وغیرہ

کا ضرورت کے مطابق حاصل کرنا جائز ہے۔مگر فروخت کرنا جائز نہیں۔

خودرو نباتات کی قید کی وجہ سے وہ نباتات جو بوئی جاتی ہے خارج ہیں جیسا کہ گیہوں اور غلہ کی پیداوار، چونکہ غلہ اصل میں مستثنیٰ ہے، اس لیے اگر غلہ کی فصل خودرو ہوتو بھی اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

جانور کے شکار کرنے یا درخت کاٹنے سے جو دم واجب ہوتا ہے اس کی تفصیل اس سے پہلے بیان کی جاچکی ہے،فرق اس قدر ہے کہ سابقہ احکام مُحرم کے لئے مخصوص ہیں اور حالیہ عنوان میں جو امور بیان کئے گئے ہیں وہ مُحرم اور غیر مُحرم دونوں کے لئے عام ہیں۔

حرم مکہ کے حدود

حرم مکہ کے حدود یہ ہیں:

مدینہ کی جانب تین میل۔

عراق اور طائف کی جانب سات میل۔

اور جعرانہ کی جانب نو میل۔

اور جدہ کی جانب دس میل۔

روایت کی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے حج کے موقع پر یہ حدود مقرر کئے تھے، ان حدود کے اظہار کے لئے ہر مقام پر دو دو مینار تعمیر کئے گئے ہیں جن کو ''**علمین**'' کہتے ہیں۔

حرم مدینہ کے حدود

حرم مدینہ کے حدود کے علامات کا پتہ نہیں چلتا لیکن حدیث میں آیا ہے: ''**مابین لابتیھا**''۔ **لابہ** سیاہ پتھروں والے آتش فشاں لاوے کے میدان کو کہتے ہیں۔ مدینہ کے مشرق میں لابہ شرقیہ (حرۃ دائم) اور مغرب میں لابہ غربیہ (حرۃ الوبرہ) ایسے دو میدان ہیں۔ دوسری حدیث میں ''**مابین مازمیھا**''۔ مازم دو پہاڑوں کے درمیان تنگ گھاٹی کے راستے کو کہتے ہیں۔ یہاں ''مازمین'' سے مراد دو پہاڑ ہیں۔ مدینے کے شمال میں جبل احد کے پیچھے ایک

چھوٹا پہاڑ جبل ثور ہے اور جنوب میں جبل عیر ہے۔اس لحاظ سے حرم مدینہ کے حدود یہ ہوئے:
شمال میں جبل ثور اور جنوب میں جبل عیر، مشرق میں لابہ شرقیہ اور مغرب میں لابہ غربیہ۔

طائف کی وادی میں بھی شکار اور درختوں کو کاٹنا حرام قرار دیا گیا ہے، مگر اس کے لئے کوئی دم نہیں ہے۔طائف ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ کے مشرق میں تین منزل کے فاصلہ پر ہے، سطح سمندر سے اس کی بلندی ساڑھے چار ہزار فٹ کے قریب ہے۔اس کے اوپر ایک دوسرا مقام ''ہدہ'' ہے جس کی بلندی تخمینا ساڑھے پانچ ہزار فٹ ہے۔طائف کے نیچے ایک تیسرا مقام ہے جس کی بلندی کوئی ڈھائی ہزار فٹ ہوگی۔

طائف سرسبز و شاداب مقام ہے اور یہاں کی زمین نہایت زرخیز ہے، یہاں کثرت سے میوہ ہوتا ہے۔دمیری نے طائف کی حرمت کی وجہ بیان کی ہے کہ نبی ﷺ جب طائف کو روانہ ہوئے تو کفار نے آپ کو تکلیف پہنچائی۔آپ کے پاؤں خون خون ہوگئے، آپ یہاں آرام کے لئے ٹھہر گئے تھے، یہاں کے باشندوں نے آپ کی بے انتہا خاطر تواضع کی، اس کے صلہ میں آپ نے اس مقام کے شکار اور درخت کی حرمت کا حکم دے کر اس مقام کو عزت بخشی۔

ذبیحہ

(حیات، حیوانات ماکولہ وغیر ماکولہ، مقدور علیہ وغیر مقدور علیہ، واجبات وسنن ذبح
آلۂ ذبح، مجاز ذبح، جنین وجزء حیوان)

حیوانات ماکولہ وغیر ماکولہ، ذبح اور شکار وغیرہ کی نسبت یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں:

''إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ'' (البقرۃ:۱۷۳) بیشک تم پر حرام کیا ہے مردار کو، خون کو، سور کے گوشت کو اور اس جانور کو جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا، پس جو شخص بھوک سے بیتاب ہو جائے، حد سے تجاوز نہ کرے اور زیادتی نہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

''أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ'' (المائدۃ:۱) تمہارے لئے حلال ہیں سب چوپایہ مویشی سوائے ان کے جن کے نام تمھیں بتائے گئے ہیں، اور حالتِ احرام میں شکار نہ کیا ہوا۔

''حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ وَ الْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْأَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ، فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (المائدۃ:۳)
حرام کیا گیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا اور گلا گھونٹا ہوا اور کسی آلہ سے اور پٹخ کر اور ٹکر سے مار ڈالا ہوا اور جس کو درندے نے کھایا ہو۔ سوائے اس کے کہ جس کو تم نے ذبح کیا اور جو ذبح کیا گیا پرستش گاہوں پر اور جس کو تم تیروں سے تقسیم کرتے ہو، یہ سب تمھارے لئے فسق ہیں ......پس جو بھوک کی وجہ سے جان کے

خطرے میں ہو اور گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے گا اور رحم کرے گا۔

''أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ'' (المائدۃ: ۴) تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کی گئی ہیں اور جن کو تم نے شکاری جانوروں میں سے تربیت دے کر سدھایا ہے۔ تم ان کو اس علم کے ذریعہ تعلیم دیتے ہو جو اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے، پس کھاؤ اس جانور کو جو وہ تم کو پکڑ کر دیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام لو۔

''أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ'' (المائدۃ: ۵) پاک چیزیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے لئے حلال ہے۔

''أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا'' (المائدۃ: ۹۶) پانی کا شکار اور اس کی غذا تمہارے لئے حلال کی گئی ہے، اس میں تمہاری اور مسافروں کی منفعت ہے اور تم پر زمین کا شکار حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم احرام کی حالت میں ہو۔

''لَا أَجِدُ فِيْ مَا أُوْحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (الأنعام: ۱۴۶) وحی کے ذریعہ جو مجھ کو معلوم کیا گیا ہے اس میں کسی چیز کو حرام نہیں پاتا کھانے والے پر جو کھائے مگر یہ کہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت ہو، بیشک وہ نجس ہے یا فسق ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، پس جو بیقرار ہوا، بغاوت نہ کیا اور نہ عدول حکمی کی تو بیشک پروردگار بخشنے گا اور رحم کرے گا۔

''إِنَّمَا حُرِّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ'' (البقرۃ: ۱۷۳) بیشک اللہ نے تم پر حرام کیا مرا ہوا جانور، خون اور سور کا گوشت اور جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا۔ پس

جو بھوک سے بیتاب ہوا، بغاوت نہیں کی اور عدول حکمی نہیں کی تو اللہ بخشے گا اور رحم کرے گا۔

ذبیحہ کے معنی

ذبیحہ ذبح سے مشتق ہے، فعیلہ کے وزن پر مفعولہ کے معنی میں ذبح کئے ہوئے جانور کو ذبیحہ کہتے ہیں۔

ذبح کا مقصد

ذبح سے یہ مقصود ہے کہ جانور کے جسم سے خون کو خارج کر کے غریزی حرارت کو دور کرے اور گوشت کو کھانے کے لائق بنائے۔ آیت ''**إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ**'' سوائے اس کے کہ جس کو تم نے خون بہا کر پاک کیا۔ محرمات کو بیان کرتے کرتے ''**إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ**'' کے استثناء کا فائدہ یہ ہے کہ مذکیات یعنی ذبائح حلال ہیں۔

ذبح کے ارکان

ذبح کے چار ارکان ہیں: ذابح؛ ذبح کرنے والا۔ ذبیح؛ ذبح کیا ہوا جانور۔ ذبح کرنے کا عمل اور آلہ ذبح؛ وہ آلہ جس سے جانور ذبح کیا جائے۔

ذبح کے صحیح ہونے کے لئے ان چاروں ارکان کا پایا جانا لازم ہے، لیکن یہ ارکان ذبیحہ کے اجزاء نہیں ہیں۔

حیات

ذبح کے تعلق سے جانور کی زندگی کے تین مدارج ہیں: حیات مستقرہ، حیات مستمرہ اور حرکتِ مذبوح۔

حیات مستقرہ

حیات مستقرہ وہ حالت ہے جس میں جانور کی بینائی، آواز اور حرکت تینوں اختیاری ہوتی ہیں۔ اس کی علامتیں دو ہیں: ذبح کے بعد خون کا کودنا اور اضطراب کی حالت

میں جانور کا تڑپنا، حیات مستقرہ کے ثبوت کے لئے ان دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت کا ظاہر ہونا کافی ہے۔ حیاتِ مستقرہ کی حالت میں جانور کچھ دن یا کچھ وقت زندہ رہ سکتا ہے۔

حیاتِ مستمرہ

حیات مستمرہ وہ حالت ہے جو جسم سے جان نکلتے تک قائم رہتی ہے، اس کی علامت جان کی موجودگی ہے۔

حرکتِ مذبوح

حرکت مذبوح وہ حالت ہے جس میں بینائی، آواز اور حرکت تینوں اختیاری نہیں ہوتیں، بلکہ اضطراری ہو جاتی ہیں اور جانور کی موت فی الفور ہوتی ہے۔ایسی حالت کو ''عیش مذبوح'' بھی کہتے ہیں۔

حیوان کی قسمیں

حیوان کی دو قسمیں ہیں:

ماکول جو کھانے کے لائق ہو اور غیر ماکول جو کھانے کے لائق نہ ہو، پھر ماکول کی دو قسمیں ہیں: بری یعنی خشکی میں رہنے والے جانور اور بحری یعنی صرف پانی میں رہنے والے۔ بری جانور کی پھر دو قسمیں ہیں۔ مقدور علیہ یعنی جو ہمارے قبضہ واختیار میں ہیں اور غیر مقدور علیہ جو ہمارے قبضہ سے باہر ہیں ۔مقدور علیہ کو ٹھیک طور پر ذبح کیا جائے، واجبات اور سنن کے ساتھ غیر مقدرو علیہ کو جس جگہ ہو سکے زخم پہنچا کر ہلاک کرے، ان سب کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

بری جانور وہ ہیں جو خشکی میں زندہ رہتے ہیں، ان میں سے بعض ماکول ہیں اور بعض غیر ماکول۔ ماکول جانور ذبح کئے بغیر حلال نہیں ہیں۔

بحری جانور سے مراد وہ جانور ہیں جو پانی کے سوا زندہ نہیں رہ سکتے ۔ یہ ضروری نہیں کہ یہ جانور مچھلی ہی کی شکل میں ہوں۔ پانی کا گھوڑا، پانی کا کتا اور پانی کا سور؛ یہ سب

جانور بغیر ذبح کے بھی حلال ہیں۔اس لیے کہ پانی کے باہران کی زندگی عیشِ مذبوح ہے جو تھوڑی ہی دیر میں ختم ہوجاتی ہے۔

ان کو ذبح کرنا مکروہ ہے، البتہ مچھلی بہت بڑی ہواور دیر تک نہ مرسکے تو اس کو ذبح کرنا اور دم کی طرف سے ذبح کرنا مسنون ہے۔

مچھلی اور ٹڈی کو زندہ بھی اور مردہ بھی کھا سکتے ہیں اور نگل سکتے ہیں، اگر چہ کہ غیر اہل کتاب یا بت پرست نے ماری ہو، اللہ تعالی نے فرمایا ہے: "**أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَ طَعَامُهُ**" (المائدۃ:۹۶) تمہارے لئے پانی کا شکار حلال ہے، تم اس کو کھا سکتے ہو۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "أُحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَ الْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ" (ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: کتاب الصید، باب صید الحیتان والجراد ۳۲۱۸۔ باب الکبد والطحال ۳۳۱۴۔ دار قطنی: کتاب الأشربۃ وغیرھا ۴۷۶۴۔ص ۱۱/ ۹۷) ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو قسم کے خون حلال ہیں؛ مچھلی، ٹڈی، جگر اور تلی۔

جس حیوان کے ذبح پر قدرت ہو اس کو گردن کے اوپری یا نچلے حصہ میں ذبح کرے، اور جس کے ذبح پر قدرت نہ ہو اس کے بدن کے جس حصہ پر بھی زخم پہنچا یا جاسکتا ہے پہنچائے۔

حیوان سے مراد ماکول بری جانور ہے۔ ماکول کی قید کی وجہ سے غیر ماکول جانور خارج ہوگئے، غیر ماکول جانور کا ذبح کرنا جائز نہیں ہے، اگر چہ کہ وہ نہایت تکلیف کی حالت میں ہو اور اس تکلیف سے اس کو نجات دلانا مقصود ہو۔

اختلاف: امام شافعی اور امام احمد کا قول ہے کہ غیر ماکول کو ذبح کرنے سے اس میں کوئی خوبی پیدا نہیں ہوتی۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا قول ہے کہ سور کے علاوہ بقیہ جانوروں میں ذبح کرنے سے ایک اثر اور خوبی پیدا ہوتی ہے۔ اگر درندے یا کتے کو ذبح کیا جائے تو اس کا چمڑا اور گوشت پاک ہوتا ہے، لیکن اس کا کھانا ابوحنیفہ کے نزدیک حرام اور

امام مالک کے نزدیک مکروہ ہے۔

شافعیہ کی رائے کی تائید دو وجوہات سے ہوتی ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ غیر ماکول کا گوشت نجس خون بہانے سے اس میں طہارت یا خوبی پیدا نہیں ہوتی۔اس کے ذبح کرنے اور طبعی موت مرنے میں کوئی فرق نہیں ہے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ کسی چیز کے طاہر ہونے سے اس کا حلال ہونا ضروری نہیں ہے۔بعض وقت ایک طاہر چیز بدن یا عقل کو نقصان پہنچانے کی وجہ سے حرام گردانی جاتی ہے۔

ذبح کی سہولت اور دشواری کے لحاظ سے جانوروں کی قسمیں

ذبح کی سہولت یا دشواری کے لحاظ سے ماکول جانوروں کی دو قسمیں ہیں: مقدور علیہ یا غیر مقدور علیہ

مقدور علیہ جانور

مقدور علیہ وہ جانور ہے جس کے ذبح کرنے پر قدرت ہو۔اگر اس کی گردن چھوٹی ہو جیسا کہ گائے اور بکری وغیرہ کی، تو اس کو گردن کے اوپری حصہ میں یعنی حلق کے پاس سر سے ایک حصہ چھوڑ کر ذبح کرے، اور اگر گردن لمبی ہو جیسا کہ اونٹ اور شتر مرغ وغیرہ کی تو اس کی گردن کے نچلے حصہ میں یعنی سینے سے متصل ذبح کرے۔

ان مقامات پر ذبح کرنا مسنون ہے، اس لئے کہ ان مقامات پر ذبح کرنے سے ان جانوروں کی جان آسانی سے نکل سکتی ہے۔ان مقامات کے برعکس یا گردن کے دوسرے مقامات پر بھی ذبح کر سکتے ہیں، اس لیے کہ کوئی امتناعی حکم نہیں ہے، مگر اولویت کے خلاف ہے۔برخلاف امام مالک کے، جنہوں نے اس کے برعکس عمل کرنا ناجائز قرار دیا ہے۔

اگرچہ ذبح کا لفظ گائے اور اونٹ دونوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے مگر عربوں کی اصطلاح میں گائے کے لیے ذبح اور اونٹ کے لیے نحر کے الفاظ مخصوص ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ'' (الکوثر:۲) پس نماز پڑھو اپنے پروردگار کے لئے اور قربانی دو۔

سینے کے پاس گردن ملنے کی جگہ یعنی دگدگی میں اونٹ کو بھالا مارنے کو نحر کہتے ہیں۔

غیر مقدور علیہ جانور

غیر مقدور علیہ وہ جانور ہے جس کے ذبح کرنے پر قدرت نہ ہو جیسا کہ ہرن وغیرہ اصلی وحشی جانور یا وہ پالتو جانور جو بعد میں وحشی اور قابو سے باہر ہو جائے۔ایسے جانوروں کے بدن کے جس مقام پر ہو سکے ایسا زخم پہنچائے جو جان لیوا ہو۔جان لیوا کی شرط سے وہ زخم خارج ہو جاتا ہے جو خفیف سا ہو یا جان لینے والا نہ ہو۔

اونٹ یا گائے وغیرہ کنویں میں گر جائے اور اس کو ذبح کرنا دشوار ہو تو گردن کے علاوہ دوسرے مقام پر زخم پہنچا کر ذبح کر سکتے ہیں۔وحشی جانور کے نرخرے اور غذا کی نالی کاٹنے کی شرط نہیں ہے، جس مقام پر زخم پہنچایا جا سکتا ہو پہنچائے، بشرطیکہ وہ زخم جان لینے کے لائق ہو، تاکہ معمولی صدمہ اور چوٹ اس سے خارج ہو جائے۔

ذبح کا لفظ مقدور علیہ اور غیر مقدور علیہ دونوں قسم کے جانوروں کے لئے عام ہے مگر اس کا خاص استعمال یہ بھی ہے کہ مقدور علیہ کی گردن خاص طریقہ سے کاٹنے کو ذبح کہتے ہیں اور غیر مقدور علیہ کی گردن کے علاوہ جسم کے بقیہ حصہ پر کاری زخم پہنچانے کو ''عقر'' کہتے ہیں۔

ارادہ شرط ہے

ذبح اور شکار دونوں کے لئے ارادہ شرط ہے۔ہاتھ سے چھری گرے اور کسی جانور کو ذبح کر دے، شکاری جانور اپنے شکار پر لپکے اور اس کو پچھاڑے اور مار ڈالے یا محض نشانہ بازی کے لئے تیر چلائے اور اس سے کوئی جانور ہلاک ہو جائے تو ان تینوں صورتوں میں ارادہ شامل نہیں ہے، اس لیے مرا ہوا جانور حرام ہے۔

برخلاف اس کے کہ ہرن کے جھنڈ پر تیر چلائے اور اس سے کوئی ایک ہرن ہلاک ہو جائے یا جھنڈ میں ایک ہرن کو نشانہ بنا کر تیر چلائے اور کسی دوسری ہرن کو تیر ہلاک کرے تو یہ سب حلال ہیں، اس لیے کہ ارادہ پایا جاتا ہے۔

اندھا شخص ارادے کے ساتھ مقدور علیہ جانور کو ذبح کر سکتا ہے، مگر غیر مقدور علیہ جانور پر ارادہ کے ساتھ نشانہ لگانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لیے اگر وہ کوئی شکار مارے تو بھی حرام ہے۔

ذبح کے فرائض

ذبح کے فرائض دو ہیں:

حلقوم اور مری کاٹنا۔ حلقوم یعنی نرخرا؛ سانس کی آمد و رفت کی نال کو کہتے ہیں جو حلق سے پھیپھڑے کو جاتی ہے، اور مری غذا اور پانی کی نالی کو کہتے ہیں جو حلق سے معدہ کو جاتی ہے۔ حلقوم اوپر اور مری اس کے نیچے اور اندر ہوتی ہے اور دونوں نالیوں کو کاٹنا واجب ہے۔ یہ پوری پوری کاٹی جائیں، ان کا کوئی بھی حصہ باقی رہ جائے تو ذبیحہ حلال نہیں۔

ذبح صحیح ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ سر سے متصل گردن کے ایک منکے کو چھوڑ کر ذبح کرے۔ اگر کوئی منکا نہ چھوڑے تو ذبیحہ حلال نہیں ہوگا۔

ایک ہی دفعہ میں ذبح کرنا لازم ہے، نہ کہ متعدد دفعات میں، متعدد دفعات میں ذبح کرنے سے جانور حلال نہیں ہوتا، جب کہ بعد کی دفعہ ذبح کے آغاز کے وقت حیاتِ مستقرہ نہ ہو، اگر بعد کی دفعہ کے آغار کے وقت حیات مستقرہ باقی رہے تو مضائقہ نہیں، ذبیحہ حلال ہے۔

دفعات کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ ان کے درمیان طویل فصل ہو، اگر ذبح کرتے ہوئے چھری گردن سے اٹھائے اور پھر فوراً لوٹائے یا کند ہونے کی وجہ سے اس کے بدلہ دوسری چھری لے یا چھری ہاتھ سے گر جائے اور پھر اٹھائے اور ذبح کی تکمیل کرے تو ذبیحہ حلال ہے، اگرچہ کہ آخری دفعہ کے ذبح کے وقت جانور میں حیات مستقرہ باقی نہ رہے، فصل طویل نہ ہونے کی وجہ سے یہ جملہ دفعات ایک ہی دفعہ شمار ہوں گے۔

اگر جانور کی ہلاکت کے لئے کوئی متقدم سبب پایا جائے جیسا کہ کوئی زہریلا پودا کھایا ہو، درندے نے زخمی کیا ہو، دیوار اس پر گری ہو یا بلی نے کبوتر کو پکڑا ہو تو ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے حیات مستقرہ کا پایا جانا شرط ہے۔

حیات مستقرہ کی دو علامتیں ہیں: ذبح کے بعد جانور کی گردن سے خون کا کودنا اور جانور کا حالت اضطرات میں تڑپنا، اگر ہلاکت کا باعث کوئی متقدم سبب نہ ہو تو ذبیحہ کے حلال ہونے کے لئے حیات مستمرہ کا پایا جانا کافی ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ جانور میں جان باقی ہو، اگر چہ کہ ذبح کے بعد خون نہ بہے اور حرکت نہ کرے جیسا کہ کسی مرض یا بھوک کی وجہ سے جانور کی حالت حرکت مذبوح تک پہنچے اور ذبح کیا جائے تو حلال ہے، اگر چہ کہ خون نہ دوڑے یا جانور نہ تڑپے۔

جانور کی موت محض حلقوم اور مری کٹنے کی وجہ سے پیش آئے اور اس میں کوئی دوسرا سبب نہ ہو، مثلاً ایک شخص ذبح کر رہا ہو اور دوسرا اس کا پیٹ چاک کر کے انتڑیاں نکال رہا ہو تو ذبیحہ حلال نہیں ہے۔

ذبح کے وقت جانور میں حیاتِ مستقرہ کی موجودگی کا علم ضروری نہیں ہے، بلکہ گمان بھی کافی ہے، اس صورت میں جب کہ ہلاکت کے لئے کوئی متقدم سبب نہ ہو۔ اگر کسی متقدم سبب کی وجہ سے جانور حرکت مذبوح کو پہنچ چکا ہو اور اس کے بعد ذبح کرے تو حلال نہیں ہے۔

ذبح کی سنتیں

ذبح کی سنتیں نو ہیں:

دونوں شہ رگیں جو گردن میں حلقوم کے دونوں جانب ہوتی ہیں کاٹی جائیں، تسمیہ، درود، استقبالِ قبلہ، تکبیر، دعا، چھری تیز کرنا اور ذبح کرنے کا طریقہ۔

دونوں شہ رگوں کو کاٹنا مسنون ہے جو گردن میں دونوں جانب ہوتی ہیں، شہ رگ کو عربی میں ''ودج'' کہتے ہیں اور خاص طور پر انسان کی شہ رگ کو ''ورید'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ'' (ق:١٦)

ان شہ رگوں سے بڑھ کر مزید کسی چیز کا کاٹنا مسنون نہیں ہے۔ پورے سر کو کاٹنا بھی کافی ہے۔ مگر چونکہ اس میں جانور کے لئے غیر ضروری تکلیف ہے اس لئے حرام ہے، مگر رملی اور شبراملسی کی رائے میں کراہت ہے اور معتمد یہی قول ہے۔

اختــلاف :امام مالک اورامام ابوحنیفہ کے نزدیک حلقوم،مری اور دونوں شہ رگوں؛ چاروں کا کاٹنا واجب ہے،امام احمد امام شافعی کی تائید کرتے ہیں۔

تسـمیه :ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا مسنون ہے،''باسم اللہ واسم محمد'' مطلق طور پر بغیر کسی خاص ارادہ کے کہنا حرام ہے۔مگر ذبیحہ حلال ہے،اس لئے کہ شرک کا صرف شبہ پیدا ہوتا ہے،اگر شرک کے ارادہ سے ایسا کہے تو کفر ہے اور ذبیحہ بھی حرام ہے،اگر تبرکاً ہو تو مکروہ ہے،مگر ذبیحہ حلال ہے۔ذبیحہ اس صورت میں حرام ہو جاتا ہے جب کہ علانیہ شرک کا ارادہ کیا جائے،اللہ تعالی کے علاوہ کسی اور کا نام لینے سے ذبیحہ حلال نہیں ہوتا،اس لیے کہ آیت''وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ'' کی تعریف صادق آتی ہے۔

''اقرب الموارد''میں لکھا ہے:''هلل المؤمن تهليلا .قال لا إله إلا الله'' یعنی 'هلل ' کے معنی لا الہ الا اللہ کہنے کے ہیں۔**أهل بالتسمية الذبيحة أى قال باسم الله۔ما أهل به لغير الله أى نودى عليه بغير اسم الله عند ذبحه**''یعنی ذبح کے وقت اللہ کے نام کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لیا گیا۔

نسفی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے:''**أى رفع الصوت به لغير الله وهو قولهم بإسم اللات والعزى فحرم الله تعالى ذلك**''۔

تفسیر کشاف میں زمخشری نے کہا ہے:''**أى رفع الصوت به لغير الله وهو قولهم بإسم اللات والعزى عند ذبحه**''۔

لغت اور ان تفسیروں سے ظاہر ہے کہ اس آیت کا تعلق جانور کے ذبح سے ہے، جانور کی قید کی وجہ سے روح نہ پائے جانے والی چیزوں غلہ وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔غیر ذی روح خام یا پکی ہوئی اشیاء کو کسی کی طرف منسوب کرنے سے ان چیزوں میں کوئی حرمت پیدا نہیں ہوتی۔

ذبح کی قید کی وجہ سے ذبح سے پہلے کسی جانور کو کسی کے نام منسوب کیا گیا تو یہ انتساب الگ فعل ہے اور اس کو ذبح سے تعلق نہیں ہے۔

روح والے ماکول جانور کے گوشت کی حلت وحرمت اس امر پر موقوف ہے کہ اس کو شرعی طریقہ پر ذبح کیا گیا یا نہیں کیا گیا۔ اور پھر شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد اس کو کسی کے نام سے منسوب کیا جائے یا کسی غرض سے منسوب کیا جائے تو اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ''اُھل'' کا ترجمہ ''نامزد کیا گیا'' کیا جاتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے اور مقصود یہ ہو کہ صرف اللہ کے نام پر ذبح کرے اور کسی بزرگ ہستی کی محبت میں ایصال ثواب کے ارادہ کے بغیر کسی عبادت کے تصور کے اس کا گوشت وغیرہ صدقہ دے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

اکمل تسمیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے، مالکیہ کا قول ہے کہ الرحمٰن الرحیم کے ناموں میں لطف وکرم مضمر ہے جو ذبح جیسے سخت فعل کے لائق نہیں، اس لیے الرحمٰن الرحیم نہ کہے، مگر شافعیہ نے یوں تردید کی ہے کہ ذبح میں کھانے والوں کے لئے رحمت ہے۔

تسمیہ چوں کہ شافعیہ میں مسنون ہے، اس لیے تسمیہ کے بغیر بھی ذبیحہ حلال ہے، مگر عمداً تسمیہ چھوڑنا مکروہ ہے، اس لیے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے، حالانکہ اہل کتاب بسملہ نہیں بولتے۔

امام حنیفہ اور امام مالک نے آیت: ''**وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ لَفِسْقٌ**'' (الأنعام:۱۲۲) کے ظاہری معنی پر اعتماد کرتے ہوئے تسمیہ کو واجب قرار دیا ہے، لیکن شافعیہ کا استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ''**مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ**''، یعنی جس پر کہ غیر اللہ کا نام لیا گیا جیسا کہ دوسری جگہ حکم ہوا ہے۔ ''**وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ**'' اور آیتوں کے سیاق سے اسی پر دلالت ہوتی ہے۔

ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ لوگ ذبیحوں کو اپنے معبودوں کے نام پر ذبح کرتے اور اس کو کھاتے تھے تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور ایسے ذبیحوں کے کھانے سے منع کیا گیا اور ان کے کھانے کو فسق کہا گیا۔ چاروں ائمہ کا اجماع اس پر ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ لیا جائے یا کوئی نام ہی نہ لیا جائے اس ذبیحہ کا کھانا فسق نہیں ہے۔

درود: ذبح کے وقت نبی ﷺ پر درود اور سلام بھیجنا مسنون ہے۔

استقبال قبلہ مسنون ہے، جانور کو ذبح کے لئے بائیں پہلو پر سر جنوب کی طرف کر کے لٹائے، تاکہ جانور اور ذبح کرنے والے دونوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو سکے، بائیں ہاتھ سے ذبیحہ کا سر تھامے اور داہنے ہاتھ سے ذبح کرے۔ ضرورت ہو تو جانور کے اگلے دونوں پاؤں اور پچھلا بایاں پاؤں باندھ کر ذبح کرے۔ داہنا پچھلا پاؤں کھلا رکھے تاکہ اضطراری حرکت میں اس پاؤں کے ہلانے سے جانور کو استراحت ملے۔

تکبیر: یعنی تین بار اللہ اکبر کہنا اور اس کے اخیر میں تسمیہ کے پہلے یا بعد للہ الحمد کہنا قربانی اور عقیقہ میں مسنون ہے: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ اَللّٰهُ أَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔ ایک مرتبہ تکبیر عموما اس طرح کہتے ہیں: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ أَكْبَرُ۔

دعا: قبول ہونے کے لئے صرف قربانی میں کہنا مسنون ہے: ''اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ مِنْكَ إِلَيْكَ فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ أَوْ مِنْ فُلَانٍ'' یا اللہ ذبیحہ کی یہ نعمت تیری طرف سے مجھ کو عطا ہوئی ہے اور اس کے ذریعہ میں تجھ سے تقرّب چاہتا ہوں۔ پس اس کو قبول کر میری طرف سے یا فلاں کی طرف سے۔

چھری تیز کی جائے: ذبح کے آلہ یعنی چھری کو تیز کرنا عام طور پر مسنون ہے اور کند ہو تو واجب ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ'' (مسلم نے یہ روایت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب الأمر بإحسان الذبح ۵۱۶۷) ہر چیز کے بارے میں اللہ تعالی نے احسان کے لئے حکم دیا ہے، اگر تم قتل کرنے پر مجبور ہو تو احسان کے ساتھ قتل کرو اور اگر ذبح کرو تو اس میں بھی احسان کرو اور چھری کو تیز کر لو اور اپنے ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔

قتل میں احسان کے یہ معنی ہیں کہ جان لینے کا آسان طریقہ اختیار کیا جائے، کھٹمل، جوں اور کیڑوں، پتنگوں کو آگ سے نہ جلائیں، کیوں کہ اس میں تعذیب ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''فَإِنَّهُ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ'' (ابوداود نے حمزہ اسلمی سے یہ روایت کی ہے: باب

فی کراھۃ الحرق ۲۶۷۵) آگ کے ذریعہ عذاب صرف پروردگار ہی دے سکتا ہے۔

اگر ان چھوٹے جانوروں کو ضائع کرنے میں دشواری ہو تو دھوپ دے کر یا اور طریقہ سے ان کو ضائع کیا جائے۔

حشرات الأرض کی نسبت کسی کے شکایت کرنے پر نبی ﷺ نے فرمایا: "مَا يُؤْذِيكَ فَلَكَ اذِيَّتُهُ قَبْلَ أَن يُؤْذِيكَ" (یہ روایت نہیں ملی) کوئی چیز تم کو تکلیف دیتی ہو تو تم کو تکلیف پہنچنے سے پہلے اس کو تکلیف دو یعنی رفع کرو۔

چھری اس طرح تیز کرے کہ جانور کو نظر نہ آئے، نبی ﷺ راستے سے گزر رہے تھے، آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ پاؤں سے بکری کو دبائے ہوئے چھری تیز کر رہا تھا اور بکری دیکھ رہی تھی، آپ نے فرمایا: "أَتُرِيدُ أَنْ تُمِيتَهَا مَوْتَاتٍ، هَلَّا حَدَّدْتَ شَفْرَتَكَ قَبْلَ أَنْ تُضْجِعَهَا" (مستدرک حاکم: کتاب الأضاحی ۷۵۶۳۔ حاکم اور ذہبی نے اس کو علی شرط البخاری کہا ہے۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) کیا تم چاہتے ہو کہ بکری کو دو موت سے مار ڈالو۔ کیا تم بکری کو پچھاڑنے سے پہلے چھری تیز نہیں کر سکتے تھے۔

ذبح کرنے کا طریقہ: چھری کو دبا کر لے جائے، جانور کو بائیں پہلو لٹائے اور ضرورت ہو تو تین پاؤں باندھے اور سیدھے پچھلے پاؤں کو کھلا چھوڑ دے، جانور کو ذبح کے مقام پر سہولت کے ساتھ لے جائے اور ذبح سے پہلے پانی پلائے، ایک جانور کے سامنے دوسرا جانور ذبح نہ کرے۔ جس قدر حکم ہے اس سے زیادہ نہ کاٹے۔ ذبیحہ کی جان نکلنے سے پہلے اس کا کوئی عضو کاٹنا یا توڑنا یا گھسیٹنا اور چھیڑنا مکروہ ہے۔

ہر ایسے آلہ سے جس سے زخم پہنچایا جا سکتا ہے جانور ذبح کرنا جائز ہے، سوائے دانت، ہڈی اور ناخن کے، لوہے، تانبے یا کسی اور دھات کے دھار دار آلہ سے ذبح کرنا جائز ہے، جس میں زخم پہنچانے کی صلاحیت ہو، دھار دار آلہ کی قید اس لئے ہے کہ اس کے ذریعہ جان لینے میں جلدی کا امکان ہے۔

دانت، ہڈی اور ناخن کے ذریعہ ذبح کرنا جائز نہیں ہے، ایسے ذریعہ سے بھی

جان نہ لے جو گلا گھونٹنے کی تعریف میں آئے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "مَا أَنْهَرَ الدَّمُ وَذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ فَكُلُوْا، لَيْسَ السِّنَّ وَالظُّفُرَ فَسَأُحَدِّثُكُمْ عَنْ ذٰلِكَ. أَمَّا السِّنُّ فَعَظْمٌ وَأَمَّا الظُّفُرُ فَمُدَى الْحَبَشَةِ" (بخاری: باب قسمۃ الغنم ۲۴۸۸ مسلم: باب جواز الذبح بکل ما أنھر الدم إلا السن والظفر وسائر العظام ۲۵۰۴۔ یہ روایت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہے) اس کو کھاؤ جس کا خون بہا کر پاک کیا گیا ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے۔ دانت اور ناخن (ذبح کا آلہ) نہیں ہیں، اس کی وجہ بیان کرتا ہوں، دانت ہڈی میں داخل ہے (اور میں ہڈی سے ذبح کرنے سے منع کر چکا ہوں) اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں (اور میں نے تم کو ان کے ساتھ مشابہت سے منع کیا ہے)

ابوشجاع کا فقرہ یہ ہے: "تَجُوْزُ الذَّكَاةُ بِكُلِّ مَا يَجْرَحُ" ہر ایسی چیز سے ذبح جائز ہے جس میں زخم پہنچانے کی صلاحیت ہے۔

تھوڑے اضافہ کے ساتھ ابن قاسم غزی نے کہا ہے: "**تجوز الذكاة بكل محدد يجرح**" جس کے معنی ہوئے ہر ایسی دھاردار چیز سے ذبح جائز ہے جس میں زخم پہنچانے کی صلاحیت ہے۔ خطیب شربینی کے الفاظ یہ ہیں: "**وتجوز الذكاة بكل ما يجرح كمحدد حديد**" ہر زخم پہنچانے والی چیز سے ذبح جائز ہے جیسا کہ دھاردار لوہا وغیرہ۔

دھار کی قید کی وجہ سے مثقل یعنی وزن سے مارنے والا کند آلہ سیس اور مٹی کی گولیں وغیرہ خارج ہو جاتی ہیں۔ مثقل سے مارا ہوا موقوذہ کی تعریف میں داخل ہوتا ہے اور موقوذہ لکڑی پتھر وغیرہ جیسے کند آلہ سے مارے ہوئے کو کہتے ہیں جس میں دھار نہیں ہوتی۔

بندوق کے شکار کا حکم

موجودہ خاردار ریفلوں کی گولیوں کی رفتار بہت تیز ہے۔ ریفل کی گولی میں دو شقیں ہیں: ایک تو دھکا دینے کی قوت، اور دوسری سرایت کرنے کی قوت۔ پہلی قوت کو ممکن ہے کہ ثقل یا وقذ کہہ سکیں، مگر دوسری قوت کو وقذ کہنا دشوار ہے۔

سرایت کرنے کی قوت ایسی شدید بھی ہے کہ نوکدار دھاردار آلہ کے مقابلے میں

زیادہ تیزی کے ساتھ بدن کی گہرائیوں میں داخل ہوسکتی ہے اور نہایت گہرا زخم پیدا کرسکتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے گولی کا زخم دھاردار آلہ سے زیادہ کاری ہوتا ہے۔اس زخم کے ذریعہ سے خون بہتا ہے۔ان حالات میں بندوق کی گولی سے مارے ہوئے جانور کو موقوذ کہنا غور طلب ہے۔

جو جانور جال یا پھاند کے ذریعہ پکڑا جائے اور اس میں مرجائے تو وہ منخنقہ یعنی گلا گھونٹے ہوئے کی تعریف میں داخل ہے اور حرام ہے۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جانور میں حیات مستقرہ باقی رہے تو اس کو ذبح کیا جاسکتا ہے۔

کاٹنے والی دھار کی قید ہے، کسی مخصوص دھات سے ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لکڑی اور بانس کی دھار میں بھی کاٹنے کی قابلیت ہو تو کافی ہے، حتی کہ ڈوری اور دھاگہ؛ سادہ یا مصالحہ سے تیز کیا ہوا چھوٹے موٹے پرند کو ذبح کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

دانت اور ناخن سے ذبح جائز نہیں ہے۔مذکورہ حدیث کے الفاظ صاف ہیں، دانت پر قیاس کرتے ہوئے ہڈی کو بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے۔شکاری جانور کے دانت اور ناخن اس حکم سے مستثنی ہیں۔

ذبح کے لیے مجاز افراد

مسلمان اور اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے اور مجوسی یا بت پرست کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، ہر مسلم، بالغ اور ممیّز کا ذبیحہ حلال ہے جو ذبح کی طاقت رکھتا ہو، اور ہر اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہے چاہے وہ یہودی ہو یا نصرانی۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَطَعَامُ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَكُمْ'' (المائدۃ:۵) جن لوگوں کو کتاب دی گئی ان کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے۔

حضرت ابن عباس نے وجہ یہ بتائی ہے کہ یہودی اور نصاری تورات اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں۔

قولِ اظہر کے مطابق مجنون اور نشہ کئے ہوئے شخص کا بھی ذبیحہ حلال ہے اور معتمد یہی قول ہے۔البتہ اندھے کا ذبیحہ مکروہ ہے۔

مجوسی یعنی آتش پرست، بت پرست اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور نہ ان

لوگوں کا جن کی کوئی کتاب ہی نہیں۔

عورت بھی ذبح کرسکتی ہے مگر عورت سے مرد افضل ہے اور ممیّز سے عورت۔

اگر اہل کتاب میں سے کوئی ذبیحہ کے بارے میں بتائے کہ اس نے ذبح کیا ہے تو اس کا کھانا حلال ہے۔

جو احکام ذبح کے مجاز ہونے کی نسبت ہیں وہی شکار کی نسبت ہیں؛ ہتھیار کے ذریعہ ہو یا شکاری جانور کے ذریعہ۔ اہل کتاب کا شکار بھی مسلم کے لئے حلال ہے۔

رملی اور رحمانی کی رائے میں غیر ممیّز لڑکا جس میں تھوڑا بہت شعور یا تمیز پیدا ہو چکا ہے ذبح کا مجاز ہے۔

اندھے کے ذبح میں کراہت اس لیے ہے کہ ذبح کی جگہ میں غلطی کرنے کا امکان رہتا ہے، یہ حکم بھی مقدور علیہ جانور کی حد تک محدود ہے، ورنہ غیر مقدور علیہ جانور کا شکار نہ اندھا خود کرسکتا ہے اور نہ شکاری جانور کے توسط سے۔

خلاصہ یہ کہ ذبح میں عاقل اور مسلم مرد کو اولویت حاصل ہے، اس کے بعد عاقل اور مسلم عورت کو، پھر مسلم ممیّز لڑکے کو پھر اہلِ کتاب کو اور پھر مجنون یا نشیلے اور غیر ممیّز لڑکے کو مساویانہ۔

پیٹ کا بچہ

جنین (پیٹ کا بچہ) اس کی ماں کے ذبح ہونے پر حلال ہو جاتا ہے، لیکن جنین زندہ پائے تو ذبح کرے۔ بچہ جو ماں کے پیٹ میں ہے ماں کے ذبح ہونے پر حلال ہو جاتا ہے، اگر چہ کہ مردہ برآمد ہو یا اس میں حیات مستقرہ نہ ہو، یا عیش مذبوح کی حالت میں ہو۔ عیشِ مذبوح کی حالت میں اس کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں، اگر حیات مستقرہ ہو تو ذبح کرنا واجب ہے۔

جنین سے قبل کی حالت کو علقہ اور مضغہ کہتے ہیں اور یہ حرام ہیں، علقہ خون کے لوتھڑے کو اور مضغہ گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں، حیوانی شکل کے ظاہر ہونے پر اور جان آنے کے بعد اس کو جنین کہتے ہیں۔

یہی حکم اس شکار کی نسبت بھی ہے جو ہتھیار کے ذریعہ کیا جائے یا شکاری جانور

کے ذریعہ، ان سب کے جنین کے بارے میں یہی حکم ہے۔اس لیے کہ حدیث کے الفاظ عام ہیں: ''ذَكَاةُ الْجَنِيْنِ ذَكَاةُ أُمِّهِ ''۔(ابوداود نے یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب ماجاء فی ذکاۃ الجنین ۲۸۳۰۔ترمذی، ابن ماجہ اور احمد نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے: احمد: ۱۱۳۶۱)

جس خون کے بہانے نے ماں کو حلال کیا اسی نے ماں کی اتباع میں جنین کو بھی حلال کیا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جنین اپنی ماں کا جزء ہے اور جب ماں کے سارے اجزاء حلال ہوئے تو جنین بھی حلال ہوا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ کسی جانور کے حلال کرنے پر اس کے سارے اعضاء کے ساتھ اس کا وہ عضو بھی حلال ہو جاتا ہے جو شل یعنی بیکار رہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اگر ماں کے ذبح کرنے پر بچہ حلال نہ ہو جائے تو حمل کی حالت میں ماں کا ذبح کرنا خود حرام ہو جائے گا، جیسا کہ حاملہ عورت قصاص کے جرم میں تعزیراً قتل نہیں کی جاسکتی۔

اگر ماں کے ذبح کرنے کے بعد بچے میں حرکت رہے اور دیر تک جاری رہنے کے بعد موقوف ہو جائے اور پھر بچہ مردہ برآمد ہو تو حلال نہیں ہوگا۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ کے نزدیک جنین کو بھی ذبح کرنا واجب ہے جیسا کہ اس کی ماں کو ذبح کیا گیا ہے۔آپ کی رائے میں حدیث موصوف کے اعراب یہ ہیں: ''ذَكَاةُ الْجَنِيْنِ ذَكَاةَ أُمِّهِ '' دوسری 'ذکاۃ' کا تاء منصوب ہے، کاف تشبیہ کے حذف ہونے سے مقدر یعنی پوشیدہ کو ظاہر کرنے پر حدیث کے الفاظ یہ ہوں گے: ''ذَكَاةُ الْجَنِيْنِ كَذَكَاةِ أُمِّهِ''۔

زندہ حیوان کا جزء

حیوان کا جو حصہ زندہ حیوان سے کاٹا جائے وہ مردار ہے، اس سے بال مستثنیٰ ہیں، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''فَمَا قُطِعَ مِنْ حَيٍّ فَهُوَ مَيِّتٌ '' (ابن ماجہ نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: کتاب الصید، باب ماقطع من البھیمۃ وھی حیۃ ۳۲۱۷۔حاکم نے یہی روایت

ابوسعید رضی اللہ عنہ سے کی ہے: کتاب الأطعمة ۱۵۱۷)

طہارت اور نجاست میں زندہ جانور سے کاٹے ہوئے حصہ کا حکم وہی ہے جو اس کے مردار کا ہے؛ مچھلی، ٹڈی اور آدمی کا کوئی حصہ کاٹا جائے تو پاک ہے۔ گدھے اور بکری سے زندگی کی حالت میں جو حصہ کاٹا جائے نجس ہے۔

بالوں سے فائدہ اٹھانے کی نسبت یہ آیت ہے: ''وَمِنْ أَصْوَافِهَا وَأَوْبَارِهَا أَثَاثًا وَ مَتَاعًا إِلٰى حِيْنٍ ''(النحل:۸۰) اثاث گھریلو سامان کو اور متاع عام سامان کو کہتے ہیں۔ عربی میں چھپکلی کے بالوں کو ''شعر''، مینڈھے کے بالوں کو ''صوف'' اور اونٹ کے بال کو ''بور'' کہتے ہیں۔

شیخ ابوشجاع کے متن میں بالوں کا لفظ مطلق ہے اور کوئی قید نہیں ہے۔ ابن قاسم غزی اور خطیب شربینی نے ماکول کی قید عائد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ماکول حیوان کے بال جو زندگی میں کاٹے جائیں پاک ہیں، ماکول کی قید کی وجہ سے غیر ماکول؛ گدھے اور بلی وغیرہ کے بال خارج ہو جاتے ہیں اور نجس ہیں، مگر قلیل مقدار میں معاف ہیں اور اس شخص کے لئے جو دن رات کاروبار سے تعلق رکھتا ہے کثیر مقدار میں بھی معاف ہیں۔

اطعمہ (کھانے پینے کی چیزیں)

(حلال وحرام حیوانات، اکل میتۃ، مردہ حیوانات، حلال خون)

اُطعمہ طعام کی جمع ہے اور طعام بمعنی 'مطعوم' کھائی ہوئی چیز کو کہتے ہیں، جیسا کہ شراب سے مشروب مراد ہے۔

غذاؤں کی حلت اور حرمت کی نسبت اللہ تعالی فرماتا ہے: ''قُلْ لَا أَجِدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ'' (الأنعام: ۱۴۶) کہہ دو کہ جو باتیں مجھ کو وحی کے ذریعہ پہنچی ہیں ان میں کوئی چیز حرام نہیں پاتا ہوں، کھانے والے پر جو اس کو کھائے۔

یہ بھی فرمان الٰہی ہے: ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ'' (الأعراف: ۱۵۷) ان کے لئے پاک چیزیں حلال ہیں اور بری چیزیں حرام ہیں۔

حلال اور حرام جانوروں کے احکام دین کے اہم امور میں سے ہیں۔ حرام جانوروں کے کھانے کے خلاف شدید عذاب کا خوف دلایا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ حَرَامٍ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهِ'' (شعب الإیمان: الفصل الثالث فی طیب الطعام ۵۳۷۶۔ یہ روایت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے) جو گوشت حرام سے بڑھا اس کے لئے دوزخ کی آگ بہتر ہے۔

ذائقہ کے لطف کی وجہ سے پر تکلف قسم قسم کی غذائیں زیادہ مقدار میں نہ کھانا مسنون ہے، البتہ مہمان کی ضیافت اور اہل وعیال کی خوشنودی خاص موقعوں پر مطلوب ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ فخر ومباہات مطلوب ہو تو صحیح نہیں ہے۔

مباح خواہشات کی تکمیل

مباح خواہشات کی تکمیل کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ نفس کو

خواہشات سے روکے تاکہ سرکش نہ ہو جائے۔ بعض کا قول ہے کہ جائز خواہشات سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جائے تاکہ سکون اور اطمینان حاصل ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں امور کے بین بین رہے، اس لیے کہ من مانی خواہشات کے حاصل ہونے پر نفس غالب آجاتا ہے اور پورے طور پر روکے رہنے سے نفس کند ہو جاتا ہے اور بلادت یعنی بیوقوفی پیدا ہوتی ہے۔

میٹھی غذا مسنون ہے اور کھانے میں زیادہ افراد کی شرکت مسنون ہے، کھانے اور پینے کے بعد خدا کا شکر ادا کرنا بھی مسنون ہے۔ نبی ﷺ کھاتے اور پیتے وقت فرماتے تھے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَطْعَمَ وَسَقٰی وَسَوَّغَهٗ وَجَعَلَ لَهٗ مَخْرَجًا'' (ابوداود نے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب مایقول الرجل إذا طعم ۳۸۵۳) اللہ تعالی کا شکر ہے جس نے کھلایا اور پلایا اور آسانی سے پیٹ میں اتارا اور اس کے نکلنے کا راستہ بھی بنایا۔

وہ چیز حرام ہے جو بدن یا عقل کو نقصان پہنچائے جیسا کہ پتھر، مٹی، کانچ اور زہر۔

روزی کمانے کا بہترین ذریعہ

روزی کمانے کا بہترین ذریعہ زراعت یعنی کھیتی باڑی ہے، اس لیے کہ زراعت میں ہر حالت پر توکل کا زیادہ موقع ہے، اس کے بعد صنعت وحرفت کا درجہ ہے، جو محنت ہے اور ہنر پر موقوف ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''مَنْ بَاتَ كَالًّا مِنْ عَمَلِهٖ بَاتَ مَغْفُوْرًا لَهٗ'' (فتح الباری میں بخاری کی سند سے مقداد بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے؛ باب کسب الرجل وعملہ بیدہ: فتح الباری حد ۱۹۶۶۔ ص ۴/۳۰۶) جس نے تھکی ماندی رات گزاری اس نے بخشش کے ساتھ زندگی بسر کی۔

حدیث میں ہے: ''مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ'' (بخاری میں مقدام رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے: باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ۲۰۷۳) کسی نے بہتر غذا نہ کھائی اس شخص سے جس نے اپنے ہاتھ کی محنت سے کھایا۔

اس کے بعد تجارت کا درجہ ہے۔ صحابہ رضوان اللہ علیہم اکثر تجارت کرتے تھے، حضرت داود علیہ السلام باوجود اپنی وسیع مملکت وحکومت کے ہاتھ کی محنت سے اپنی روزی

کماتے تھے۔حضرت نوح بڑھئی کا کام کرتے تھے، حضرت ابراہیمؑ کپڑے فروش اور حضرت ادریس خیاط یعنی درزی تھے۔

حلال اور حرام حیوان

وہ جانور حلال ہیں جن کو عرب نے پسند کیا ہے، اس سے وہی جانور مستثنیٰ ہیں جن کو شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔قوم عرب کی تخصیص اس لئے ہے کہ کلام مجید ان ہی کو مخاطب کر کے نازل ہوا اور دین کے احکام ان ہی کی زبان میں صادر ہوئے۔جب کبھی ضرورت پیش آئے اور صراحت موجود نہ ہو تو ان عربوں کی رائے لی جائے جو فی الوقت موجود ہیں، اگر ان میں اختلاف ہو تو کثرت رائے کی پیروی کی جائے، اگر رائیں مساوی ہوں تو اہل قریش کی رائے کو ترجیح دی جائے، اس لئے کہ عرب کے قبائل میں قریش کو خاص شرف حاصل ہے۔

عرب میں سے دولت مند، باعزت اور سلیم الطبع اشخاص کی رائے درکار ہے، نہ کہ تباہ حال اور مفلس بدوی کی۔اس لیے کہ تنگدستی اور ضرورت معیارِ زندگی کو گرا دیتے ہیں، عرب کی پسندیدگی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سبھی عرب کسی جانور کو پسند کریں اور نہ یہ مراد ہے کہ عرب کی ایک بڑی جماعت پسند کرے اور ان کی رائے حاصل کی جائے، بلکہ دو عادل عربوں کی رائے اس بارے میں کافی ہے۔

اگر کوئی جانور عرب میں نہ پایا جائے اور اس کی نسبت عرب کی رائے ظاہر نہ ہو سکے تو جو جانور طبیعت کے اعتبار سے جس کے قریب تر ہو پھر ذائقہ میں اور پھر صورت میں تو اس کے لحاظ سے حکم لگایا جائے۔

پسندیدگی کا حکم عام ہے مگر وہ جانور جس کے حرام ہونے کی نسبت صریح نصِ قرآنی یا نصِ حدیث ہو یا ائمہ کا اجماع ہو تو حرام ہے۔تحریم کی نسبت صریح حکم کی موجودگی میں اہل عرب کی پسندیدگی کوئی چیز نہیں ہے۔شہری گدھا اور خچر حدیث کے نص کی وجہ سے حرام ہے، اسی وجہ سے حرام گردانے گئے ہیں۔حلال اور حرام جانوروں کے ملاپ سے جو جانور پیدا ہو وہ بھی حرام ہے۔

حلال جانور یہ ہیں: چوپایہ میں اونٹ، گائے، بھینس ،مینڈھی ، چھیلا ، ہرن کی اقسام؛ چیتل، سانبرا، نیل گائے، گھوڑا، خرگوش وغیرہ۔ پرندوں میں مرغ، بطخ، خاز، مرغابی، بگلا، کبوتر، قمری، فاختہ، تیتر، بٹیر، لہوا، خان چڑی وغیرہ۔

موذی جانور

وہ جانور حرام ہیں جن کا قتل ان میں ایذا رسانی کی صفت پائے جانے کی وجہ سے مستحب ہے جیسا کہ سانپ، بچھو، گھونس، چوہا، دیوانہ کتا وغیرہ، وہ کتا جو دیوانہ نہ ہو اور اس میں کوئی منفعت ہو تو اس کو ہلاک کرنا حرام ہے، اور اگر اس میں منفعت نہ ہو تو بھی اس کو ہلاک کرنا حرام ہے اور معتمد یہی قول ہے، برخلاف شیخ الاسلام کے۔ ان کی رائے میں جس کتے اور جس جانور کے وجود سے کوئی منفعت نہ ہو اور نہ نقصان ہو اس کو ہلاک کرنا مکروہ ہے۔ اور جس جانور میں منفعت اور مضرت دونوں ہوں اس کو ہلاک کرنا مسنون نہیں ہے۔

وہ جانور بھی حرام ہیں جن کے ہلاک کرنے سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ 'خطاف' یعنی ابابیل جس کو 'عصفور الجنۃ' بھی کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ انسان کے کھانے کی اجناس کو نہیں چھوتا ہے، مور شافعیہ میں حرام ہے اور حنفیہ میں حلال ہے۔ (مور کھانے کو شوافع نے حرام نہیں کہا ہے، بلکہ اس کو مکروہ بتایا گیا ہے)

وہ جانور حرام ہیں جن کو عرب نے پسند نہیں کیا ہے، سوائے ان جانوروں کے جن کو شریعت نے حلال قرار دیا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''أُحِلَّتْ لَكُم بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ'' (المائدۃ:۱)

بہیمہ انعام سے اونٹ، گائے، بکری اور ان کی ساری اقسام مراد ہیں۔ صحیحین کی حدیث ہے کہ جنگ خیبر کے وقت نبی ﷺ نے گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی۔ (بخاری نے یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے: کتاب الذبائح والصید، باب لحوم الحمر الإنسیۃ ۵۲۰۴)

حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانہ میں ہم نے مدینہ میں گھوڑا ذبح کر کے کھایا تھا۔ (مصنف عبدالرزاق: باب الخیل والبغال ۸۷۳۷۔ السنن

الکبری ۴۸۳۶ ص ۴/ ۴۸۷۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

گھوڑے کا گوشت کھانے سے روکنے والی حدیث منکر ہے جیسا کہ امام احمد کا قول ہے یا منسوخ ہے جیسا کہ ابوداود نے کہا ہے۔

جنگلی گدھے کی نسبت نبی ﷺ نے فرمایا: ''كُلُوا مِنْ لَحْمِهِ ''اس کا گوشت کھاؤ اور آپ نے خود بھی کھایا۔ (بخاری نے ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب من استوھب من أصحابہ شیئا ۲۵۷۰۔ مسلم: باب تحریم الصید للمحرم ۲۹۰۹)

اس پر قیاس کرتے ہوئے جنگلی گائے بھی حلال ہے۔ ضبع یعنی ترمس کی نسبت نبی ﷺ نے فرمایا: ''يَحِلُّ أَكْلُهُ''۔ (السنن الصغری للبیھقی میں جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے: ۳۹۰۹ ص ۸/ ۲۹۵)

گھوڑ پھوڑا یعنی گوہ اس لئے حلال ہے کہ نبی ﷺ کے دستر خوان پر کھایا گیا، گو آپ نے خود نہیں کھایا۔ (بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: باب من قبل الھدیۃ ۲۵۷۵)

آپ سے کسی نے پوچھا کیا یہ حرام ہے تو آپ نے فرمایا: ''نہیں وَلٰكِنَّهُ لَيْسَ بِأَرْضِ قَوْمِي فَأَجِدُ نَفْسِي تَعَافُهُ'' (بخاری نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب ما کان النبی ﷺ لایأ کل حتی یسمی لہ فیعلم ما ھو۔ ۵۳۹۱۔ یہ سوال کرنے والے خالد بن ولید ہی ہیں) چونکہ میرے ملک میں نہیں ہوتا اس لیے مجھ کو کراہت معلوم ہوتی ہے۔

خرگوش کا بورک بنا کر آپ کے پاس بھیجا گیا تو آپ نے قبول فرمایا اور کھایا۔

لومڑی شافعیہ میں حلال ہے۔ اور بعض کے پاس حرام اور بعض کے پاس مکروہ۔

گھوڑا پھوڑ، لومڑی، یربوع، فنک، سمور اور سنجاب کے حلال ہونے کی نسبت یہ استدلال ہے کہ ان کی کوچلیاں قوی اور زخم پہنچانے کے قابل نہیں ہوتیں۔

وہ کوا جو محض دانہ چگتا ہے جس کو ''غراب الزرع'' کہتے ہیں حلال ہے۔ کووں کی دوسری اقسام جو مردار کھاتے ہیں حرام ہیں۔

زرافہ کی نسبت اختلاف ہے۔ مجموع میں اس کو حرام اور عباب میں حلال بتایا ہے۔

حلال اور حرام ہونے کا اصول

ایسے چوپائے حرام ہیں جن کے دانت مضبوط اور دوسرے جانور کو زخمی اور مغلوب کرنے کے قابل ہیں۔ جیسا کہ شیر، ببر، چیتا، کتا، سور اور بلی وغیرہ، بلی شہری اور جنگلی دونوں حرام ہیں۔ ہاتھی، خچر، گدھا وغیرہ اگرچہ کہ درندے نہیں ہیں مگر حرام ہیں۔

مضبوط دانت کی شرط سے وہ جانور خارج ہو جاتے ہیں جن کے دانت کمزور اور دوسرے جانور کو زخمی نہیں کر سکتے جیسا کہ تڑس اور لومڑی۔

ایسے پرندے حرام ہیں جن کے چنگل مضبوط اور زخمی کرنے کے قابل ہیں جیسا کہ شکرہ، باز، شاہین اور گدھ وغیرہ، مور، ہما اور اُلّو؛ اگرچہ کہ چنگل سے کام نہیں لیتے مگر حرام ہیں۔

مردار کھانے کا حکم

مضطر یعنی مجبور کے لئے جو ہلاکت کے قریب یعنی مخمصہ کی حالت میں ہو سدِ رمق کی حد تک مردار کھانا حلال ہے، کسی فعل کی نسبت منع کے حکم کے بعد جواز کا حکم وجوب کا اثر رکھتا ہے، حلال اور حرام کا امتیاز اختیار کی حالت میں ہو سکتا ہے اور اضطرار کی حالت میں باقی نہیں رہتا، اضطرار کی حالت میں واجب ہے کہ مردار بھی کھائے اور اپنے نفس کو ہلاکت سے بچائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ'' (التغابن) اپنے ہاتھوں خود کو ہلاکت میں مبتلا نہ کرو۔

یہ بھی فرمان ہے: ''وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ'' (النساء:۲۹) اپنی جانوں کو ہلاک نہ کرو۔

مخمصہ شدید بھوک کی حالت کو کہتے ہیں۔ مضطر سے ایسا شخص مراد ہے جو اضطراری حالت میں ہو، کھانے کے لئے حلال غذا نہ پائے اور بھوک کی شدت کی وجہ سے ہلاک ہونے کا خطرہ ہو، ہلاک ہونے کا یقین ہونا ضروری نہیں، بلکہ گمان بھی کافی ہے، ہلاکت کی نوبت بھی شرط نہیں ہے، اس لیے کہ ہلاکت کی نوبت کو پہنچ جانے کے بعد اکل میتہ بے سود ہے اور حلال بھی نہیں، اس لئے کہ اس نوبت پر جان بچانا ممکن نہیں۔

حلال غذا کے نہ ملنے کی صورت میں مردار حلال ہے۔حلال غذا کا ایک لقمہ بھی مل جائے تو اس کو کھائے بغیر مردار کھانے پر عمل نہیں کرسکتا۔مردار کھانے کے بعد حلال غذا ملے تو قئے کرنا لازم نہیں ہے اور یہی معتمد قول ہے۔ برخلاف اس اضطراری حالت کے کہ جبر و اکراہ سے شراب پی لی یا حرام غذا کھائی تو قئے کرے، بشرطیکہ موقع ہو۔

مردار کھانے کو اس غذا پر تقدیم ہے جو دوسرے کے قبضہ میں ہو اور وہ کھانے کی اجازت نہ دے، اگر مردار بھی نہ مل سکے تو بغیر اجازت کے غائب شخص کے قبضہ کی غذا کھا سکتا ہے اور اس حاضر کی بھی جو خود مضطر نہ ہو۔

جس شخص کے پاس کچھ مال ہے تو اس پر لازم ہے کہ معصوم مضطر کو کھانے کو دے، اگر وہ دینے سے انکار کردے تو جبراً لیا جاسکتا ہے۔جبر کرنے کی وجہ سے صاحبِ مال ہلاک ہو تو مضطر پر تعزیری ذمہ داری نہیں۔

اگر صاحبِ مال شخص ہی خود مضطر ہو تو اس کے لئے لازم نہیں ہے کہ دوسرے مضطر کو اپنی غذا حوالہ کرے، اس لئے کہ وہ خود زیادہ استحقاق رکھتا ہے۔حدیث میں ہے: ''اِبْدَأْ بِنَفْسِکَ إِبْقَاءَ مُهْجَتِهِ '' (مسلم وغیرہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''إبدأ بنفسک فتصدق علیها'' ٢٣٦٠۔ باب الابتداء فی النفقۃ۔نسائی: ٢٥٤٦۔ابن حبان: ٣٣٣٩۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے۔مذکورہ الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی) اپنے نفس سے شروع کرو اپنی جان کو باقی رکھنے کے لیے۔

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی ذات جداگانہ ہے۔ان کے قبضہ میں کوئی غذا ہو اور وہ خود اضطرار کی حالت میں ہو تو بھی ان پر واجب ہے کہ اپنی غذا دوسرے شخص کے حوالہ کردیں۔ صالحین کی حمیدہ خصائل کا یہ تقاضہ ہے کہ دوسرے کی جان کو اپنے نفس پر ترجیح دیں اور ایثار سے کام لیں۔اللہ تعالی ان کی تعریف میں فرماتا ہے: ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' (الحشر: ٩) اور وہ ایثار سے کام لیتے ہیں حالانکہ وہ خود تنگی کی حالت میں ہیں۔

یہ تفصیل تو معصوم مضطر کی ہوئی، مگر معصوم کی صفت کی وجہ سے وہ شخص خارج ہو جاتا ہے جو معصوم نہ ہو اور معصیت کی بناء پر اضطراری حالت میں مبتلا ہو، جب تک کہ توبہ نہ

کرے، اس کے لئے اکل میتۃ حلال نہیں ہے۔اس لئے کہ مردار کھانے کا جواز رخصت یعنی ایک رعایتی امر ہے اور ایسی رعایت سے معصیت کے ارتکاب کی بناء پر استفادہ نہیں کیا جاسکتا۔

مردار دو قسم کے ہیں:

۱۔ مرا ہوا حلال جانور جیسے مری ہوئی بکری

۲۔ مرا ہوا حرام جانور جیسے مرا ہوا گدھا

حلال جانور کے مردار کو حرام جانور کے مردار پر ترجیح ہے اور معتمد یہی ہے۔

اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ حرام جانور کو کھانے کے لئے ذبح کرے یا نہ کرے۔ بعض کا قول ہے کہ اس کا ذبح کرنا واجب نہیں ہے۔

کھانے کی مقدار

اگر توقع ہو کہ قریب میں حلال کھانا مل جائے تو صرف جان بچانے کی ضروت سے بڑھ کر نہ کھائے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ '' (المائدۃ:۳)۔ یعنی بغیر ضرورت کے پیٹ بھرنے کی طرف مائل نہ ہو۔

جب ایسی توقع نہ ہو تو سد رمق پر اکتفا کرنے کے بجائے اپنی ضروت کے مطابق کھائے اور لطف و ذائقہ کے لئے نہ کھائے۔ حلال غذا کے ملنے تک مردار کو توشہ میں بھی رکھ سکتا ہے۔

رمق سے مراد بقیہ جان ہے، مگر چونکہ جان کی تجزی نہیں ہو سکتی، اس لئے بعض نے رمق سے طاقت مراد لی ہے، جس کی تجزی ہو سکتی ہے۔

مردہ حلال جانور

مردہ حیوانات میں مچھلی اور ٹڈی حلال ہیں۔ یہ دونوں قسم کے جانور مردار کے حکم سے مستثنی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''أُحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَ الْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ '' (ابن ماجہ نے

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: کتاب الصید ، باب صید الحیتان والجراد ۳۲۱۸۔باب الکبد والطحال ۳۳۱۴۔دار قطنی: کتاب الأشربۃ وغیرھا ۴۷۹۴۔ص ۱۱/ ۹۷) ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو قسم کے خون حلال ہیں؛ مچھلی، ٹڈی، جگر اور تلی۔

ان کو ہم مردہ اور زندہ کھا سکتے ہیں اور نگل بھی سکتے ہیں، چاہے غیر کتابی کے پکڑے ہوئے ہی کیوں نہ ہو، ان میں جان باقی رہنے تک ان کو کاٹنا مکروہ ہے۔ ذبح کرنا بھی مکروہ ہے، سوائے اس کے کہ مچھلی بڑی ہو اور دیر تک زندہ رہے۔ اس کو دم کی طرف سے کاٹے۔

چھوٹی مچھلی کے پیٹ کی آلائش معاف ہے اور اس سے تیل اور گھی جس میں مچھلی تلی جائے نجس نہیں ہوتا۔ مگر مچھلی کی آلائش معاف نہیں ہے، مچھلی سے مراد ہر وہ جانور ہے جو پانی کے سوائے زندہ نہ رہ سکے، اور خشکی پر اس کی زندگی عیش مذبوح کی طرح ہو۔ عیش مذبوح زندگی کی اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی جانور کے ذبح کرنے کے بعد سے اس کی جان جانے تک باقی رہتی ہے۔

مچھلی ہی کی شرط نہیں ہے، پانی میں رہنے والا ہر ایک جانور حلال ہے، کتے کی شکل میں ہو، یا وہ مچھلی جو دوسری مچھلی کے پیٹ میں سے نکلے حلال ہے بشرطیکہ سڑی گلی نہ ہو، وہ مچھلی بھی حلال ہے جو پانی کے اوپر آجائے اور ڈوبے نہیں اور پھول جائے مگر خراب نہ ہوئی ہو۔

وہ جانور جو خشکی اور تری دونوں میں زندہ رہتے ہیں حرام ہیں جیسا کہ مینڈک، کیکڑا، تانبیل اور مگرمچھ، مینڈک کو مارنے کی ممانعت ہے۔

پانی کے سانپ اور بچھو اگرچہ کہ پانی کے باہر زندہ نہ رہیں اپنے اندر پائے جانے والے زہر کی وجہ سے حرام ہیں۔

ٹڈی متعدد اقسام کی ہوتی ہیں: بعض خشکی کی ہیں اور بعض تری کی ،بعض زرد، بعض سفید، بعض سرخ ،بعض چھوٹی اور بعض بڑی ہوتی ہیں۔ ان کی چھ ٹانگیں ہوتی ہیں؛ دو سینے کے پاس ، دو وسط میں اور دو آخر میں۔ ان سے بڑھ کر فصل کو نقصان پہنچانے والی کوئی چیز دنیا میں نہیں ہے، ان کا لعاب بھی درخت کے لئے زہر قاتل کا کام کرتا ہے۔

حلال خون

کبد اور طحال خون حلال ہیں، کبد جگر اور طحال تلی کو کہتے ہیں، حدیث میں ہے:
''أُحِلَّ لَنَا مَيْتَتَانِ وَ دَمَانِ: فَأَمَّا الْمَيْتَتَانِ فَالْحُوتُ وَ الْجَرَادُ، وَأَمَّا الدَّمَانِ فَالْكَبِدُ وَ الطِّحَالُ'' (ابن ماجہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: کتاب الصید، باب صید الحیتان والجراد ۳۲۱۸۔ باب الکبد والطحال ۳۳۱۴۔ دارقطنی: کتاب الأشربۃ وغیرھا ۴۷۹۴۔ ص ۱۱/ ۹۷)
ہمارے لئے دو مردہ جانور اور دو قسم کے خون حلال ہیں؛ مچھلی، ٹڈی، جگر اور تلی۔

خلاصہ یہ ہے کہ حیوانات کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ جانور جس کے کھانے کی اجازت ہی نہیں، ذبح کئے گئے ہوں یا مردہ ہوں جیسے گدھا۔

۲۔ وہ جانور جس کے کھانے کی اجازت ہے مگر شرعی طریقہ پر ذبح کرنے کے بعد جیسے بکری۔

۳۔ وہ جانور جو مردہ اور ذبح کیے بغیر کھایا جا سکتا ہے جیسے مچھلی اور ٹڈی۔

صید یعنی شکار

صید بصیغۂ مصدر کے معنی شکار کرنے کے ہیں اور بصیغہ مفعول شکار کو بھی صید کہتے ہیں، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''إِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ''(المائدۃ:۲) حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد تم شکار کرو یعنی تمہارے لئے حلال ہے۔

شکار دو طریقوں سے ہوسکتا ہے: ہتھیار کے ذریعہ اور شکاری جانور کے ذریعہ

شکار کی تفصیل غیر مقدور علیہ جانور کے ذبح کے ضمن میں بیان کی جا چکی ہے اور ذبح کے آلہ میں بھی بتایا گیا ہے کہ شرع میں کون سے آلہ سے غیر مقدور علیہ جانور کو کس طرح زخم پہنچایا جاسکتا ہے۔

تعلیم دئے ہوئے شکاری درندے اور پرندے کا مارڈالا ہوا شکار حلال ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**أُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتِ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ** ''(المائدۃ:۵) پاک چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور ان شکاری جانوروں کا شکار جن کو تم نے شکار کے لئے سدھایا، تم ان کو تعلیم دیتے ہو جس طرح اللہ تعالی نے تم کو تعلیم دی ہے۔ پس یہ شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لئے پکڑیں تم کھاؤ۔

شکار کرنے میں زخم کی شرط نہیں ہے، اگر شکاری جانور کے محض حملہ یا تصادم سے شکار مر جائے یا شکاری جانور شکار کو دیوار یا پتھر پر پٹک کر مارڈالے تو بھی حلال ہے، اس لئے کہ قرآن کا حکم ہے: ''**فَكُلُوْا مِمَّا أَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ**''۔(المائدۃ:۴)

چونکہ شکار کرنے والے درندہ کی مثال چیتا اور کتا اور شکار کرنے والے پرندہ کی مثال باز اور شکرہ وغیرہ ہیں۔ چونکہ شکار کا جانور غیر مقدور علیہ ہے، اس لیے اس کے جسم

کے کسی خاص حصہ پر زخم پہنچانے کی قید نہیں ہے۔عام حالات کے لحاظ سے زخم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، ورنہ زخم کی تخصیص نہیں ہے۔

شکار کے جانور میں حیات مستقرہ ہوتو اس کو ذبح کرنا واجب ہے اور جب حرکت مذبوح کی حالت میں ہوتو ذبح کی ضرورت نہیں۔ کتے کا زخم پہنچایا ہوا متاثر حصہ نجس ہو جاتا ہے۔جس طرح کہ دوسری چیزیں کتے کی رطوبت سے نجس ہو جاتی ہیں،اصح قول یہ ہے کہ ایسا متاثر شدہ گوشت معاف نہیں ہے،لیکن اس کو کاٹ کر پھینک دینا بھی واجب نہیں ہے بلکہ سات مرتبہ دھونے سے پاک ہو جاتا ہے،جس میں ایک مرتبہ مٹی استعمال کی جائے۔

تعلیم کی شرطیں

تعلیم کی شرطیں چار ہیں:

۱۔شکار پر چھوڑا جائے تو چلا جائے۔

۲۔روکا جائے تو رکے۔

۳۔شکار کو مار ڈالے تو اس میں سے کچھ نہ کھائے۔

۴۔اس عمل کو بار بار دہرایا جائے۔

ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو شکار حلال نہیں ہے،سوائے اس کے کہ زندہ ملے اور ذبح کیا جائے، جب تک یہ چار شرطیں نہ پائی جائیں تو کوئی جانور شکاری نہ قرار دیا جائے۔

دوسری شرط صرف شکاری درندے کے لئے مخصوص ہے،شکاری پرندے کے لئے یہ شرط نہیں ہے کہ شکار پر چھوڑنے کے بعد روک لیا جا سکے یا واپس بلایا جا سکے اور معتمد یہی قول ہے۔شکار میں سے نہ کھانے کے متعلق تیسری شرط اسی صورت میں عائد ہوتی ہے جب کہ مالک نے شکار پر چھوڑا ہو۔

اگر شکاری جانور خود بخود شکار پر دوڑ جائے۔اور شکار مارنے کے بعد اس میں سے کچھ کھائے تو اس کی وجہ سے اس کی تعلیم میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔

اگر شکاری جانور کے بال نوچے، شکار کا خون چاٹے تو کوئی مضائقہ نہیں، البتہ

گوشت کھانے سے اس کی تعلیم اور بار بار شکار کے عمل کے ذریعہ آزمائش ضروری ہے، کمی پائے جانے سے سابقہ شکار حرام نہیں ہوں گے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ابتدائی تینوں طریقوں پر ایک مرتبہ عمل کرنا کافی نہیں ہے بلکہ ان کی تکرار کرے، تاکہ اس کی تعلیم کے صحیح ہونے کی نسبت قیاس کیا جائے۔ تکرار کی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے۔ جانوروں کی طبیعت کے لحاظ سے شکاری جانوروں کی تعلیم کے ماہرین کی رائے پر عمل کرنا ضروری ہے۔

شکاری جانور کی تعلیم میں کمی رہنے کی صورت میں صرف ایک حلت کی شکل یہ باقی رہتی ہے کہ شکار زندہ اور حیات مستقرہ کی حالت میں دستیاب ہو اور ذبح کیا جاسکے۔

نبی ﷺ نے ثعلبہ خشنی سے فرمایا: ''**وَمَا صِدْتَ بِكَلْبِكَ غَيْرِ الْمُعَلَّمِ فَأَدْرَكْتَ ذَكَاتَهُ**'' (بخاری: الذبائح والصید، باب ما جاء فی التصید ٥١٧٠، مسلم: الصید والذبائح، باب الصید بالکلاب ١٩٣٠۔ یہ روایت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ہے) غیر تربیت یافتہ کتے کے ذریعہ جو تم شکار کرو اور شکار کو زندہ پاؤ تو اس کو ذبح کرو۔

ایک ہی شکار کی بھی دو حالتیں ہوسکتی ہیں:

شکار ابتداء میں غیر مقدور علیہ ہو اور قابو میں نہ ہو لیکن شکار کرنے کے بعد زندہ حالت میں دستیاب ہو جائے اور مقدور علیہ ہو تو وہ ذبح کیا جائے گا۔

جانور ابتداء میں مقدور علیہ تھا، مگر زخم پہنچانے کے بعد غیر مقدور علیہ ہو گیا تو اس کو بھی جس مقام پر چاہے زخم پہنچا کر ہلاک کرے تو حلال ہے۔

قصد وارادہ

غیر مقدور علیہ میں عین اور جنس کی نسبت قصد وارادہ کی بھی شرط ہے، اگر ہرن کے منڈے میں بغیر تعین کے نشانہ لگائے اور منڈے میں سے کسی ایک کو نشانہ لگ جائے، یا منڈے میں سے ایک کا نشانہ لے اور دوسرے کو نشانہ لگے تو شکار حلال ہے، برخلاف اس کے کہ ارادے کے بغیر ہاتھ سے چھری گرے اور اس سے کوئی جانور گھائل ہو جائے، یا محض

آزمائش کے لئے نشانہ لگائے اور اس سے کوئی جانور مارا جائے، یا شکاری جانور اپنے سے آپ لپکے اور کسی جانور کو مارڈالے تو ان سب صورتوں میں ارادہ کا فقدان ہے اور شکار حرام ہے۔

شکاری جانور کا مارڈالا ہوا شکار اسی صورت میں حلال ہے جب کہ غیر مقدور علیہ ہو۔ ورنہ مقدور علیہ پر شکاری جانور کو چھوڑے اور وہ اس کو مارڈالے تو حلال نہیں ہے۔

شکاری جانور کے ذریعہ شکار حلال ہونے کے لئے شکاری میں ان صفات کا پایا جانا ضروری ہے جو ذبح کے جائز ہونے کے لئے مقرر ہیں یعنی مسلم ہو یا اہل کتاب میں سے ہو، غیر اہل کتاب شکاری جانور کے ذریعہ شکار کو مارڈالے تو وہ جانور حلال نہیں ہے۔

شکار کے حلال ہونے کے ساتھ شکار کے پیٹ سے مردہ برآمد ہونے والا جنین بھی حلال ہے۔ زندہ برآمد ہو تو اس کو ذبح کرنا واجب ہے، جس کی تفصیل جنین کے بیان میں آچکی ہے، اس حکم میں ہتھیار کے ذریعہ کیا ہوا شکار اور شکاری جانور سے کیا ہوا شکار دونوں داخل ہیں۔

اضحیہ (قربانی)

(حکم، حیوانات، مجزآت وغیر مجزآت، مشارکت، مدت اضحیہ وطعام اضحیہ)

''أضحیۃ'' ہمزہ مضموم اور یاء مخفف یا مشدد کی جمع ''أضاحی'' اور ''ضحیۃ'' ضاد مفتوح یا مکسور ہو تو اس کی جمع ''ضحایا'' ہے۔ أضحیہ اس جانور کو کہتے ہیں جو عید الاضحیٰ اور تشریق کے دنوں میں اللہ تعالی سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کیا جاتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ قربانی ہے۔

أضحیۃ ضحیٰ سے مشتق ہے جو دن کے اول وقت کو کہتے ہیں اور چونکہ قربانی کا اول وقت یہی ہے، اس لیے قربانی کو اضحیہ کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ**'' (الحج:٣٤)۔ ہر امت کے لئے ہم نے ایک عبادت مقرر کی ہے تاکہ اللہ تعالی کا نام اس جانور پر لیا جائے جو کہ اس نے دیا ہے۔

'أنعام' کے معنی مویشی کے ہیں اور اس آیت میں أنعام سے مراد صرف اونٹ، گائے اور بکری کے ہیں۔

قربانی کی عبادت کا تعلق جانور سے ہے اور قربانی کے لئے یہی تین جانور؛ اونٹ گائے اور بکری مخصوص ہیں۔ حضرت ابن عباس کی رائے ہے کہ قربانی کے لئے خون بہانا کافی ہے اگرچہ کہ مرغ یا بطخ کا کیوں نہ ہو، جیسا کہ صیدانی نے کہا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ فقیر اور مفلس کو اس قول کی تقلید کرنی چاہیئے، قربانی کے اس اصول پر قیاس کرتے ہوئے عقیقہ میں بھی مرغ ذبح کی جاسکتی ہے۔

تقرب الی اللہ کا مقصد متعین کرنے کی وجہ سے وہ ذبیحہ خارج ہو جاتا ہے جو محض

کھانے یا گوشت بیچنے کے لئے ذبح کیا جائے۔

قربانی کی شرطیں

قربانی کی تین شرطیں ہیں:

۱۔قربانی اونٹ، گائے یا بکری کی ہو

۲۔عید اور تشریق کے دنوں میں ہو

۳۔اللہ تعالی سے تقرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کرے

قربانی کی ابتداء

ہجرت کے دوسرے سال قربانی عیدین، زکات اور فطرہ کے ساتھ مشروع ہوئی۔

قربانی سنت موکدہ کفایہ ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''**فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ**'' (الکوثر:۲) پس نماز پڑھو اپنے پروردگار کے لئے اور قربانی دو۔

یہاں صلاۃ سے عید کی نماز مراد ہے اور نحر سے قربانی۔ حضرت عائشہ نے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''**مَا عَمِلَ آدَمِيٌّ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ أَحَبُّ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ إِهْرَاقِ الدَّمِ، إِنَّهَا لَتَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِقُرُوْنِهَا وَ أَشْعَارِهَا وَ أَظْلَافِهَا وَأَنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ أَن يَّقَعَ عَلَى الْأَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا نَفْسًا**'' (ترمذی: فضل الأضحية ۱۴۹۳۔ ترمذی نے کہا ہے: ھذا حدیث حسن غریب) عید الاضحیٰ کے دن بنی آدم کے جملہ اعمال میں سے خون بہانے یعنی قربانی دینے کا عمل اللہ تعالی کے پاس سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، قربانی کا جانور قیامت کے دن اس کے پاس اپنی سینگھوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور قربانی کے جانور کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالی کے حکم سے اپنے خاص مقررہ مقام پر پہنچے گا اس لیے خوش دلی سے قربانی کرو۔

نبی ﷺ نے کبھی قربانی کو ترک نہیں کیا۔

سنت کفایہ

گھرانے کے لحاظ سے سنت کی دو قسمیں ہیں: اگر کسی گھر میں ایک ہی منفرد شخص ہوتو قربانی اس کے لئے سنت عین ہے اور اگر ایک گھرانے میں متعدد افراد ہوتو سنت کفایہ ہے۔ متعلقین میں سے کسی ایک کا قربانی دینا دوسروں کے لئے کافی ہے۔ متعلقین سے وہ لوگ مراد ہیں جن کا نفقہ اپنے ذمہ باقی نہیں رہتا، مگر قربانی دینے والے ہی کو ثواب ملے گا۔ رملی کا قول ہے کہ ثواب بھی سب کو ملے گا۔

سنت کفایہ سات امور ہیں:

۱، ۲۔ اذان واقامت

۳۔ چھینکنے پر کلمات تحمید کہنا

۴۔ نیت کے متعلقہ امور جب کہ مسنون ہو

۵۔ کھانا شروع کرتے ہوئے بسملہ کہنا

۶۔ قربانی

۷۔ سلام کی ابتداء

نابالغ کے مال سے قربانی دینا بھی مسنون ہے۔

دوسرے کی جانب سے قربانی دینے والے کے لئے لازم نہیں ہے کہ اس کا نفقہ بھی اس کے ذمہ ہو۔

قربانی مستحب ہونے کے لئے اسلام، بلوغ، عقل، آزادی اور استطاعت کی شرط ہے۔ استطاعت سے مراد اتنے مال کی موجودگی ہے جو اپنے اور اپنے متعلقین کے عید اور تشریق کے دنوں کی غذا کی قیمت سے بچ جائے۔

قربانی کو بعض ائمہ نے واجب کہا ہے، اس لیے قربانی دیگر ان صدقوں سے افضل ہے جو ثواب کے لئے دیئے جاتے ہیں۔

امام شافعی نے قربانی نہ کرنے کو اس شخص کے لئے مکروہ قرار دیا ہے جو قربانی کی

قدرت رکھتا ہو، خواہ وہ شخص مقیم ہو یا مسافر۔

حاجی اور غیر حاجی میں قربانی کی حد تک کوئی فرق نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے منی میں ازواج مطہرات علیہن السلام کی جانب سے گائے کی قربانی دی تھی۔ (مسلم: ۳۲۵۴۔ باب الاشتراک فی الھدی۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے۔ صحیح ابن خزیمہ: باب إجازة الذبح والنحر عن المتمتعة بغير أمرها وعلمها ۲۹۰۴۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ مسلم کی دوسری روایت میں ہے: "ذبح رسول الله ﷺ عن عائشة بقرة يوم النحر"۔ باب الاشتراک فی الھدی ۳۲۵۳۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

نذر کرنے کی صورت میں قربانی واجب

قربانی سنت ہے لیکن نذر کرنے کے بعد واجب ہو جاتی ہے، نذر کے الفاظ دو طرح ہو سکتے ہیں: حقیقی اور حکمی۔ حقیقی الفاظ یہ ہیں: "**لِلّٰهِ عَلَيَّ أَنْ أُضَحِّيَ بِهٰذِهِ**" میں اللہ کے لئے اس جانور کی قربانی دوں گا۔

حکمی الفاظ یہ ہیں: "**جَعَلْتُ هٰذِهِ أُضْحِيَّةً**" میں نے اس جانور کو قربانی کے لئے مقرر کیا یا یہ جانور قربانی کا ہے۔

ان الفاظ سے قربانی واجب ہو جاتی ہے، اگر کسی معین جانور کی قربانی کی نذر کرے اور ذاتی کوتاہی کے بغیر وہ جانور ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔

قربانی کی سنتیں

مسنون ہے کہ مرد اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، بشرطیکہ وہ خود اچھی طرح ذبح کر سکتا ہو، نبی ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ذبح کیا تھا، عورت کے لئے مسنون ہے کہ دوسرے کے ہاتھ سے ذبح کروائے، دوسرے شخص کے ذبح کرتے وقت اصل شخص کا دیکھتے رہنا مسنون ہے۔ نبی ﷺ نے فاطمہ الزہراء سے فرمایا تھا: "**قُومِي إِلٰى أُضْحِيَّتِكِ فَاشْهَدِيهَا فَإِنَّهُ بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ مِنْ دَمِهَا يُغْفَرُ لَكِ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوبِكِ**"۔ (حاکم نے صحیح سند سے یہ روایت کی ہے: ۴/۲۲۲) اپنی جانب سے قربانی دیتے وقت کھڑے رہو اور اس کو

دیکھو، قربانی کے جانور کے خون کا پہلا ہی قطرہ ٹپکنے پر تمہارے گذشتہ گناہ بخشے جاتے ہیں۔

قربانی دینے والے کے لئے مسنون ہے کہ قربانی دینے تک بال نہ نکالے اور ناخن نہ تراشے۔ اگر تشریق کے آخری وقت تک قربانی میں تاخیر کرے تو بال اور ناخن بھی اس وقت تک نہ نکالے۔ نبی علیہ السلام نے اس مقام کے قریب دو مینڈھے قربانی دئے تھے، جہاں آپ نے نماز پڑھی تھی، ایک کی قربانی کے وقت آپ نے کہا: ''**بِسۡمِ اللّٰـهِ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ هٰذَا عَنِّيۡ وَعَمَّنۡ لَمۡ يَصِحَّ مِنۡ أُمَّتِيۡ**'' یہ میری طرف سے ہے اور میری امت میں سے اس شخص کی طرف سے ہے جس نے قربانی نہیں دی۔ اور دوسرے کی قربانی کے وقت کہا: ''**هٰـذَا عَـنۡ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ**'' (مسند احمد: ۲۶۵۵۵، ۲۶۶۴۸، اور مستدرک حاکم: ۳۴۰۸ ص ۲/ ۳۹۱ میں اسلم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے قربانی کے وقت کہا: ''هـذا عـن أمتی جـمیـعـا مـمـن شهـد لک بالتوحید وشهد لی البلاغ''۔ ''لم یصح عن أمتی'' کے الفاظ نہیں ملے۔) یہ محمد اور آل محمد کی طرف سے ہے۔

آپ اور آپ کے اہل بیت اس میں سے کھاتے اور مسکینوں کو کھلاتے تھے۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ کے نزدیک نصاب کے مالک اور مقیم پر قربانی واجب ہے۔

قربانی کے لائق حیوانات (مجزآت)

ضأن یعنی مینڈھا: جس کا ایک سال پوار ہوا ہو۔

معز یعنی بکری اور گائے: جس کے دو سال پورے ہوئے ہوں۔

اونٹ: جس کے پانچ سال پورے ہوئے ہوں۔

اونٹ اور گائے کی قربانی سات آدمیوں کی طرف سے اور ضأن اور معز کی ایک کی طرف سے ہوسکتی ہے۔

''ضأن'' مینڈھا یا پوٹا جس میں مادہ بھی شامل ہے، ایک سال پورا ہو کر دوسرا سال شروع ہوا ہو۔ ایک سال سے پہلے اور چھ مہینوں کے بعد اس کے سامنے کے دانت بدل چکے ہوں تو اس کی قربانی جائز ہے۔

اس عمر میں جانور سن بلوغ کو پہنچتا ہے اور سن بلوغ میں جانور کی خلقت کی تکمیل ہو جاتی ہے، اسی لئے عمر کی قید ہے۔

نر، مادہ اور خنثیٰ تینوں سے قربانی ادا ہو سکتی ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَا تَذْبَحُوْا إِلَّا مُسِنَّةً إِلَّا أَنْ يَعْسُرَ عَلَيْكُمْ فَتَذْبَحُوْا جَذْعَةً مِّنَ الضَّأْنِ''۔ (السنن الکبریٰ للنسائی: ۳۴۲/۴۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

ایک سال اور اس پر اوپر کی عمر والے جانور کو مسنۃ کہتے ہیں اور جذعہ ایک سال سے کم عمر والا۔ جمہور کی رائے ہے کہ اس حدیث سے صرف مندوب کا اظہار مقصود ہے۔

معز پھیلا یا بکری دو سال پورے ہو کر تیسرا سال شروع ہوا ہو۔ اونٹ کے پانچ سال پورے ہو کر چھٹا سال شروع ہوا ہو۔ گائے شہری جس میں بیل بھی داخل ہے دو سال پورے ہوئے ہوں۔ خطیب شربینی نے شہری کی قید کا اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے جنگلی گائے خارج ہے، جنگلی جانور درکنار دوسرے ماکول شہری جانوروں سے بھی قربانی ادا نہیں ہوتی، سوائے اونٹ، گائے اور بکری کی قسم کے۔

اونٹ اور گائے کی قربانی سات آدمیوں یا سات گھروں کی طرف سے مشترکہ ادا کی جا سکتی ہے۔ ہر ایک کو اپنے حصہ سے صدقہ دینا ہوگا۔ سات کی تعداد کا حکم حج کے سات مختلف مقاصد کی قربانیوں کو بھی شامل ہے جیسا کہ تمتع، قران اور رمی یا منیٰ ومزدلفہ میں شب باشی ترک ہو جائے وغیرہ۔

حج کے علاوہ بھی سات کی تعداد میں مختلف اسباب کے ذبیحوں کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض نے قربانی کا ارادہ کیا، بعض نے حج کی ہدی جبران کی نیت کی، بعض نے عقیقہ کا ارادہ کیا، کسی نے گوشت کھانے کا ارادہ کیا اور کسی نے بیچنے کا۔

گوشت کی تقسیم ہونے کے بعد ہر ایک اپنے ارادہ کی تکمیل کرے گا۔ حضرت جابرؓ نے روایت کی ہے کہ ہم حج کے لئے احرام باندھ کر روانہ ہوئے تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے کی قربانی میں ہم میں سے سات آدمی شریک ہو جائیں۔ (مسند بزار نے ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: ۴۸۷۸ص ۱۱/ ۱۴۶۔ جابر رضی اللہ عنہ سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت ہے: مسند الطیالسی: ۱۹۰۴ص ۳/ ۳۴۱)

قربانی کی نوعیت یکساں ہو یا مختلف، بکری کی قربانی صرف ایک شخص یا ایک گھر کی طرف سے ہوسکتی ہے۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ قربانی اپنی جانب سے دے اور ثواب میں اپنے ساتھ دوسرے کو بھی شریک کرلے۔ ایک ہی بکری کی قربانی اپنے اور اپنے متعلقین کی جانب سے دے سکتا ہے۔ نبی ﷺ نے دو مینڈھے قربانی دیئے تھے اور کہا تھا: ''**بِاسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ**''۔ (مسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے: باب استحباب الضحیۃ وذبحھا ۵۲۰۳)

امت محمدی میں فقیر اور تونگر دونوں داخل ہیں، بعض خطیبوں نے اپنے خطبوں میں اس جانب اشارہ کیا ہے: ''**لَا تَحْزَنْ أَیُّھَا الْفَقِیْرُ فَقَدْ ضَحّٰی عَنْکَ الْبَشِیْرُ النَّذِیْرُ**'' اے فقیر! مغموم مت ہو، نبی ﷺ نے تمھاری طرف سے قربانی دی ہے۔

دوسرے شخص کی جانب سے اس کی اجازت کے بغیر قربانی جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ اپنے ہی گھر والوں کی طرف سے یا اپنے زیر نگرانی نابالغ کی طرف سے قربانی کرے۔

اونٹ اور گائے میں شریک ہونے کے مقابلہ تنہا بکری کی قربانی افضل ہے۔

فضلیت

چونکہ اونٹ میں گوشت زیادہ رہتا ہے اور اسلامی شعار کا اظہار بھی زیادہ ہوتا ہے، اس لیے سب سے افضل اونٹ کی قربانی ہے۔ اس کے بعد گائے کی اور آخر میں بکری کی۔ گوشت کے ملائم ہونے اور ذائقہ کے لحاظ سے چھیلے سے مینڈھا بہتر ہے۔ خون بہانے کی کثرت کے لحاظ سے ایک اونٹ یا ایک گائے کے بدلے سات بکریوں کی قربانی دینا افضل ہے۔ خون کی کثرت کے ساتھ گوشت کی خوبی بھی شامل ہے۔

رنگ کے لحاظ سے سب سے بہتر سفید جانور ہے، پھر دودیہ، پھر سرخ اور پھر ابلق، سبھوں کو اتفاق ہے کہ موٹے اور چکنے جانور کی قربانی مستحب ہے اور موٹا سیاہ جانور

دبلے سفید جانور سے افضل ہے۔

وہ جانور جن کی قربانی صحیح نہیں

معیوب جانوروں کی قربانی جائز نہیں، جیسے اندھا، لنگڑا، مریض، لاغر، کان اور دم کٹا ہوا، البتہ خصی کیا ہوا اور ٹوٹے ہوئے سینگوں کے جانور کی قربانی جائز ہے۔

معیوب جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے۔ جانوروں کا عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے۔ ترمذی نے یہ روایت کی ہے: ''أَرْبَعٌ لَا تُجْزِئُ فِي الْأَضَاحِيِّ: الْعَوْرَاءُ الْبَيِّنُ عَوْرُهَا وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا أَوِ الْعَرْجَاءُ الْبَيِّنُ عَرْجُهَا وَ الْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تَنْقِي''۔ (ابوداود: ۲۸۰۲۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے: ۱۴۹۷۔ یہ روایت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ہے) چار قربانی کے لائق نہیں ہیں: صاف اندھا، صاف مریض، صاف لنگڑا اور نحیف ولاغر۔

''عوراء'' اس جانور کو کہتے ہیں جس کی ایک آنکھ کی پتلی پر سفیدی آجائے اور روشنی کو روک دے۔ اگر سفیدی کم آئے اور روشنی کو پورے طور پر نہ روکے تو مضائقہ نہیں، جب ایک آنکھ کی کمی سے قربانی نہیں ہوتی تو دونوں آنکھوں کی کمی سے بدرجہ اتم قربانی نہیں ہوگی۔

''عمیاء'' پورے اندھے کو کہتے ہیں، جب آنکھ کی کمی قربانی میں مانع ہے تو پوری آنکھ ہی اندھی ہو تو یہ بدرجہ اولی مانع ہے۔ اسی طرح آنکھ ہی نہ ہو تو بھی قربانی صحیح نہیں ہے۔

''عرجاء'' صاف لنگڑا اس طرح ہو کہ جھنڈ کا ساتھ نہ دے اور پیچھے رہ جائے۔ اگر لنگڑا اتنا ہو کہ جھنڈ کا ساتھ دے سکے تو مضائقہ نہیں۔

''مریضة'' اتنا بیمار کہ دبلا ہو گیا ہو اور گوشت خراب ہو گیا ہو، ہلکی اور مختصر بیماری سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''عجفاء'' ایسا لاغر کہ اس کے دماغ کی چربی اور ہڈیوں کا گودہ خالی ہو گیا ہو۔

ان چار عیوب کے علاوہ مندرجہ ذیل مزید عیوب بھی قربانی میں مانع ہیں:

''**هيماء**'' وہ جانور جو چراگاہ میں گھومتا پھرتا رہے اور برابر نہ چرے۔

''**مجنونة**'' جو زمین پر پھرتا رہے اور نہ چرے۔

''جرباء'' جس کو خارش ہوگئی ہو، تھوڑی خارش بھی گوشت کو خراب کرتی ہے۔

''حامل'' حمل کا زمانہ ہو اور جننے کے قریب ہو تو گوشت کمزور اور پتلا پڑ جاتا ہے۔

قربانی کے برخلاف حاملہ کو ذبح کرنا جائز ہے۔

کان کٹا ہوا یا کان شروع سے غائب ہو تو قربانی صحیح نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک تہائی سے کم کان کٹا ہو تو جانور جائز ہے۔ امام مالک کے نزدیک کان کٹا ہو تو جائز ہے۔

دم کٹا ہوا جانور جائز نہیں ہے، اگر شروع سے دم ہی نہ ہو تو مضائقہ نہیں۔

خصی کیا ہوا اور ٹوٹے ہوئے سینگھ والے جانور کی قربانی جائز ہے۔ نبی ﷺ نے دو خصی شدہ مینڈھے ذبح کیے تھے۔ گوشت کی عمدگی کی غرض سے ماکول جانور کو کم سنی میں اور معتدل آب و ہوا کے زمانہ میں خصی کرنا جائز ہے۔ غیر ماکول کو خصی کرنا حرام ہے۔

سینگھ کے ٹوٹ جانے یا شروع سے ہی سینگھ غائب رہنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن سینگھوں والا جانور بہتر ہے۔ حدیث میں ہے: **''خَيْرُ الضَّحِيَّةِ اَلْكَبْشُ الْأَقْرَنُ''** (ابوداود نے عبادہ بن صامت سے یہ روایت کی ہے: باب کراھۃ المغالاۃ فی الکفن ۳۱۵۸۔ ابن ماجہ نے ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے: ۳۱۳۰) سینگھوں والا مینڈھا قربانی کے لئے بہتر ہے۔

خلاصہ یہ کہ قربانی کے جانوروں میں ایسے عیوب نہ پائے جائیں جو گوشت یا دوسری کھانے کی چیزوں کو خراب کرنے کے باعث ہوں۔ اگر کسی معیوب جانور کی قربانی کے لئے نذر کر چکا ہو تو پھر اسی معیوب جانور کو قربانی میں ذبح کرے۔

قربانی کی مدت

عیدالاضحیٰ کی نماز کے وقت سے تشریق کے آخری دن سورج کے غروب تک قربانی کا وقت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: **''أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِيْ يَوْمِنَا هٰذَا، نُصَلِّيْ ثُمَّ نَرْجِعُ فَنَنْحَرُ، مَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَحَ قَبْلُ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِيْ شَيْئٍ''** (بخاری: ۵۲۲۵۔ مسلم: ۱۹۶۱) آج کے دن پہلا کام جو ہم کو کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ نماز پڑھیں، پھر لوٹیں اور پھر قربانی دیں۔ جس نے ایسا کیا اس نے ہماری

سنت کی تکمیل کی اور جس نے اس وقت سے پہلے ذبح کیا تو بس اس نے اپنے اہل وعیال کے کھانے کے لئے گوشت فراہم کیا اور اس سے کسی بات (قربانی) کی تکمیل نہ ہوگی۔

ابن حبان نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''وَ كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيْقِ ذَبْحٌ ''۔(ابن حبان نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے:۱۰۰۸) تشریق کے دنوں میں ذبح کر سکتے ہیں۔

تشریق کے آخری دن سورج غروب ہونے تک قربانی کا وقت باقی رہتا ہے۔ یوم نحر دسویں ذی الحجہ کو کہتے ہیں اور اس سے متصل گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ تین دنوں کو ایام تشریق کہتے ہیں۔ یوم نحر اور ایام تشریق کو ملا کر جملہ چار دنوں میں قربانی دی جا سکتی ہے۔

قربانی کے گوشت کا حکم

نذر کی ہوئی قربانی کا گوشت نذر کرنے والا کچھ نہ کھائے، بلکہ سب کا سب فقیروں اور مسکینوں پر تقسیم کرے، یہ دونوں امور واجب ہیں: نذر کرنے والا کچھ نہ کھائے اور پورا فقیروں اور مسکینوں کو دیدے۔ نذر کرنے والے کے متعلقین بھی اس گوشت کو نہ کھائیں۔ اگر ان میں سے کوئی کچھ کھالے تو نذر کی قربانی ادا نہ ہوگی اور اس کے ذمہ باقی رہ جائے گی۔

جو حکم نذر کی قربانی کے بارے میں ہے وہی حج کی ہدیِ جبران اور نذر کیئے ہوئے عقیقہ کا ہے۔ لیکن ایک سے زیادہ جانور کو قربانی، ہدی یا عقیقہ میں ذبح کر کے اس کے زائد گوشت کو استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

جو حکم گوشت کا ہے وہی چمڑے اور سینگھوں کا بھی ہے۔

گوشت تازہ تقسیم کرے اور تاخیر نہ کرے تا کہ لینے والے کے لئے کھانے، بیچنے اور دیگر تصرف کا موقع حاصل رہے، البتہ گوشت کی کثرت کی وجہ سے کوئی لینے والا نہ ہو اور گوشت کے خراب ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اس کو فروخت کر کے قیمت کو محفوظ کرے یا سکھائے۔

تطوع یعنی نفل قربانی کے جانور میں سے کم از کم ایک لقمہ کھانا مسنون اور بقیہ فقیروں اور مسکینوں کو کھلانا واجب ہے، اس کا کوئی حصہ بیچنا حرام ہے۔ متطوع اس قربانی کو

کہتے ہیں جوثواب کے لئے دی جائے۔

سنت یہ ہے کہ ایک تہائی گوشت سے زیادہ خود نہ لے۔دوسرا تہائی فقیروں پر تقسیم کرے اور تیسرا تہائی مالدار مسلمانوں کو تحفہ بھیجے۔نبی ﷺ زائد قربانی کے گوشت سے جگر کھایا کرتے تھے۔(مصنف عبدالرزاق میں عمرو بن دینار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس میں صرف جگر کھانے کا تذکرہ ہے:''أن رسول الله ﷺ أكل الكبد وهو يقطر دما عبيطا''باب ما يكره من الشاة ۸۷۸۰)

یہ حکم متطوع ہدی پر قیاس کیا گیا ہے جس کے بارے میں یہ آیت ہے:''فَكُلُوا مِنهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ''(الحج:۲۸) بائس اس فقیر کو کہتے ہیں جس کے فقر میں شدت ہو۔

بعض نے اس آیت سے وجوب کا حکم لیا ہے،لیکن راجح قول یہ ہے کہ کھانا واجب نہیں ہے۔اس لئے کہ ایک دوسری آیت ہے:''وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُم مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ ''(الحج:۳۶) ہم نے قربانی کے اونٹ اور جانوروں کو تمھارے لئے اللہ تعالی کے دین کی نشانیوں میں سے بنایا،تمھاری اس میں بھلائی ہے۔

جو چیز انسان کے لئے بنائی گئی ہے اس کا کھانا واجب نہیں، بلکہ اس کو اختیار ہے کہ کھائے یا نہ کھائے۔

اپنی ذات کے لئے ایک تہائی گوشت سے زیادہ رکھنا ممنوع ہے۔

مالدار مسلمانوں کو تحفہ بھیجنے کی قید سے غیر مسلم خارج ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ قربانی میں اللہ تعالی کی طرف سے مسلمانوں کی ضیافت مقصود ہے۔

قربانی منذورہ ہو یا متطوع؛ اس کا کوئی حصہ فروخت کرنا حرام ہے۔اجرت کے طور پر قصاب وغیرہ کو دینا بھی حرام ہے۔فقیروں اور مسکینوں پر تقسیم کے لئے تعداد کی شرط نہیں ہے۔ ایک ہی شخص کو پورا گوشت دیا جاسکتا ہے۔افضل یہ ہے کہ تبرک کے طور پر خود چند لقمے کھائے اور بقیہ پورا تقسیم کرے۔فقیروں کو صدقہ کے طور پر تقسیم کرے، نہ کہ تحفہ کے طور پر۔صدقہ اور تحفہ میں یہ فرق ہے کہ صدقہ سے ثواب مطلوب ہوتا ہے اور تحفہ سے تعظیم مقصود ہوتی ہے۔

عقیقہ

(حکم، بال تراشنا، اذان دینا، تسمیہ، زچگی وختنہ)

عقیقہ ان بالوں کو کہتے ہیں جو ولادت کے وقت بچے کے سر پر ہوتے ہیں، لڑکا ہو یا لڑکی۔ شرع میں عقیقہ اس ذبیحہ کو کہتے ہیں جو بچے کے لئے ولادت کے ساتویں دن ذبح کیا جائے۔ لغوی اور شرعی معنی میں صرف مجاورت یعنی ہم سا یگی کا تعلق ہے ورنہ بالوں کا مونڈھنا اور جانور کا ذبح کرنا مولود کے لئے دو جداگانہ امور ہیں۔

بچے کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کرنا سنت موکدہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''**اَلْغُلَامُ مُرْتَهِنٌ بِعَقِيقَتِهِ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَ يُسَمّٰى وَيُحَلَّقُ رَأْسُهُ**'' (ابوداود: الأضاحی، باب ما جاء فی العقیقة ۱۵۲۲۔ یہ روایت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے ہے) لڑکا اپنے عقیقہ کا گروی رہتا ہے، ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جاتا ہے، سر مونڈھا جاتا ہے، اور نام رکھا جاتا ہے۔

گروی رہنے سے یہ مراد ہے کہ عقیقہ کرنے تک بچہ بڑھتا نہیں۔ امام احمد کا قول ہے کہ قیامت کے دن اپنے والدین کے حق میں بچہ شفاعت نہیں مانگے گا۔

عقیقہ کا وقت

بچے کے پیدا ہونے کے بعد ہی عقیقہ کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ولادت کا دن بھی گنتی میں شمار ہوتا ہے۔ ساتویں دن سے پہلے بچہ کا انتقال ہو جائے تو بھی عقیقہ کیا جاتا ہے، حمل کے ساقط ہونے پر بھی عقیقہ مسنون ہے، بشرطیکہ بچے کے قالب میں جان پڑ چکی ہو۔

تاخیر کی وجہ سے عقیقہ فوت نہ ہوگا۔ بلوغ کے بعد عقیقہ ولی کے ذمہ سے ساقط

ہوجاتا ہے لیکن خود کو اختیار رہتا ہے کہ اپنی ذات کے لئے عقیقہ کرے یا نہ کرے مگر عقیقہ کرے تو بہتر ہے۔

عقیقہ کے لئے اس شخص کے لئے جانور ذبح کرنا سنت موکدہ ہے، جس کے ذمہ بچہ کی پرورش ہے۔ ولی اپنے ذاتی مال سے عقیقہ کرے، نہ کہ بچے کے مال سے۔ اس لیے کہ بچے کے حق میں اپنا عقیقہ کرنا تبرع یعنی نیک کام میں داخل ہے، لیکن ولی کے لیے تبرع کے لئے نابالغ کا مال خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

اس شخص کے لئے عقیقہ مسنون ہے جس میں استطاعت ہو۔ استطاعت کی شرطیں وہی ہیں جو فطرہ میں بیان کی گئی ہیں۔ بچے کی ولادت کے وقت ولی کو استطاعت نہ ہو تو عقیقہ کی ذمہ داری ولی پر باقی نہیں رہتی۔

مسنون ہے کہ سورج طلوع ہونے کے وقت ذبح کرے اور ذبح کے وقت کہے:
''بِسۡمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ مِنۡكَ وَإِلَيۡكَ اَللّٰهُمَّ هٰذِهِ عَقِيۡقَةُ فُلَانٍ''۔

لڑکے کے لئے دو اور لڑکی کے لئے ایک بکری ذبح کرے۔ نبی ﷺ نے اپنے صاحبزادے ابراہیم کی طرف سے ساتویں دن دو مینڈھے عقیقہ کئے، سر منڈھایا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی مسکینوں کو دی اور بال زمین میں دفن کروا دیئے۔ (ابراہیم کی طرف سے عقیقہ کرنے والی روایت نہیں ملی، البتہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کی طرف سے دو دو مینڈھے عقیقہ کرنے کی روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نسائی میں ہے: ۴۲۱۹)

یہ اکمل تعداد ہے۔ عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ہم کو حکم دیا تھا کہ ہم لڑکے کے لئے دو بکریاں ذبح کریں اور لڑکی کے لئے ایک۔ (ترمذی: الأضاحی، باب ماجاء فی العقیقۃ ۱۵۱۳)

ایک بکری کے ذبح کرنے سے بھی سنت کی تعمیل ہوجاتی ہے، اس لیے کہ نبی ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کے لئے ایک ایک مینڈھا ذبح کیا تھا۔ بیجوری نے صراحت کی ہے کہ بقول رملی ایک ذبیحہ قربانی اور عقیقہ دونوں کے لئے کافی ہے تو ایک عقیقہ ایک سے زیادہ اولاد کے لئے بدرجہ اولی کافی ہے، لیکن بقول ابن حجر ایک ذبیحہ قربانی اور عقیقہ دونوں کے

لئے کافی نہیں ہے اور اسی لئے ایک عقیقہ دو سے زیادہ اولاد کے لئے بھی کافی نہیں ہے۔

کچھ حصہ فقیروں اور مسکینوں کو دے، تونگروں کو اس سے تحفہ بھیجے تو وہ اس میں تصرف کا حق رکھتے ہیں، برخلاف قربانی کے، اس لیے کہ قربانی میں اللہ تعالی کی جانب سے مسلمانوں کی ضیافت مقصود ہے۔ اس کے علاوہ عقیقہ کا گوشت پکا کر تقسیم کرنا جائز ہے، برخلاف قربانی کے گوشت کے جو پکایا نہیں جاتا۔ عقیقہ کے گوشت کو کشمش، شہد وغیرہ میٹھے کے ساتھ پکائے اور فقیروں اور مسکینوں کو پہنچائے۔ دعوت دینے اور بلا کر کھلانے سے بھیجنا اور پہنچا دینا افضل ہے۔

ہڈیوں کو توڑنا مکروہ نہیں ہے، لیکن خلافِ اولی ہے۔ ہڈیوں کو جوڑوں سے جدا کرنا مندوب ہے۔

عقیقہ کے جانوروں کی عمر، ان کے عیوب، ان کے کھانے اور صدقہ دینے، بیع نہ کرنے اور نذر کرنے کے بارے میں وہی شرائط ہیں جو قربانی کے لئے مقرر ہیں اور اس سے قبل بیان کی گئی ہیں۔

بچہ کے بال نکالنا

مسنون ہے کہ ولادت کے ساتویں دن ذبیحہ ذبح کرنے کے بعد بچے کا سر منڈھوائے، لڑکا ہو یا لڑکی۔ سر مونڈھنے کو عقیقہ سے تعلق نہیں ہے۔ سر مونڈھے بغیر بھی عقیقہ کی سنت ادا ہو سکتی ہے۔ اتارے ہوئے بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی صدقہ دی جائے، نبی ﷺ نے فاطمۃ الزہراءؓ سے فرمایا: ”زِنِی شَعْرَ الْحُسَيْنِ وَتَصَدَّقِی بِوَزْنِهِ فِضَّةً وَأَعْطِی الْقَابِلَةَ رِجْلَ الْعَقِيقَةِ“۔ (ترمذی کی روایت میں ہے جو انھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ”احلقی رأسه، وتصدقی بزنة شعره فضة“۔ الأضاحی، باب ماجاء فی العقیقۃ بشاۃ ۱۵۱۹) حسین کے بالوں کو وزن کرو، اس کے وزن کے برابر چاندی صدقہ دو اور عقیقہ کے جانور کے پاؤں دایہ کو دو۔

اس پر قیاس کرتے ہوئے سونا صدقہ دینا اولی ہے۔

مونڈھنے کے بعد بچے کے سر کو زعفران اور خوشبو ملے ہوئے پانی سے مَلنا مسنون ہے۔

سر کب مونڈھنا مستحب ہے؟

تین موقعوں پر سر مونڈھوانا مسنون ہے:

۱۔ حج کے مناسک میں

۲۔ جب کافر اسلام لائے

۳۔ نومولود کے عقیقہ کے بعد

نبی ﷺ نے جملہ چار مرتبہ سر منڈھوایا تھا۔

سر کے کچھ بال مونڈھنا اور کچھ چھوڑنا مکروہ ہے۔

مسنون ہے کہ زیرِ ناف اور بغل کے بال نکالے، لب پر موجود مونچھ کے بال کاٹے، ناخن کاٹے، آنکھوں میں طاق مرتبہ سرمہ لگائے۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ داڑھی مونڈھنا مکروہ ہے، مگر حرام نہیں ہے، سپاہی کے لئے داڑھی مونڈھنے میں کراہت بھی نہیں ہے۔

بچے کے کانوں میں اذان و اقامت

بچے کے داہنے کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں اقامت کے الفاظ کہنا مسنون ہے۔ داہنے کان میں سورہ ''اِنا اَنزلناہ'' پڑھنا بھی مندوب ہے۔ حدیث میں ہے: ''**مَنْ وُلِدَ لَهُ فَأَذَّنَ فِيْ أُذُنِهِ الْيَمِيْنِ وَ أَقَامَ فِي الْيُسْرٰى لَمْ تَضُرُّهُ أُمُّ الصِّبْيَانِ** '' (مسند ابی یعلی میں حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے یہ روایت ہے: ۶۷۸۰۔ ص ۱۲/۵۰) جس کو بچہ پیدا ہو، اس کے داہنے کان میں اذان دے اور بائیں کان میں اقامت کہے تو اس کو ''ام الصبیان'' کے مرض سے تکلیف نہ پہنچے گی۔

ترمذی کی روایت ہے کہ فاطمۃ الزہرا کے گھر جب حسین علیہ السلام پیدا ہوئے تو نبی ﷺ نے ان کے کان میں اذان کہی تھی۔ (ترمذی: الأضاحی، باب الأذان فی أذن المولود ۱۵۱۴۔ یہ روایت ابورافع رضی اللہ عنہ سے ہے)

مطلب یہ ہے کہ بچہ دنیا میں داخل ہونے پر پہلی آواز توحید کی اس کے کان میں پڑے اوراسی طرح دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے آخری آواز وحدہ لاشریک کی اس کے کان میں پہنچے، حدیث میں ہے: ''لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ''۔(مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب تلقین الموتی لا إلہ إلا اللہ ۲۱۶۲۔ ابوداود، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ نے بھی یہ روایت کی ہے)

دیرمی نے لکھا ہے کہ بچے کے کان میں سورہ 'إنا أنزلنا' پڑھنے کا یہ اثر ہوگا کہ خدا کی قدرت سے وہ بچہ زنا کے فعل شنیع سے محفوظ رہے گا۔

سوکھے کھجور کو منھ میں چبا کر بچے کو چٹائے۔ کھجور نہ ہو تو کوئی میٹھی چیز چٹائے اور اہل خیر وفضل کے عمل سے ہو تو اولی ہے۔

نام رکھنا

بچے کی ولادت کے ساتویں دن نام رکھنا مسنون ہے۔ ساتویں دن کے پہلے اور بعد بھی جائز ہے۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے حکم دیا کہ ساتویں دن بچے کا نام رکھیں، سر مونڈھیں اور عقیقہ کریں۔ (نسائی نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب متی یعق ۴۲۲۰۔ ترمذی: باب من العقیقۃ ۱۵۲۲) نووی نے لکھا ہے کہ ولادت کے ساتویں دن یا ولادت کے دن نام رکھنا مسنون ہے۔

اس کی صراحت یوں کی گئی ہے کہ عقیقہ کرنا ہو تو ساتویں دن نام رکھے اور عقیقہ نہ کرنا ہو تو ولادت کے بعد صبح میں نام رکھے۔ اچھا نام رکھنا بھی مسنون ہے۔ حدیث میں ہے: ''إِنَّكُمْ تُدْعَوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَأَسْمَاءِ آبَاءِ كُمْ فَأَحْسِنُوا أَسْمَاءَ كُمْ''۔ (ابوداود: کتاب الأدب، باب فی تغییر أسماء کم ۴۹۴۸) بیشک تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے ناموں سے پکارے جاؤگے، اس لیے تم اپنے نام اچھے رکھو۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ'' (مسلم: الأدب، باب النهی عن التکنی بأبی القاسم وبیان مایستحب من الأسماء ۱۵۱۴۔ یہ

روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اللہ تعالی کے نزدیک بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔

حدیث میں ہے: ''خَیْرُ الْأَسْمَاءِ مَا عَبَدَ ثُمَّ مَا حَمِدَ ''۔(اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملی۔البتہ اس معنی کی بہت سی روایتیں ہیں) بہتر نام وہ ہے جس سے عبودیت کا اظہار ہو اوراس کے بعد وہ نام جس سے حمد کا اظہار ہو۔

حضرت ابن عباس نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''إِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ نَادٰی مُنَادٍ: أَلَا لِیَقُمْ مَنِ اسْمُهُ مُحَمَّدٌ فَلْیَدْخُلِ الْجَنَّةَ ''۔(فیض القدیر شرح الجامع الصغیر میں انس رضی اللہ عنہ سے اس معنی کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں: ''فإنی آلیت علی نفسی أن لا یدخل النار من اسمه محمد و لا أحمد ''۹۳۲۷۔ص۵/ ۵۷۸۔البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً اس طرح کی روایت ہے جس کے الفاظ ہیں: ''أنه إذا کان یوم القیامة نادی مناد ألا لیقم من اسمه محمد فلیدخل الجنة ''سبل السلام:۴/۱۰۰) قیامت کے دن پکارنے والا پکارے گا کہ ہاں کھڑا ہو جائے وہ شخص جس کا نام محمد ہے۔پس جنت میں داخل ہو جائے۔

فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کا نام رکھنا مکروہ نہیں ہے۔حدیث میں ہے: ''إِذَا کَانَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ أَخْرَجَ اللّٰهُ تَعَالٰی أَهْلَ التَّوْحِیْدَ مِنَ النَّارِ، أَوَّلُ مَن یُّخْرَجُ مَنْ وَافَقَ اِسْمُهُ اِسْمَ نَبِیٍّ ''۔(اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملی) قیامت کے دن اللہ تعالی اہل توحید کو آگ سے نکالے گا اور ان میں سب سے پہلے وہ نکالا جائے گا جس کا نام کسی نبی کے نام کے موافق ہے۔

مسنون ہے کہ اپنے بیٹے اور اپنے شاگرد کے بیٹے کا نام اپنے نام پر نہ رکھے، قبیح اور برے نام یا وہ نام جن کے وجود یا عدم وجود سے فال لیا جاتا ہے مکروہ ہیں، اور ان جیسے ناموں کی کراہت میں شدت ہے؛ سید الناس ،سید الغرب،سید الشرق اور سید العلماء۔عبدالکعبۃ اور عبدالحسین، اللہ کے ناموں کے علاوہ کی طرف عبودیت کی نسبت کی وجہ سے حرام ہیں،اور رفیق اللہ اور جاراللہ شرک کی مشابہت کی وجہ سے حرام ہیں۔

آدمی کو مکروہ لقب دینا بھی حرام ہے۔اچھے القاب سے پکارنے میں مضائقہ نہیں ہے،اس لئے کہ جاہلیت اور اسلام میں اس کا رواج رہا ہے۔

اہل علم وفضل کی؛ مرد ہوں یا عورت کنیت مسنون ہے۔ابوالقاسم کی کنیت نام ہے۔
حرام نام کو اس کے قریب تر نام سے تبدیل کرنا واجب ہے۔رحمانی نے اس کو مندوب بتایا ہے۔

تہنیت

بچے کے تولد پر والدین کو مبارکباد دینا مسنون ہے۔مثلاً کہے: ''وَبَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِيْهِ وَ بَلَّغَهَ رُشْدَهُ وَ رَزَقَکَ بِرَّهُ '' خدا تمہیں اس بچے میں برکت دے اور سنِّ شعور کو پہنچائے اور تم کو اس کی نیکی دے۔

تہنیت کا جواب یہ ہے: ''جَزَاکَ اللّٰهُ خَيْرًا'' خدا تم کو جزائے خیر دے۔

زچگی اور ولادت کے وقت ان آیتوں کا پڑھنا مسنون ہے: سورہ اعراف کی آیت: ''إن ربکم الله......''، معوذتین؛ فلق اور ناس۔یہ دعا بھی کثرت سے پڑھے: ''لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰهُ الْعَظِيْمُ الْحَلِيْمُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ''۔اسی طرح دعائے یونس بھی پڑھی جائے: ''لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ إِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ''۔(الأنبیاء:۸۷)

وضع حمل کی سہولت کے لئے جدید برتن پر لکھے: ''أُخْرُجْ أَيُّهَا الْوَلَدُ مِنْ بَطْنٍ ضَيِّقَةٍ إِلٰی سَعَةِ هٰذِهِ الدُّنْيَا، أُخْرُجْ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی الَّذِیْ جَعَلَکَ فِیْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ إِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ '' اور ''لَوْ أَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰی جَبَلٍ ......'' (الحشر:۲۱) آخر سورہ تک اور ''وَنَزَّلَ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ '' (الإسراء:۸۲) اس کو پانی سے دھو کر حاملہ عورت کو پلائے اور کچھ چھینٹے چہرہ پر چھڑکے۔

ختنہ

ختنہ مردوں کے حق میں واجب ہے اور عورتوں کے لئے بھی صحیح ہے۔مرد کا ختنہ اس طرح ہے کہ حشفہ کو ڈھانپنے والے چمڑہ کو کاٹا جائے، تا کہ پورا حشفہ کھلا رہے۔ساتویں

دن ختنہ کرنا مسنون ہے، سوائے اس کے کہ بچہ کمزور ہو اور برداشت کی قوت نہ رکھتا ہو، بلوغ کے بعد ختنہ واجب ہو جاتا ہے۔غیر مختون حالت میں بلوغ کو پہنچ جائے تو امام حکم دے گا، تعمیل کیا تو بہتر ورنہ جبراً ختنہ کروائے گا۔

عورت کی فرج کے بالائی حصہ میں پیشاب کے سوراخ کے اوپر جو گوشت کا ٹکڑا ہوتا ہے اس کے اوپر کے حصہ کو اتنی مقدار میں کاٹنا کہ کاٹنے کا لفظ صادق آسکے تو کافی ہے۔

لڑکے کے ختنہ کا اظہار اور لڑکی کے ختنہ کو راز رکھنا مسنون ہے۔

اگر کوئی شخص مختون پیدا ہو تو اس کے لئے ختنہ نہیں ہے۔

شفعہ

شفعہ کے معنی ضم کرنے اور ملانے کے ہیں۔شفعہ ماخوذ ہے 'شفع' سے جس کے معنی جفت یا جوڑ کے ہیں۔ 'شفع' کا ضد 'وتر' ہے جس کے معنی طاق کے ہیں۔حق شفعہ کو شفعہ اس لئے کہا گیا ہے کہ شفیع کا حصہ جو یکھیرا ہے اس حق کی وجہ سے دوہرا ہو جاتا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شفعہ شفاعت سے ماخوذ ہے۔شفاعت سفارش کرنے کو کہتے ہیں۔زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ خریدار سے سفارش کر کے اس حق کو حاصل کرتے تھے، شرع میں تملک کے حق کو شفعہ کہتے ہیں جو ملکیت میں شرکت کے سبب شریکِ سابق کو اس موجودہ شریک کے خلاف حاصل ہے جس نے عوض ادا کیا ہے۔

تملک باب تفعل سے ہے جس کے معنی جبر وقہر سے ملکیت حاصل کرنے کے ہیں، لغوی معنی کے ساتھ شرعی معنی میں یہ مناسبت ہے کہ دو حصوں میں سے ایک حصہ دوسرے حصہ کے ساتھ ضم ہو جاتا ہے۔

بغیر کسی عوض کے جائداد منتقل ہو تو شفعہ کا حق پیدا نہیں ہوتا، اس کی مثالیں؛ وراثت، وصیت اور ہبہ بلا ثواب ہیں۔

شفعہ کی حکمت

شفعہ کو شریعت میں اس لیے داخل کیا گیا ہے کہ جائداد کی تقسیم کی دشواری کو دور کیا جائے۔جائداد کی تقسیم کی صورت میں یہ دشواری لاحق ہوتی ہے کہ راستہ، سیدھی روشنی اور ہوا وغیرہ کی ضروری سہولتیں فراہم کرنا پڑتا ہے، اس لیے فروخت کرنے والے کے لئے یہ صورت بہتر ہے کہ اپنے شریک کے ہاتھ اپنی جائداد فروخت کرے، تاکہ شرکت کی وجہ سے

جو رکاوٹیں پیدا ہوئی تھیں دور ہو جائیں اور جب اس نے ایسا نہیں کیا اور کسی غیر شخص کے ہاتھ جائداد فروخت کر دی تو شریعت نے شریکِ سابق کو یہ حق عطا کیا کہ موجودہ شریک یعنی خریدنے والے سے بجبر وقہر اس جائداد کو حاصل کرے۔

شفعہ کا حکم امرِ تعبدی نہیں ہے بلکہ امرِ معقول ہے۔اس حق سے دست بردار ہونے میں کوئی گناہ نہیں ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ اس حق کو معاف کرے۔

جائداد کی تقسیم اور ہبہ وغیرہ کے بعض شرعی حیلے ہیں جو حق شفعہ کو زائل کر سکتے ہیں، ان پر عمل کرنے میں کراہت ہے، لیکن خرید وفروخت ہو جانے کے بعد حق شفعہ کو روکنے کے لئے ان صورتوں پر عمل کرنا حرام ہے۔

شراکت کی بناء پر شفعہ واجب ہوتا ہے، نہ کہ ہمسایہ ہونے کی وجہ سے، یہ ایسی جائیداد میں ہوتا ہے جو کہ غیر منقولہ ہے اور تقسیم کے قابل ہے، اس قیمت کے معاوضہ میں جس پر کہ بیع ہوئی ہے، شفعہ کو علی الفور طلب کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی مرد کسی مشترکہ جائیداد کو مہر قرار دے کر کسی عورت سے عقد کرے تو قدرت کے باجود حق زائل ہو جائے گا، شفیع متعدد ہوں تو ہر ایک اپنے حصہ کے تناسب سے مستحق ہوگا۔ بخاری کی روایت میں ہے: ’’قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ بِالشُّفْعَةِ فِیْ كُلِّ مَا لَمْ يُقْسَمْ فَإِذَا وَقَعَتِ الْحُدُوْدُ وَصُرِّفَتِ الطُّرُقُ فَلَا شُفْعَةَ‘‘ وفی روایة ’’لَهُ فِیْ أَرْضٍ أَوْ رِبْعٍ أَوْ حَائِطٍ‘‘۔(بخاری: أول کتاب الشفعة فی مالم یقسم ۲۱۳۸۔ مسلم: المساقاة، باب الشفعة ۱۶۰۸۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے) رسول اللہ ﷺ نے ایسی جائیداد کے بارے میں شفعہ کا حکم دیا جس کی تقسیم عمل میں نہیں آئی، پس جب حدود معین ہو جائیں اور راستے نکالے جائیں تو شفعہ نہیں ہے۔

بخاری ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ زمین یا مکان یا باغ میں شفعہ ہے۔

’صروف‘ میں نفی جحد بلم کی خاصیت ہے کہ ایسے فعل کی نفی کرے جس کا اثبات ممکن ہے۔اس لحاظ سے ’’فِيْمَا لَمْ يُقْسَمْ‘‘ کے یہ معنی ہیں کہ جائداد کی بالفعل تقسیم نہیں

ہوئی ہے اور وہ جائداد ایسی ہے جس کی تقسیم ہوسکتی ہے۔

اس کے برعکس لائے نفی کی یہ خاصیت ہے کہ ایسے امر کی نفی کرے جس کا اثبات ممکن نہ تھا جیسا کہ ''لاشریک لہ''۔

بعض خاص صورتوں میں ''لم'' اور ''لا'' کا استعمال اس کے خلاف بھی ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ''لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ'' میں پیدا کرنے کے فعل کی نفی بالفعل کی گئی ہے جس کا اثبات ممکن ہی نہ تھا۔ اسی طرح آیت ''لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ'' میں لفظ ''لا'' کے استعمال سے ایسے فعل کی نفی کی گئی ہے جس کا اثبات ممکن تھا۔

مذکورہ حدیث دو امور پر دلالت کرتی ہے: جائداد تقسیم کے لائق ہو مگر تقسیم نہ ہوئی ہو تو حق شفعہ رہتا ہے۔ اگر دو شریکوں کے درمیان جائداد کی تقسیم ہو چکی ہو اور حدود قائم ہو گئے ہوں اور راستے مقرر کر دیئے گئے ہوں تو پھر شفعہ کا حق نہیں رہتا، اس لیے کہ یہ علامات تقسیم پر دلالت کرتی ہیں اور تقسیم ہونے پر حصوں میں فصل پیدا ہو جاتا ہے اور شرکت باقی نہیں رہتی، بلکہ مجاورت اور ہم سائیگی ہو جاتی ہے۔

شفعہ کے وجوب کا مطلب

شفعہ واجب ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ شفعہ کا حق حاصل کرنے میں ثواب اور حاصل نہ کرنے میں گناہ ہے بلکہ یہاں وجوب سے مراد قانونی حق کے ثابت ہونے کے ہیں۔ وجوب کا لفظ شرعی معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ لغوی معنی مراد ہیں، شفعہ کا حق چھوڑنا حرام نہیں ہے، بلکہ افضل یہ ہے کہ شفعہ کا حق معاف کرے۔

شراکت کی وجہ سے شفعہ کا حق

شفعہ کا حق شرکت کی بناء پر حاصل ہوتا ہے، نہ کہ ہمسائیگی کی وجہ سے، ایسے ہم سایہ کو جس کی جائداد مشفوع جائداد سے متصل یا ملی ہوئی ہو یا نہ ہو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے۔ ذمی بھی شفعہ کا حق مسلم کے خلاف طلب کر سکتا ہے اور اسی طرح اس کے برعکس۔

اختلاف : حنفیہ میں شفعہ کا حق محض جوار یعنی ہم سائیگی اور اتصال کی بناء پر بھی ہوتا ہے، اگر انفصال ایسا ہو کہ درمیان میں راستہ ہو اور وہ استعمال میں نہ ہو تو بھی حق شفعہ حاصل ہے۔ اگر حنفی حاکم نے شافعی ہمسایہ کے حق میں تصفیہ کیا تو اس کا تصفیہ قطعی اور نافذ ہوگا۔ جوار کی حدیث کی نسبت شافعیہ کی رائے ہے کہ وہ یا تو منسوخ ہو چکی ہے یا منع کرنے سے قبل وارد ہوئی تھی یا مخصوص تھی۔

ملکیت میں شرکت کی قید ہے۔ منفعت میں شرکت سے شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوتا، موقوف لہ (جس کے لیے وقف کیا گیا ہو) اور موصی لہ (جس کے حق میں وصیت کی گئی ہو) کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہے، کرایہ کی یا نزولی اراضی پر جو جائداد ہو اس میں بھی شفعہ کا حق نہیں ہے، اس لئے کہ شفیع کو ایسی اراضی میں ملکیت حاصل نہیں ہے۔

جائداد کی ملکیت میں بیت المال کے ساتھ کوئی دوسرا شریک ہو اور وہ شریک جائیداد کو فروخت کرے تو بیت المال کی جانب سے بھی شفعہ کا حق طلب کیا جا سکتا ہے۔

جائداد کی ملکیت میں دو اشخاص جو پہلے سے شریک ہیں ان کو شریکِ سابق اور مشتری جس نے ایک شریکِ سابق کے حصہ کو خریدا اس کو شریکِ حال (موجودہ) کہا جاتا ہے، شریک حال سے شریک سابق شفعہ کا حق طلب کر سکتا ہے۔

غیر منقولہ

ہر ایسی جائداد میں شفعہ ثابت ہے جو غیر منقولہ ہے یعنی جو زمین سے منتقل نہ ہو سکے، جیسا کہ زمین، عمارت اور درخت، جو زمین میں نصب ہوں اور دروازے جو عمارت سے پیوست ہوں۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ منقولہ جائیداد کی بھی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جائداد جو غیر منقولہ کے تابع ہے، اس میں حق شفعہ ہے۔

دوسری وہ جائیداد جو غیر منقولہ کے تابع نہیں ہے، اس میں حق شفعہ نہیں ہے۔

بہر حال ضابطہ یہ ہے کہ غیر منقولہ جائیداد کی مطلق بیع میں جتنی چیزیں داخل

ہوسکتی ہیں ان سبھوں میں حق شفعہ حاصل ہے۔

درخت جو زمین میں نصب ہے زمین کے تابع ہے، البتہ خشک درخت زمین سے خارج شمار ہوگا اور اس کی نسبت شفعہ کا حق نہ ہوگا۔

لائقِ تقسیم

شفعہ کا حق ایسی جائیداد میں ہوتا ہے جو تقسیم کے لائق ہے اور تقسیم ہونے کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے میں کمی نہ ہو۔ جو جائداد تقسیم نہ ہوسکتی ہو یا جس کے استفادہ میں تقسیم کی وجہ سے کمی ہو تو اس میں شفعہ نہیں ہے، جیسا کہ ایک چھوٹا سا حمام جس کی تقسیم نہیں ہوسکتی، اس میں شفعہ نہیں ہے، اگر حمام بڑا ہو اور تقسیم کے بعد دو حمام کر دیے جاسکیں تو اس میں شفعہ ہے۔ اگر کوئی جائداد تقسیم کے بعد استعمال کے لائق ہو مگر استعمال کی نوعیت بدل جائے تو اس میں بھی شفعہ نہیں ہے۔

غیر موقوفہ

ہر اس جائداد میں شفعہ ثابت ہے جو غیر موقوفہ ہو۔ موقوفہ جائداد میں شفعہ نہیں ہے۔ وقف کی ہوئی جائداد کو موقوفہ کہتے ہیں۔

عوض

ایسی مشترکہ جائیداد جو کسی عوض کے معاوضہ میں منتقل کی گئی ہو، اس کو شفیع عوض ادا کر کے حاصل کرے گا، عوض کا مثل ہو تو مثل ادا کرے گا، ورنہ اس کی قیمت متعین کر کے قیمت ادا کرے گا۔

اگر کوئی جائیداد دوسرے کے حق میں بغیر عوض کے منتقل ہوئی ہو تو اس میں شفعہ کا حق حاصل نہیں رہتا، جیسا کہ وراثت، وصیت اور ہبہ بلا ثواب میں، جائیداد کے ایک شریک کے فوت ہونے پر اس کے وارث کے خلاف دوسرے شریک کو شفعہ کا حق حاصل نہیں ہوتا، لیکن اگر وارث نے جائیداد کے اس حصہ کو کسی دوسرے شخص کے حق میں منتقل کیا

تو پھر شریکِ سابق کو شفعہ کا حق حاصل ہو جائے گا۔

وصیت اور ہبہ بغیر ثواب کے ذریعہ بھی کوئی مشترکہ جائیداد منتقل ہوئی ہو تو اس میں بھی شفعہ نہیں ہے۔ اگر مشترکہ جائیداد کا کوئی حصہ کسی چیز کے عوض میں بیچا گیا ہے اور وہ چیز آسانی سے دستیاب ہو سکتی ہے تو شفیع اس چیز کو ادا کر کے شفعہ کا حق حاصل کرے گا، اگر اس چیز کے حاصل کرنے میں دشواری ہو تو بیع کے وقت اس چیز کی جو قیمت قرار پائی ہے ادا کرے گا۔

علی الفور

شفعہ کا حق علی الفور اور تاخیر کے بغیر طلب کرنا ضروری ہے۔ فروخت کا علم ہونے کے بعد علی الفور کی قید ہے۔ اگر شفیع کو فروخت کا علم نہ ہو سکے تو اس کا حق مدت دراز تک جاری رہ سکتا ہے۔ جائداد کے فروخت ہونے کا علم ہوتے ہی شفیع اس کو حاصل کرنے کے لئے جلدی کرے جیسا کہ یہ کہے کہ میں اسے حقِ شفعہ کے ذریعہ لوں گا۔

شفعہ کے حق کا مطالبہ کرنے میں جلد اسی حد تک لازم ہے جس کی عام طور پر عادت ہے۔ شفیع ایسی جلدی پر مجبور نہ ہوگا جو خلافِ عادت ہو۔ اصول یہ ہے کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے جو شفیع کی سستی اور غفلت پر محمول ہو سکے۔

فروخت کے علم کے وقت حق کا مطالبہ کرنے کی قدرت حاصل ہو اور تاخیر کرے اور جلدی نہ کرے تو شفعہ کا حق ختم ہو جاتا ہے۔ اگر شفیع بیمار ہو یا خریدار کے شہر سے غائب ہو تو حق کے مطالبہ کے لئے اپنی جانب سے وکیل مقرر کرے گا، جس کو توکیل کہتے ہیں، اگر وکیل کے تقرر کی قدرت نہ ہو تو شفعہ کا حق باقی رہنے کی نسبت گواہ بنائے گا، جس کو طلبِ اشہاد کہا جاتا ہے۔

اگر قدرت کے باوجود وکیل نہ بنائے اور گواہ بھی نہ بنائے تو معتمد قول یہ ہے کہ حقِ شفعہ باقی نہیں رہے گا۔ بہر حال وکیل بنانے کو گواہ بنانے پر ترجیح ہے۔

اگر شفیع کا دعوی یہ ہو کہ علی الفور طلب کرنے کی شرط سے وہ واقف نہ تھا اور اس کی حیثیت کے لحاظ سے اس دعوی کو قبول کرنے کی گنجائش بھی ہو تو اس کے قول کی تصدیق حلف

لے کر کی جائے گی۔

علی الفور کی قید عائد کرنے کی یہ وجہ ہے کہ شفعہ کے مطالبہ سے نقصان دور کرنا مقصود ہے اور اس کے لئے فوری مطالبہ کی ضرورت ہے، ہماری رائے میں یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ خریدار کے حق کو زیادہ دیر تک موقوف اور معلق نہ رکھا جائے۔

نکاح میں کسی فریق میں عیب کے پائے جانے پر نکاح رد کرنے میں علی الفور کی قید لگائی گئی ہے۔

اگر قیمت کی زیادہ مقدار بتا کر شفیع کو بیع کی خبر دی گئی ہو اور شفیع نے خاموشی اختیار کی ہو، جب کہ اصل میں بیع اس سے کم قیمت پر ہوئی ہو تو شفیع کی خاموشی سے اس کا حق ختم نہیں ہوگا، اس لیے کہ یہ تصور ہوگا کہ قیمت کی گرانی کی وجہ سے شفیع خاموش رہا تھا اور اس نے اپنا حق استعمال نہیں کیا تھا، اس کے برعکس اگر شفیع کو کم قیمت کی اطلاع ملی اور وہ خاموش رہا اور حقیقت میں اس سے زیادہ قیمت پر بیع ہوئی تھی تو شفیع کی خاموشی سے اس کا حق باقی نہیں رہے گا۔

علی الفور کی قید اس صورت میں ہوگی جب کہ مشتری نے فی الحال قیمت ادا کی ہو، اگر قیمت کے ادا کرنے کے لئے کوئی مدت مقرر کی گئی ہو تو شفیع کو اختیار ہوگا کہ فی الحال حاصل کرے یا متعین مدت گزرنے تک انتظار کرے، لیکن مشتری کے دعوی پر شفیع کو فی الحال جائیداد حاصل کرنا ہوگا، ورنہ اس کا حق ختم ہوگا۔ رات میں علم ہو تو صبح تک تاخیر کرسکتا ہے۔

تعدد شفعہ

معتمد قول یہ ہے کہ متعدد شفیع اپنے مملوکہ حصہ کی مقدار کی مناسبت سے حق شفعہ والی جائیداد میں حصہ پاتے ہیں، اگر چہ کہ بعض کا قول ہے کہ افراد کی تعداد کے لحاظ سے حصہ پائیں گے، پہلے قول کی یہ دلیل ہے کہ حق شفعہ ملکیت کی بناء پر حاصل ہوتا ہے، اس لیے ملکیت کی مقدار معیار ہے۔ دوسرے قول کی یہ دلیل ہوسکتی ہے کہ حق شفعہ ملکیت میں شرکت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے، اس لئے تعداد کا لحاظ ہوگا۔

ملکیت والے حصہ کی کمی یا زیادتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ایسا شریک جس کا

حصہ کم ہے پوری جائداد بھی شفعہ میں پا سکتا ہے۔

تین اشخاص ایک جائیداد میں مساوی طور پر حصہ دار ہیں اوران میں سے ایک نے اپنا حصہ دوسرے کے ہاتھ فروخت کیا تو تیسرا شخص شفعہ میں اس جائداد کا چھٹا حصہ حاصل کرے گا اور مشتری کو بقیہ چھٹا حصہ ملے گا۔

دو اشخاص ایک مشترکہ جائیداد کے حصہ دار ہیں اوران میں سے ایک نے اپنے حصہ کا ایک جزء غیر شخص کوفروخت کیا، پھر بقیہ جزء دوسرے شخص کوفروخت کیا تو شریکِ سابق پہلے فروخت شدہ جزء کوشفعہ کی بناء پر حاصل کرے گا اوراس کے بعد دوسرا حصہ بھی اس کو ملے گا، اس لئے کہ مشترک اول کی ملکیت زائل ہوگی۔

مشترکہ جائیداد کے تین حصہ دار ہیں اوران میں سے ایک نے اپنا حصہ دوسرے شریک کی غیر موجودگی میں فروخت کیا تو شریک حاضر کواختیار ہے کہ غیر موجود شریک کے حاضر ہونے تک انتظار کرے یا پورا حصہ شفعہ میں حاصل کرے اور غیر موجود شریک کے حاضر ہونے پراس کا حصہ اس کے حوالہ کرے۔ غیر موجود شریک کے انکار کرنے پر شریکِ حاضر ہی دونوں حصے پائے گا، بہرحال موجود شریک محض اپنے حصہ کی حد تک اپنے شفعہ کے حق کومحدود نہیں کرسکتا۔ اس لئے کہ مشتری اپنی خریدی ہوئی جائیداد کی تقسیم پر مجبور نہیں ہے۔

تصرفِ مشتری

اگر مشتری نے جائداد پر کسی قسم کا تصرف کیا ہے جیسا کہ زمین میں زراعت کی ہے تو فصل کی مدت تک اس کی زراعت باقی رہے گی اوراس کا کرایہ بھی نہیں ہوگا۔ اگراس نے کوئی تعمیر کی ہے یا درخت نصب کئے ہیں تو شفیع کواختیار ہوگا کہ مصارف ادا کرے یا تعمیر اور درخت کے نکال لینے پر مشتری کو مجبور کرے، اگر مشتری نکالنا چاہے تو اسی پر عمل ہوگا، مشتری زمین کے ہموار کرنے پر مجبور نہ ہوگا۔

ارکانِ شفعہ

شفعہ کے تین ارکان ہیں:

ا۔ شفیع؛ شفعہ کا حق طلب کرنے والا، شفیع کے لئے خلطت شیوع یعنی ملکیت میں شرکت کی شرط ہے، نہ کہ جوار اور ہم سائیگی کے سبب سے۔

۲۔ مشفوع؛ وہ جائداد جس پر حق شفعہ نافذ کیا جاتا ہے، مشفوع میں شرط ہے کہ غیر منقولہ ہو اور تقسیم کے لائق ہو۔

۳۔ مشفوع منہ؛ مشتری جس کے خلاف حق شفعہ نافذ کیا جاتا ہے، مشفوع منہ کے لئے شرط ہے کہ شفیع کی ملکیت کے بعد اس کو ملکیت حاصل ہوئی ہو، اگر دو اشخاص کو ایک ہی وقت ملکیت حاصل ہوئی ہو تو ان میں سے کسی ایک کو دوسرے کے خلاف شفعہ کا حق نہ ہوگا۔

وقف (ارکان وشرائط)

وقف کے معنی حبس یعنی روکنے کے ہیں۔ وقف کی جمع قلت 'اوقاف' اور جمع کثرت 'وقوف' ہے۔ شرع میں ایسے مال کے روکنے کو وقف کہتے ہیں جو متعین ہو، اصل کو باقی رکھ کر اس سے فائدہ اٹھانا ممکن ہو اور اس جائیداد میں اپنے تصرف کو اس غرض سے واقف منقطع کرے کہ نیک کام میں اللہ تعالی سے تقرب حاصل کرنے کے لئے اس کو صرف کرے۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں مال کو روکا نہیں جاتا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی اور غیر منقولہ مال کے وقف کا عمل اسلام سے قبل نہیں تھا۔

وقف کے شرائط

تین شرائط کی موجودگی میں وقف جائز ہے:

۱۔ مال موقوف ایسا ہو کہ اصلی کو برقرار رکھ کر اس سے نفع حاصل کیا جاسکے۔

۲۔ موقوف علیہ موجود ہو

۳۔ وقف گناہ کے لئے نہ ہو

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ''(آل عمران: ۹۲) تم نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ اللہ تعالی کے راستہ میں ایسی چیز کو خرچ نہ کرو گے جس کو تم پسند کرتے ہو۔

اسی آیت کو سن کر حضرت ابوطلحہ نے ''بیرحاء'' وقف کرنے کا ارادہ کیا تھا، اس نام کا ایک مشہور باغ مدینہ طیبہ میں تھا جو آپ رضی اللہ عنہ کو بے حد پسند تھا۔ (بخاری نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب الزکاۃ علی الأقارب ۱۴۶۱)

مسلم نے روایت کی ہے: ''إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهُ''۔ (مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب مایلحق الإنسان من الثواب بعد وفاتہ ۴۳۱۰) آدمی کے فوت ہونے پر اس کے اعمال کا ثواب منقطع ہو جاتا ہے تین چیزوں کے علاوہ: صدقہ جاریہ یا علم جس سے فائدہ پہنچتا ہو یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

علماء نے بشمول رافعی صدقہ جاریہ کی تعبیر وقف سے کی ہے۔

انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کے لئے صدقہ جائز نہیں ہے۔

مذکورہ حدیث میں تین کی تعداد محدود نہیں ہے، جلال الدین سیوطی نے اپنی نظم میں دس باتیں بتائی ہیں جن کا ثواب موت کے بعد جاری رہتا ہے:

إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ لَيْسَ يَجْرِیْ　　عَلَيْهِ مِنْ خِصَالٍ غَيْرِ عَشْرِ
عُلُوْمٌ بَثَّهَا وَ دُعَاءُ نَجلٍ　　وَغَرْسُ النَّخْلِ وَالصَّدُقَاتُ تَجْرِیْ
وَرَاثَةُ مُصْحَفٍ وَرِبَاطُ ثَغْرٍ　　وَحَفْرُ الْبِئْرِ أَوْ إِجْرَاءُ نَهْرٍ
وَبَيْتٌ لِلْغَيْبِ بَنَاهُ يَأْوِیْ　　إِلَيْهِ أَوْ بِنَاءُ مَحَلِّ ذِكْرٍ

جب آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کی کوئی خصلت جاری نہیں رہتی، دس امور کے علاوہ؛
علوم جو اس نے پھیلائے اور اولاد کی دعا اور کھجور کے درخت جو اس نے نصب کئے اور صدقات جاری رہتے ہیں۔

قرآن مجید جس کو وراثت میں چھوڑا اور مسافر خانہ اور کنواں کھودایا، نہر جاری کی اور گھر بنایا (سرائے) تاکہ اس میں مسافر پناہ لے یا کوئی عمارت یادالٰہی کے لئے (مسجد)

بعض نے اور ایک شعر اضافہ کیا:

وَتَعْلِيْمٌ لِلْقُرْآنِ الْكَرِيْمِ　　فَخُذْ هَا مِنْ أَحَادِيْثِ بِحَصْرِ

اور قرآن کریم کی تعلیم، احادیث سے یہ باتیں شمار کی گئی ہیں۔

وقف جائز ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وقف صحیح ہے، بلکہ شیخ بیجوری نے لکھا ہے کہ

وقف مستحب ہے، جیسا کہ مذکورہ حدیث سے دلالت ہوتی ہے۔

شیخ ابوشجاع نے اپنے متن میں وقف کے تین شرائط بیان کئے تھے، ابن قاسم غزی نے ان کی وضاحت کرتے ہوئے بعض اور شرائط اضافہ کئے۔ خطیب شربینی نے چار ارکان اور آٹھ شرائط مشترکاً و مجملاً بیان کئے۔ ہم نے ابراہیم بیجوری اور سلیمان بجیرمی کی شروح کی مدد سے وقف کی شرائط کو چاروں ارکان میں سے ہر ایک رکن کے تحت علیحدہ بیان کیا ہے۔

وقت کے ارکان

وقف کے چار ارکان ہیں: وقف، موقوف، موقوف علیہ اور صیغہ

وقف صحیح ہونے کے لئے ارکان اور شرائط دونوں لازمی ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ ارکان وقف کے جزء ہیں اور شرائط وقف کے جزء نہیں اور اس سے خارج ہیں۔

واقف

واقف؛ وقف کرنے والے کو کہتے ہیں، واقف کے لئے شرط ہے کہ وقف کی صلاحیت رکھتا ہو اور مختار ہو اور تبرع کی اہلیت رکھتا ہو۔

صلاحیت کی قید کی وجہ سے بچہ اور مجنون خارج ہو جاتے ہیں۔ مختار کی قید کی وجہ سے وہ وقف خارج ہو جاتا ہے جو جبر وقہر کے استعمال سے کرایا جائے۔

تبرع نیک کام کرنے کو کہتے ہیں اور تبرع کے لئے اہلیت کی ضرورت ہے، مجنون اور نابالغ تبرع کی اہلیت نہیں رکھتا، ولی کو نابالغ کی جانب سے ولایت کے حق کی وجہ سے وقف کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ مجنون کا بھی یہی حال ہے۔

کافر مسجد کے لئے بھی وقف کر سکتا ہے، اگرچہ کہ اس کو اللہ سے ثواب ملنے کا اعتقاد نہ ہو۔

مسلمان مباح مقصد کے لئے وقف کر سکتا ہے۔ لیکن غیر مباح کے لیے وقف نہیں کر سکتا۔ وہ شخص جس کو بیوقوفی یا فضول خرچی کی وجہ سے جائیداد میں تصرف سے روکا گیا ہو

وقف نہیں کرسکتا، چاہے اس نے اپنے سرپرست ونگران کو اجازت دی ہو، لیکن ان دونوں کی وصیت صحیح ہوسکتی ہے، اس لیے کہ وصیت کا نفاذ موت کے بعد ہوتا ہے اور موت کی وجہ سے یہ ممانعت برخاست ہوجاتی ہے۔ کرایہ دار اور موصی لہ کو چونکہ ملکیت حاصل نہیں ہوتی، اس لیے وقف نہیں کرسکتے، بیت المال کی جائیداد کو امام مصلحت عامہ کو دیکھتے ہوئے وقف کرسکتا ہے۔

موقوف

وقف کئے ہوئے مال کو موقوف کہتے ہیں، مال کا لفظ عام ہے، غیر منقول اور منقول دونوں کو شامل ہے۔ بجیرمی نے یہ قید بھی لگائی ہے کہ مال کی مالیت ہو۔ مال غیر منقول کی مثال اراضی، عمارت اور درخت وغیرہ ہیں، اور منقول کی مثال کتابیں، جانور اور آلات واوزار ہیں۔

مال مشاع بھی وقف ہوسکتا ہے، مشاع اس مال کو کہتے ہیں جس کی ملکیت میں واقف کے علاوہ دوسرا شخص بھی شریک ہو، لیکن ایسے مال کی فی الحال تقسیم واجب ہوگی جب کہ اس کو الگ کرنا ممکن ہو۔

وقف کا مال متعین کرنے کی ضرورت ہے۔ بغیر تعین کے مبہم طور پر کوئی مال وقف نہیں کیا جاسکتا، مثلاً کہے: ان دو چیزوں میں سے ایک کو وقف کرتا ہوں۔

مال ایسا ہو جس کے عین کو باقی رکھ کر اس کے منافع سے استفادہ کیا جاسکے، عین چیز کے بقا کی قید کی وجہ سے وہ چیزیں خارج ہوجاتی ہیں جن کے عین کو صرف کئے بغیر فائدہ اٹھانا ممکن نہ ہو، جیسا کہ شمع (موم بتی)، عود، عطر اور کھانے پینے کی چیزیں، ان کا وقف صحیح نہیں۔

اسی طرح سونے اور چاندی کے سکے بھی وقف نہیں ہوسکتے ہیں اور ہماری رائے میں دیگر نقدی (سونا اور چاندی) بھی اسی تعریف میں داخل ہیں، اس لیے کہ یہ سب چیزیں استعمال کے ساتھ ہی تلف ہوجاتی ہیں۔

عین چیز کے باقی رہنے کے لئے کسی مدت کی قید نہیں ہے۔ تھوڑی مدت بھی کافی ہے، جس کے مقابلہ میں اجرت دی جاسکتی ہو۔ اس لیے کہ حقیقی دوام مخلوقات میں ناممکن ہے۔

فائدہ اٹھانے کی قید عام ہے، فی الحال فائدہ اٹھا سکے یا آئندہ زمانہ میں، گھوڑے وغیرہ کا بچہ کم عمر ہو اور ابھی استعمال کے لائق نہ ہو، وقف ہو سکتا ہے۔ فائدہ اٹھانے کی قید کی وجہ سے ایسا مریض جانور وقف نہیں ہو سکتا جس کے درست اور کار آمد ہونے کا امکان نہ ہو۔

مال کی ملکیت کی شرط ہے، رہن یا کرایہ کا مال وقف نہیں ہو سکتا۔ عمارت یا درخت جو مملوکہ اراضی پر ہوں اور اراضی کے ساتھ وقف کئے جائیں تو کوئی بات نہیں، مگر کرایہ کی یا نزولی اراضی پر ہوں اور مدت کے ختم ہونے پر اس کے اسباب وساز وسامان کو اٹھا لینے کے بعد اگر وہ فائدہ کے لائق ہو تو وقف جاری رہے گا اور اگر فائدہ کے لائق نہ ہو تو دو صورتیں ہیں: موقوف علیہ کی ملک ہوگی یا واقف کی۔

بیجوری کا قولِ اصح یہ ہے کہ موقوف علیہ کی ملک ہوگی۔

موقوف علیہ

اس شخص کو موقوف علیہ کہتے ہیں، جس کے فائدہ کے لئے کوئی چیز وقف کی جائے۔

وقف میں موقوف علیہ کی صراحت کرنا لازم ہے، اگر موقوف علیہ کا ذکر نہ کر کے یوں کہے: اس کتاب کو اللہ تعالی کے لئے میں نے وقف کیا تو صحیح نہیں۔ اس لیے کہ موقوف علیہ رکن ہے اور رکن کے مفقود ہونے پر وقف باطل ہو جاتا ہے۔ برخلاف وصیت کے، اگر وصیت میں کہے: میں ایک تہائی مال اللہ تعالی کے لئے وصیت کرتا ہوں تو بھی وصیت صحیح ہوگی اور موصی (وصیت کرنے والے) کی موت کے بعد مال موقوفہ فقراء اور خیر کی راہوں میں تقسیم ہوگا۔

موقوف علیہ کے لئے شرط ہے کہ فی الحال موجود ہو اور مال موقوف کی ملکیت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس شرط سے جنین خارج ہو جاتا ہے، جنین اس بچے کو کہتے ہیں جو ہنوز پیدا نہیں ہوا۔ جنین پر وقف کرنے کو منقطع الاول کہتے ہیں اور منقطع الاول وقف جائز نہیں ہے۔

برخلاف وصیت کے، جنین کی نسبت وصیت جائز ہے، اس لیے کہ موجود، معدوم، معلوم اور مجہول کے حق میں وصیت ہو سکتی ہے۔ جنین وراثت بھی پاتا ہے، بہر حال جنین کا

عدم وجود وقف میں اور وجود وصیت اور وراثت میں قرار دیا گیا ہے۔

مسلم غلام اور قرآن مجید کو کافر پر وقف نہیں کر سکتے، میت پر بھی وقف صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ میت میں ملکیت کی صلاحیت نہیں ہے۔ مشائخین کے حق میں وقف صحیح نہیں ہے، سوائے اس کے کہ ان کے مصالح میں صرف کرنا مقصود ہو۔

بغیر تعین کے بھی وقف صحیح نہیں ہے، مثلاً یہ کہے: ان دونوں میں سے کسی ایک پر وقف کیا۔ غلام پر بھی وقف صحیح نہیں ہے، وہ خود دوسرے کی ملکیت ہے۔

مرتد اور حربی کافر پر بھی وقف صحیح نہیں، اس لیے کہ ان کے کفر میں دوام نہیں۔ ذمی پر وقف ہوسکتا ہے، اپنی ہی ذات پر وقف نہیں ہوسکتا۔ برخلاف امام ابوحنیفہ کے۔ اس لیے کہ واقف کو پہلے ہی سے ملکیت حاصل ہے۔ پھر دوبارہ اسی ملکیت کو اپنی طرف منتقل کرنا بے معنی ہے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ واقف خود مال موقوفہ کی نگرانی اپنے ذمہ رکھے اور اس نگرانی کا معاوضہ حاصل کرے تو جائز ہے۔

ایسے جانور پر بھی وقف نہیں ہوسکتا جو دوسرے شخص کی ملکیت میں ہو، اس قید کی وجہ سے وقف کیا ہوا جانور خارج ہو جاتا ہے۔ وقف کئے ہوئے جانور پر مال کا وقف جائز ہے، مکہ معظّمہ کے کبوتروں کے لئے بھی وقف ہوسکتا ہے۔ یہ ایک خاص صورت ہے، ورنہ عام حکم یہ ہے کہ وحشی جانوروں اور مباح پرندوں کے لئے وقف نہیں ہوسکتا۔

وقف کی صورتیں

موقوف علیہ کے وجود اور عدم وجود کے اعتبار سے وقف کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ موقوف علیہ کا وجود وقف کے وقت ابتدا میں نہ پایا جائے، جیسا کہ یہ کہے: میں نے اس مال کو اپنے بچے پر وقف کیا جو قریب میں پیدا ہونے والا ہے اور پھر اس کے بعد فقراء پر، اس کو منقطع الاول کہتے ہیں اور معتمد یہ ہے کہ یہ وقف باطل ہے۔ اس لیے کہ مالِ وقف کے منافع کا صرف کرنا فی الحال ممکن نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ موقوف علیہ کا وجود ابتدائے وقف کے وقت پایا جائے

اور آخر میں بھی پایا جائے، مگر درمیان میں موقوف علیہ کا وجود موقوف ہو، جیسا کہ یہ کہے: میں نے اس مال کو زید پر وقف کیا، پھر ایک شخص (غیر معین) پر اور پھر فقراء پر، تو اس صورت میں پہلا موقوف علیہ زید اور آخری موقوف علیہ فقراء دونوں موجود ہیں، لیکن ان کے درمیان ایک شخص غیر معین ہے، اس کو منقطع الوسط کہتے ہیں، راجح قول یہ ہے کہ یہ وقف صحیح ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ موقوف علیہ کا وجود ابتدائے وقف کے وقت اور اس کے بعد درمیان میں بھی پایا جائے۔ لیکن اخیر میں نہ پایا جائے، جیسا کہ یہ کہے: میں نے زید پر وقف کیا، پھر اس کی اولاد پر۔ اس کے بعد کچھ نہ کہے تو اس کو ''منقطع الآخر'' کہتے ہیں، اور راجح قول یہ ہے کہ یہ وقف بھی صحیح ہے۔

وقف کے منافع پہلے زید پر صرف ہوں گے اور اس کے بعد اس کی اولاد پر جہاں تک کہ پائی جائے، اور ان کے ختم ہونے پر مسلمانوں کے اہم مصالح؛ فقراء اور مساکین پر صرف ہوگا۔

شیخ ابوشجاع نے وقف کی آخری دونوں صورتوں؛ منقطع الوسط اور منقطع الآخر کو غیر صحیح ظاہر کیا تھا مگر بعد کے فقہاء نے اس قول کو مرجوح قرار دیا ہے۔

ذریت میں بیٹوں کی اولاد کے علاوہ بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہے۔ اگر ذریت کے ساتھ نسب کی بھی قید لگائے اور یوں کہے کہ ان میں سے جو میری طرف منسوب ہوں تو بیٹیوں کی اولاد خارج ہو جاتی ہے، لیکن اگر وقف کرنے والی عورت ہو تو بیٹیوں کی اولاد بھی داخل ہوتی ہے اور اس صورت میں انتساب لغوی معنی میں ہوگا، نہ کہ شرعی معنی میں۔

نسل اور عقب کے معنی بھی ذریت کے ہیں۔ ولد (بیٹے) کے لفظ میں ولد الولد (پوتا) داخل نہیں ہے، البتہ ولد (بیٹے) کی عدم موجودگی میں ولد کا لفظ استعمال کرے تو ولد الولد (پوتا) داخل ہو جاتا ہے، ولد کا لفظ بیٹے اور بیٹی دونوں پر حاوی ہے، لیکن پوتے پر حاوی نہیں ہے۔ ابن (بیٹے) کا لفظ بنت (بیٹی) پر شامل نہیں ہے اور نہ اس کے برعکس۔

وقف کا صیغہ

وقف کے صیغہ کے لئے شرط ہے کہ الفاظ استعمال کئے جائیں، الفاظ صراحۃً بھی ہو سکتے ہیں اور کنایۃً بھی۔ صراحۃً کی مثال یہ ہے: میں نے اس چیز کو فلاں پر وقف کیا یا فلاں چیز کو فلاں پر صدقہ دائمی کے طور پر صدقہ دیا، یا موقوفہ یا اس جگہ کو مسجد قرار دیا۔

کنایہ کی مثال یہ ہے: اس چیز کو میں نے ہمیشہ کے لئے فقراء کو دیا، یا میں نے اس کو فقراء کے لئے دے دیا، شرط یہ ہے کہ اگر موقوف علیہ معین ہو تو وقف فوری طور پر قبول کرے، سوائے اس کے کہ غیر حاضر ہو، نابالغ کی جانب سے اس کا ولی قبول کرے گا۔ ولی نہ ہو تو اس کی جانب سے حاکم قبول کرے گا۔

اگر موقوف علیہ معین نہ ہو اور وقف خیر کی کسی جہت کے لئے ہو تو فوری قبول کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ مساجد، خانقاہ، مجاہدین، علماء اور فقراء کے لئے کوئی جائیداد وقف کی گئی ہو۔

وقف قطعی ہو

وقف قطعی طور پر کرے، ناقص نہ چھوڑے۔ یہ کہنا کہ مہینے کے آغاز سے اس کو فقراء کے لئے وقف کیا صحیح نہیں ہے، ان صورتوں میں ملکیت سے آزاد کرنا مقصود نہیں ہوگا۔ یا کہے: جب تک کہ رمضان نہ آئے۔ اسی طرح موت کے ساتھ معلق نہ کرے تو بھی ناقص عبارت سے وقف صحیح نہیں ہوسکتا۔ موت کے ساتھ معلق کر کے کہے تو وقف صحیح ہوسکتا ہے جیسا کہ یہ کہے: میں نے اس چیز کو فقیروں کے لئے میرے مرنے کے بعد وقف کیا۔ اس وقف کا حکم وصیت کا حکم ہوگا اور تہائی مقدار تک محدود ہوگا اور ایسے وقف سے رجوع بھی ہو سکے گا۔

اگر وقف قطعی طور پر کرے، لیکن منافع سے استفادہ کو اپنی موت تک معلق کرے تو جائز ہے، جیسا کہ یہ کہے: میں نے اپنا گھر فقراء کے لیے وقف کیا، جب میں مر جاؤں تو ان پر صرف کیا جائے۔ یہ وقف جائز ہے۔

وقت مقرر نہ کیا جائے

شرط یہ ہے کہ وقف کے لئے کوئی مدت محدود نہ کرے۔ یہ کہنا کہ فلاں چیز کو زید پر ایک سال کے لئے وقف کیا، صحیح نہیں ہے۔ اگر اس مدت کے بعد پھر کوئی تصرف ظاہر کرے تو وقف صحیح ہو جائے گا جیسا کہ یہ کہے: فلاں چیز کو میں نے زید پر ایک سال کے لئے وقف کیا، پھر فقراء کے لئے۔ تو صحیح ہے۔

جس وقف میں محض اپنی ملکیت کا ازالہ کرنا ہو تو باوجود مدت متعین کرنے کے وقف دائمی ہو جائے گا اور وقت کی تحدید لغو ہوگی، جیسا کہ کوئی کہے: میں نے اس کو ایک سال کے لئے مسجد قرار دیا۔ تو یہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہو جائے گی اور ایک سال کی مدت کی شرط فاسد اور بے اثر ہوگی۔

وقف کا مقصد اور غرض جائز ہو

وقف جائز غرض کے لئے ہو، کسی معصیت اور گناہ کے کام کے لئے نہ ہو۔ خیر کی جہت میں وہ سب امور داخل ہیں جو حرام نہیں ہیں۔ خطیب شربینی نے مباح مصرف کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ مباح کی قید کی وجہ سے لہو ولعب کے اغراض خارج ہو جاتے ہیں۔

وقف سے اللہ کا تقرب حاصل ہوتا ہے، اگر چہ کہ مالداروں کے حق میں وقف کرے۔ اللہ کے تقرب کے ارادہ کا اظہار ضروری نہیں ہے۔ فقراء، علماء، مجاہدین، مساجد اور خانقاہوں پر وقف کرنے سے اللہ کے تقرب کا رادہ ظاہر بھی ہو جاتا ہے۔

مسافروں کے قیام کے لئے مکان کا وقف جائز ہے، اگر چہ کے غیر مسلم مسافرین اس سے استفادہ کریں۔

وقف میں فقراء کا لفظ فقرائے زکات کے علاوہ اس شخص پر بھی حاوی ہے جو حسب کفایت کما سکتا ہے اور اس کے پاس مال نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص فقر کا دعوی کرے اور بظاہر اس کا کوئی مال نہ ہو تو اس کے دعوی کی تصدیق کے لئے اس کا حلف کافی ہوگا اور کسی بینہ

(دلیل) کی ضرورت نہ ہوگی، برخلاف اس کے کہ اگر وقف مالدار کے لئے کیا جائے تو مالداری کے دعوی کی تصدیق کے لئے بینہ اور دلیل کی ضرورت ہوگی، محض حلف کافی نہ ہوگا۔

عملِ وقف

واقف کی مقرر کردہ شرائط؛ تقدیم وتاخیر، برابری اور ایک دوسرے پر فضیلت پر عمل ہوگا۔ یہاں شرائط سے وہ امور مراد ہیں، جن کو واقف نے وقف کے صیغہ میں بیان کئے ہیں۔

وقف کی ملکیت

جائیداد کے وقف ہونے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وقف کیا ہوا مال کس کی ملکیت ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ واقف کی ملکیت ہے، اس لیے کہ واقف نے وقف کے ذریعہ صرف وقف کیے ہوئے مال کے منافع سے فائدہ اٹھانے کے حق کو ختم کیا ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ موقوف علیہ کی ملکیت ہے جو موقوفہ مال کے منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

شافعیہ کی رائے میں یہ دونوں اقوال ضعیف ہیں۔ اظہر قول یہ ہے کہ وقف کردینے کے بعد وقف کردہ مال کی ملکیت اللہ تعالی کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اس معنی میں کہ آدمیوں کے حقوق اس جائیداد سے برخاست ہوجاتے ہیں۔ ورنہ ساری مخلوقات حقیقت میں اللہ تعالی کی ملکیت ہیں، اگرچہ کہ بظاہر دوسرے کو مالک تصور کیا گیا ہے۔

اب رہا یہ معاملہ کہ موقوف کے واقف کی ملکیت سے خارج ہوجانے کے بعد واقف کے مقرر کردہ شرائط کی تعمیل اور پابندی کیوں کی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شارع نے یہ گنجائش باقی رکھی ہے کہ وقف کا مقصد اور غرض پوری کی جائے، گویا کہ واقف کی طرف سے مقرر کردہ شرط شارع کے حکم کے قائم مقام ہے۔

وقف کا انتظام

واقف کو اختیار ہے کہ موقوفہ مال کی نگرانی اپنے ذمہ رکھے یا کسی دوسرے کے ذمہ کرے اور اس بارے میں واقف کی مقرر کردہ شرائط کی تعمیل کی جائے گی۔ ورنہ موقوفہ مال

کی نگرانی قاضی کے ذمہ رہے گی، واقف خود منتظم ہو تو اپنے مقرر کردہ نگران کو معزول کرنے اور مقرر کرنے کا اس کو بالکلیہ اختیار رہوگا، البتہ کسی کو اپنی خدمت سے اس وقت تک علیحدہ نہ کرے گا جب تک کہ اس سے کوئی قصور سرزد نہ ہو۔

موقوفہ جائیداد کے محافظ اور منتظم کو ناظر کہتے ہیں۔ ناظر کے لئے شرط ہے کہ صفتِ عدالت سے متصف ہو اور جائیداد کے تصرف میں کفایت کو ملحوظ رکھے۔

اس کے فرائض اور ذمے داریاں یہ ہیں کہ موقوفہ مال کی تعمیر کرے، کرایہ پر دے، اصل مال اور اس کے منافع اور آمدنی کی حفاظت کرے اور مستحقین پر تقسیم کرے، ان امور کی نسبت جو حدود مقرر کئے گئے ہیں ان سے تجاوز یا ان کی خلاف ورزی نہ کرے۔ جانور وقف کیا گیا ہے تو اس کی پرورش، مکان وقف کیا گیا ہے تو اس کی تعمیر و ترمیم واقف کے تجویز کردہ شرائط کے مطابق وقف کے مال سے یا موقوفہ مال سے کرائے، اگر اس بارے میں کوئی شرط نہ ہو تو موقوفہ مال کی آمدنی سے کرے اور اگر موقوفہ مال کا منافع اور آمدنی بند ہو جائے تو جانور کی پرورش بیت المال سے ہوگی، لیکن تعمیر و ترمیم بیت المال پر واجب نہیں ہوگی۔

وقف میں تقدیم و ترجیح

تقدیم کے معنی بڑھا کر دینے اور ترجیح دینے کے ہیں۔ واقف تقدیم کی شرط اس طرح رکھ سکتا ہے: میں نے اپنی اولاد میں سے ان پر وقف کیا جو زیادہ پرہیزگار ہے، جو جتنا زیادہ پرہیزگار ہے اسی قدر زیادہ پائے گا۔

پرہیزگاری کے دو مدارج ہیں: ورع؛ مشتبہ امور کو چھوڑنے اور حلال کے استعمال تک محدود کر دینے کو کہتے ہیں۔

اگر موقوف علیہ کے لئے فقر کی شرط عائد کی ہو تو فقر کی حالت میں استفادہ کرے گا اور تونگر ہونے پر استحقاق نہ رکھے گا، لیکن پھر فقر میں مبتلا ہو جائے تو حق واپس ہوگا۔

تاخیر کی شرط اس طرح ہو سکتی ہے کہ اس کو میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا اور جب وہ ختم ہو جائیں تو ان کی اولاد پر، اس مثال میں موقوفہ مال سے استفادہ کے لئے اولاد کی

اولادکواولاد کے بعد رکھا گیا ہے۔

تسویہ کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں،تسویہ کے لئے یہ الفاظ ہو سکتے ہیں: میں نے اپنی اولاد پر مردوں اور عورتوں پر مساویانہ وقف کیا۔اس صورت میں مرد اور عورت ہرایک فرد مساوی حصہ پائے گا۔

تفضیل کے لئے یہ الفاظ استعمال ہو سکتے ہیں: میں نے اپنی اولاد پر وقف کیا، مرد کے مقابلے میں عورت کا دوہرا حصہ ہوگا۔

جمع کی یہ مثال ہے: میں نے اولاد اور ان کی اولاد اور ان کی اولاد پر وقف کیا۔ یہاں عطف کا واؤ صرف جمع کے لیے استعمال کیا گیا ہے۔اولاد اور اولاد کی اولاد، ان دونوں کے جملہ افراد، مرد اور عورت سب کو مساوی مقدار میں حصہ ملے گا۔

ترتیب کی مثال یہ ہے: میں نے اپنی اولاد پر اور پھر اپنی اولاد کی اولاد پر وقف کیا ۔ پہلے درجہ سے ایک آدمی بھی باقی رہا تو دوسرے درجہ کے کسی شخص کو کچھ نہ ملے گا، مگر یہ کہ یہ شرط رکھی گئی ہو کہ پہلے درجہ سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کا حصہ اس کی اولاد کو ملے۔

بعض صفات کی شرط لگا کر کسی کو داخل کرے یا کسی کو خارج کرے جیسا کہ کہے: میں نے اس کو اپنی اولاد پر جو مجرد ہیں یا اس اولاد پر جو فقراء ہیں وقف کیا۔جس اولاد کی شادی ہو جائے یا مالدار ہو جائے وہ خارج ہو جائیں گے۔

ہبہ

(ارکان وشرائط ہبہ، رجوع، عمری اور رقبی، والدین واولاد کا باہمی برتاؤ، صلہ رحمی، امتناع ہدیہ)

ہبہ ''ہبوب'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی ایک جانب سے دوسری جانب ہوا کے چلنے اور بہنے کے ہیں اور اس مناسبت سے کہ ہبہ کرنے سے مال ایک شخص کے ہاتھ سے دوسرے شخص کے ہاتھ منتقل ہوتا ہے، ہبہ کہا گیا۔

نیند سے بیدار ہونے کو بھی ''ہبوب'' کہتے ہیں۔ گویا کہ احسان اور نیک اعمال سے ہبہ کرنے والا غافل تھا وہ اب بیدار ہوا۔

شرع میں ہبہ کی عام تعریف یہ ہے کہ اپنی زندگی میں تطوع (نیکی) کے لئے مال کی ملکیت کو بغیر کسی عوض کے منتقل کرے۔

اس تعریف میں صدقہ اور ہدیہ دونوں داخل ہیں۔ صدقہ دینے کے لئے دو وجوہ ہوسکتے ہیں: ثواب حاصل کرنے کے لئے دے یا محتاج کی ضرورت دور کرنے کے لئے۔

ہدیہ اس تحفہ کو کہتے ہیں جو کسی کی ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی تعظیم اور تکریم کے لئے دیا جائے۔ ہبہ کی خاص تعریف یہ ہے کہ اپنی زندگی میں تطوع کے لئے مال کی ملکیت کو بغیر کسی عوض کے منتقل کرے، کسی کی تعظیم یا تکریم کے لئے، نہ کہ کسی کی ضرورت کی وجہ سے اور اس میں ایجاب وقبول بھی ہو۔

اس تعریف سے صدقہ اور ہدیہ خارج ہوجاتے ہیں۔ ہبہ ایک طرف اور صدقہ اور ہدیہ دوسری طرف اور ان دونوں کے درمیان نسبت عموم وخصوص من وجہ ہے۔ اگر کسی نے ثواب کے لئے دیا اور الفاظ بھی اس معنی میں استعمال کئے تو وہ ہبہ اور صدقہ ہوگا اور اگر تکریم کے لئے دیا اور الفاظ بھی اس معنی میں استعمال کئے تو ہبہ اور ہدیہ ہوگا۔ اگر ثواب کے

لئے نہ دے اور تکریم بھی مقصود نہ ہو اور الفاظ بھی اس معنی میں استعمال کئے تو یہ فقط ہبہ ہوگا۔

اگر ثواب کے لئے دے اور کوئی لفظ نہ کہے تو صرف صدقہ ہوگا اور تکریم کے لئے دے اور کوئی لفظ نہ کہے تو صرف ہدیہ ہوگا۔

ملکیت کی قید کی وجہ سے وقف کی ہوئی اور عاریت میں دی ہوئی چیزیں خارج ہو جاتی ہیں۔ زندگی کی قید کی وجہ سے وصیت خارج ہو جاتی ہے۔

چونکہ ملکیت کے لئے اہلیت بھی شرط ہے، اس لیے اس بچے کے لئے ہبہ صحیح نہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ اگر کسی نے اپنے مکان میں دوسرے شخص کو عاریتاً رہنے کی اجازت دی تو اس کو بعض نے ہبہ اس معنی میں قرار دیا ہے کہ اس میں منفعت کو ہبہ کیا ہے۔ اس طرح کے عاریتی ہبہ سے مالک ہر وقت رجوع کر سکتا ہے۔

تطوع کی قید کی وجہ سے بیع اور زکات خارج ہو جاتے ہیں، غیر عوض کی قید کی وجہ سے صرف بیع خارج ہو جاتی ہے۔ اگر عوض کا کوئی قرینہ ہو تو واجب ہے کہ عوض کو ادا کرے یا ہدیہ کو واپس کر دے۔

ارکانِ ہبہ

ہبہ کے چار ارکان ہیں: واہب۔ موہوب لہ۔ موہوب اور صیغہ۔

واہب یعنی ہبہ کرنے والا

واہب کے لئے شرط ہے کہ اس کی ملکیت حقیقی ہو یا حکمی، ملکیت میں تصرف کا اختیار ہو اور تبرع کی اہلیت رکھتا ہو، مجور علیہ کا ہبہ صحیح نہیں۔ تبرع نیک کام کرنے کو کہتے ہیں۔ مجور علیہ اس شخص کو کہتے ہیں جو نادہندگی کی وجہ سے یا مسرف ہونے کی وجہ سے اپنی جائیداد میں تصرف سے روکا گیا ہے۔ مجور علیہ کے مال میں ولی کو بھی تبرع کا اختیار نہیں ہے۔ یہ شرائط صدقہ، ہدیہ اور ہبہ تینوں کے لئے ہیں۔

موہوب لہ یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے

موہوب لہ وہ شخص ہے جس کے فائدہ کے لئے ہبہ کیا گیا، موہوب لہ کے لیے شرط ہے کہ ملکیت کی اہلیت رکھتا ہو، اگر چہ کہ غیر مکلّف ہو، اس بچے کے لئے ہبہ نہیں ہوسکتا جو ابھی پیدا نہیں ہوا۔ جانور کے لئے بھی ہبہ صحیح نہیں۔ موہوب لہ کے لئے بلوغ کی قید نہیں ہے، نابالغ کے لئے ہبہ ہوسکتا ہے، جس کو اس کا ولی قبول کرے گا۔

ہبہ کی ہوئی چیز

موہوب؛ وہ چیز ہے جو ہبہ کی گئی ہو، موہوب کے لئے شرط ہے کہ اس کی ملکیت ہو، معلوم ہو، طاہر ہو، قابلِ استفادہ ہو اور غصب کیا ہوا نہ ہو۔

اس چیز کا ہبہ نہیں ہوسکتا جس کی ملکیت حاصل نہ ہو۔ نامعلوم اور نجس چیز کا ہبہ صحیح نہیں۔ قابل استفادہ کی شرط کی وجہ سے ناکارہ چیزیں خارج ہیں۔ غیر مغصوب کی قید کی وجہ سے وہ چیز خارج ہو جاتی ہے جس کو دوسرے نے چھینا ہو اور اس کے واپس حاصل کرنے پر قدرت نہ ہو۔ قرض کا ہبہ مدیون یعنی قرض دار کے حق میں صحیح ہے، لیکن دوسرے کے حق میں باطل ہے۔

صیغہ

صیغہ ان الفاظ کو کہتے ہیں جو ہبہ کرنے والا بطور ایجاب بولے اور جس کے حق میں ہبہ کیا گیا بطور قبول کہے۔ بیع کے صیغہ کے لئے جو شرائط ہیں وہی ہبہ کے صیغے کے لئے مقرر ہیں۔ معتمد یہ ہے کہ ایجاب وقبول کے الفاظ کے معنی میں مطابقت ضروری ہے۔

کسی نے دو چیزوں کو ہبہ کیا اور دوسرے نے ان میں سے ایک کو قبول کیا تو صحیح نہیں ہے، لیکن بعض کا قول ہے کہ صحیح ہے، بیع کی دوسری شرائط یہ ہیں کہ صیغہ میں تعلیق یا توقیت نہ ہو۔ ہبہ کے صیغہ میں بھی تعلیق یا توقیت جائز نہیں ہے، تعلیق کسی واقعہ پر منحصر کرنے اور توقیت کسی وقت کے مقرر کرنے کو کہتے ہیں، یہ دونوں صیغے ناقص ہیں، اس لیے ان صیغوں سے ہبہ صحیح نہیں ہوسکتا۔

ایجاب کے الفاظ یہ ہو سکتے ہیں: میں نے تم کو ہبہ کیا یا میں نے تم کو دے دی۔

قبول کے الفاظ یہ ہیں: میں نے قبول کیا اور میں نے پسند کیا۔

کم سن کی جانب سے اس کا ولی قبول کرے گا۔

قرض ہبہ کرنے میں قرض دار کی طرف سے قبول کی شرط نہیں ہے۔

ہر وہ چیز جس کی بیع صحیح ہے اس کا ہبہ بھی صحیح ہے اور جس کی بیع صحیح نہیں اس کا ہبہ صحیح نہیں۔

''وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى'' (المائدۃ:۲) نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔

ہبہ بھی نیکی میں داخل ہے: ''وَآتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهِ'' (البقرۃ:۱۷۷) مال دو اگرچہ جس سے محبت ہو یا یہ کہ اللہ کی محبت کے واسطے مال دو۔

صحیحین کی روایت میں ہے: ''لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنِ شَاةٍ''

(بخاری: الھبۃ، باب فضلھا والتحریض علیھا ۲۴۲۷، مسلم: الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ ولو بالقلیل ۱۰۳۰)

ہمسایہ ہمسایہ کو حقیر نہ سمجھے، اگرچہ کہ بکری کے کھر کے مساوی ہو۔

ادنی سے ادنی چیز بھی ہمسایہ ہمسائے کو تحفہ دے تو اس میں دونوں کی کوئی تحقیر نہیں ہے، ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائل کو انگور کا ایک دانہ دیا۔ حقارت کے طور پر سائل اس دانہ کو ہاتھ میں الٹانے پلٹانے لگا تو آپ نے ڈانٹ کر کہا: ''كَمْ فِيْ هٰذِهِ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ وَاللّٰهُ تَعَالٰى يَقُوْلُ: ''فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ'' (الزلزال:۷) اس میں کتنے مثقال ذرے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: جس نے مثقال کے ذرے کے موافق نیکی کی اس کو بھی وہ دیکھتا ہے۔

مجہول اور نا معلوم چیز کا ہبہ جائز نہیں ہے جیسا کہ کوئی کہے کہ ان دو کپڑوں میں سے ایک کو ہبہ کیا۔ نجس چیز کا ہبہ جائز نہیں، چھینی ہوئی چیز کا ہبہ بھی جائز نہیں جس کو واپس لینے کی قدرت نہ ہو۔

صدقہ، ہدیہ اور ہبہ تینوں مسنون ہیں اور تینوں میں صدقہ افضل ہے۔ نبی ﷺ کے

حق میں صدقہ حلال نہیں تھا، لیکن ہدیہ حلال تھا، اس لیے کہ لینے والے کی نسبت صدقہ ضرورت پر دلالت کرتا ہے، اور ہدیہ اس کی عظمت کا اظہار کرتا ہے، نبی ﷺ ہدیہ کی کوئی چیز اس وقت تک نہ کھاتے جب تک کہ ہدیہ لانے والا خود نہ کھاتا، تاکہ غیر مسموم ہونے کی نسبت اطمینان ہو سکے۔ (یہ روایت نہیں ملی) آگے چل کر بادشاہوں اور امراء نے اس کو اپنا دستور بنالیا۔

بیع اور ہبہ کے عام حکم میں استثناء بھی ہے، کسی جائیداد کی منفعت کی بیع اجارہ کے طور پر جائز ہے، مگر اس کے ہبہ کی نسبت دو قول ہیں: بعض نے اس کو ناجائز اور بعض نے جائز قرار دیا ہے۔

اسی طرح پکنے سے پہلے درخت کے کچے پھلوں کا ہبہ جائز ہے، مگر بیع جائز نہیں۔

ہدیہ کے برتن

جس ظرف اور برتن میں ہدیہ بھیجا جائے اس کو بھی ہدیہ تصور کیا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی واپسی کا قرینہ موجود اور ظاہر ہو۔ اس صورت میں ظرف کا واپس کرنا واجب ہے اور اس کا استعمال حرام ہے۔

ہبہ کی بناء پر قبضہ کرنے سے پہلے ملکیت حاصل نہیں ہوتی، موہوب لہ یعنی جس کو ہدیہ دیا گیا ہے اگر قبضہ کرے تو واہب رجوع نہیں کرسکتا، مگر یہ کہ وہ والد ہو۔ نبی ﷺ نے تیس اوقیہ مساوی چالیس درہم نجاشی کو ہدیہ روانہ فرمایا اور اس کے بعد آپ نے (رویائے صادقہ میں) دیکھا کہ نجاشی اس دنیا سے انتقال کر چکے ہیں۔ آپ نے حضرت ام سلمہ سے فرمایا کہ نجاشی کی موت کی وجہ سے مشک کا ہدیہ واپس آئے گا اور واپسی کے بعد یہ تمہارا ہے، چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ مشک واپس آگیا، لیکن وصول ہونے کے بعد آپ نے اس کو اپنی ازواج مطہرات میں تقسیم کر دیا۔ (مسند احمد: ۲۷۳۱۷۔ یہ روایت ام کلثوم بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہما سے ہے)

ام سلمہ کی تخصیص کے بغیر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ قبضہ کے بغیر ہدیہ میں ملکیت حاصل نہیں ہوتی اور یہ شرط ہدیہ، صدقہ اور ہبہ تینوں کے لئے عام ہے۔

نجاشی: حبش کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے اور نجاشی کے معنی عطیہ کے ہیں۔ جس

نجاشی کا تعلق اس حدیث سے ہے، ان کا اصلی نام اصحمہ تھا، رجب میں ہجرت کے پانچویں سال بعض مسلمان ملکِ حبش ہجرت کر گئے تو ان کے ساتھ نبی ﷺ نے ایک مکتوب نجاشی کے نام روانہ کیا تھا، نجاشی اس مکتوب پر اسلام لائے، ہجرت کے نویں سال ان کی وفات ہوئی، نبی ﷺ نے عرب کے عام دستور کے مطابق نجاشی کی موت کی خبر دی اور ان کے محاسن کا ذکر فرمایا۔

عمرو بن امیہ الضمری کے ہمراہ نبی ﷺ نے حسب ذیل مکتوب نجاشی کے پاس بھیجا تھا۔

بسم الله الرحمن الرحيم .من محمد رسول الله إلى النجاشي ملك الحبشة،أمابعد، فأنا احمد الله الذى لا إله إلا هو الملك القدوس السلام وأشهد أن عيسى ابن مريم روح الله وكلمته ألقاها إلى مريم البتول الطيبة الحصينة ،فحملت بعيسى فخلقه من روحه ،نفخه كما خلق آدم بيده، إنى أدعوك إلى الله وحده لا شريك له والموالاة على طاعته أن تتبعنى وترضى بالذى جاء نى، فإنى رسول الله وإنى أدعوك إلى الله تعالى.وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصيحتى، وقد بعثت إليكم ابن عمتى جعفرا ومعه نفر من المسلمين والسلام على من اتبع الهدى . (دلائل النبوۃ للبیہقی: باب سبب اِسلام خفاف بن نضلۃ الثقفی ۲/۳۰۹۔ یہ روایت محمد ابن اسحاق سے ہے)

اللہ کے رسول محمد کی جانب سے حبشہ نجاشی کی طرف۔

بیشک میں اللہ تعالی کی تعریف بیان کرتا ہوں جس کے سوائے کوئی دوسرا معبود نہیں، جو بادشاہ ہے، پاک ہے اور سلام ہے۔ اور میں گوائی دیتا ہوں کہ بے شک مریم کے بیٹے عیسی اللہ تعالی کی روح اور کلمہ ہیں جس کو مریم کی طرف ڈالا، جو بتول، پاک اور معصوم ہیں۔ وہ عیسی سے حاملہ ہوئیں۔ پس ان کو اپنی روح سے پیدا کیا اور اس کو پھونکا جیسا کہ آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور بیشک میں تم کو بلاتا ہوں اللہ کی طرف جو ایک ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور اس کی اطاعت کی دوستی کی طرف اور یہ کہ میری پیروی کرو اور اس چیز پر راضی

ہو جاؤ جو مجھ پر نازل ہوئی، بیشک میں اللہ کا رسول ہوں، میں تم کو اور تمہاری فوج کو اللہ تعالی کی طرف بلاتا ہوں۔اور میں نے پہنچا دیا اور میں نے نصیحت کی، پس میری نصیحت کو قبول کرو، اور میں نے تمھاری طرف میرے چچا کے بیٹے جعفر کو بھیجا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت ہے اور سلامتی ہو اس پر جس نے ہدایت کی اتباع کی۔

متن کی عبارت میں ہبہ کا لفظ صدقہ اور ہدیہ دونوں پر بھی حاوی ہے۔

قبضہ کی صلاحیت

قبضہ کی صلاحیت کی شرط ہے، کم سن، مجنون اور فضول خرچ ہبہ، صدقہ یا ہدیہ پر قبضہ کریں تو ان کو ملکیت حاصل نہ ہوگی اور مالک رجوع کر سکے گا۔

اسی طرح واہب میں قبضہ دینے کی صلاحیت کی بھی ضرورت ہے۔مجنون یا کم سن کے قبضہ دینے پر موہوب لہ قبضہ حاصل کرے تو ملکیت حاصل نہ ہوگی۔

قبضہ کے لئے واہب کی اجازت کی شرط ہے۔اگر واہب کی اجازت کے بغیر قبضہ حاصل کرے تو ملکیت حاصل نہ ہوگی۔

واہب کے قبضہ دینے اور موہوب لہ کے قبضے کرنے سے ہبہ کی تکمیل ہو جائے گی، اجازت دینے کے بعد، لیکن قبضہ حاصل کرنے سے پہلے واہب رجوع کر سکتا ہے۔حدیث میں ہے: ''لَايَحِلُّ لِرَجُلٍ أَن يُّعْطِيَ عَطِيَّةً أَوْ يَهَبُ هِبَةً فَيَرْجِعُ فِيْهَا إِلَّا الْوَالِدُ فِيْمَا يُعْطِيْ وَلَدَهُ'' (ابوداود: باب الرجوع فی الھبۃ ۳۵۴۱۔ترمذی: باب الرجوع فی الھبۃ ۱۲۹۸۔نسائی ۳۶۹۰۔ابن ماجہ: ۲۳۷۷۔مسند احمد: ۳۱۱۹۔یہ روایت ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے ہے) کسی شخص کے لئے جائز نہیں ہے کہ عطیہ یا ہبہ دے کر رجوع کرے، سوائے اس کے کہ باپ اس چیز میں رجوع کر سکتا ہے جو اس نے اپنے بیٹے کو دی ہو۔

اگر موہوب پر قبضہ ہونے سے پہلے واہب یا موہوب لہ کا انتقال ہو جائے تو ہبہ فسخ نہ ہوگا اور فریقین کے ورثاء قبضہ دینے اور قبضہ لینے میں اصل فریقین کے قائم مقام ہوں گے۔

ہبہ میں رجوع کا حکم

عام حکم یہ ہے کہ ہبہ دینے کے بعد واہب رجوع نہیں کرسکتا۔ البتہ باپ بیٹے کو ہبہ دے تو رجوع کرسکتا ہے، باپ کی طرح دادا اور پردادا بھی رجوع کرسکتے ہیں۔ یہاں باپ سے مراد اصول اور بیٹے سے مراد فروع کے رشتہ دار ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اصول کو فروع کے ساتھ طبعی محبت اور دلی شفقت رہتی ہے اور ان کے رجوع کرنے میں کسی بدگمانی کا گمان نہیں ہوتا، وہ کسی خاص مصلحت اور ضرورت کے بغیر رجوع نہیں کرتے۔

اس کے برخلاف اجنبی لوگوں کی نسبت یہ گمان ہوسکتا ہے کہ انھوں نے کسی ذاتی منفعت کے تحت اپنی نیت تبدیلی کردی ہے۔

باپ کو رجوع کا اختیار صرف عین چیز کی نسبت حاصل ہے، اگر موہوب عین چیز نہ ہو، بلکہ قرض ہو تو اس حکم سے خارج ہے۔ باپ نے بیٹے کے قرض کو جو اس کے ذمہ ہے ایک مرتبہ ہبہ کردیا تو پھر اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور نہ قرض کی ادائی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ باپ کے رجوع کے لئے شرط ہے کہ بیٹے کے قبضہ میں ہبہ کی ہوئی چیز موجود اور باقی ہو، اگر بیٹے نے اس چیز کو ضائع یا ختم کردیا ہو یا دوسرے کو ہبہ کرکے قبضہ دے دیا ہو یا فروخت کردیا ہو تو باپ رجوع نہیں کرسکتا ہے۔

اختلاف: حنفیہ کا مذہب بالکل اس کے خلاف ہے۔ حنفیہ میں ایسے ہبہ سے رجوع ہوسکتا ہے جو کسی اجنبی کے حق میں کیا گیا ہو۔ بیٹے پر ہبہ کرنے کے بعد باپ رجوع نہیں کرسکتا۔ مذکورہ بالا حدیث کو حنفیہ نے غیر صحیح قرار دیا ہے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ واہب کو ہر وقت رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ واہب رجوع کرسکتا ہے۔ قبضہ کے بعد بھی ہر اس چیز سے رجوع کرسکتا ہے جو اس نے اولاد پر صلہ اور محبت کے طور پر ہبہ کیا ہو، البتہ صدقہ سے رجوع نہیں کرسکتا، بشرطیکہ اولاد کے ہاتھ میں موجود ہبہ میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی ہو، یا ہبہ کرنے کے بعد کوئی قرض پیدا ہوگیا ہو یا یہ کہ بیٹی کو ہبہ کیا تھا اور ہبہ کے بعد بیٹی کی شادی ہوگئی ہو۔ امام احمد نے

ایک روایت میں امام ابوحنیفہ کی تائید کی ہے کہ واہب ہر حال میں رجوع کرسکتا ہے۔

عمری ورقبی

اگر عمر بھر کے لیے یا موت کے انتظار میں کوئی چیز دوسرے کو دی جائے تو وہ چیز موہوب لہ کی ہوگی اور اس کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اَلْعُمْرِیُّ مِیْرَاثٌ لِأَهْلِهَا '' (مسلم کی روایت میں ہے: ''العمری لمن وهبت له ''۔ الھبات، باب العمری۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے) عمری اہل عمری کے لئے میراث ہوجاتا ہے یعنی موہوب لہ اور اس کے ورثاء کے لئے۔

ابوداود نے یہ روایت کی ہے: ''لَا تُعْمِرُوْا وَلَا تُرْقِبُوْا فَمَنْ أَعْمَرَ شَيْئًا أَوْ أَرْقَبَهُ فَهُوَ سَبِيْلُ الْمِيْرَاثِ '' (مسند الشافعی: ۱۰۸۴۔ السنن الکبری للبیھقی ۳۸۹۰۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ سے ہے) عمری مت کرو اور رقبی مت کرو اس امید میں کہ تمہاری طرف لوٹ آئے، پس جس نے عمری کیا یا رقبی کیا تو وہ اس کے ورثاء کے لئے ہوگا۔

اس حدیث میں ''لا'' سے اس شرط کی نفی ہوتی ہے جو فاسد ہے، ورنہ عمری اور رقبی دونوں جائز ہیں۔

عمری اور رقبی کے الفاظ بھی ہبہ کے الفاظ ہیں، مگر ان میں ذرا زیادہ طوالت ہے اور مخصوص معنی میں استعمال کئے جاتے ہیں، ہبہ کی طرح ان میں بھی موہوب لہ قبول کرے گا اور قبضہ کرے گا اور قبول کرنے اور قبضہ کرنے کے بعد عمری اور رقبی کی تکمیل ہوگی، عمری اور رقبی کا رواج اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں تھا۔

عمر بھر اور موت کے انتظار کی شرط فاسد ہونے کی وجہ سے ساقط ہوجائے گی اور معاہدہ باقی رہے گا۔

''عمری'' عمر سے ماخوذ ہے۔ عمری کے الفاظ یہ ہیں: ''أَعْمَرْتُكَ هٰذِهِ الدَّارِ ''۔ ''جَعَلْتُ هٰذِهِ الدَّارَ لَكَ عُمْرَكَ '' وہ مکان تمہیں عمر بھر کے لئے دیا۔ ''وَهَبْتُكَ هٰذِهِ الدَّارَ عُمْرَكَ أَوْ حَيَاتَكَ أَوْ مَاعِشْتَ '' میں نے یہ مکان تم کو

عمر بھر کے لئے یا تیری زندگی تک یا جتنے دن تو زندہ رہے دیا۔

اگر ان الفاظ کا اضافہ کرے اور کہے: ''**فَإِنْ مِتَّ عَادَ لِیْ**'' اگر تم مر جاؤ تو میرے پاس لوٹے گا۔ تو بھی ہبہ صحیح ہوگا اور یہ الفاظ فاسد شرط کی تعریف میں داخل ہیں اور یہ فاسد شرط ساقط ہو جائے گی، باوجود اس شرط کے موہوب لہ قبول کرے اور قبضہ کرے تو مال موہوب لہ کا ہوگا اور اس کے انتقال کے بعد اس کے ورثاء کو ملے گا۔

''**فَإِنْ مِتَّ عَادَ لِیْ**'' کی شرط ایسی ہے جس کے بعد موہوب لہ اپنی عمر بھر موہوب کا مالک رہے گا، آخر انسان کو ایک دن مرنا ہے، اس لیے اس قید کی وجہ سے ملکیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ البتہ اس کے مرنے کے بعد جو شرط عائد کی تھی اس کو شرع نے فاسد اور نا قابل نفاذ قرار دیا۔

برخلاف اس کے اگر واہب یوں کہے: ''**جعلتها لک عمری أو عمر زید**'' یعنی یہ چیز میں نے تم کو دی میری عمر تک یا زید کی عمر تک۔ تو یہ ہبہ صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ واہب یا زید کی موت موہوب لہ کی موت سے پہلے بھی ہونے کا امکان رہتا ہے اور موہوب لہ کی ملکیت میں تاقیت (مدت کی تعیین) پیدا ہو جاتی ہے جو جائز نہیں ہے، جس طرح ہبہ میں تاقیت جائز نہیں، عمریٰ میں بھی جائز نہیں ہے، تاقیت وقت کے معین کر دینے کو کہتے ہیں۔

اگر واہب یوں کہے: ''**إِذَا جَاءَ فُلَانٌ اَوْ رَأْسُ الشَّهْرِ فَقَدْ جَعَلْتُ هٰذَا الشَّیْءَ لَکَ عُمْرَکَ**'' جب فلاں شخص آئے یا مہینے کے شروع سے عمر بھر کے لئے یہ چیز تمھیں دیا۔ تو صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ الفاظ تعلیق پر دلالت کرتے ہیں اور عمریٰ میں تعلیق جائز نہیں ہے۔

رقبیٰ ''رقوب'' سے مشتق ہے اور رقوب کے معنی انتظار کرنے کے ہیں اور چونکہ رقبیٰ کے الفاظ ایسے ہیں جس میں ایک دوسرے کی موت کا انتظار کیا جاتا ہے، اس لیے اس کو رقبیٰ کہا گیا۔ رقبیٰ کے الفاظ یہ ہیں: ''**أَرْقَبْتُکَ هٰذِهِ الدَّارَ أَوْ جَعَلْتُ هٰذِهِ الدَّارَ لَکَ رَقْبٰی**'' اس مکان کو تیرے لئے موت کے انتظار میں دیا۔ ''**إِنْ مِتَّ قَبْلِیْ عَادَتْ لِیْ وَإِنْ مِتُّ قَبْلَکَ اِسْتَقَرَّتْ لَکَ**'' اگر تم مجھ سے پہلے مر گئے تو میرے پاس واپس

آئے گا اور اگر میں پہلے مر جاؤں تو تمھارے پاس باقی رہے گا۔ اس شرط کے باوجود رقبی صحیح ہوگا۔ موہوب لہ قبول کرے اور قبضہ کرلے تو وہ چیز موہوب لہ کی ہوگی اور موہوب لہ کے بعد اس کے ورثاء کی ہوگی۔

متفرق مسائل

اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات کا حکم

باپ کے لئے مسنون ہے کہ اولاد کو عطیہ دینے میں مساوات کا خیال رکھے، بیٹے اور بیٹی کو مساوی طور پر دے، یہاں تک کہ اظہارِ محبت اور پیار کرنے میں بھی اس کا لحاظ رکھے، یہاں باپ سے اصول اور بیٹے سے فروع مراد ہیں۔ اصول میں باپ، دادا، پردادا اور فروغ میں بیٹا، پوتا اور پرپوتا سب داخل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ'' (بخاری: الھبۃ، باب الإشھاد فی الھبۃ ۲۴۴۷۔ مسلم: الھبات، باب کراھیۃ تفضیل بعض الأولاد فی الھبۃ ۱۶۲۳۔ یہ روایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے ہے) اللہ تعالی سے ڈرو اور اولاد کے درمیان انصاف کرو۔

مساوات نہ کرنا مکروہ ہے، جب تک کہ کوئی عذر نہ ہو، اولاد کی حیثیت اور حالت مساوی نہ ہو تو مساوات چھوڑنا مکروہ نہیں ہے۔

والدین کے ساتھ نیکی کا حکم

والدین کے حق میں بھی اولاد کا عطیہ (تحفہ) مساویانہ مسنون ہے، مساوات نہ کرنا مکروہ ہے، اگر دونوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مقصود ہو تو ماں کا حق پہلے ہے۔ اس کے لئے نیکی کے دو تہائی حصے ہیں۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ان کی بات سنیں، فرمانبرداری کریں اور ہنسی خوشی ان کے حکم کی تعمیل کریں، ان کے آگے قدم نہ بڑھائیں، ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کریں، ان کی پکار کو نہ ٹالیں اور جواب دیں، ان کی خوشنودی کے حصول

میں کوشاں رہیں۔ان کے ساتھ عجز وانکساری سے پیش آئیں، حسن سلوک کرتے رہیں، فرمائشات کو پوری کرتے بیزار نہ ہوں، ان کی طرف ترش روئی سے نظر نہ کریں۔

حدیث میں ہے: ''لَعَنَ اللّٰهُ الْعَاقَّ لِوَالِدَيْهِ'' (مستدرک حاکم: کتاب البر والصلۃ ۷۲۵۴۔ یہ روایت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے ہے) اللہ تعالی اس شخص پر لعنت کرتا ہے جس نے ماں باپ سے منھ موڑا۔

وہب نے کہا ہے: ''أَوْحَى اللّٰهُ إِلٰى مُوْسٰى وَقِّرْ وَالِدَيْکَ فَإِنَّهُ مَنْ وَقَّرَ وَالِدَيْهِ مَدَدْتُ فِيْ عُمُرِهِ وَوَهَبْتُ لَهُ وَلَدًا يَبَرُّهُ''۔ اللہ تعالی نے موسی پر وحی بھیجی کہ ماں باپ کی توقیر کرو، جس نے ماں باپ کی توقیر کی میں نے اس کی عمر دراز کی اور اس کو ایسی اولاد دی جو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا: ''مَنْ عَقَّ وَالِدَيْهِ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ، وَإِنَّهُ إِذَا وُضِعَ فِيْ قَبْرِهِ ضَمَّهُ الْقَبْرُ ضَمَّةً حَتّٰى تَخْتَلِفَ أَضْلَاعُهُ، أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا فِيْ جَهَنَّمَ عَاقٌّ لِوَالِدَيْهِ وَالزَّانِيْ وَالْمُشْرِکُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى'' (ان الفاظ کے ساتھ روایت نہیں ملی) جس نے اپنے ماں باپ کو چھوڑ دیا، اس نے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی نافرمانی کی، جب وہ قبر میں رکھا جائے گا تو قبر اس کو ایسا دبائے گی کہ پھسلیاں گولا ہوجائیں گی، دوزخ میں اس کو سخت ترین عذاب پہنچے گا، والدین سے قطع تعلق کرنے والے کو، زناکار کو اور مشرک کو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رِضَا الرَّبِّ فِيْ رِضَا الْوَالِدَيْنِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ'' (شعب الایمان للبیہقی: ۷۸۳۰،۷۸۲۸۔ الترغیب فی فضائل الأعمال لابن شاھین: ۲۹۹۔ یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہے) والدین کی خوشنودی میں پروردگار کی خوشنودی ہے اور والدین کی ناراضگی میں پروردگار کی ناراضگی ہے۔

حضرت ابن مسعود نے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا: کونسا کام اللہ تعالی کے پاس زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا: اول وقت نماز ادا کرنا۔ پھر میں نے

سوال کیا: اس کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا: ''بِـرُّ الْـوَالِـدَيْنِ ''یعنی والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا۔ پھر میں نے پوچھا: اس کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ کے راستہ میں جہاد۔ (بخاری: باب فضل الصلاۃ لوقتھا ۵۲۷۔ مسلم: باب بیان کون الإیمان باللہ أفضل الأعمال ۲۶۲۔ یہ روایت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے ہے)

ایک شخص نے نبی ﷺ کے پاس اپنے باپ کی شکایت کی اور کہا کہ میرا مال لیتا ہے۔ آپ نے باپ کو طلب کیا۔ بوڑھا باپ لکڑی ٹیکتا ہوا آیا۔ آپ نے واقعہ دریافت کیا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ جب کمزور تھا میں قوی تھا، وہ مفلس تھا میں تونگر تھا اور میں اس کو میرے مال سے روکتا نہ تھا۔ آج کے روز میں کمزور ہوں، وہ قوی ہے، میں فقیر ہوں اور وہ تونگر ہے اور مجھ پر اپنا مال خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے۔ نبی ﷺ روئے اور فرمایا: ''أَنْـتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ ''تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کے ہیں۔ (ابن ماجہ نے یہ روایت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے: کتاب التجارات، باب الرجل من مال والدہ ۲۲۹۱۔ احمد نے عن شعیب عن أبیہ عن جدہ سے یہ روایت کی ہے ۱۹۰۲)

صلہ رحمی

نزدیک کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کو صلہ رحمی کہتے ہیں، صلہ رحمی مندوب ہے، تحفہ بھیجے، اگر یہ نہ ہو سکے تو خط بھیجے، یا سلام کہلا بھیجے، جیسی کچھ عادت ہو، اگر اس سلوک کو روک دے اور اس کی وجہ سے انھیں اذیت پہنچے تو صلہ رحمی نہ کرنا حرام ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''جُـلُّـوْا أَرْحَامَكُمْ وَلَوْ بِالسَّلَامِ '' (شعب الإیمان ۷۶۰۲۔ ص ۳۴۶/۱۰۔ سوید بن عامر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے) اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرو، اگرچہ کہ سلام کیوں نہ ہو۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَاتَّـقُـوْا اللّٰـهَ الَّـذِىْ تَسَـآءَ لُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ'' (النساء:۱) **یعنی اتقوا الارحام فصلوها ولاتقطعوها** ۔اللہ تعالی سے ڈرو جس کے نام سے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور قرابت سے۔

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''إِنَّ اللّٰـهَ يَـأْمُـرُ بِـالْـعَـدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَاءِ ذِى

الْقُرْبٰی''(النحل:۹۰) بیشک اللہ تعالیٰ انصاف اور بھلائی کے لئے اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔

اگر صلہ رحمی کے لئے مال صرف نہ کر سکو تو ملاقات کیا کرو اور کاروبار میں ان کی مدد کرو، اگر دور ہوں تو کبھی کبھی جایا کرو اور اگر جا نہ سکو تو خط بھیجا کرو۔

ہدیہ دینے کی ممانعت

بعض اسباب کی بناء پر ہدیہ دینا مستحب نہیں رہتا ہے، اربابِ حکومت کو اس غرض سے ہدیہ دینا حرام ہے کہ کسی ناحق کو حاصل کرے یا کسی حق کے مطالبہ کو ترک کروائے، ''**ھدا یا العمال سحت لإنها تذهب البركة أولانهما تسحت فی النار**'' عمال کو ہدیہ دینا حرام ہے، اس لیے کہ اس سے برکت چلی جاتی ہے یا اس لیے کہ یہ دوزخ میں جھونکتی ہے۔

ہدیہ اس صورت میں بھی حرام ہے جب کہ یقین یا گمان غالب سے معلوم ہو کہ ہدیہ معصیت میں مدد دے گا، ورنہ دوسری صورتوں میں مکروہ ہے۔

فرائض

(علم فرائض اوراس کا ارتقاء، ارکان، اسباب، شرائط، مرد وعورت ورثاء
عصبہ، ذوی الفروض، حجب، ذوی الارحام، وصیت)

فرائض فریضۃ کی جمع ہے اور فریضہ فرض سے مشتق ہے اور مفروضہ کے معنی میں ہے، مقرر کرنے کو فرض کہتے ہیں۔ فرض کے دوسرے معنی قطع کرنے اور کاٹنے کے ہیں۔ شرع میں وارث کے مقررہ حصہ کا نام فرض ہے۔ فرض کی یہ تعریف اس باب کے لئے مخصوص ہے، ورنہ شرع میں عام طور پر فرض کا لفظ حرام اور مندوب وغیرہ کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے، اور فرض سے ایسا فعل مراد ہوتا ہے جس پر عمل کرنا لازم ہے، جس کے عمل کرنے میں ثواب اور چھوڑنے میں عذاب ہے۔

حصہ کی قید سے عصبہ بننا خارج ہو جاتا ہے، عصبہ میں حصہ مقرر نہیں ہوتا، بلکہ عصبہ بننے والا تنہا پورا ترکہ پاتا ہے، اگر دوسرے ذوی الفروض کے ساتھ ہو تو ان کے حصہ سے جو کچھ بچتا ہے وہ پاتا ہے۔

پہلے مرد ہونا وراثت کا سبب تھا، اس کے بعد ابتدائے اسلام میں حلف یعنی عہد و پیمان کی بناء پر ترکہ میں حصہ ملتا تھا اور پھر ہجرت کے تعلق سے حصہ پانے لگے اور پھر وصیت کے ذریعہ حصوں کا تعین ہوا، بالآخر میراث کی آیتوں کے ذریعہ اس شعبۂ فقہ کی تکمیل ہوئی۔ ان کے مختلف مدارج کو ذیل میں بیان کیا گیا ہے۔

ذکورت

جاہلیت میں وراثت کا حق صرف مردوں کو تھا، عورتوں کو نہ تھا، خاندان کے بڑے

حصہ پاتے اور چھوٹے حصہ نہیں پاتے تھے۔عورت کے حقوق کی نسبت تعجب سے کہا جاتا تھا: کیا ہم عورتوں کو میراث دیں جو گھوڑے پر نہ چڑھیں اور تلوار نہ چلائیں۔البتہ شوہر کی وراثت سے اس کی بیوہ کو ایک سال کی مدت تک نفقہ دیتے تھے، زمانہ جاہلیت میں اور آغاز اسلام میں عدت کی مدت اسی قدر تھی اور بعد میں اس کی اصلاح ہوئی۔

بھائی یا چچا کے بیٹے کی بیویوں کو ترکہ میں حصہ دیتے ہوئے انھیں ناگوار گزرتا تھا۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كُرْهًا'' (النساء:۱۹) یہ ٹھیک نہیں ہے کہ عورتوں کے جبراً مالک ہو جاؤ۔

پھر یہ حکم دیا گیا: ''وَلَهُنَّ الرُّبُعُ'' (النساء:۱۲) اور ان کا حصہ چوتھائی ہے۔

حلف

حلف پیمانِ وفاداری کو کہتے ہیں۔دو آدمی حلف اٹھا کر عہد کرتے تھے کہ زندگی بھر ایک دوسرے کے مدد و معاون رہیں گے، کسی ایک کے انتقال پر دوسرا اس کی میراث پائے گا، ابتدائے اسلام میں اسی پر عمل تھا، اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے: ''وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ'' (النساء:۳۳) جن لوگوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہے ان کو ان کا حصہ دو۔

اس کے بعد اس پر عمل منسوخ کیا گیا اور اسلام اور ہجرت کے تعلق سے ایک دوسرے سے حصہ پانے لگے۔

ہجرت

اسلام کے ساتھ ہجرت سے وراثت کا حق حاصل ہوتا تھا، اللہ تعالی نے مہاجرین کی یوں تعریف کی ہے: ''إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' (الأنفال:۷۲) وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کیا۔

اور انصار کی یوں تعریف کی ہے: ''وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَنَصَرُوْا أُوْلٰئِکَ بَعْضُھُمْ أَوْلِیَاءُ بَعْضٍ '' (الأنفال:۷۲) اور جنھوں نے نبی ﷺ کو پناہ دی اور آپ کی مدد کی وہ انصار ہیں اور مدد کرنے میں اور میراث میں ایک دوسرے کے ولی ہیں۔

''وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَا لَکُمْ مِنْ وَلَایَتِھِمْ مِنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا '' (الأنفال:۷۲) وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی تمھیں ان سے کچھ نہ ملے گا، تمہارے اور ان کے درمیان وراثت کا حق پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک کے دو بھائی تھے، ایک نے ہجرت کی اور دوسرے نے ہجرت نہیں کی۔ مذکورہ بالا آیات سے دلالت ہوتی ہے کہ ان میں سے وہ بھائی میراث میں حصہ پائے گا جس نے ہجرت کی اور وہ بھائی حصہ نہیں پائے گا جس نے ہجرت نہیں کی۔ اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام اور ہجرت کے علاوہ ضمنی طور پر اخوت کے رشتہ کی بھی ضرورت تھی، ابن عباس کا قول اس کے خلاف ہے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ مہاجرین اور انصار کی باہمی وراثت مطلق طور پر تھی اور رشتہ کی قید نہ تھی۔ بہر حال آگے چل کر یہ حکم بھی برخاست کر دیا گیا اور وصیت کے لئے ہدایت دی گئی۔

وصیت:

والدین اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے وصیت کو واجب کیا گیا کہ اپنی جائیداد اپنی موت کے بعد کس کو کس قدر حصہ ملے متعین کر دیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''کُتِبَ عَلَیْکُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَکُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَکَ خَیْرًا الْوَصِیَّةُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْأَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِیْنَ '' (البقرۃ:۱۸۰) تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت پہنچے اور اس کے پاس مال ہو تو والدین اور قرابتداروں کے لئے وصیت کرے، یہ پرہیزگاروں پر حق ہے۔

وصیت کا یہ حکم عام تھا جو پوری جائیداد کے لیے تھا۔ یہ حکم بھی برخاست کر دیا گیا، جب کہ میراث سے متعلق تفصیل کے ساتھ آیات نازل ہوئیں۔

میراث کی آیتیں

میراث کی آیات اپنے اپنے مقام پر ذکر ہوں گی۔بطور مثال چند آیتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

''**يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ** ''(النساء:۱۱)اللہ تعالیٰ تم کو تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے حصے ہیں۔

''**وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ** ''(النساء:۱۲)تمہارا نصف حصہ ہے اس میں جو تمہاری بیویاں چھوڑیں۔

میراث کی آیات نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے فرمایا:''**إِنَّ اللّٰهَ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ** ''(ابن ماجہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: کتاب الوصایا، باب لا وصیۃ لوارث ۲۷۱۴)اللہ تعالیٰ نے ہر مستحق کو اس کا حق دیا ہے، اب کسی وارث کے لئے وصیت کا وجوب باقی نہیں رہا۔

علمِ فرائض کی تعلیم

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:''**تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ وَعَلِّمُوهَا النَّاسَ، فَإِنِّي امْرُؤٌ مَقْبُوضٌ وَإِنَّ هٰذَا الْعِلْمَ سَيُقْبَضُ وَتَظْهَرُ الْفِتَنُ، حَتّٰى إِنَّ الْإِثْنَيْنِ يَخْتَلِفَانِ فِي الْفَرِيضَةِ فَلَا يَجِدَانِ مَنْ يَقْضِي بَيْنَهُمَا** ''(مستدرک حاکم: کتاب الفرائض، باب تعلموا الفرائض وعلموھا الناس ۴/۳۳۳۔اس حدیث کو حاکم نے صحیح کہا ہے۔یہ روایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے)

فرائض کا علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔میں ایسا آدمی ہوں جو مرنے والا ہے اور علم فرائض کے جاننے والوں کے مفقود ہونے سے یہ علم بھی مفقود ہو جائے گا اور فساد پیدا ہوگا۔دو آدمی ایک حصہ کی نسبت اختلاف کریں گے اور کوئی شخص نہ ملے گا جو ان کا تصفیہ کرے۔

''**تَعَلَّمُوا الْفَرَائِضَ فَإِنَّهَا مِنْ دِينِكُمْ وَإِنَّهُ نِصْفُ الْعِلْمِ وَإِنَّهَا أَوَّلُ عِلْمٍ يُنْزَعُ مِنْ أُمَّتِي**''(ابن ماجہ نے صحیح سند سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: کتاب الفرائض،

باب الحث علی تعلم الفرائض ۲۷۱۹) أی یفقد بموت أهله ویرفع بفقدهم. علم فرائض سیکھو، وہ تمہارے دین کا جزء ہے اور نصف علم ہے، وہ پہلا علم ہے جو میری امت سے چھینا جائے گا یعنی علم فرائض کے جاننے والے علماء کے فقدان سے یہ علم بھی مفقود ہو جائے گا۔

اس سے یہ مراد ہے کہ اس علم کے جاننے والے باقی نہیں رہیں گے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کے سینے سے یہ علم اٹھالیا جائے گا، جیسا کہ قرآن کی نسبت کہا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن سینے اور کتاب دونوں سے اٹھالیا جائے گا کہ انسان اپنے سینے میں ٹٹولے تو قرآن کی کوئی آیت اس کو یاد نہیں رہے گی اور مصحف کے حروف غائب اور اوراق صاف نظر آئیں گے۔

علمِ فرائض کا موضوع

علم فرائض کا موضوع ترکہ ہے اور اس علم سے غرض یہ ہے کہ ترکہ میں ہر ایک حق دار کا حصہ کس قدر ہے معلوم کرے، اس کے لئے تین علوم سے واقفیت کی ضرورت ہے: علم نسب، علم حساب، اور علم فتوی۔

وراثت کے ارکان

وراثت کے تین ارکان ہیں:

۱۔ وارث یعنی ترکہ پانے والا

۲۔ مورِّث یعنی جس سے ترکہ پائے

۳۔ حق موروث یعنی وراثت کا حق

وراثت تین امور پر موقوف ہے: اسباب کی موجودگی، موانع کی نفی اور شرائط۔

اسبابِ وراثت

وراثت کے اسباب چار ہیں: نسب، نکاح، ولاء یعنی غلام کی آزادی اور جہتِ اسلام جیسے بیت المال۔

وراثت کے موانع

وراثت پانے کے لئے چار امور کی نفی لازم ہے: غلامی، قتل، اختلافِ ادیان اور دورِ حکمی۔ ایک حکم دوسرے حکم پر موقوف ہو تو اس کو دورِ حکمی کہتے ہیں۔

وراثت کی شرطیں

وراثت کے چار شرائط ہیں:

ا۔ مورّث کی موت کا تیقن حقیقی ہو یا حکمی، حکمی کی مثال یہ ہے کہ قاضی مفقود الخبر کی موت کا حکم دے۔

۲۔ وارث زندہ ہو۔

۳۔ میت کے رشتے کا علم ہو کہ سبب کیا ہے۔

۴۔ جہتِ ارث کی تفصیلی معلومات ہو کہ رشتہ کا درجہ کون سا ہے؟

مرد وارثین

مرد وارثین دس ہیں:

باپ دادا اور اسی طرح اوپر تک، بیٹا پوتا اور اسی طرح نیچے تک، بھائی اور بھائی کا بیٹا، اسی طرح چچا، چچا کا بیٹا، شوہر، مولی معتق (یعنی آزاد کرنے والا)۔

مرد کا لفظ بالغ اور نابالغ دونوں کو شامل ہے، مرد وارثوں کی تعداد اختصار کے ساتھ دس ہے، ورنہ تفصیل کے ساتھ جملہ ورثاء پندرہ ہیں، تفصیل یہ ہے:

بھائی کے لفظ میں حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائی شامل ہیں، ایک باپ اور ایک ماں کے بچے آپس میں حقیقی بھائی بہن، ایک باپ اور دو ماؤں کے بچے آپس میں علاتی بھائی بہن، اور دو باپ اور ایک ماں کے بچے آپس میں اخیافی کہلاتے ہیں۔

بھائی کے بیٹے میں حقیقی اور علاتی بھائی کا بیٹا داخل ہے اور اخیافی بھائی کا بیٹا خارج ہے، اس لئے کہ وہ ذی رحم ہے۔

چچا میں حقیقی اور علاتی دونوں چچا شامل ہیں۔ باپ کا علاتی بھائی علاتی چچا ہے، اخیافی چچا خارج ہے جو ذی رحم ہے۔

چچا کے بیٹے میں حقیقی چچا کا بیٹا اور علاتی چچا کا بیٹا شامل ہے، اخیافی چچا کا بیٹا خارج اور ذی رحم ہے۔

پندرہ مرد وارثین یہ ہیں: باپ، دادا اور اس طرح جہاں تک سلسلہ اوپر جائے، بیٹا اور پوتا، اور اس طرح جہاں تک سلسلہ نیچے جائے، حقیقی بھائی، علاتی بھائی اور اخیافی بھائی، حقیقی بھائی کا بیٹا، علاتی بھائی کا بیٹا اور اسی طرح ان کا سلسلہ جیسے بھائی کا پوتا۔ حقیقی چچا کے بیٹے میں چچا کا پوتا اور چچا کے بیٹے کا پوتا شامل ہے۔

شوہر؛ اگر چہ کہ اس کی بیوی کا طلاق رجعی کی حالت میں انتقال ہو جائے، رجعی عدت کی حالت میں پانچ امور میں عورت بیوی کے حکم میں رہتی ہے:

۱۔ میراث پاتی ہے

۲۔ اس کو طلاق ہوتی ہے

۳۔ اس کے ساتھ ظہار اور ایلا ہو سکتا ہے (ان دونوں کی تفصیلات گزر چکی ہیں)

۴۔ اس کی بہن کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا

۵۔ نہ پانچویں عورت کے ساتھ عقد ہو سکتا ہے

مولی معتق؛ غلام کا مالک جس نے غلام کو آزاد کیا ہو۔ مولی کے معنی سید اور مالک کے ہیں۔

اگر یہ مرد ورثاء سب کے سب موجود ہوں تو ان میں سے صرف تین اشخاص؛ باپ، بیٹا اور شوہر وراثت پائیں گے، اور بقیہ ورثاء محجوب ہوں گے اور اس حالت میں میت بیوی کی ہوگی، حجب کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

پوتا بیٹے کی موجودگی کی وجہ سے وراثت نہیں پائے گا اور دادا باپ کی وجہ سے اور باقی ورثاء بیٹے اور باپ کی وجہ سے وراثت نہیں پائیں گے۔

مسئلہ: باپ بیٹا اور شوہر، ان میں چوتھا اور چھٹا حصہ پانے والے ارکان ہیں۔

چوتھے کا ماخذ چار اور چھٹے کا ماخذ چھ ہے اور یہ دونوں اعداد نصف سے موافقت بھی رکھتے ہیں۔ اس لئے ایک کے نصف کو دوسرے کے کامل سے ضرب دیں تو مضروب فیہ بارہ حاصل ہوگا جو اس مسئلہ کا مخرج ہے اور باپ کے چھٹے حصہ کے دو اور شوہر کے چوتھے حصہ کے تین؛ جملہ پانچ ہوئے اور بقیہ سات بیٹے کو ملے۔

عورت وارثین

عورت وارثین سات ہیں: ماں، جدہ، بیٹی، پوتی، بہن، بیوی اور معتقہ جس کو حقِ ولاء حاصل رہتا ہے۔ عورت بالغ اور نابالغ دونوں کو شامل ہے۔

عورتوں میں سے وراثت پانے والوں کی تعداد اختصار کے ساتھ سات ہے، ورنہ تفصیل کے ساتھ ان کی تعداد بھی پندرہ ہے۔ جدہ کا لفظ باپ کی ماں اور ماں کی ماں یعنی دادی اور نانی دونوں پر صادق آتا ہے، بہن میں حقیقی، علاتی اور اخیافی تینوں داخل ہیں۔

دس عورت وارثین کی تفصیل یہ ہے: ماں، دادی، نانی اور اسی طرح جہاں تک اوپر جائے، دادی اور نانی کے سلسلہ میں وہی عورتیں وراثت پاتی ہیں جن کا رشتہ میت کے ساتھ وارث کے ذریعہ جڑتا ہے۔ ''یدلی بہ'' کا ترجمہ ہم نے ''جڑتا ہے'' کیا ہے۔

دادی کا رشتہ باپ کے ذریعہ اور نانی کا رشتہ ماں کے ذریعہ جڑتا ہے اور باپ اور ماں دونوں وارث ہیں۔ وارث کے درمیان میں نہ ہونے سے ان کو وراثت نہیں ملتی، نانا کی ماں اس لیے وارث نہیں ہے کہ اس کا رشتہ نانا کے ذریعہ جڑتا ہے اور نانا وارث نہیں ہے۔ نانا کی ماں ذی رحم ہے اور اس کو جدہ فاسدہ کہتے ہیں۔

بیٹی، پوتی اور جہاں تک ان کا سلسلہ نیچے اترے۔ حقیقی بہن، علاتی بہن، اخیافی بہن اور بیوی اگرچہ طلاق رجعی کی عدت میں ہو۔ طلاق رجعی کی قید کی وجہ سے بائن طلاق کی عورت خارج ہو جاتی ہے۔ طلاق رجعی کی عدت کے زمانے میں عورت کے وراثت میں حق دار ہونے کی نسبت چاروں ائمہ میں اتفاق ہے۔

طلاق بائن کی صورت میں شافعیہ میں عورت وراثت نہیں پاتی۔ البتہ حنفیہ میں عورت عدت ختم ہونے تک وراثت پاتی ہے، جب کہ طلاق مرض الموت میں دی جائے۔ حنبلیہ میں عقد ثانی کرنے تک عورت وراثت پاتی ہے، مالکیہ میں عورت وراثت پاتی ہے اگرچہ کہ عقد ثانی کرے۔

مولات معتقہ یعنی باندی کو آزاد کرنے والی مالک عورت۔

اگر عورت وارثین سب کے سب موجود ہوں تو ان میں سے صرف پانچ عورتیں؛ ماں، بیٹی، پوتی، بیوی اور حقیقی بہن وراثت پائیں گی، اور بقیہ عورتیں محجوب ہوں گی، اور میت شوہر کی ہوگی، دادی اور نانی ماں کی وجہ سے اور اخیافی بہن بیٹی اور علاتی بہن کی وجہ سے وراثت نہ پائیں گی، آزاد کی ہوئی باندی کے اصل قربتداروں کی وجہ سے وراثت نہ پائے گی۔

مسئلہ: ماں، بیٹی، پوتی، بیوی اور حقیقی بہن۔ ان میں چھٹا اور آٹھواں حصہ پانے والے ارکان ہیں۔ چھٹے کا ماخذ چھ اور آٹھویں کا ماخذ آٹھ ہے اور یہ دونوں اعداد نصف سے موافقت بھی رکھتے ہیں، اس لیے ایک کے نصف کو دوسرے کے کامل سے ضرب دیں تو مضروب فیہ چوبیس حاصل ہوگا۔ بیٹی کو نصف بارہ اور پوتی کو چھٹا جو ثلثین کا تکملہ ہے چار اور ماں کے چھٹے کو چار اور بیوی کے آٹھویں کو تین اور بہن کو باقی کا ایک ملے گا۔

اگر مرد وارثین اور عورت وارثین سب کے سب بیوی یا شوہر کے علاوہ موجود ہوں تو باپ، ماں، بیٹا، بیٹی اور شوہر یا بیوی صرف پانچ افراد وراثت پائیں گے۔

مسئلہ: اگر یہ فرض کیا جائے کہ بیوی کا انتقال ہوگیا اور شوہر موجود ہے تو مسئلہ بارہ سے ہوگا۔ باپ کے چھٹے حصہ کے دو اور ماں کے چھٹے حصہ کے دو اور شوہر کے چوتھے حصہ کے تین اور پانچ جو باقی رہے بیٹے اور بیٹی پر دو تہائی اور ایک تہائی کے حساب سے تقسیم ہوں گے، پانچ کو تین سے تقسیم کرنے پر کسرات آتے ہیں، اس لیے تین کو اصل مسئلہ کے بارہ سے ضرب دیں تو چھتیس سے اس مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ ہر ایک شخص کے حصہ کی مقدار کو تین میں ضرب دیا جائے تو ان کا صحیح حصہ ظاہر ہوگا۔ باپ کے چھ، ماں کے چھ، اور

شوہر کے نو اور باقی پندرہ رہیں گے جس میں سے بیٹے کے دس اور بیٹی کے پانچ ہوں گے۔

مسئلہ: اگر یہ فرض کیا جائے کہ شوہر کا انتقال ہو گیا اور بیوی موجود ہو تو اصل مسئلہ چوبیس سے ہوگا۔ باپ کے چھٹے حصہ کے چار، ماں کے چھٹے حصہ کے چار، بیوی کے آٹھویں حصہ کے تین اور باقی تیرہ بیٹے اور بیٹی کو دو تہائی اور ایک تہائی کے حساب سے تقسیم کرنا ہوگا۔ چونکہ تیرہ کی تقسیم تین پر صحیح نہیں ہوسکتی اور کسرات آتے ہیں، اس لئے تین کو اصل مسئلہ کے چوبیس میں ضرب دیں تو بہتر (۷۲) سے مسئلہ کی تصحیح ہوگی۔ ہر ایک کے حصہ کو تین میں ضرب دیں تو ان کا صحیح حصہ ظاہر ہوگا۔ باپ کے بارہ، ماں کے بارہ، بیوی کے نو اور باقی انچالیس میں سے بیٹے کے چھبیس اور بیٹی کے تیرہ ہوں گے۔

شوہر اور اخیافی بھائی کے علاوہ بقیہ مرد وارثین میں سے کوئی ایک تنہا موجود ہو تو پورا ترکہ پاتا ہے، اس لیے کہ ان میں کا ہر ایک عصبہ ہے، سوائے شوہر اور اخیافی بھائی کے جو عصبہ نہیں ہیں۔

عورت وارثین میں سے صرف مولات معتقہ تنہا ہونے کی صورت میں پورا ترکہ پاتی ہے۔

وراثت سے محروم نہ ہونے والے وارثین

ایسے وارثین پانچ ہیں: باپ، ماں، صلبی اولاد، شوہر اور بیوی۔

اس سے ایسے ورثاء مراد ہیں جن کی وراثت کسی حال میں بھی ساقط نہیں ہوتی اور یہ میت کے ساتھ نسب یا زوجیت کا رشتہ رکھتے ہیں۔ ان کے اور میت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ البتہ باپ موجود ہو تو دادا اور بیٹا موجود ہو تو پوتا وراثت نہیں پائیں گے، صلبی اولاد سے بیٹا اور بیٹی مراد ہیں اور ان کو دو شمار کریں تو جملہ چھ ہو جاتے ہیں۔

ممنوعین وراثت چار ہیں: غلام، قاتل، مرتد اور اہل ملتین جن کے درمیان مذہب اسلام اور غیر اسلام کا اختلاف ہو۔ ان کی تفصیل حجب حرمان بالوصف میں بیان کی گئی ہے۔

عصبہ

عصبہ کسی شخص کی پدری قرابت اور رشتے داری کو کہتے ہیں اور شرع میں اس شخص کو

عصبہ کہتے ہیں جس کی قرابت میت کے ساتھ عورت کے توسط کے بغیر ہے اور جس کے لئے عصبہ بننے کی صورت میں کوئی حصہ نہیں ہے، اگر تنہا ہوتو جملہ ترکہ پاتا ہے اور اگر ذوی الفروض کے ساتھ ہوتو ذوی الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو بچے لیتا ہے۔ عصبہ بننے کی صورت میں صرف باپ اور دادا کو شامل کرنے کے لئے حصہ مقرر کیا گیا ہے، اس لیے کہ ان دونوں کے لئے حصہ مقرر ہے جب کہ یہ دونوں عصبہ میں نہ ہوں۔ باپ اور دادا بیٹے کے ساتھ ہوں تو عصبہ کی حالت میں نہ ہوں گے اور چھٹا حصہ پائیں گے اور بیٹا باقی ترکہ پائے گا۔ عصوبت عصبی رشتہ کو کہتے ہیں۔

عصبہ کی قسمیں

عصبہ تین قسم کے ہیں: عصبہ بنفسہ۔ عصبہ بغیرہ اور عصبہ مع غیرہ۔

عصبہ بنفسہ یعنی خود سے عصبہ بننے والے

بیٹا پھر پوتا پھر باپ پھر دادا اور حقیقی بھائی پھر حقیقی بھائی کا بیٹا پھر علاتی بھائی کا بیٹا پھر چچا اور اسی ترتیب سے پھر چچا کا بیٹا پھر مولائے معتق۔ عصبہ بنفسہ وہ قرابت دار ہیں جو بذات خود عصبہ کا حق رکھتے ہیں اور دیگر رشتے داروں میں سے بعض کو ان کے حصہ سے بالکلیہ محروم کر دیتے ہیں اور بعض کو اپنے ساتھ عصبہ میں شریک بناتے ہیں۔

عصوبت میں کس کو کس پر تقدیم حاصل ہے ان کے نام ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں اور ترتیب کے اظہار کے لئے ترجمہ میں پھر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اسی ترتیب کے درجہ کو جہتِ تعصیب کہتے ہیں۔

بیٹے کی جہت کو بنوت کہتے ہیں، بنوت ''ابن'' سے مشتق ہے جس کے معنی بیٹے کے ہیں۔ بنوت کی جہت فرعی کہی جاتی ہے اور اس میں بیٹا، پوتا، پرپوتا اور اسی طرح جہاں تک سلسلہ نیچے اترے۔

باپ کی جہت کو ابوت کہتے ہیں۔ ابوت ''أبو'' سے مشتق ہے جس کے معنی باپ

کے ہیں۔ ابوت کی جہت اصلی کہی جاتی ہے، اس میں باپ، دادا، پر دادا اور اسی طرح جہاں تک ان کا سلسلہ اوپر چڑھے۔

بھائی کی جہت کو اُخوت کہتے ہیں۔ اخوت ''اَخ'' سے مشتق ہے، جس کے معنی بھائی کے ہیں۔ اخوت کی جہت میں حقیقی بھائی پھر علاتی بھائی داخل ہیں۔

بھتیجے کی جہت کو اخوت بنوت کہتے ہیں اور اس میں حقیقی بھائی کا بیٹا پھر علاتی بھائی کا بیٹا داخل ہے۔

چچا کی جہت کو عمومت کہتے ہیں، عمومت ''عم'' سے مشتق ہے جس کے معنی چچا کے ہیں۔ عمومت کی جہت میں حقیقی چچا پھر علاتی چچا داخل ہے۔

اس کے بعد عمومت کی بنوت کی جہت ہے اور اس جہت میں پہلے حقیقی چچا کا بیٹا اور اس کے بعد علاتی چچا کا بیٹا ہے۔ اس کے بعد باپ کا حقیقی چچا اور پھر باپ کا علاتی چچا ہے، اس کے بعد ان دونوں کے بیٹے اسی ترتیب سے آتے ہیں۔ ان کے بعد دادا کے حقیقی چچا اور پھر علاتی چچا ہے۔

بنوت کی جہت کو ابوت کی جہت پر تقدیم ہے اور ابوت کو جدودت پر۔ جدودت اور اخوت کی جہتوں میں کوئی امتیاز نہیں ہے، دونوں یکساں مرتبہ رکھتے ہیں، اس لیے کہ دونوں کا رشتہ میت کے ساتھ باپ کے ذریعہ جڑتا ہے۔

بھائی، چچا اور ان دونوں کے بیٹوں میں حقیقی کو علاتی پر تقدیم حاصل ہے۔ عصبہ بنفسہ کی فہرست سے ظاہر ہے کہ تمام مرد وارثین سوائے شوہر اور علاتی بھائی کے عصبہ ہیں اور عورت وارثین تمام ذوی الفروض ہیں، سوائے معتقہ کے جو عصبہ ہے۔

اگر نسب کے یہ سارے عصبات مفقود ہوں اور میت آزاد شدہ غلام کی ہو تو اس کا مالک مرد ہو یا عورت جس نے غلام کو آزاد کیا وارث ہوگا، یہی ایک شکل ہے جس میں عورت غلام کو رہا کرنے والی مالکہ کی حیثیت سے عصبہ میں داخل ہوتی ہے۔

اگر میت کے لئے نسب اور ولاء دونوں کے عصبات نہ ہوں تو ترکہ بیت المال

میں داخل ہوگا۔ بشرطیکہ بیت المال کا انتظام اطمینان بخش ہواور امام عادل ہواور ہر ذی حق کو اس کا حق ادا کرے۔ بیت المال میں جو مال داخل ہوگا وہ عامۃ المسلمین کی میراث ہوگا اور مسلمانوں کی عام مصلحت میں صرف ہوگا۔

اگر بیت المال نہ ہو یا بیت المال کا انتظام اطمینان بخش نہ ہوتو ذوی الفروض پر ان کے حصوں کو تقسیم کرنے کے بعد جو کچھ بچے گا ''رد'' کے ذریعہ زوجین کے علاوہ بقیہ ذوی الفروض پر ان کے حصوں کی مقدار کی مناسبت سے تقسیم کیا جائے گا۔

ترکہ قرابت کی بناء پر رد کیا جاتا ہے، جو زوجین میں عموماً مفقود ہے، مگر یہ کہ ان کا رشتہ ذوی الارحام سے ہو۔ ذوی الارحام کی حیثیت سے باقی ترکہ ان پر رد کیا جائے گا، نہ کہ زوجیت کے تعلق کے لحاظ سے۔

عصوبت کے مدارج

عصوبت میں ترجیح جہت کے لحاظ سے ہوگی۔ کوئی میت بیٹے اور باپ کو چھوڑے تو ظاہر ہے کہ بیٹے کی جہت بنوت ہے جو باپ کی جہت ابوت پر تقدیم رکھتی ہے، اس لحاظ سے بیٹے کو عصبہ کا حق حاصل ہوگا اور باپ عصبہ سے خارج ہوگا، لیکن باپ کو ذوی الفروض شمار کر کے چھٹا حصہ دیا جائے گا۔

اسی طرح ہر ایک پہلی جہت کے رشتہ کو دوسری جہت کے رشتہ پر تقدیم حاصل ہوگی، دو ورثاء ایک ہی جہت کے ہوں تو درجہ میں قرابت جس کو حاصل ہو اس کو تقدیم حاصل ہوگی۔ قریب تر رشتہ دار اور پھر قریب تر رشتہ دار، بیٹے اور پوتے کی جہت ایک ہے، مگر درجہ میں قربت بیٹے کو حاصل ہے، اس لیے بیٹے کو تقدیم ہے۔

اگر دو ورثاء ایک ہی جہت کے ہوں اور ان کے درجہ کی قربت بھی مساوی ہو تو رشتہ کی قوت میں امتیاز ہے۔ حقیقی بھائی کا رشتہ باپ اور ماں دونوں کے واسطہ سے میت کے ساتھ جڑتا ہے اور علاتی بھائی کا رشتہ صرف باپ کے واسطہ سے میت کے ساتھ جڑتا ہے، اس لیے حقیقی بھائی کے رشتہ میں بہ نسبت علاتی بھائی کے رشتہ کے زیادہ قوت ہے اور حقیقی بھائی کو

علاتی بھائی پر حقِ تقدیم حاصل ہے، اسی طرح حقیقی چچا کو علاتی چچا پر تقدیم ہے۔

عصبہ بغیرہ

وہ قرابت دار ہیں جن کو بطور خود عصبہ کا حق حاصل نہیں ہے، بلکہ بعض دیگر عصبی رشتے داروں کے ساتھ ان کو عصبہ کا حق حاصل ہوتا ہے۔

وہ اشخاص جن کی وجہ سے عصبہ کا حق پیدا ہوتا ہے چار مرد ہیں جو اپنی بہنوں کو عصبہ بناتے ہیں اور ان میں ترکہ کی تقسیم لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ (مرد کے لیے دو عورتوں کا حصہ ہے) کے اصول پر ہوتی ہے۔

بیٹا: اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' (النساء:۱۱) اللہ تعالی تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔

پوتا اور اسی طرح جہاں تک نیچے اترے، وراثت میں پوتا بیٹے کا قائم مقام ہوتا ہے، اس لیے عصبہ میں بھی اس کا قائم مقام ہوگا۔

حقیقی بھائی اور علاتی بھائی: اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''إِنْ كَانُوْا إِخْوَةً رِجَالاً وَّ نِسَاءً ا فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' (النساء:۱۷۷) اگر اس رشتہ میں کئی شخص ہوں مرد اور عورت ہوں تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے۔

یہ حکم حقیقی اور علاتی بھائیوں کی نسبت ہے، اخیافی بھائی اپنی بہن کو عصبہ نہیں بناتا بلکہ ان دونوں کا ایک تہائی حصہ ہے جس کی تقسیم مساوی ہوتی ہے۔

عصبہ مع الغیر

وہ رشتے دار ہیں جن کو دراصل عصبہ کا حق نہیں، مگر جب آپس میں جمع ہو جائیں تو ایک دوسرے کو عصبہ بناتے ہیں جیسا کہ بہنیں جب بیٹیوں یا پوتیوں کے ساتھ ہوں۔

چار مرد وراثت پاتے ہیں برخلاف ان کی بہنوں کے، چچا، چچا کا بیٹا، بھتیجا اور

مولی معتق کے عصبات، چچا میں حقیقی اور علاتی چچا اور چچا کے بیٹے میں حقیقی اور علاتی چچا کا بیٹا شامل ہیں۔ بھتیجے میں حقیقی اور علاتی بھائی کا بیٹا شامل ہے۔

چاروں عصبی وراثت کی حیثیت سے ترکہ پاتے ہیں، لیکن ان کی بہنیں وراثت نہیں پاتیں۔ چچا کی بہن یعنی پھوپھی، چچا کی بیٹی، بھائی کی بیٹی یعنی بھتیجی اور مولی معتق کی بیٹی ترکہ نہیں پاتیں۔

ذوی الفروض

فروض فرض کی جمع ہے اور فرض کے معنی نصیب اور حصہ کے ہیں۔ ذوی الفروض سے وہ اشخاص مراد ہیں جو ان حصوں کے مستحق ہیں۔

مقررہ فروض چھ ہیں: نصف، ربع، ثمن، ثلثان، ثلث اور سدس۔

مقررہ فروض سے وہ حصے مراد ہیں جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں:

نصف آدھا، ربع پاؤ، ثمن آٹھواں، ثلثان دو تہائی، ثلث ایک تہائی اور سدس چھٹے کو کہتے ہیں اور چھ حصوں کے علاوہ اور دو صورتیں بھی ہیں۔ عول اس صورت کو کہتے ہیں جب کہ ذوی الفروض پر ترکہ کی تقسیم سے مال میں کمی ہوتی ہو۔ اور رد اس صورت کو کہتے ہیں جب کہ تقسیم کے بعد مال باقی رہ جائے۔

نصف پانے والے

نصف پانے والے پانچ ہیں: بیٹی، پوتی، حقیقی بہن، علاتی بہن اور شوہر جس کے ساتھ اولاد نہ ہو۔ بیٹی نصف حصہ پاتی ہے جب کہ تنہا ہو۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''إِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ'' (النساء:۱۱) پس جب کہ وہ تنہا ہو تو اس کا نصف حصہ ہے۔

پوتی نصف حصہ پاتی ہے جب کہ تنہا ہو اور اسی طرح جہاں تک سلسلہ نیچے اترے جیسا کہ بیٹے کی پوتی یا پوتے کی پوتی لیکن پوتی کی بیٹی اس سے خارج ہے اور ذی رحم ہے۔ بیٹی اور پوتی ہر ایک کے لئے قید ہے کہ تنہا ہو۔ ماں کے ساتھ کوئی دوسری بیٹیاں اور پوتیاں ان کے

مساوی درجہ کی موجود نہ ہوں۔ اگر ایک کے ساتھ دوسری ایک یا زیادہ عورتیں ہوں تو ان کو دو تہائی حصہ ملے گا، یہ بھی قید ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد عصبہ بنانے والا نہ ہو، اگر ان کے ساتھ کوئی بھائی ہو تو اپنے ساتھ ان کو عصبہ بنائے گا۔ مرد کو دو تہائی اور عورت کو ایک تہائی حصہ ملے گا۔

اگر پوتی کے ساتھ بیٹا ہو تو پوتی کو بیٹا محجوب کر دے گا اور اگر پوتی کے ساتھ بیٹی ہو تو بیٹی کو نصف ملنے کی وجہ سے ثلثین کے تکملہ کے لئے سدس یعنی چھٹا حصہ پوتی کو ملے گا۔

حقیقی اور علاتی بہن جب کہ ان کے ساتھ کوئی مرد عصبہ بنانے والا نہ ہو تو نصف حصہ پاتی ہیں۔ اللہ کا فرمان ہے: ''وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ '' (النساء:۱۷۶) اور اس کو بہن ہو تو اس بہن کو ترکہ کا نصف حصہ ملے گا۔

اجماع ہے کہ اس آیت میں حقیقی بہن اور علاتی بہن داخل ہیں، برخلاف اخیافی بہن کے، جس کو چھٹا حصہ ملے گا، اللہ کا فرماتا ہے: ''وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ '' (النساء:۱۲) اس کے بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

یہاں اخیافی بھائی بہن مراد ہیں۔

یہ قید ہے کہ ان کے ساتھ کوئی مرد عصبہ بنانے والا نہ ہو۔ ان کے ساتھ بھائی یا دادا ہو تو ان کو عصبہ بناتے ہیں، ان کے ساتھ ان ہی کے درجہ کی ایک یا زیادہ بہنیں ہوں تو ان سب کو دو تہائی حصہ ملتا ہے۔ اگر ان کے ساتھ بیٹا ہو تو محجوب ہو جائے گی اور اگر بیٹی ہو تو عصبہ بن جائے گی اور باقی ترکہ پائے گی۔

شوہر نصف حصہ پاتا ہے جب کہ میت کا بیٹا بیٹی، پوتا پوتی وغیرہ نہ ہوں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ''وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ '' (النساء:۱۲) تم کو نصف حصہ ملے گا تمہاری بیویوں کے ترکہ سے اگر انھیں بیٹا بیٹی نہ ہو۔

پوتا پوتی بھی بیٹا بیٹی کے حکم میں داخل ہیں اور اس پر اجماع ہے کہ شوہر کے حصہ کو نصف سے گھٹا کر پاؤ کر دیتے ہیں، ولد میں بیٹا بیٹی دونوں داخل ہیں اور ولد سے پوتا مجازاً مراد لیا جاتا ہے۔ وراثت اور عصبہ میں پوتا بیٹے کے مانند ہے۔

ربع پانے والے یعنی ایک چوتھائی

ربع پانے والے دو ہیں: شوہر جب اولاد کے ساتھ ہو اور بیوی جس کے ساتھ اولاد نہ ہو۔ چوتھا حصہ پانے والے یہی دو ہیں۔ شوہر چوتھا حصہ پاتا ہے جب کہ میت کے بطن سے بیٹا بیٹی پوتا پوتی وغیرہ موجود ہوں، خواہ اسی شوہر سے ہوں یا دوسرے شوہر سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ ''(النساء:۱۲) اگر ان کے بیٹا بیٹی ہوں تو تمہارا چوتھا حصہ ہے۔

پوتا بیٹے کے حکم میں داخل ہے اور اجماع اس پر ہے کہ میت کی اولاد اس کے شوہر کے حصہ کو نصف سے گھٹا کر پاؤ کرتی ہے۔ پوتے کی قید کی وجہ سے نواسہ خارج ہوتا ہے، اس لیے کہ نواسہ وارث نہیں ہوتا اور نہ دوسرے کو محجوب کرتا ہے، اس لیے کہ وہ ذوی الارحام میں سے ہے۔ بیٹا اور پوتا کسی مانع کی موجودگی میں وراثت نہیں پاتا اور دوسرے کو محجوب بھی نہیں کرتا، اس کا وجود اور عدم وجود مساوی ہے۔

بیوی ایک ہو یا زیادہ پاؤ حصہ پاتی ہے جب کہ میت کی اولاد نہ ہو۔ اللہ فرماتا ہے: ''وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ''(النساء:۱۲) ان کے لئے ربع حصہ ہے تمہارے ترکہ سے اگر تم کو اولاد نہ ہو۔

پوتا بھی بیٹے کے مانند ہے۔

اگر بیویاں ایک سے زیادہ ہوں تو اسی چوتھائی حصہ میں سے آپس میں مساوی بانٹ لیں گے۔

دو تہائی پانے والے

ثلثان پانے والے چار ہیں: بیٹیاں دو یا زیادہ، پوتیاں دو یا زیادہ، حقیقی بہنیں دو یا زیادہ اور علاتی بہنیں دو یا زیادہ۔ ان چاروں اقسام کی عورتیں جب ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی ترکہ پاتی ہیں اور یہ دو تہائی ترکہ ان پر مساویانہ تقسیم کیا جاتا ہے۔

بیٹیاں جب ایک سے زیادہ ہوں تو دو تہائی حصہ پاتی ہیں، دو بیٹیاں بھی دو تہائی حصہ پاتی ہیں اور تین بیٹیاں بھی اسی قدر۔ نبی ﷺ نے سعد بن ربیع کی دو بیٹیوں کو دو تہائی حصہ دیا تھا، فرمانِ الٰہی ہے: ''فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً ا فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ'' (النساء:۱۱) عورتیں دو کے اوپر ہوں تو ترکہ کا دو تہائی حصہ پائیں گی۔

پوتیاں دو تہائی حصہ پائیں گی جب کے ان کے ساتھ صلبی بیٹی نہ ہو۔ بیٹیوں پر قیاس کرتے ہوئے پوتیوں کے بارے میں حکم دیا گیا ہے۔ بیٹی کی موجودگی میں بیٹی کو نصف ملے گا اور پوتیوں کو ثلثین کا تکملہ سدس یعنی چھٹا حصہ ملے گا، جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

حقیقی بہنیں دو تہائی حصہ پاتی ہیں جب کہ ایک سے زیادہ ہوں۔ علاتی بہنیں دو تہائی حصہ پاتی ہیں، جب ایک سے زیادہ ہوں اور ان کے ساتھ بھائی نہ ہو اور حقیقی بہن نہ ہو۔ حقیقی بہنوں اور علاتی بہنوں کی نسبت یہ آیت ہے: ''فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ'' (النساء:۱۷۷) پس اگر دو ہوں تو ان کو ترکہ کا دو تہائی حصہ ملے گا۔

اجماع ہے کہ یہ آیت دونوں قسم کی بہنوں کو شامل ہے، گو اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ استعمال ہوا ہے، مگر دو سے زیادہ تعداد بھی مراد لی جاتی ہے۔ سابقہ آیت ''فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ'' بیٹیوں کی نسبت ہے، اس پر قیاس کرتے ہوئے دو سے زیادہ بہنوں کی نسبت ثلثین کا حکم دیا گیا۔ اگر ان کے ساتھ کوئی مرد ہو تو ان کو عصبہ بنا لے گا۔

عصبہ ہونے کے بعد بعض وقت ان کا حصہ ثلثین سے زیادہ ہو جاتا ہے جیسا کہ عورتیں دس ہوں اور مرد ایک ہو۔ مسئلہ بارہ سے ہوگا؛ مرد کے دو حصے اور عورتوں کے دس حصے ہوں گے، جو ثلثین سے زیادہ ہیں۔

بعض وقت ان کا حصہ ثلثین سے گھٹ جاتا ہے، جیسا کہ دو عورتوں کے ساتھ دو مرد ہوں تو مسئلہ چھ سے ہوگا۔ عورتوں کو فی کس ایک کے حساب سے دو حصے ملیں گے اور مردوں کو فی کس دو کے حساب سے چار حصے ملیں گے۔ عورتوں کے دو حصے ایک ثلث کے مساوی ہیں اور ثلثین سے کم ہیں۔

خطیب نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ ثلثین ان ہی لوگوں کو ملتا ہے جو تنہا ہونے کی صورت میں نصف پاتے ہیں۔

ثلث پانے والے

ثلث پانے والے دو ہیں: ماں جب محجوب نہ ہو اور اخیافی بھائی اور بہن جب ایک سے زیادہ ہوں۔ثلث ایک تہائی کو کہتے ہیں۔ ماں ثلث پاتی ہے جب کہ محجوب نہ ہو یعنی میت کو اولاد نہ ہو یا بھائی اور بہنیں حقیقی علاتی یا اخیافی دو کی تعداد میں نہ ہوں۔آیت میں ہے:''فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ''(النساء:۱۱) اگر میت کی اولاد نہ ہو اور باپ اور ماں اس کے وارث ہوں تو ماں کا ثلث حصہ ہے۔

اولاد میں میت کا بیٹا بیٹی، پوتا پوتی وغیرہ داخل ہیں۔دوسری آیت میں ہے:''فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ''(النساء:۱۱) پس اگر (میت کے) بھائی ہوں تو ماں کا حصہ چھٹا ہے یعنی ماں کا حصہ ثلث نہیں رہتا۔

بھائیوں کے لفظ میں بہنیں بھی داخل ہیں اور ایک سے زیادہ تعداد مراد ہے اور تعداد کی تکمیل مردوں سے یا عورتوں سے یا دونوں کو ملا کر ہو سکتی ہے، بھائیوں میں حقیقی، علاتی اور اخیافی سب شامل ہیں۔ یہ بھی شرط ہے کہ ماں کے ساتھ باپ اور شوہر یا بیوی نہ ہو، اگر ان میں سے کوئی ایک موجود ہو تو ماں کو باقی کا ثلث ملے گا۔

اخیافی بھائی اور بہنیں جب ایک سے زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں مساوی حصہ پائیں گے، اس لیے کہ ان کا رشتہ ماں کے سبب سے ہے اور اس میں عصبہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے:''إِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ''(النساء:۱۲) اس آیت میں بھائی بہن سے ماں کی اولاد مراد ہیں جن کو اخیافی کہتے ہیں۔اخیافی بھائیوں اور بہنوں کی وراثت کے لئے شرط ہے کہ میت کلالہ ہو جیسا کہ آیت بالا میں مذکور ہے۔

کلالہ

کلالہ اس میت کو کہتے ہیں جس کے ماں باپ نہ ہوں اور اولاد بھی نہ ہو یعنی جس کے اصول اور فروع دونوں مفقود ہوں، اخیافی بھائی اور بہنیں مرد اور عورت مساوی حصہ پاتے ہیں۔ اور ان میں عصبہ نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ان کا رشتہ ماں کے ذریعہ جڑتا ہے، ماں کے رشتہ میں عصبہ نہیں ہے، برخلاف حقیقی اور علاتی بھائیوں کے، جن کا رشتہ باپ کے ذریعہ جڑتا ہے اور ان میں عصبہ ہے، اس طرح کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے۔

سدس پانے والے

سدس پانے والے سات ہیں: ماں؛ اولاد یا ایک سے زیادہ بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ ہو۔ جدہ (دادی یا نانی) ماں کی عدم موجودگی میں۔ پوتی بیٹی کے ساتھ، علاتی بہن حقیقی بہن کے ساتھ، باپ؛ اولاد کے ساتھ، دادا باپ کی عدم موجودگی میں اور اخیافی بھائی یا بہن۔ سدس پانے والے سات اشخاص ہیں:

ماں چھٹا حصہ پاتی ہے جب کہ اس کے ساتھ میت کی اولاد؛ بیٹا بیٹی، پوتا پوتی وغیرہ یا ایک سے زیادہ حقیقی، علاتی یا اخیافی بھائی اور بہن ہوں۔ قرآن مجید میں ہے: ''وَلِأَبَوَيۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنۡ كَانَ لَهُۥ وَلَدٌ'' (النساء:۱۱) اور اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا اگر اس کی کوئی اولاد ہو۔

اجماع اس پر ہے کہ بیٹے کی اولاد بھی اولاد کے مانند ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''فَإِنۡ كَانَ لَهُۥٓ إِخۡوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ'' (النساء:۱۱) پس اگر اس کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہوگا۔

بھائی اور بہنوں میں حقیقی، علاتی اور اخیافی شامل ہیں۔

جدہ یعنی دادی اور نانی ماں کی عدم موجودگی میں چھٹا حصہ پاتی ہے، جو ثلثین کا تکملہ ہے۔ دو تہائی میں سے نصف بیٹی کو دینے کے بعد چھٹا حصہ باقی تھا جو پوتی کو ملا۔

ابوداؤد وغیرہ نے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے: ''أَعْطَى الْجَدَّةَ السُّدُسَ'' جدہ کو چھٹا حصہ دیا تھا۔ (ابن أبي شيبة: في الجدة مالها من ميراث ۳۱۹۲۳۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے)

باپ کی جانب سے ہو یا ماں کی جانب سے، جدہ لفظ دادی اور نانی دونوں پر حاوی ہے۔ جدہ وارثہ مراد ہے بخلاف جدہ فاسدہ کے جو ساقط ہو جاتی ہے۔ جدہ فاسدہ کا رشتہ میت کے ساتھ دو عورتوں کے درمیان ایک مرد کے ذریعہ ملتا ہے جیسا کہ ماں کے باپ کی ماں، جدہ فاسدہ ذوی الارحام میں سے ہے۔

دادی اور نانی ایک سے زیادہ ہوں تو بھی ان سب میں یہی چھٹا حصہ ہوگا، اجماع اس پر ہے کہ اگر ماں موجود ہو تو دادی اور نانی ساقط ہو جاتی ہیں۔ اس لیے کہ جدہ کو امومت کی وجہ سے وراثت پہنچتی ہے اور امومت میں ماں جدہ سے قریب تر ہے۔ امومت ماں کے رشتہ کو کہتے ہیں۔

باپ کی موجودگی سے دادی ساقط ہوتی ہے لیکن نانی ساقط نہیں ہوتی، اس لئے کہ دادی کا رشتہ باپ کے ذریعہ جڑتا ہے۔

اصول یہ ہے کہ ایک ہی جہت میں جو قریب تر ہے بعید تر کو محروم کرتی ہے، نانی کی ماں مجوب ہوتی ہے نانی سے اور دادی کی ماں مجوب ہوتی ہے دادی سے۔ ماں کی جہت کی قریب تر جدہ باپ کی جہت کی بعید تر جدہ کو مجوب کرتی ہے۔ نانی کے وجود سے دادی کی ماں مجوب ہوتی ہے، لیکن باپ کی جہت کی قریب تر جدہ ماں کی جہت کی بعید تر جدہ کو مجوب نہیں کرتی، دادی نانی کی ماں کو مجوب نہیں کرتی۔

پوتی بیٹی کے ساتھ ہو تو چھٹا حصہ پاتی ہے، امام بخاری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے بیٹی کے ساتھ پوتی کے بارے میں ایسا تصفیہ کیا تھا۔ (بخاری: کتاب الفرائض، باب میراث ابنۃ ابن مع ابنۃ ۶۳۵۵)

بیٹے کی پوتی، پوتی کے ساتھ ہو تو بھی یہی حکم ہے۔ اس مسئلہ میں بیٹی کی تعداد ایک ہے۔ اگر ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو اجماع اس پر ہے کہ پوتیوں کو کچھ نہ ملے گا، اس لیے کہ بیٹیاں ثلثین لیتی ہیں، البتہ پوتیوں کے ساتھ کوئی مرد ان کا بھائی یا چچازاد بھائی یا ان کے

نیچے درجہ کا کوئی مرد ہوتو ان کو عصبہ بنالیتا ہے۔

علاتی بہن ایک حقیقی بہن کے ساتھ ہوتو ثلثین کے تکملہ کے طور پر چھٹا حصہ پاتی ہے۔ اگر حقیقی بہنیں ایک سے زیادہ ہوتو ان کو ثلثین ملے گا اور علاتی کو کچھ نہ ملے گا، علاتی بہنوں کو صرف ان کا بھائی عصبہ بناتا ہے اور اس کو ''اَخ مبارک'' مبارک بھائی کہتے ہیں، اس لیے کہ اگر وہ نہ ہوتا تو علاتی بہنیں بالکل ساقط ہوجاتیں۔

باپ چھٹا حصہ پاتا ہے، جب کہ میت کی اولاد کے ساتھ ہوتا ہے۔قرآن مجید میں ہے:'' وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ''(النساء:۱۱)اس کے باپ اور ماں میں سے ہر ایک کو ترکہ میں سے چھٹا حصہ ہے اگر اس کو اولاد ہو۔

ولد میں بیٹا بیٹی دونوں داخل ہیں اور پوتا پوتی بھی ان کے مانند ہیں۔

مسئلہ: میت کا ایک بیٹا اور باپ ہو تو باپ کو چھٹا حصہ ملے گا اور بقیہ ترکہ بیٹا بطور عصبہ پائے گا۔

مسئلہ: میت ایک بیٹی اور باپ کو چھوڑے تو چھٹے کے مخرج چھ سے مسئلہ ہوگا، نصف کے تین بیٹی کے اور چھٹے کا ایک باپ کو بطور فرض ملے گا، باقی کے دو بھی باپ کو عصبہ کے طور پر ملیں گے،اس مسئلہ میں باپ کو فرضیت اور عصوبت دونوں حاصل ہیں۔

دادا باپ کی عدم موجودگی میں چھٹا حصہ پاتا ہے۔ اس لیے کہ دادا باپ کے قائم مقام ہے اور باپ کو میت کی اولاد کے ساتھ چھٹا حصہ ملتا ہے۔ باپ موجود ہوتو دادا محجوب ہوتا اور کچھ نہیں پاتا۔ دادا جد وارث اور نانا جد غیر وارث یعنی جد فاسد کہلاتا ہے اور ذوی الارحام میں سے ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بیٹا بیٹی اور پوتا پوتی کے ساتھ مگر باپ کی عدم موجودگی میں دادا کو چھٹا حصہ ملتا ہے جب کہ اس کے ساتھ ذوی الفروض ہوں۔

مسئلہ: فرض کیا جائے کہ میت کی دو بیٹیاں اور دادا اور تین بھائی ہیں۔ اصل مسئلہ چھ سے ہوگا۔ بیٹیوں کے ثلثین کے چار اور دادا کے سدس کا ایک جانے کے بعد ایک باقی رہا جو تین بھائیوں پر تقسیم ہوگا۔ ہر ایک بھائی کو ایک ثلث ملے گا۔ کسرات کو رفع کرنے کے لئے تین کے

مخرج کو اصل مسئلہ کے چھ میں ضرب دیں تو مضروب فیہ اٹھارہ سے اس کی تصحیح ہوگی۔ لڑکیوں کو بارہ اور دادا کو تین اور تین جو باقی رہے تین بھائیوں کو فی کس ایک کے حساب سے ملیں گے۔

اخیافی بھائی اور بہن میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملتا ہے۔ آیت میں ہے: ''وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ'' (النساء:۱۲) یہاں بھائی بہن سے اخیافی مراد ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اصحاب فروض جملہ تیرہ ہیں؛ چار مرد ہیں: شوہر، اخیافی بھائی، باپ اور دادا۔ اور عورتیں نو ہیں: ماں، نانی، دادی، بیوی، اخیافی بہن، بیٹی، پوتی، حقیقی بہن اور علاتی بہن۔

تنہا بیٹا پورا ترکہ پاتا ہے، اسی طرح ایک سے زیادہ بیٹے بھی پورا ترکہ پاتے ہیں، اگر بیٹے اور بیٹیاں جمع ہوں تو ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' کے اصول کے مطابق وہ پورا پورا ترکہ پاتے ہیں۔

بیٹوں کی اولاد جہاں تک نیچے اترے تنہا ہو تو صلبی اولاد کے مانند ہے، جملہ امور میں صلبی اولاد اور بیٹے کی اولاد جمع ہو اور صلبی اولاد میں کوئی مرد ہو تو اجماع اس پر ہے کہ بیٹے کی اولاد محجوب ہو جائے گی۔ اگر صلبی اولاد میں مرد نہ ہو اور بیٹی ہو تو وہ نصف حصہ پاتی ہے اور بیٹے کی نرینہ اولاد بقیہ ترکہ پاتی ہے۔

بیٹے کی اولاد میں مرد اور عورت دونوں ہوں تو ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' کے مطابق ترکہ تقسیم ہوگا۔ اگر صلبی اولاد میں ایک سے زیادہ بیٹیاں ہوں تو ثلثین پاتی ہیں اور بیٹے کی نرینہ اولاد بقیہ ترکہ پاتے ہیں۔ بیٹے کی اولاد میں مرد اور عورت دونوں ہوں تو ''لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ'' کے مطابق تقسیم ہوگا۔

بیٹے کی اولاد میں صرف عورتیں صلبی دو بیٹیوں کے ساتھ ہوں تو اجماع اس پر ہے کہ کچھ نہ پائیں گی، سوائے اس کے کہ ان کے ساتھ یا ان کے نیچے کوئی مرد ہو جو بقیہ ترکہ میں عصبہ بنائے، پوتے کی اولاد بیٹے کے ساتھ ہو تو وہی حکم ہے جو بیٹے کی اولاد کی نسبت صلبی اولاد کے ساتھ ہیں۔

حجب

حجب کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں اور شرع میں وارث کو وراثت سے روکنے کو حجب کہتے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہیں: حجبِ حرمان اور حجبِ نقصان۔

حجب حرمان: وراثت سے بالکلیہ روکنے اور محروم کرنے کو کہتے ہیں۔اس کی دو قسمیں ہیں: حجبِ حرمان بالوصف اور حجب حرمان بالشخص۔

حجب حرمان بالوصف وہ اشخاص ہیں جو ایک خاص صفت کی وجہ سے وراثت سے محروم کیئے گئے ہیں۔

حجب حرمان بالوصف: یعنی ممنوعینِ وراثت چار ہیں: غلام، قاتل، مرتد اور اہل ملتین۔

وراثت کی اہلیت کے لحاظ سے لوگوں کی قسمیں

وراثت کی اہلیت کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ایک وہ لوگ جو خود وراثت پاتے ہیں اور ان کی وراثت دوسرے کو پہنچتی ہے جیسا کہ بھائی بہن، شوہر اور بیوی۔

دوسرے وہ لوگ جو خود وراثت پاتے ہیں اور نہ ان کی وراثت دوسرے کو پہنچتی ہے جیسا کہ غلام اور مرتد۔

تیسرے وہ لوگ جو وراثت نہیں پاتے مگر ان کی وراثت دوسرے کو پہنچتی ہے جیسا کہ مبعض۔مبعض اس غلام کو کہتے ہیں جس کا ایک جزء آزاد کیا گیا ہو۔اس آزاد شدہ جزء کے لحاظ سے اس کی وراثت دوسرے کو پہنچتی ہے۔

چوتھے وہ لوگ جو وراثت پاتے ہیں مگر ان کی وراثت دوسرے کو نہیں پہنچتی جیسا کہ انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام۔ انبیاء علیہم السلام وراثت پاتے ہیں اور ان کی وراثت دوسرے کو نہیں پہنچتی۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: ''لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ'' (بخاری نے یہ روایت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی ہے: ۳۰۹۲، باب فرض الخمیس۔ اور مسلم نے عمر رضی اللہ عنہ سے: باب حکم الفیئ ۴۶۷۶۔) ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہے۔

یہ حکمت مضمر ہے کہ کوئی شخص وراثت پانے کی توقع میں ان کی موت کی تمنا نہ کرے اور خود انبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے ورثاء کے لیے دنیاوی جائداد کے بنانے اور چھوڑنے کی طرف رغبت کا وہم وگمان بھی نہ رہے۔

وہ لوگ جو کسی خاص صفت کی وجہ سے وراثت سے محروم کیے گئے ہیں ان کی چار قسمیں ہیں: غلام، قاتل، مرتد اور اہل ملتین۔

غلام

غلام میں مرد اور عورت داخل ہیں۔ غلام چوں کہ خود اپنی ذات کا آپ مالک نہیں ہوتا، اس لیے کسی جائداد کی ملکیت حاصل نہیں کرتا اور چوں کہ وراثت کے توسط سے جائیداد کی ملکیت حاصل ہوتی ہے اس لیے وراثت بھی نہیں پاتا۔

قاتل مقتول کی وراثت نہیں پاتا، اس نے خود قتل کا ارتکاب کیا ہو یا قتل میں اعانت کی ہو اور قتل؛ قتل عمد ہو یا قتل خطا یا شبہ عمد ہو۔ کوئی شخص ایسا ضرر پائے جو ہلاکت تک پہنچانے والا ہو جائے تو بھی وراثت سے محروم ہوگا۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ ہر وہ شخص جس کو دوسرے کے قتل میں ذرا بھی دخل یا تعلق رہا ہے مقتول کی جائیداد سے بالکلیہ محروم ہوگا۔ اگر کسی نے دوسرے کو دوا دی اور وہ شخص فوت ہو گیا اور وہ دوا دینے والا طبیب حاذق نہ تھا تو وراثت نہ پائے گا۔ حدیث میں ہے: ''لَيْسَ لِلْقَاتِلِ شَيْءٌ'' (ابوداود: الدیات، باب دیات الأعضاء ۴۵۶۴۔ یہ روایت عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ سے ہے) قاتل کے لیے کچھ نہیں ہے۔

دلیل یہ ہے کہ وراثت کا سبب رشتہ ہے، جو قتل سے منقطع ہو جاتا ہے۔ عکسی دلیل یہ ہے کہ اگر قاتل وراثت پائے تو اس کا امکان رہتا ہے کہ قتل کا ارتکاب کر کے وراثت حاصل کرنے میں جلدی کرے۔ اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ قاتل کو وراثت سے محروم کیا جائے۔ کیوں کہ ''فَإِنَّ مَنِ اسْتَعْجَلَ بِشَيْئٍ قَبْلَ أَوَانِهِ عُوْقِبَ بِحِرْمَانِهِ ''۔ جس نے کسی چیز کو اس کے وقت سے پہلے لانے کی کوشش کی اس سے سزاءً محروم کیا جاتا ہے۔

قاتل کا مقتول سے وراثت نہ پانے کا یہ بھی مفہوم ہے کہ بعض وقت مقتول قاتل سے وراثت پا سکتا ہے۔ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو زخمی کیا اور زخمی بھائی کے فوت ہونے سے پہلے خود فوت ہو جائے تو مجروح زخمی کرنے والے سے وراثت پائے گا۔

مرتد

مرتد اور اسی طرح زندیق جو کفر کو پوشیدہ رکھے اور اسلام کا اظہار کرے۔ مرتد وراثت نہیں پاتا، نہ مرتد سے، نہ مسلم سے، نہ کافر سے۔ مرتد خود بھی وراثت نہیں پاتا اور نہ اس سے کوئی دوسرا وراثت پاتا ہے۔ اس کا مال فیئ ہے برخلاف امام ابوحنیفہ کے، فیئ مال غنیمت کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ مرتد اور کسی دوسرے کے درمیان دین کا تعلق ہی نہیں ہے۔ زندیق اور منافق مترادف الفاظ ہیں۔ منافق کی نسبت یہ آیت: ''إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ '' (النساء:۱۴۵) بے شک منافقین دوزخ کے سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے۔

اہلِ ملتین

اهل ملتين مختلف مذاہب والے اشخاص کو کہتے ہیں۔ مسلم کافر سے اور کافر مسلم سے وراثت نہیں پاتا۔ اختلاف مذاہب سے مراد ایک طرف اسلام اور دوسری طرف کفر ہے اور کفر میں جملہ نوعیت کے کفار داخل ہیں۔ نتیجہ یہ کہ کافر اور مسلم کے درمیان وراثت نہیں ہے۔ البتہ کافر کافر سے باوجود اختلاف مذہب مثلاً یہودیت اور نصرانیت وراثت پائے گا۔ حربی ذمی سے اور ذمی حربی سے وراثت نہ پائے گا۔

حجب حرمان بالشخص

جدات یعنی نانیاں دادیاں ماں سے ساقط ہوتی ہیں، اور اجداد یعنی دادا باپ سے اور اخیافی بھائی اور بہن، بیٹے، پوتے باپ اور دادا سے۔ حقیقی بھائی، بیٹے، پوتے سے علاتی بھائی اور بہن ان تینوں سے اور حقیقی بھائی سے۔

حجب حرمان بالشخص ان اشخاص کو کہتے ہیں جو بعض دیگر اشخاص کی موجودگی کی وجہ سے وراثت سے محروم ہوجاتے ہیں۔ جدات جمع ہے جدہ کی۔ جدہ دادی اور نانی دونوں کو کہتے ہیں۔ اجماع اس پر ہے کہ اگر ماں موجود ہوتو دادی اور نانی مجحوب ہوجاتی ہیں، اس لیے کہ جدہ کو امومت کی وجہ سے وراثت پہنچتی ہے اور امومت میں ماں جدہ سے قریب تر ہے۔ امومت ماں کے رشتہ کو کہتے ہیں۔

دادی باپ کی موجودگی میں بھی مجحوب ہوجاتی ہے، اس لیے کہ دادی کا رشتہ میت کے ساتھ باپ کے توسط سے ہے۔ باپ کے وجود سے نانی ساقط نہیں ہوتی، اس لیے کہ نانی کا رشتہ ماں کے توسط سے ہے۔

ایک ہی جہت میں جو قریب تر ہو وہ بعید تر کو محروم کرتی ہے۔ نانی کی ماں مجحوب ہوتی ہے نانی سے اور دادی کی ماں مجحوب ہوتی ہے دادی سے، ماں کی جہت کی قریب تر جدہ باپ کی جہت کی بعید تر جدہ کو مجحوب کرتی ہے۔ نانی کے وجود سے دادی کی ماں مجحوب ہوتی ہے، لیکن باپ کی جہت کی قریب تر جدہ ماں کی جہت کی بعید تر جدہ کو مجحوب کرتی ہے۔ دادی نانی کی ماں کو مجحوب نہیں کرتی۔

اجداد جد کی جمع ہے۔ اور جد کے معنی دادا کے ہیں۔ اجداد ساقط ہوتے ہیں باپ کی موجودگی کی وجہ سے، دادا کا دادا نزدیک کے دادا کی وجہ سے ساقط ہوتا ہے۔

اخیافی بھائی اور بہن محروم ہوتے ہیں میت کی اولاد اور باپ اور دادا کی وجہ سے۔

بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، باپ اور دادا ان چھ میں سے کوئی ایک بھی موجود ہوتو اخیافی اولاد محروم ہوجائے گی۔ اس سے ظاہر ہے کہ حقیقی یا علاتی بھائی کی موجودگی سے اخیافی بھائی

محجوب نہیں ہوتا، اگرچہ کہ ان کا رشتہ میت کے ساتھ ماں کے ذریعہ جڑتا ہے، مگر ماں ان کو محجوب نہیں کرتی۔ یہ ایک استثناء ہے، ورنہ عام اصول یہ ہے کہ جو رشتہ کسی واسطہ سے جڑتا ہے وہی واسطہ اس کو محجوب کرتا ہے۔

باپ محجوب کرتا ہے حقیقی، علاتی اور اخیافی بھائیوں کو اور دادا محجوب کرتا ہے صرف اخیافی بھائی کو اور حقیقی اور علاتی بھائی کو محجوب نہیں کرتا۔ حقیقی بھائی: بیٹے، پوتے اور باپ میں سے کسی ایک کی موجودگی سے محروم ہوتا ہے، دادا ان کو محروم نہیں کرتا۔

علاتی بھائی اور بہن چار اشخاص: بیٹے، پوتے، باپ اور حقیقی بھائی کی وجہ سے۔ حقیقی بھائی کا بیٹا چھ اشخاص: باپ، دادا، پوتا، حقیقی بھائی اور علاتی بھائی کی وجہ سے۔ علاتی بھائی کا بیٹا سات اشخاص، سابقہ چھ اور حقیقی بھائی کے بیٹے کی وجہ سے محجوب ہوتا ہے۔ حقیقی چچا آٹھ اشخاص، سابقہ سات اور علاتی بھائی کے بیٹے کی وجہ سے۔ علاتی چچا نو اشخاص، سابقہ آٹھ اور حقیقی چچا کی وجہ سے۔ حقیقی چچا کا بیٹا دس اشخاص: سابقہ نو اور علاتی چچا کی وجہ سے۔ علاتی چچا کا بیٹا گیارہ اشخاص، سابقہ دس اور حقیقی چچا کے بیٹے کی وجہ سے۔

غلام کا معتق (رہا کرنے والا) غلام کے نسبی عصبہ کی وجہ سے محروم ہوتا ہے۔

حجبِ نقصان

وراثت میں بڑے حصے سے روک کر اس سے کمتر حصہ دینے کو حجبِ نقصان کہتے ہیں۔ اس کی چھ قسمیں ہیں:

۱۔ ایک حصہ سے دوسرا حصہ، ماں کو تہائی سے چھٹا حصہ، شوہر کو نصف سے پاؤ حصہ، بیوی کو پاؤ سے آٹھواں حصہ۔

۲۔ ایک عصبہ سے دوسرے عصبہ جیسا کہ بہن عصبہ مع الغیر سے عصبہ بغیرہ ہو جائے۔ بہن بیٹی کے ساتھ عصبہ مع الغیر ہے اور اس کا حصہ اس حیثیت سے نصف ہے۔ بہن کے ساتھ اس کا بھائی ہوگا تو عصبہ بغیرہ ہو جائے گی اور اس کا حصہ ایک تہائی ہوگا۔

۳۔ حصہ سے عصبہ۔ بیٹی تنہا تھی تو اس کا حصہ نصف تھا، بھائی کے ساتھ ہوئی تو عصبہ

بنی اور ایک تہائی پائی۔

۴۔عصبہ سے حصہ۔ دادا تنہا عصبہ کی بناء پر وراثت پائے گا اور بھائیوں کے ساتھ مقررہ حصہ پائے گا۔

۵۔حصہ میں مزاحمت: بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہے اور جس قدر زیادہ بیٹیاں ہوں گی اسی میں سے اپنا حصہ پائیں گی۔

۶۔عصبہ میں مزاحمت: بیٹے جس قدر زیادہ ہوں گے ایک دوسرے کے حصہ کو کم کریں گے۔

موت کا وقت مبہم نہ ہو

اگر دو اشخاص جو آپس میں ایک دوسرے سے وراثت پاتے ہیں ایک ساتھ غرق ہو جائیں، جل جائیں یا دب کر مر جائیں اور یہ نہ کہا جا سکے کہ کس کی موت پہلے اور کس کی موت بعد میں ہوئی تو وہ دونوں ایک دوسرے سے وراثت ہی نہیں پائیں گے۔ ان کا ترکہ ان کے ورثاء پر علحدہ علحدہ تقسیم ہوگا۔ اس لیے کہ وراثت کے لیے شرط ہے کہ مورث کی موت کے وقت وارث زندہ اور موجود ہو۔

ذوی الارحام

ذوی الارحـــام کے معنی قرابتداروں کے ہیں اور شرع میں ان قرابتداروں کو ذوی الارحام کہتے ہیں جو ذوی الفروض اور عصبات کے علاوہ ہوں اور جن کا رشتہ میت کے ساتھ عورت کے تعلق سے ہو۔

ذوی الفروض پر حصوں کی تقسیم کے بعد کچھ باقی رہے تو ان کے حصوں کے تناسب کے لحاظ سے بقیہ ترکہ بھی انہیں پر رد کے ذریعہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ عصبات اور ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں بیت المال میں داخل ہوگا۔ اگر بیت المال نہ ہو یا بیت المال کا انتظام اطمینان بخش نہ ہو تو ترکہ ذوی الارحام پر تقسیم ہوگا۔

اس کا نتیجہ یہ کہ رد ذوی الارحام کی وراثت پر مقدم ہے۔

ذوی الارحام کے گیارہ اقسام ہیں: نانا اور نانا کی ماں۔ نانا کو جد فاسد اور نانا کی ماں کو جدہ فاسدہ کہتے ہیں۔ بیٹیوں کی اولاد اور پوتیوں کی اولاد؛ مرد ہوں یا عورت۔ حقیقی یا علاتی یا اخیافی بھائیوں کی بیٹیاں۔ حقیقی یا علاتی یا اخیافی بہنوں کی اولاد۔ اخیافی بھائیوں کی اولاد، اخیافی چچا، حقیقی، علاتی یا اخیافی چچا کی بیٹیاں، پھوپھیاں، ماموں، خالائیں، وہ شخص جو ان ذوی الارحام کے توسط سے میت کے ساتھ رشتہ رکھتے ہوں سوائے پہلی قسم کے تعلق کے۔

ذوی الارحام میں وراثت کی تقسیم کا طریقہ

ذوی الارحام کے وراثت پانے کے دو طریقے ہیں: اہل تنزیل کا طریقہ اور اہل قرابت کا طریقہ۔ ان میں سے اول الذکر طریقہ اصح ہے۔

اہل تنزیل کا طریقہ یہ ہے کہ ذوی الارحام میں سے ہر ایک کو ان اشخاص کی جگہ

رکھیں جن کے ذریعہ ان کا رشتہ جڑتا ہے جیسا کہ بیٹی کی بیٹی، بیٹی کی جگہ ہوگی۔ بہن کی بیٹی بہن کی جگہ۔ بھائی کی بیٹی بھائی کی جگہ۔ چچا کی بیٹی چچا کی جگہ۔ ماموں اور خالہ ماں کی جگہ۔ اخیافی چچا اور پھوپھی باپ کی جگہ ہوں گے اور ان اشخاص کو جو حصہ مل سکتا ہے معین کر کے ان کے قائم مقام ذوی الارحام کو دیں گے، سوائے اخیافی بیٹوں، بیٹیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے جن کے درمیان تقسیم مساوی طور پر ہوگی۔

مسئلہ: مثال کے طور پر میت نے بیٹی کی بیٹی اور پوتی کی بیٹی چھوڑی۔ بیٹی کی بیٹی، بیٹی کی جگہ اور پوتی کی بیٹی پوتی کی جگہ ہوگی اور یہ تصور ہوگا کہ میت نے بیٹی اور پوتی کو چھوڑا ہے۔ مسئلہ چھ سے ہوگا۔ اور بیٹی کے نصف حصہ کے تین اور پوتی کے ثلثین کے تکملہ کے چھٹے حصہ کا ایک اور ان دونوں کا مجموعہ چار ہوگا اور دو حصے باقی رہیں گے۔ یہ دو حصے ان ہی دو ذوی رحموں پر ان کے حصوں کے تناسب کے لحاظ سے رد کے ذریعہ تقسیم کریں تو پوتی کو مزید ڈیڑھ حصہ اور بیٹے کی پوتی کو نصف حصہ ملے گا۔ نصف کا مخرج دو ہے اور دو کو اصل مسئلہ کے چھ میں ضرب دیں تو بارہ حاصل ہوں گے۔ پوتی کو فرض اور رد کے ذریعہ نو اور بیٹے کی پوتی کو فرض اور رد کے ذریعہ تین ملتے ہیں اور چوں کہ نو اور تین میں تین کی موافقت ہے، اس لیے اختصار کے لیے ہر حصہ کو تین سے تقسیم کریں تو ان حصوں کی بابت تین اور ایک اور اصل مسئلہ کے بارہ کے چار رہ جائیں گے۔

نتیجہ یہ کہ اصل مسئلہ چھ سے تھا، اس کی تصحیح بارہ سے ہوئی اور اختصار کے بعد چار رہ گئے۔ بیٹی کے حصہ کے تین بیٹی کی بیٹی کو اور پوتی کے حصہ کا ایک پوتی کی بیٹی کو ملے گا۔

اہل قرابت کا طریقہ یہ ہے کہ میت سے قرابت میں جس شخص کو زیادہ قربت ہو اس کو ترجیح دی جائے۔ مذکورہ مسئلہ میں پوتی اور پوتی کی بیٹی میں پورا ترکہ پوتی پائے گی، اس لیے کہ وہ رشتہ میں میت سے قریب تر ہے بہ نسبت پوتی کی بیٹی کے، پوتی کی بیٹی کو کچھ نہ ملے گا۔

وصیت

(وصیت و ایصاء، ارکان و شرائط ، مقدار)

وصیت کے معنی وصل کرنے اور ملانے کے ہیں اور شرع میں وصیت کی دوقسمیں ہیں: وصیت اور ایصاء۔

وصیت اس عمل کو کہتے ہیں جو خیر واحسان کے طور پر کسی کے حق میں کیا جائے اور اس کی تعمیل کو موت پر موقوف رکھا جائے۔

ایصاء اس عمل کو کہتے ہیں جس کی رو سے وصی کو اپنی موت کے بعد جائیداد میں تصرف کا اختیار اس غرض سے دیں کہ بچوں کی پرورش اور نگرانی کرے، امانتوں کو واپس کرے اور قرضوں کو وصول اور ادا کرے، لیکن اس میں کوئی خیر واحسان کا معاملہ نہیں ہے۔

بعض امور میں وصیت فرائض سے مشابہ ہے، وصیت کا تعلق بھی موت کے بعد پیدا ہوتا ہے، موصی لہ کو اختیار ہے کہ وصیت کو قبول کرے یا رد کرے۔

صدرِ اسلام میں والدین اور اقرباء کے حق میں وصیت کرنا واجب تھا۔ آیت ہے:
﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ (البقرة:۱۸۰) تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت پہنچ جائے تو تم والدین اور اقرباء کے حق میں نیک وصیت چھوڑو، احسان کے ساتھ جو پرہیزگاروں پر حق ہے۔

فرایض میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں جائدادا کی تقسیم کا کیا طریقہ تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اس میں کس طرح ترمیم ہوئی۔ مواریث کی آیتوں کے نزول سے پہلے واجب تھا کہ ہر شخص اپنی موت سے پہلے اپنی جائیداد میں سے

ماں، باپ، خویش واقرباء کو کتنا کتنا حصہ دیا جائے تعین کرے۔اس کے بعد میراث کی آیات نازل ہوئیں جن میں ہر شخص کے حقوق کی مقدار بتائی گئی ہے۔چنانچہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ، إِنَّ اللّٰهَ أَعْطٰى كُلَّ ذِىْ حَقٍّ حَقَّهُ '' (ترمذی:الوصایا،باب ماجاء لاوصیة لوارث۲۱۲۲۔نسائی: الوصایا، باب إبطال الوصیة للوارث ۶/ ۲۴۷۔ یہ روایت عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے ہے)وارث کے لیے وصیت نہیں ہے،اللہ تعالی نے ہر ذی حق کواس کا حق دیا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ وصیت کا وجوب باقی نہیں رہا۔

ترکہ سے سب سے پہلے تجہیز یعنی کفن دفن کے مصارف ادا ہوں گے۔ پھر قرض کی ادائیگی ہوگی اوراس کے بعد وصیت کی تعمیل کی جائے گی۔اور پھر میراث کی تقسیم ہوگی۔

معلوم،مجہول،موجوداور معدوم چیز کے بارے میں موصی کے مال کی ایک تہائی تک وصیت سنت مؤکدہ ہے،اس سے زیادہ ورثاء کی اجازت پر موقوف ہے،وارث کے حق میں وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا،سوائے اس کے کہ باقی ورثاء منظور کریں،موصی بالغ اور عاقل ہو، موصی لہ میں ملکیت کی اہلیت ہو۔فی سبیل اللہ بھی وصیت ہوسکتی ہے۔

موصی میں چھ صفات ہوں: اسلام، بلوغ،عقل،حریت،امانت،عدالت۔

وصیت کے سنت موکدہ قرار دینے کی نسبت اجماع ہے۔آیاتِ مواریث کے ساتھ چارمرتبہ یہ آیت نازل ہوئی: ''مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ '' (النساء:۱۱)

ابن ماجہ نے اس حدیث کی روایت کی ہے:

'' اَلْمَحْرُوْمُ مَنْ حَرُمَ الْوَصِيَّةَ (ابن ماجہ:الوصایا، باب الحث علی الوصیة ۲۷۰۰۔ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے)مَنْ مَاتَ عَلٰى وَصِيَّةٍ مَاتَ عَلٰى سَبِيْلٍ وَ سُنَّةٍ وَتُقًى وَشَهَادَةً وَمَاتَ مَغْفُوْرًا لَّهُ '' (ابن ماجہ:۲۹۷۱)وہ شخص ثواب سے محروم ہے جس نے وصیت سے غفلت کی۔ جو وصیت کر کے مرا تو سمجھنا چاہیے کہ وہ مرتے وقت ٹھیک راستہ پر، سنت پر اور پرہیز گاری پر تھا اور اللہ اوراس کے رسول کے احکام کی تصدیق میں شہادت دی اوراس کے گناہ بخشے گئے۔

زندگی میں صدقہ دینا وصیت سے افضل ہے۔ کارخیر میں مال ومتاع کے دینے کو صدقہ کہتے ہیں۔

وصیت کے احکام

حالات کے لحاظ سے وصیت کے پانچ احکام ہیں:

۱۔سنت مؤکدہ ہے جب وصیت خیرواحسان کے لیے کیا جائے۔

۲۔مباح ہے جب وصیت مالداروں کے حق میں کی جائے۔

۳۔مکروہ ہے جب کہ وصیت ایک تہائی سے زیادہ مال کی نسبت ہویا ورثاء کے حق میں ہو۔

۴۔حرام ہے جب وصیت اس شخص کے حق میں کی جائے جس کی نسبت علم ہے کہ ترکہ میں حق ملنے پر وہ ترکہ کو تباہ وتاراج کرے گا۔

۵۔واجب ہے جب وصیت ان حقوق کی ادائی کی نسبت ہو جو خود کے ذمہ ہیں اور جن کی نسبت کوئی شہادت نہیں ہے، اگر چہ کہ مرض موت کی حالت میں ہو۔

وصیت کے ارکان

وصیت کے ارکان چار ہیں: موصی، موصی لہ، موصی بہ اور صیغہ

موصی: وصیت کرنے والے کو کہتے ہیں، موصی کے لیے شرط ہے کہ بالغ، عاقل، مالک، مختار اور آزاد ہو۔ نابالغ، مجنون، غیر مالک، مجبور اور غلام کی وصیت جائز نہیں۔ کافر اور مرتد بھی وصیت کرسکتا ہے۔ لیکن مرتد اسلام کی طرف لوٹ آئے تو اس کی وصیت صحیح ہوگی اور ارتداد کی حالت میں مرجائے تو اس کی وصیت باطل ہوگی، اس لیے کہ مرتد کا ترکہ موقوف ہے۔

موصی لہ : اس شخص کو کہتے ہیں جس کے حق میں یا جس کے فائدہ کے لیے وصیت کی جائے۔ موصی لہ کے لیے شرط ہے کہ اگر معین ہو تو اس میں ملکیت کی اہلیت ہو۔ کسی میت یا جانور کے حق میں وصیت صحیح نہیں ہوگی۔ نابالغ، مجنون اور اس بچے کے حق میں وصیت ہوسکتی ہے جو رحمِ مادر میں ہو۔ موصی لہ مبہم نہ ہو اور معین ہو۔ موصی لہ اصالۃً یا ولایۃً

موصی کی موت کے بعد وصیت کو قبول کرے، نہ کہ اس سے پہلے۔ موصی لہ غیر معین بھی ہو سکتا ہے جب کہ وصیت جہت عامہ کے لیے ہو۔

فی سبیل اللہ یعنی اللہ کے راستہ میں صرف کرنے کے لیے وصیت کی جائے تو وصیت کا مال زکات کے غازیوں پر صرف کیا جاسکتا ہے۔ دیگر کار خیر یعنی فقراء کی اعانت اور مساجد کی تعمیر وترمیم کے لیے بھی وصیت کی جاسکتی ہے۔

جہت میں کسی تین اشخاص کو دینا کافی ہے، سب کو دینا واجب نہیں اور مساوات کی پابندی ہے۔

معصیت کا نہ پایا جانا شرط ہے۔

مسلم کافر کے حق میں وصیت نہیں کر سکتا۔

فضیلت

ایسے قریب کے رشتہ دار کے حق میں وصیت کرنا افضل ہے جو وارث نہ ہو اور ان میں بھی محرم رشتہ دار کو ترجیح حاصل ہے، ان کے بعد دودھ کے رشتہ دار کے حق میں وصیت کرے اور اس کے بعد ہمسایہ کے حق میں اور پھر اہل خیر کے حق میں جو محتاج ہیں وصیت کرنا افضل ہے۔

وارث کے لیے وصیت نہیں

وارث کے حق میں وصیت کا نفاذ نہ ہوگا، اگر چہ کہ ایک تہائی سے کم مال کی نسبت ہو۔ اگر وارث کے حق میں وصیت کی جائے تو اس کا نفاذ باقی ورثاء کی اجازت سے ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ تُجِيزَ الْوَرَثَةُ'' (السنن الکبری للبیھقی: باب نسخ الوصیۃ للوالدین ۱۲۹۱۷۔ یہ روایت ابن عباس اور عمرو بن خارجہ رضی اللہ عنہم سے ہے۔ یہی روایت دار قطنی میں عمرو بن شعیب عن أبیہ عن جدہ سے ہے: ۴۱۵۴) وارث کے حق میں وصیت نہیں سوائے اس کے کہ ورثاء اس کو جائز قرار دیں۔

وارث سے وہ شخص مراد ہے جو موصی کی موت کے وقت وراثت کا حق رکھتا ہو، نہ کہ

وصیت کے وقت۔ موصی نے بیٹے کی موجودگی میں بھائی کے حق میں وصیت کی اور موصی سے پہلے اس کا بیٹا مرگیا تو وصیت وارث کے حق میں مانی جائے گی۔

موصی کو بیٹا نہ تھا اور اس نے بھائی کے حق میں وصیت کی اور موصی کے مرنے سے پہلے اس کو بیٹا ہوگیا تو وصیت غیروارث کے حق میں مانی جائے گی۔

ورثاء کی اجازت بھی موصی کی موت کے بعد ہوگی۔ موصی اپنی زندگی میں وصیت سے رجوع کرسکتا ہے، لیکن ورثاء اجازت سے رجوع نہیں کرسکتے۔

مرض الموت کی حالت میں وارث پر کوئی جائیداد وقف بھی نہیں ہوسکتی اور نہ وارث کو اس کے قرضہ سے سبکدوش کیا جاسکتا ہے اور نہ کوئی جائیداد وارث کے حق میں ہبہ ہوسکتی ہے، جب تک کہ بقیہ ورثاء اجازت نہ دیں۔

ورثاء کی اجازت سے بچنے کے لیے یہ حیلہ تراشا جاسکتا ہے، زید کے حق میں ایک ہزار کی وصیت کرے اس شرط پر کہ وہ اس کے بیٹے پر پانچ سو کے ساتھ احسان کرے۔ زید اس کو قبول کرے تو زید پر لازم ہوگا کہ موصی کے بیٹے کو پانچ سو دے۔

کسی وارث کے حق میں اس کی وراثت کے حصہ کے مطابق وصیت کرنا باطل ہے، اس لیے کہ بغیر وصیت کے بھی وہ اس قدر حصہ میراث کے ذریعہ پاتا ہے۔

خاص ورثاء کی عدم موجودگی کی صورت میں عام مسلمانوں میں سے کسی ایک کے نام ثلث یا اس سے کم جائیداد کی وصیت کرے تو صحیح ہے۔ اس لیے کہ عامۃ المسلمین سے اجازت حاصل کرنا دشوار ہے اور امام کی اجازت بھی ضروری نہیں ہے۔

موصی بہ: وہ چیز جس کی نسبت وصیت کی جائے۔ موصی بہ کے لیے شرط ہے کہ مقصود بہ یعنی مطلوب ہو، منتقل ہوسکتی ہو اور مباح ہو، اس کا معلوم اور موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ مجہول اور معدوم کی نسبت بھی وصیت ہوسکتی ہے، درخت کے پھل کی نسبت جو ابھی ظاہر نہیں ہوا وصیت ہوسکتی ہے، بشرطیکہ موصی کی موت کے وقت وہ موصی کی ملکیت میں ہو۔

وصیت کے لیے اصل چیز کے اظہار کی ضرورت نہیں اور نہ اس کی نوع یا جنس یا

مقدار ظاہر کرنے کی ضرورت ہے۔ بہر حال وصیت کے لیے کسی چیز کے تعین کرنے اور مبہم چھوڑنے سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوتا، اصل چیز کے علاوہ صرف اس کی منفعت کی نسبت بھی وصیت ہوسکتی ہے۔ وقتی طور پر یا ہمیشہ کے لیے ایک شخص کے حق میں اصل چیز اور دوسرے شخص کے حق میں اس کی منفعت کے بارے میں وصیت ہوسکتی ہے۔

وصیت کی مقدار

وصیت کی مالیت ترکہ کی مالیت کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو بلکہ مستحب ہے کہ ایک تہائی سے کچھ کم ہو۔ حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ مکہ میں بیمار ہوئے تو نبی ﷺ عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ سعد نے سوال کیا کہ کیا میں اپنے پورے مال کی وصیت کرسکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ کیا دو تہائی مال کی؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ پھر کہا: نصف مال کی؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔ پھر کہا: ایک تہائی مال کی؟ تو آپ نے فرمایا: ’’اَلثُّلُثُ وَالثُّلُثُ كَثِيرٌ، إِنَّكَ أَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ‘‘ (مسلم: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث ۱۶۲۸۔ بخاری: کتاب الوصایا، باب أن یترک ورثتہ أغنیاء خیر من أن...... ۲۵۹۱) ایک تہائی کافی ہے، بلکہ ایک تہائی بھی زیادہ ہے، تم اپنے ورثاء کو مالدار چھوڑو اس سے بہتر ہے کہ فقیر چھوڑ دو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائیں۔ اس وقت سعد بن ابی وقاص کی ایک ہی بیٹی عائشہ تھیں۔ نبی ﷺ نے آخر میں فرمایا: شاید تم باقی رہو، چنانچہ اس واقعہ کے بعد سعد پچاس سال زندہ رہے اور ان کے جملہ دس بچے تھے۔

سعد رضی اللہ عنہ اسلام میں ثالث ثلاثہ (تین میں تیسرے) تھے۔ براءؓ انصار میں سے اور خزرجی اسلمی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ پہلے صحابی ہیں جنہوں نے ایک تہائی مال کی وصیت نبی ﷺ کے حق میں کی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کو قبول کیا اور براء کے ورثاء کو دے دیا۔ نبی ﷺ کے مدینہ پہنچنے سے ایک مہینہ قبل ماہ صفر میں براء نے وفات پائی۔

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى تَصَدَّقَ عَلَيْكُمْ عِنْدَ وَفَاتِكُمْ بِثُلُثِ أَمْوَالِكُمْ زِيَادَةً لَّكُمْ فِي أَعْمَالِكُمْ‘‘ (ابن ماجہ

نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: کتاب الوصایا، باب الوصیۃ بالثلث ۲۷۰۹) بے شک اللہ تعالیٰ نے صدقہ کیا یعنی اللہ نے تم پر فضل واحسان کیا کہ تمہاری موت کے وقت بھی تم کو تمہاری جائیداد میں ایک تہائی مال کی حد تک نیک کام میں خرچ کرنے کی اجازت دی، تا کہ تمہارے نیک اعمال میں زیادتی ہو۔

وصیت صحت کی حالت میں کرے یا بیماری میں؛ ایک تہائی تک محدود ہے۔ اگر کسی نے صحت میں ہبہ کیا اور مرضِ موت میں قبضہ دیا تو اس کا اثر ایک تہائی جائیداد تک محدود ہوگا، اس لیے کہ ہبہ کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے۔

قرض کی ادائی کے بعد جو مال باقی رہے اس میں سے ایک تہائی کی حد تک وصیت محدود ہے۔ اگر قرض کی مقدار اتنی ہو کہ پوری جائیداد اس میں ختم ہو جائے تو وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا۔ اصول یہ ہے کہ موصی لہ ایک تہائی مال پر اسی وقت قبضہ کر سکتا ہے جب کہ ورثاء دو تہائی پر قبضہ کریں۔

اگر کوئی شخص نقد چھوڑے اور کچھ قرضے دوسروں کے ذمہ ہو تو نقد مال کا ایک تہائی حصہ وصیت میں دیا جائے گا اور اس کے بعد جیسے جیسے قرضہ وصول ہوتا جائے گا اس کا ایک تہائی بھی دیا جائے گا۔

ایک تہائی مال کی تعمیل کے لیے ترکہ کی مالیت کا تعین موصی کی موت کے وقت مالیت کے اعتبار سے ہوگا، نہ کہ وصیت کے وقت کی مالیت کے لحاظ سے۔ فرض کیا جائے کہ وصیت کے وقت ترکہ کی مالیت چھ ہزار تھی اور اس کے بعد جائیداد کی مقدار یا مالیت بڑھتے بڑھتے موصی کے موت کے وقت بارہ ہزار ہوگئی تو بارہ ہزار کے ایک ثلث یعنی چار ہزار کا نفاذ ہوگا۔

ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت

اعتماد اس پر ہے کہ ثلث سے زیادہ مال کی وصیت کرنا مکروہ تنزیہی ہے۔ اگر ورثاء اجازت دیں تو زیادہ کی وصیت نافذ ہو سکتی ہے اور اگر اجازت نہ دیں تو اس زائد کی حد تک وصیت کا نفاذ نہیں ہوگا۔

اگر بعض ورثاء اجازت دیں اور بعض اجازت نہ دیں تو ہر ایک وارث کے لحاظ سے حکم عائد ہوگا۔ ورثاء کی اجازت کا اعتبار موصی کے مرنے کے بعد ہوگا، اس لیے کہ موصی کی زندگی میں ورثاء کو کوئی حق ہی نہیں ہے۔

اگر میت کا ترکہ عامۃ المسلمین کو پہنچتا ہو تو کسی ایک مسلم کے حق میں ایک ثلث کی حد تک وصیت ہوسکتی ہے اور اس سے زائد کی نسبت باطل ہوگی۔

وہی ورثاء اجازت کے مجاز ہوں گے جن کو تصرف کا بالکلیہ اختیار حاصل ہے، نابالغ، بے ہوش، مجنون اس شرط کی وجہ سے خارج ہوجاتے ہیں۔ یہ لوگ اجازت دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، اس لیے ان کی اجازت صحیح نہیں ہے۔

متعدد اشخاص کے حق میں وصیت

متعدد اشخاص کے حق میں وصیت کرے اور ان کے درمیان ترتیب بھی مقرر کرے تو ان اشخاص کو یکے بعد دیگرے حسبِ وصیت مال دیا جائے گا جب تک کہ ثلث کی مقدار پوری ہوجائے۔ ثلث کی مقدار پوری ہونے کے بعد کوئی شخص باقی رہے تو اس کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر متعدد اشخاص کے درمیان کوئی ترتیب نہ ہو اور مجموعی مقدار ثلث سے زیادہ ہوجائے تو ان سب کو افراد کے لحاظ سے اسی طرح مال ملے گا جس طرح قرضوں کے تصفیہ میں عمل کیا جاتا ہے، جب کہ مال کم ہو اور قرض کی مقدار زیادہ ہو۔

صیغہ

وصیت کی عبارت اور الفاظ کو صیغہ کہتے ہیں۔ صیغہ کے لیے شرط ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن سے وصیت کا مقصد صریحاً یا کنایۃً ظاہر ہوسکے اور بمنزلہ ایجاب ہو، صریح کی مثال یہ ہے: میں نے اس کے لیے وصیت کی۔ وصیت کا لفظ کہنے کے بعد موت کے بعد کے الفاظ کا کہنا لازم نہیں ہے۔ اس کو فلاں چیز میرے مرنے کے بعد دو یا فلاں چیز میرے بعد اس کی ہے۔ ایسے فقرے کی ضرورت ہے جس سے موت کے بعد یا وصیت کے

معنی کا اظہار ہوسکے۔

کنایۃً کہنے کی صورت میں نیت شرط ہے۔ میرے مال میں سے فلاں چیز اس کی ہے، لیکن صرف اس قدر کہنا کافی نہیں ہے کہ فلاں چیز اس کی ہے۔ یہ الفاظ صرف اقرار پر دلالت کرتے ہیں۔

قبول: موصی کے الفاظ ایجاب ہیں اور ان کے جواب میں موصی لہ کی جانب سے رضامندی کے اظہار کے لیے جو الفاظ کہے جائیں، اس کو قبول کہتے ہیں۔ اگر موصی لہ متعین ہو تو موصی کی موت کے بعد موصی لہ کی جانب سے قبول کرنے کی ضرورت ہے، مگر فوری کی شرط نہیں ہے اور نہ ایجاب وقبول کے الفاظ میں مطابقت کی ضرورت ہے۔

موصی کے مرنے سے قبل قبول کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ موصی اپنی زندگی میں وصیت سے ہر وقت رجوع کرسکتا ہے۔

اگر موصی لہ متعین نہ ہو تو قبول کی شرط نہیں ہے، جیسا کہ فقراء کے حق میں وصیت، اس لیے کہ ایک جماعت کی جانب سے رضامندی کا اظہار دشوار ہے۔ اگر وصیت غلام کو آزاد کرنے کی نسبت ہو تو بھی قبول کی شرط نہیں ہے۔

وصیت سے رجوع

پوری وصیت سے یا وصیت کے کسی جزء سے موصی ان الفاظ میں رجوع کرسکتا ہے: میں نے وصیت کو باطل کیا یا وصیت سے رجوع کیا، یا یہ کہ جس چیز کی نسبت وصیت کی تھی اسی کی طرف اشارہ کرکے کہے کہ یہ میرے ورثاء کے لیے ہے یا اس چیز کو بیچ دیا جائے یا رہن میں رکھا جائے۔ بہر حال رجوع کے لیے ہر ایسا فعل اور قول کافی ہے جس سے معناً یا ضمناً رجوع کا اظہار ہوسکے۔

ایصاء

ایصاء کے معنی وصل کرنے اور ملانے کے ہیں اور وصیت اور ایصاء دونوں الفاظ مترادف ہیں۔ شرع میں ایصاء سے ایسا عمل مراد ہے جس کی رو سے اپنی موت کے بعد وصی

کو جائداد میں تصرف کا اختیار اس غرض سے دیا جائے کہ بچوں کی پرورش اور نگرانی کرے، امانتیں لوٹائے، قرضے ادا کرے اور اپنے قرضے وصول کرے، لیکن اس میں کوئی معاملہ تبرع، نیکی اور احسان کا شامل نہیں ہے۔

ایصاء مسنون ہے

ایصاء بھی مسنون ہے، اگر کسی حق کے ادا کرنے سے قاصر ہو، اور اس حق کی تصدیق کے لیے کوئی گواہی نہ ہو تو اس کے بارے میں وصیت کرنا واجب ہے، اس لیے کہ ایسے حق کی نسبت وصیت نہ کرنے سے اس حق کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

ایصاء کے ارکان

ارکانِ ایصاء چار ہیں: موصی، وصی، موصی فیہ اور صیغہ۔

موصی: وصیت کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ بالغ، عاقل، مالک، مختار اور آزاد ہو، نابالغ، مجنون، مجبور یا غلام نہ ہو۔ جب چاہے موصی وصیت سے رجوع کر سکتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک جائز معاہدہ ہے۔

وصی: وہ شخص ہے جس کو وصیت کی تعمیل کے لیے مقرر کیا جائے۔ وصی پہلی قسم کے موصی لہ کی جگہ ہے۔ وصی کے تقرر کے لیے یہ الفاظ کہے جا سکتے ہیں: میں نے فلاں کی طرف وصیت کی یا میں نے اس کو وصی مقرر کیا۔

وصی کے لیے شرطیں

وصی کے لیے سات شرائط ہیں:

۱۔ اسلام، اسلام کی شرط مسلم کے بارے میں ہے۔ کافر کو مسلم پر وصی مقرر نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن کافر کو کافر پر وصی مقرر کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ بلوغ، نابالغ کو وصی نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ عقل، مجنون وصی نہیں ہو سکتا۔

۴۔آزادی،غلام جو دوسرے کے تابع ہے وصی نہیں ہوسکتا۔

۵۔امانت بمنزلہ عدالت،فاسق کو وصی نہیں مقرر کیا جاتا۔عدالت کی صفت سے ایسا شخص مراد ہے جس کی شہادت قبول کی جائے۔

۶۔وصیت پر عمل کرنے کی صلاحیت،کبرسنی اور پیرانہ سالی وصی مقرر کرنے میں مانع ہے۔

۷۔کوئی دشمنی نہ ہو: وصیت کی تعمیل کا تعلق جن اشخاص سے ہو ان سے وصی کو کوئی دشمنی نہ ہو۔

وہ اشخاص جن میں ان صفات کی ضد صفات پائی جائیں وصی نہیں بنائے جاسکتے۔ موصی کی موت کے وقت وصی میں ان صفات کے پائے جانے کی ضرورت ہے، نہ کہ اس سے پہلے۔وصیت کے وقت وصی میں یہ صفات نہ پائی جائیں اور موصی کے مرنے تک یہ صفات وصی میں پیدا ہو جائیں تو کافی ہے۔

اگر یہ شرائط بچے کی ماں میں موجود ہوں تو اس کو دیگر اشخاص پر ترجیح ہے،اس لیے کہ ماں کی فطرت میں داخل ہے کہ اپنی اولاد پر شفقت اور محبت کرے۔یہاں تک کہ اصطخری کا قول ہے کہ ماں کا عقد ثانی بھی ماں کے اس حق کو باطل نہیں کرتا،سوائے اس کے کہ موصی نے ایسی قید لگائی ہو،اس سے ظاہر ہے کہ انوثت وصایت میں مانع نہیں ہے۔سنن ابی داؤد میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت حفصہ کی طرف وصیت کی تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجاتِ مطہرات میں سے تھیں۔(ابوداود: کتاب الجہاد ۲۸۷۹۔باب ماجاء فی الرجل یوقف الوقف۔یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

جب چاہے وصی بھی وصیت کے قبول سے رجوع کرسکتا ہے۔

موصی فیہ: وصیت کی ہوئی چیز ہے جس کو پہلی قسم میں موصی بہ کہا گیا ہے۔

موصی فیہ میں ایسے تصرف کی شرط ہے جس کو تصرفِ مالی کہا جائے اور وہ تصرفِ مالی مباح ہو، بیٹے یا بیٹی کا نکاح کر دینے کے لیے وصیت صحیح نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ یہ تصرف مالی نہیں ہے۔وصی باپ یا دادا نہ ہو تو نابالغ لڑکے یا لڑکی کا عقد نہیں کرواسکتا۔یہ بھی شرط

ہے کہ کارِ معصیت یعنی تعمیرِ کنیسہ یا بت تراشی کے لیے نہ ہو، اس لیے کہ ایصاء میں اللہ سے تقرب کی غرض شامل ہے جو معصیت کے منافی ہے۔

صیغہ: ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جس سے ایصاء کا مطلب ظاہر ہو اور بمنزلۂ ایجاب ہو جیسا کہ کہے: میں نے تجھ کو وصیت کی یا تجھ کو میں نے وصی مقرر کیا اور اس کے ساتھ ان امور کی صراحت کرے جس کے بارے میں وصیت کرے، اگر صرف اتنا کہے کہ میں نے تیری طرف وصیت کی اور خاموش رہے تو وصیت لغو ہو جائے گی۔

وصی وصیت کو موصی کی موت کے بعد جب چاہے قبول کر سکتا ہے جیسا کہ مال کی وصیت کی صورت میں ہے۔ وصیت موقت اور معلق بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ کہے: میں تجھ کو وصیت کرتا ہوں میرے بیٹے کے بالغ ہونے تک یا زید کے آنے تک۔ جب بیٹا بالغ ہو گیا یا زید واپس آ گیا تو وہ وصی ہو گا۔ اگر یوں کہے کہ میں نے اللہ تعالی کی طرف وصیت کی اور فلاں کی طرف تو اللہ تعالی کے نام کا ذکر تبرکاً مانا جائے گا۔ ابن مسعودؓ نے وصیت میں لکھا تھا: میری وصیت اللہ تعالی کی طرف اور زبیرؓ اور ان کے بیٹے عبداللہؓ کی طرف۔ زبیرؓ سات صحابہ کی طرف سے وصی مقرر کیے گئے تھے اور آپ کا عمل یہ تھا کہ آپ اپنے مال سے ان سب کی اولاد کی پرورش کرتے اور ان کے مال کی حفاظت کرتے تھے۔

نکاح

(احکام، صفاتِ زوجین، نظر، ارکانِ نکاح، پیام، اجبار، محرمات
عیوب کی وجہ سے خیار، مہر، ولیمہ، خلع، طلاق، رجعت)

نکاح کے لغوی اور شرعی معنی

نکاح کے معنی ضم کرنے اور ملانے کے ہیں اور شرع میں ایسے عقد اور معاہدہ کو نکاح کہتے ہیں جس کے انعقاد سے جماع مباح ہوتا ہے۔ عقد کے معنی معاہدہ کے اور وطی کے معنی مجامعت کے ہیں۔ عربی زبان میں نکاح کا لفظ عقد اور جماع دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

نکاح کے شرعی معنی میں تین وجوہات ہیں:

نکاح کا لفظ عقد اور جماع دونوں پر حقیقت میں دلالت کرتا ہے یا عقد پر حقیقت میں اور جماع پر مجازاً دلالت کرتا ہے یا اس کے برعکس یعنی جماع پر حقیقت میں اور عقد پر مجازاً دلالت کرتا ہے۔

حنفیہ تیسری وجہ کی تائید کرتے ہیں اور شافعیہ دوسری وجہ کی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ﴾ (البقرة: ۲۳۰) (یہاں تک کہ عورت دوسرے شوہر سے عقد کرے) میں شافعیہ عقد مراد لیتے ہیں اور جماع کے معنی کا استفادہ اس حدیث سے کرتے ہیں: ''حَتّٰى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ'' (بخاری: الشهادات، باب شهادة المختبی ۲۴۹۶۔ مسلم: النکاح، باب لاتحل المطلقة ثلاثا لمطلقها حتی تنکح ۱۴۳۳۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) (یہاں تک کہ تم (عورت) اس دوسرے شوہر سے لذت حاصل کرو اور دوسرا شوہر تجھ سے لطف اندوز ہو)

عقد کے معنی قرآن سے، جماع کے معنی حدیث سے مستنبط ہوتے ہیں۔ یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ آیت میں نکاح سے جماع کے معنی مجازاً لیے گئے ہیں۔

عرب عموماً ہر میٹھی چیز کو عسل کہتے ہیں اور عسل کے معنی شہد کے ہیں اور جماع کی لذت کے لحاظ سے اس کو عسل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نصِ قرآن یہ ہے کہ طلاق بائن دینے کے بعد عورت پہلے شوہر کی زوجیت میں داخل نہیں ہوسکتی جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور نصِ حدیث یہ ہے کہ عورت اس نئے شوہر کی ہم بستری سے لطف اندوز ہو اور نیا شوہر اس عورت سے لطف حاصل کرے، یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کرنے میں جماع کا عمل میں آنا بھی شرط ہے۔ اس کی تفصیل طلاق کے بیان میں درج ہوگی، یہاں صرف لفظ نکاح کے معنی اور مفہوم سے بحث ہے۔

نکاح کا رواج

نکاح کا رواج قدیم شریعتوں سے چلا آرہا ہے، آدم علیہ السلام کے زمانہ سے جاری ہے اور جنت میں بھی جاری رہے گا۔ نکاح سے دنیا میں یہ مقصد ہے کہ نسل کی حفاظت ہوسکے اور منی کے روکنے کے نقصان سے محفوظ رہے اور لذت و تمتع حاصل کرے۔

یہ ضرورت جنت میں بھی باقی رہے گی، البتہ اولاد نہیں ہوگی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ أَنفُسُكُمْ﴾ (حم سجدۃ:۳۱) جنت میں سب تمہاری خواہشات پوری ہوں گی۔

وہ خواہشات بھی پوری ہوں گی جو دنیا میں ممنوع اور حرام تھیں جیسا کہ مرد کے لیے حریر اور ریشم کا استعمال، شراب کا استعمال اور ایک ہی وقت میں دو بہنوں کے ساتھ شادی۔

نکاح کی نسبت کلام مجید میں حکم ہے اور احادیث میں اس کی صراحت ہے اور ائمہ اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے۔

نکاح سے متعلق آیات

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء:۳)

عورتوں میں سے جوتم کو پسند آئیں ان سے نکاح کرو۔

﴿وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ﴾ (النور:٣٢) اورتم میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کراؤ۔

اَیامیٰ اَیّم کی جمع ہے اور اَیم ایسی عورت کو کہتے ہیں جس کا خاوند نہ ہو، خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ۔

احادیث نبویہ

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: (تَنَاكَحُوْا تُكْثِرُوْا فَإِنِّيْ أُبَاهِيْ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) (مصنف عبدالرزاق: باب وجوب النکاح وفضلہ ١٠٣٩١، انھوں نے سعید بن ابی ہلال سے یہ روایت کی ہے۔) نکاح کرو اور تعداد کو بڑھاؤ، میں بے شک قیامت کے روز تمہاری کثرت کی وجہ سے دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔

(مَنْ أَحَبَّ فِطْرَتِيْ فَلْيَسْتَنَّ بِسُنَّتِيْ وَمِنْ سُنَّتِيْ اَلنِّكَاحُ) (مسند ابی یعلی میں یہ روایت عبید بن سعید سے ہے جس کے تمام راوی ثقہ ہیں: مسند ابن عباس ٢٧٤٨۔ السنن الکبری للبیهقی: ١٣٨٣٣) جو شخص میری فطرت کو عزیز رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ میری سنت کو اختیار کرے اور میری سنت نکاح ہے۔

فطرت سے مراد خلقت ہے یا فطرت سے مراد دین ہے۔ ایک روایت میں اس کا اضافہ ہے: (فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ) (مسلم: کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسہ إلیہ ١٤٠١۔ یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے ہے) جس نے میری سنت سے انحراف کیا اس کا تعلق مجھ سے نہیں ہے۔

دوسری روایت ہے (فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَمَاتَ قَبْلَ أَن يَّتَزَوَّجَ صَرَفَتِ الْمَلَائِكَةُ وَجْهَهُ عَنْ حَوْضِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) (یہ روایت نہیں ملی) جس نے میری سنت سے انحراف کیا اور نکاح کرنے سے پہلے مرگیا تو فرشتے اس کو میرے حوض کوثر سے قیامت کے دن لوٹا دیں گے۔

(مَنْ تَرَكَ التَّزْوِيْجَ مَخَافَةَ الْعَالَةِ فَلَيْسَ مِنِّيْ) (تنقیح القول الحثیث فی شرح لباب الحدیث ١/ ١١١۔ باب فی فضیلۃ النکاح) جس نے افلاس کے ڈر سے نکاح ترک کیا وہ

میسر نہیں ہے۔

(مَا اسْتَفَادَ الْمَرْءُ بَعْدَ تَقْوَى اللّٰهِ خَيْرًا مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ إِنْ نَظَرَ إِلَيْهَا سَرَّتْهُ وَإِنْ أَقْسَمَ عَلَيْهَا أَبَرَّتْهُ، وَإِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ بِنَفْسِهَا وَمَا لِهَا) (ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب أفضل النساء ۱۸۵۷۔ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے) اللہ تعالی کی عبادت اور پرہیز گاری کے بعد آدمی جو بہتر فائدہ حاصل کرسکتا ہے وہ نیک بیوی ہے، جب اس کی طرف نظر کرے تو اس کو خوش کرے، اگر اس پر قسم کھائے تو وہ شوہر کی قسم پوری کرے، اور جب اس سے غائب ہو تو اپنی جان اور مال میں خیر خواہی کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد سے کہا: أَلَكَ زَوْجَةٌ ؟ کیا تمہاری بیوی ہے؟ قَالَ: لَا ۔ جواب دیا: نہیں۔ قَالَ وَأَنْتَ صَحِيحٌ وَسِيمٌ ۔ فرمایا: تم تندرست ہو اور تم میں کوئی علت تو نہیں۔ قال نعم۔ کہا: ہاں۔ قَالَ إِنَّكَ إِذًا مِنْ إِخْوَانِ الشَّيَاطِينِ إِنَّ أَشْرَارَكُمْ عُزَّابُكُمْ ۔ فرمایا: تم شیاطین کے بھائیوں میں سے ہو، مجرد لوگ برے ہیں۔ (اس معنی کی روایت مسند احمد میں ابوذر رضی اللہ عنہ سے ہے: ۲۱۴۸۸۔ اس شخص کا نام عکاف بن بشر تمیمی ہے)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''لَوْ لَمْ يَبْقَ مِنْ عُمْرِیْ إِلَّا عَشَرَةُ أَيَّامٍ أَحْبَبْتُ أَنْ أَتَزَوَّجَ حَتّٰى لَا أَلْقَى اللّٰهَ عَزْبًا ''۔ (السنن الکبری للبیھقی میں ہے کہ شافعی نے فرمایا: ''وبلغنی أن معاذ بن جبل قال فی مرضه الذی مات فيه: زوجونی، لا ألقى الله وأنا أعزب ''۔ باب نکاح المریض ۱۲۹۹۱) عزب تجرد کی حالت کو کہتے ہیں اور اس قول کے معنی یہ ہیں کہ اگر میری عمر کے صرف دس روز باقی ہوں تو میں نکاح کرنا چاہوں گا تاکہ اللہ تعالی کے پاس تنہا نہ جاؤں۔

امام احمد نے اپنی بیوی کے انتقال کے بعد دوسرے ہی روز نکاح کیا اور فرمایا: أَكْرَهُ أَنْ أَبِيْتَ عَزْبًا۔ میں پسند نہیں کرتا کہ ایک رات بھی تنہا گزاروں۔

نکاح کے احکام

نکاح اس شخص کے لیے مستحب ہے جس کو نکاح کی حاجت ہو۔ ہر وہ فعل جس پر عمل کرنے میں طاعت ہو مستحب ہے اور جس میں طاعت نہ ہو وہ صرف مباح ہے۔ اگر نکاح

سے صرف لذت حاصل کرنا اور خواہش نفسانی کا پورا کرنا مقصود ہوتو مباح ہے اور اگر نکاح سے عفت قائم رکھنا یا اولاد حاصل کرنا مقصود ہوتو مستحب ہے۔ اصل یہ ہے کہ نکاح مباح ہے اور استحباب عارضی ہے۔

نکاح کی حاجت سے یہ مراد ہے کہ جماع کی خواہش اور مہر ونفقہ کی استطاعت رکھتا ہو۔ نفقہ میں لباس اور سکونت بھی داخل ہے۔ حاجت نہ ہونے میں دائمی علت داخل ہے، نہ کہ عارضی۔ عنین ہونے (یعنی مردانگی نہ رہنے یا اگلی شرمگاہ کے نہ پائے جانے) کی صورت میں اور پیرانہ سالی کی حالت میں نکاح مکروہ ہے۔ مہر سے مہرِ حال یعنی مہرِ موجل مراد ہے اور نفقہ سے نکاح کے دن اور رات کا نفقہ اور لباس سے زمانہ تمکین کا لباس مراد ہے۔ تمکین اس مدت کو کہتے ہیں جب کہ بیوی شوہر کے قابو میں ہو۔ امام ابوحنیفہ نے نکاح کو نوافل عبادت پر مقدم کیا ہے۔

نکاح اس شخص کے لیے مستحب ہے جو جماع کی خواہش اور قوت اور مہر ونفقہ کی استطاعت رکھتا ہو، دار الحرب میں ہوتو نکاح کے شرائط کے پائے جانے کے باوجود نکاح مستحب نہیں ہے، اس لیے کہ اولاد کے کفر اور غلام بنائے جانے کا خوف رہتا ہے۔

نکاح اس وقت مکروہ ہے جب کہ خواہش اور استطاعت دونوں نہ ہوں۔

نکاح اس وقت خلاف اولی ہے جب کہ خواہش اور قوت موجود ہو مگر استطاعت نہ ہو۔

نکاح اس وقت اولی ہے جب کہ استطاعت ہو اور عبادت میں مخل نہ ہو۔

نکاح اس وقت واجب ہے اگر استطاعت ہو اور گناہ کے ارتکاب کا خوف کرے۔

نکاح اس وقت مباح ہے جب کہ صرف شہوت کو پورا کرے۔

نکاح اس وقت حرام ہے جب کہ حقوقِ زوجیت پورا نہ کر سکے۔

عورت :ابن حجر کا قول ہے کہ عورت کے حق میں اس وقت نکاح حرام ہے جس کو خواہش اور شوق نہ ہو اور جانتی ہو کہ شوہر کے واجبی حقوق کو پورا نہ کرے گی۔ شوہر کے حقوق کی مثال یہ ہے کہ شوہر عورت سے خواہش کرے کہ زیب وزینت کرے، آراستہ و پیراستہ ہو، خوشبو لگائے۔

عورت کے لیے نکاح مسنون ہے جب کہ اس کو خواہش اور شوق ہو اور نفقہ کی

ضرورت مند ہو اور ناہنجار مردوں کے تعاقب کا خوف کرے۔

اگر عورت کو گمان غالب ہو کہ لوگ اس کے تعاقب سے اس وقت تک باز نہ آئیں گے جب تک کہ وہ نکاح نہ کرے تو عورت کے لیے نکاح کرنا واجب ہے۔ وجوب اس طرح کہ اپنے ولی سے درخواست کرے کہ نکاح کروا دے یا حاکم سے رجوع ہو۔

قطع شہوت

جماع کی خواہش رکھے اور استطاعت نہ ہو تو نکاح مستحب نہیں ہے، بلکہ شرح مسلم میں لکھا ہے کہ ایسی حالت میں نکاح مکروہ ہے، روزہ رکھ کر شہوت کو فرو کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ آغاز میں روزہ عارضی طور پر تحریک پیدا کرے اور شہوت میں اضافہ کرے مگر جب مداومت کی جائے گی تو روزہ تسکین دیتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''**يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْسَنُ لِلْفَرْجِ وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ**'' (بخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح۔ مسلم: النکاح، باب النکاح لمن تاقت نفسہ إلیہ ۱۴۰۰۔ یہ روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہے) اے نوجوانوں کا گروہ! تم میں سے جس میں قوتِ باہ ہو اس کو چاہیے کہ نکاح کرے یعنی اس کے لیے نکاح مندوب ہے، اس لیے کہ نکاح نظر کو نیچی کرتا ہے اور شرمگاہ کی حفاظت کرتا ہے اور جس کو استطاعت نہ ہو تو چاہیے کہ روزہ رکھے، اس لیے کہ روزہ قاطع شہوت ہے۔

اگر روزہ شہوت کو کمزور نہ کرے تو کافور وغیرہ جیسی ادویہ کے استعمال سے شہوت کو توڑے بلکہ نکاح کرے اور خدا پر بھروسہ کرے۔ اس شخص کو اللہ تعالی ضرور رزق دے گا جو عفت کو قائم رکھنے کی نیت سے حلقہ زوجیت میں داخل ہوگا۔

ادویہ کا استعمال مکروہ ہے اگر صرف شہوت میں ضعف پیدا کرے، ورنہ ایسی ادویہ کا استعمال حرام ہے جو شہوت کو جڑ سے توڑ دے۔ اسی طرح عورت کے لیے مکروہ ہے کہ کسی چیز کو حمل روکنے کی غرض سے استعمال کرے، مگر ایسی چیز کا استعمال حرام ہے جو حمل کی صلاحیت ختم کر دے۔

اسقاطِ حمل

رحم میں نطفہ قرار پانے کے بعد اس کے اسقاط کی نسبت اختلاف ہے۔ نطفہ اور علقہ (مضغہ) کا اسقاط جائز ہے، یہ قول امام ابوحنیفہ سے منقول ہے۔ احیاء میں اس کو حرام بتایا گیا ہے اور یہی بہتر وجہ ہے، اس لیے کہ نطفہ قرار پاتے ہی خلقت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ ابن حجر کا قول ہے اور اعتماد اسی پر ہے کہ روح پھونکے جانے کے بعد اسقاط حرام ہے۔

حکماء یونان میں سے ارسطو (۳۸۴۔۳۲۲ قبل مسیح) کہتا ہے کہ ولادت کے بعد بچوں کو ہلاک کرنے کے مذموم طریقہ کو بند کر کے حمل کے اسقاط کو رائج کرنا چاہیے۔ اسقاط کا ارادہ جنین میں جان پڑنے سے پہلے کیا جائے۔

بیوی کی صفات

نکاح کے لیے عورت کا انتخاب کرتے وقت مندرجہ ذیل امور کی رعایت رکھے۔

باکرہ: مستحب ہے کہ عورت باکرہ ہو، سوائے اس کے کہ مرد میں کمزوری کا عذر ہو اور وہ پردہ بکارت کا ازالہ نہ کر سکے۔ حدیث میں ہے: ''عَلَيْكُمْ بِالْأَبْكَارِ فَإِنَّهُنَّ أَعْذَبُ أَفْوَاهًا وَأَنْتَقُ أَرْحَامًا وَأَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ'' (ابن ماجہ: النکاح، باب تزویج الأبکار ۱۸۶۰) باکرہ سے نکاح کرو، ان کا منھ زیادہ شیریں ہے، ان کے رحم میں اولاد کی زیادہ صلاحیت ہے اور تھوڑے پر زیادہ راضی رہتی ہے۔

مطلقہ نہ ہو، شاید کہ طلاق دینے والے کو اس کی طرف رغبت ہو یا مطلقہ بعض صفات میں اپنے سابقہ شوہر کو یاد کرے اور ناخوش رہے۔ عورت پہلے شوہر سے محبت اور شغف رکھتی ہے اور اس کو بھولنا دشوار ہوتا ہے اور یہی حال مرد کا بھی ہے:

نَقِّلْ فُؤَادَكَ حَيْثُ شِئْتَ مِنَ الْهَوٰى
مَـــا الْــحُبُّ إِلَّا لِلْحَبِيْبِ الْأَوَّلِ

تم اپنے دل میں خواہشات کو جیسے چاہے بدلتے رہو۔ مگر یاد رکھو سچی محبت محبوب اول ہی کے ساتھ ہے۔

كَمْ مَنْزِلٍ فِيْ الْأَرْضِ يَأْلَفُهُ الْفَتٰى
وَحَنِيْنُهُ أَبَدًا لِأَوَّلِ مَنْزِلِ

دنیا میں انسان بہت سی منزلوں میں رہتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے لیکن وہ ہمیشہ اپنی پہلی منزل کو شوق وحسرت سے یاد کرتا ہے۔

اس عام اصول سے اس وقت تجاوز کرے جب کہ ضرورت ہو جیسا کہ متعلقین کی پرورش و پرداخت وغیرہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا: ''هَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ'' (بخاری: باب تستحد المغیبۃ وتمتشط الشعثۃ ۵۲۴۷۔ مسلم: باب استحباب النکاح ذات الدین ۳۷۰۹۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) شرم کی بات ہے، کیا باکرہ نہیں ملی جس سے تم دل بہلاؤ اور وہ تم سے دل بہلائے۔ جابرؓ نے بطور عذر عرض کیا کہ میرا باپ احد کی جنگ میں مارا گیا اور اس نے نو بیٹیاں چھوڑی ہیں، میں پسند نہیں کرتا کہ ان کے ساتھ ان کی جیسی ہی ایک اور نا تجربہ کار عورت کو ملا دوں، میں چاہتا ہوں کہ عورت اس قابل ہو کہ انھیں کنگھی کرے اور ان کی دیکھ بھال کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ''أَصَبْتَ'' تم ٹھیک کہتے ہو۔
(بخاری: النکاح، باب تزویج الثیبات۔ مسلم: الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین)

دیّنہ یعنی مذہبی ہو اور لاپرواہ یا ناہنجار نہ ہو۔

خوبصورت ہو، عام رائے میں شوہر کی مرضی کے مطابق ہو۔ صحیحین کی روایت میں ہے: ''تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ؛ لِمَالِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِدِيْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ'' (بخاری: النکاح، باب الأکفاء فی الدین ۴۸۰۲۔ مسلم: الرضاع، باب استحباب نکاح ذات الدین ۱۴۲۱) نکاح کرتے وقت عورت میں چار باتیں دیکھی جاتی ہیں: مال، جمال، حسب اور دین، پس حاصل کرو تم دین والی کو۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں۔

اگر تم ایسا نہ کرو تو فقیر ہوں گے اور اگر ایسا کرو تو مستغنی ہوں گے۔ یعنی یہ عام طریقہ ہے کہ لوگ ان صفات کا لحاظ کرتے ہیں۔ یہ مقصود نہیں ہے کہ ان امور میں استحباب بھی ہے۔ عورت کے جمال کی نسبت اصمعی کا قول ہے کہ حسن آنکھوں میں، جمال ناک اور

رخسار میں اور ملاحت ہونٹوں میں ہے اور حسن و جمال اور ملاحت میں یہی فرق ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ سے فرمایا: **لَا تَتَزَوَّجْ خَمْسًا : شَهْبَرَةً** ، بڑی عمر والی **لَهْبَرَةً** ، لمبی دبلی، **كَهْبَرَةً** بوڑھی اور چالاک **هَنْدَرَةً** پست قد اور تیز۔ **لَفُوْتًا** دوسرے سے اولاد رکھنے والی۔ (اس طرح کی کوئی روایت نہیں ملی)

بعض عربوں کا قول ہے کہ عورت نہ ہو: **أَنَّانَةٌ** دائم المریض اور شاکی، **حَنَّانَةٌ** ہر وقت ایک دوسرے شوہر کی خواہش کرنے والی، **حَدَّاقَةٌ** تیز نظر والی جو شوہر پر فرمائشات کی بھرمار کر دے۔ **بَرَّاقَةٌ** جو بناؤ سنگار پر پورا وقت صرف کرے یا کھانے پینے کی چیزوں میں چڑ چڑا پن کرے، **شَدَّاقَةٌ** بکواسی۔

مرد کو چاہیے کہ اپنے سے زیادہ رتبہ، نسب، مال اور وجاہت والی اور اپنے سے زیادہ عمر والی سے نکاح نہ کرے۔

اولی یہ ہے کہ رتبہ میں اپنی جیسی عورت سے نکاح کرے، بلکہ کسی قدر کم ہوتا کہ اس کی نظر میں اس کی قدر و منزلت رہے اور شوہر کے گھر میں زندگی کو پسند کرے۔

بعض نے کہا ہے کہ عورت مرد سے چار باتوں میں کم رہے تو بہتر ہے: عمر میں، قد میں، مال میں اور حسب میں۔ اور چار باتوں میں بڑھیا رہے: جمال میں، ادب میں، اخلاق میں اور پرہیزگاری میں۔

غیر معمولی حسین نہ ہو، کیوں کہ اپنے حسن میں اکڑتی رہے گی، اور ممکن ہے کہ لوگ اس کو گھورا کریں گے۔ امام احمد کا قول ہے: ''**مَا سَلِمَتْ ذَاتُ جَمَالٍ قَطُّ**''۔ لوگوں کی زبان کے زخم سے حسین عورت کبھی محفوظ نہ رہی۔

ولود یعنی اولاد پیدا کرنے کی قابلیت رکھتی ہو، اس بارے میں رائے قائم کرنے کے لیے اس کے رشتہ داروں پر قیاس کیا جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''**سَوْآءُ وَلُوْدٌ خَيْرٌ مِنْ حَسْنَاءَ عَقِيْمٍ**'' (غریب الحدیث لابن الجوزی: ۱/ ۵۰۶۔ غریب الحدیث لابن سلام: ۱/۱۵۳) بدصورت بچے جننے والی خوبصورت بانجھ عورت سے بہتر ہے۔

ودود یعنی محبت کرنے والی ہو۔ حدیث میں ہے: ''تَزَوَّجُوا الْوَلُوْدَ الْوَدُوْدَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ'' (احمد، ابن حبان۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے: مستدرک حاکم: النکاح، باب تزوجوا الودود الولود ۲/۱۶۲) تم بچے جننے والی اور محبت کرنے والی عورت سے نکاح کرو، بے شک میں تمھارے ذریعہ دوسری امتوں پر قیامت کے دن فخر کروں گا۔

نسب اچھا ہو: زنا کی اولاد یا فاسق فاجر کی اولاد نہ ہو۔ ایسی نہ ہو کہ اس کے باپ کا علم نہ ہو۔ حدیث میں ہے: ''إِيَّاكُمْ وَخَضْرَاءَ الدِّمَنِ'' (أمثال الحدیث: باب الکنایۃ ۱۴۱ ۸ ص ۱/۱۲۱۔ یہ روایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ہے) اس عورت سے بچے رہو جو تروتازہ ہو مگر اس کی اصل ردی ہو۔

''دمن'' کوڑے کرکٹ کو کہتے ہیں، کوڑے کرکٹ پر اگا ہوا پودا ہرا بھرا اور دوسرے پودوں سے زیادہ شاداب ہوتا ہے۔

حدیث میں ہے: ''تَخَيَّرُوْا لِنُطَفِكُمْ غَيْرَ ذَاتِ قَرَابَةٍ قَرِيْبَةٍ بِأَنْ كَانَتْ أَجْنَبِيَّةً أَوْ ذَاتَ قَرَابَةٍ بَعِيْدَةٍ'' (ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب الأ کفاء ۱۹۶۸۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) تم نکاح کے لیے پسند کرو ایسی عورت کو جو قریب کی قرابت نہ رکھتی ہو۔ اجنبی ہو یا دور کی رشتہ دار۔

نزدیک کے رشتہ میں شہوت میں کمی ہوتی ہے اور اس کے نتیجہ میں اولاد نحیف ہوتی ہے جیسا کہ چچا کی لڑکی۔ اجنبی سے دور کی رشتے دار لڑکی افضل ہے، بعض نے امام شافعی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اپنے خاندان کی لڑکی سے نکاح نہ کرنا مستحب ہے، اس لیے کہ رشتہ کی لڑکی سے احمق اولاد ہوتی ہے۔ (عشرۃ النساء للنسائی: ''لا تنکحوا القرابۃ القریبۃ فإن الولد یخلق ضاویا''۔ ۱/۴۴۔ النہایۃ فی غریب الأثر ۳/ ۲۲۸)

شوہر میں دیکھی جانے والی صفات

مسنون ہے کہ بیٹی کی شادی ایسے مرد سے کریں جو دین دار ہو۔ بجیرمی کا قول ہے کہ جو صفات بیوی کے لیے مسنون ہیں وہی شوہر کے لیے بھی مسنون ہیں۔

مستحب وقت ومقام

مسنون ہے کہ ماہ شوال میں عقد کرے اور جمعہ کے روز دن کے شروع حصہ میں مجمع میں اور مسجد میں نکاح کی تشہیر کرنا مسنون ہے۔حدیث میں ہے: ''أَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَاضْرِبُوْا فِيْهِ بِالدُّفُوْفِ وَلَوْ فِي الْمَسَاجِدِ'' (ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''أعلنوا هذا النكاح واجعلوه فی المساجد واضربوا علیه بالدفوف''۔النکاح، باب ماجاء فی إعلان النکاح ۱۰۸۹) نکاح کا اعلان کرو اور دف بجاؤ، اگر چہ مسجد کا مقام ہو۔

تعدد ازدواج:

موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں عورت کی تعداد کی نسبت کوئی قید نہیں تھی۔فرعون نے اپنے استبدادی حکم کے ذریعہ جتنے مرد بچے پیدا ہوتے انھیں قتل کروا دیا کرتا تھا۔نتیجہ یہ ہوا کہ مردوں کی کمی اور عورتوں کی زیادتی ہوگئی تھی۔عیسی علیہ السلام کی شریعت میں تعدد ازدواج کا کوئی تعین نہیں ہوا تھا۔انجیل میں یا حواریین کے بیانات میں تعدد ازواج کی ممانعت نہیں ہے۔شارلمان کے زمانہ تک خود پادری بھی تعدد ازدواج پر عامل رہے۔بوتھر اور پرائسٹنٹ کے مسلک کے دیگر مقتدیٰ اسے جائز تصور کرتے رہے۔یہ عمل سترھویں صدی کے وسط تک جاری رہا۔(انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا)

شریعت محمدی پہلی شریعت ہے جس نے صاف الفاظ میں ازواج کی تعداد کو محدود کرتے ہوئے خاص شرط کے ساتھ چار عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی اجات دی۔شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ عدل کی زندگی بسر کرے تو ہر ایک عورت سے تین راتوں سے زیادہ غائب نہیں رہتا اور تصور کیا گیا ہے کہ تین راتوں کی غیر حاضری آسانی سے برداشت کی جاسکتی ہے۔نبی ﷺ نے ازواج کی تعداد متعین ہونے کے حکم کے بعد کوئی نکاح نہیں کیا۔نبی ﷺ نے پندرہ بیویوں کے ساتھ نکاح کیا تھا۔تیرہ کے ساتھ خلوت کی اور وقت واحد میں گیارہ تھیں اور آپ کے رحلت فرمانے کے وقت نو بیویاں زندہ تھیں، جن کے نام ترتیب

کے ساتھ یہ ہیں: سودہ بنت زمعہ، عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، زینب بنت جحش، ام حبیبہ، جویریہ، صفیہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن۔

جائز ہے کہ آزاد مرد چار عورتوں کو اور غلام دو کو نکاح میں جمع کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ﴾ (النساء:۳) عورتوں میں سے جس کو پسند کرو نکاح کرو، دو، تین چار۔

قبیلہ ثقیف کے چھ مرد اسلام لائے، جب کہ ان میں سے ہر ایک کی دس بیویاں تھیں۔ ان میں سے ایک شخص غیلان سے خطاب کر کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''أَمْسِكْ أَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ'' (مسند الشافعی عن سالم عن أبیہ، ابن حبان، ترمذی، ابن ماجہ۔ اتحاف المھرۃ لابن حجر: مسند جابر بن عتیب الأنصاری الأوسی: ۸۷۵۹) چار کو روک کر بقیہ سب کو چھوڑ دو۔

جو عورتیں پہلے سے موجود تھیں ان کو اپنے ساتھ باقی رکھنے سے منع کیا گیا تو ابتداء کے لیے یہ حکم بدرجہ اولیٰ صادق آئے گا۔ چار عورتوں کی تعداد آزاد عورتوں کے لیے ہے، ورنہ باندیوں کے لیے کوئی تعداد مقرر نہیں، خواہ تنہا ہو یا آزاد عورتوں کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ (النساء:۳) اگر تم کو ڈر ہو کہ عدل نہ کرو گے تو ایک عورت ہے یا ملک یمین سے جو تمہارے پاس ہوں یعنی باندیاں۔

یہ آیت مطلق ہے، اس میں تعداد کی قید نہیں ہے۔ بعض خوارج نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے دو، تین اور چار کی شرعی تعداد نو کا جواز ظاہر کیا ہے، اور بعض نے مثنیٰ سے دو دو اور ثلاث سے تین تین اور رباع سے چار چار لے کر ان کی مجموعی تعداد اٹھارہ ظاہر کی ہے، لیکن دونوں استدلال اجماع کے خلاف ہے۔ اس آیت میں واو بمعنی اَو بطور تردید ہے، جمع کے لیے نہیں ہے۔

چار کی تعداد عام طور پر آزاد مرد کے لیے مقرر کی گئی ہے، ورنہ سفیہ یعنی مسرف اور فضول خرچ جو دوسرے شخص کی نگرانی میں ہو یا مجنون کی ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک ہی عورت کافی ہے۔ مجنون کا نکاح اس کا باپ پھر دادا اور پھر حاکم کروا سکتا ہے۔ مگر دوسرے

عصبات کو اس کی اجازت نہیں ہے۔

باندی کے ساتھ شادی

غلام دو آزاد عورتوں یا دو باندیوں یا ایک آزاد عورت اور ایک باندی کو جمع کرسکتا ہے، غلام کے لیے باندی کے ساتھ عقد کرنے میں وہ شرطیں نہیں ہیں جو آزاد مرد کے لیے ہیں۔

باندی کے ساتھ شادی کی شرطیں

آزاد مرد باندی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا، البتہ تین شرطیں پائی جائیں تو کرسکتا ہے:

۱۔ آزاد عورت میسر نہ آئے

۲۔ نافرمانی کا خوف ہو

۳۔ باندی مسلمان ہو

'نکاح نہیں کرسکتا' کے یہ معنی ہیں کہ نکاح کرنا جائز نہیں اور صحیح نہیں ہے۔ یہ حکم آزاد مرد کے لیے ہے، ورنہ غلام کے لیے باندی کے ساتھ نکاح کرنا جائز اور صحیح ہے بشرطیکہ مسلمان ہو، باندی کے ساتھ نکاح کے لیے جو شرائط بیان کئے گئے ہیں وہ غیر کی مملوکہ باندی کی نسبت ہیں، ورنہ مالک اپنی مملوکہ باندی کے ساتھ اس کی غلامی کو باقی رکھ کر کسی صورت میں نکاح نہیں کرسکتا، خواہ شرائط پائی جائیں یا نہ پائی جائیں۔ ہاں مالک اپنی مملوکہ باندی کو آزاد کرنے کے بعد اس کے ساتھ نکاح کرے تو جائز ہے بلکہ مستحب ہے۔ حدیث میں ہے: ''إِنَّ لَهُ أَجْرَيْنِ: أَجْرًا عَلٰى إِعْتَاقِهَا وَأَجْرًا عَلٰى نِكَاحِهَا'' (عمدة القاری: باب ما يذكر في الفخذ ٦/ ٢٣٧۔ یہ روایت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے ہے) بے شک اس کے لیے دوہرا ثواب ہے، ایک ثواب اس کے رہا کرنے کا اور دوسرا ثواب اس کے ساتھ نکاح کرنے کا۔

باندی کے ساتھ نکاح میں جو رکاوٹیں رکھی گئی ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اولاد کو غلامی سے بچائے۔ باندی سے جو اولاد ہوگی وہ باندی کے مالک کی غلام رہے گی۔ عورت جو کسی غلام کی مالک ہو، وہ اپنے غلام سے نکاح نہیں کرسکتی جو اس کی ملک ہو یا اس کے لیے وقف کیا گیا ہو۔

آزاد عورت میسر نہ ہو

آزاد عورت میسر نہ آنے کی تین صورتیں ہیں: آزاد عورت کے مہر کی استطاعت نہ ہو یا آزاد عورت موجود نہ ہو یا آزاد عورت موجود ہو مگر راضی نہ ہو۔

عنت

عنت یعنی نافرمانی کے خوف سے مراد یہ ہے کہ زنا میں مبتلا ہونے کا امکان ہو تو باندی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلاً أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ﴾ (النساء:۲٦) تم میں سے جو شخص استطاعت نہ رکھے کہ آزاد ایمان والیوں کے ساتھ نکاح کرے تو مومن باندیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے، اللہ تعالی خوب واقف ہے تمہارے ایمان سے اور یہ اس شخص کے لیے ہے جو معصیت میں مبتلا ہونے سے ڈرے۔

معصیت

رافعی کا قول ہے کہ کسی معصیت کے لیے دنیا میں کوئی حد یعنی سزا مقرر ہو اور اس سزا کی تعمیل ہو چکی ہو تو بھی آخرت میں عذاب ملے گا۔ نووی کا قول ہے کہ شرع کے ظاہری احکام کا تقاضا یہ ہے کہ دنیا میں سزا کی تعمیل ہوگئی تو آخرت کا عذاب ساقط ہوگا کہ اللہ تعالی کے رحم وکرم سے بعید ہے کہ ایک جرم میں بندہ کو دو سزائیں دے۔ شیخ الاسلام نے ان دونوں اقوال کو ملا کر اس طرح تعبیر کی ہے کہ آخرت کے عذاب کا انحصار توبہ پر ہے۔ اگر دنیا میں سزا پانے کے بعد مرنے سے پہلے توبہ کرے تو آخرت کے عذاب سے نجات پائے گا اور اگر بغیر توبہ کے فوت ہو جائے تو آخرت کا عذاب باقی رہے گا۔

باندی کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ (النساء:۲٦) تمہاری باندیوں میں سے جو ایمان والی ہیں۔

جب مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ آزاد مرد کسی باندی کے ساتھ نکاح کرے تو پھر دوسری باندی کے ساتھ نکاح نہیں کرسکتا اور پھر نکاح کرنے کے بعد اس کو آزاد عورت میسر ہوجائے یا آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرے تو باندی کا نکاح فسخ نہ ہوگا۔

نظر

نظر کے معنی آنکھ سے دیکھنے کے ہیں۔ یہاں صرف نکاح کی غرض سے عورت کی طرف نظر کرنے کے احکام بیان کرنا مقصود تھا لیکن اس ضمن میں وہ جملہ احکام درج کئے جاتے ہیں جو عورت کی طرف مرد کی نظر سے تعلق رکھتے ہیں، جو احکام مرد کی نظر کی نسبت ہے وہی عورت کی نظر کی نسبت ہیں۔

یہاں صرف آنکھ سے نظر کرنے کے احکام بیان کئے گئے ہیں، ان کا چھونے اور مس کرنے سے تعلق نہیں ہے۔ لیکن عام اصول یہ ہے کہ جہاں نظر کرنا حرام ہے وہاں چھونا بھی بدرجہ اولی حرام ہے، اس لیے کہ نظر کے مقابلہ میں چھونے میں لذت اور شہوت کے ہیجان کا زیادہ امکان ہے۔ دلیل یہ ہے کہ انزال چھونے کی وجہ سے ہو تو روزہ ٹوٹتا ہے اور نظر کے باعث ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔

نظر کی قسمیں

مرد کی عورت کی طرف نظر نو طرح سے ہوسکتی ہے۔ شیخ ابو شجاع نے نظر کی سات قسمیں بیان کی تھیں اور شہادت اور معاملات کو ایک ہی شمار کیا تھا۔ چوں کہ شہادت اور معاملات کے تفصیلی احکام میں فرق ہے، اس لیے ان کو علیحدہ کر کے خطیب شربینی اور شروح بیجوری اور بجیرمی سے تعلیم کی قسم کا اضافہ کر کے نو صورتیں درج کی گئیں۔

یہاں مرد سے مراد بالغ ہے۔ بالغ سے کم تر عمر والے لڑکے چار قسموں میں تقسیم ہوتے ہیں:

۱۔ مراہق: بالغ کے حکم میں داخل ہے۔ مراہق اس لڑکے کو کہتے ہیں جو بلوغ کے

قریب پہنچا ہو مگر ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔ بلوغ سے قبل لڑکا غیر مکلّف ہے اس لیے حرمت کے یہ معنی ہیں کہ ولی ذمہ دار ہے کہ مراہق کو ایسا موقع نہ دے اور عورت کے لیے حرام ہے کہ مراہق کی نظر کے لیے خود کو ظاہر کرے۔

۲۔ مراہق سے کم عمر والا لڑکا بھی اگر شہوت کی نظر سے دیکھے ہوئے واقعہ کو بیان کرنے پر قدرت رکھے تو وہ بھی اس موقع پر بالغ کے حکم میں داخل ہے اور اس کے لیے حرمت کے معنی وہی ہوں گے جو اوپر بیان کئے گئے۔

۳۔ اگر لڑکے کی عمر اتنی کم ہو کہ محض اپنے دیکھے ہوئے واقعہ کو بیان نہ کر سکے تو نظر کے نقطہ نظر سے اس کا وجود و عدم وجود یکساں ہے۔

۴۔ مجنون کی نظر کی نسبت جانور کی نظر کی طرح نہ حرمت ہے اور نہ حلت، لیکن عورت کے لیے لازم ہے کہ اس سے حجاب کرے۔

عورت سے بالغہ مراد ہے۔ مراہقہ اور ذرا اس سے کم عمر والی لڑکی جو شہوت کے ساتھ نظر کرے بالغہ کے حکم میں ہے، بر خلاف ایسی کم سن لڑکی جس میں شہوت کا فقدان ہو، اس کی طرف نظر کرنا حلال ہے، سوائے شرم گاہ کے۔ شرمگاہ کی طرف نظر کرنا حرام ہے، یہی حکم چھوٹے لڑکے کی شرمگاہ کی نسبت ہے۔ ماں اور دایہ وغیرہ رضاعت و تربیت کے زمانہ میں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، وہ ضرورت پر شرم گاہ کی طرف نظر کر سکتی ہیں اور چھو سکتی ہیں۔

کبیرہ یعنی عمر والی عورت کی طرف نظر کرنا حرام ہے، اگر چہ کہ اس میں شہوت نہ ہو، اس لیے کہ ''مَا مِنْ سَاقِطَةٍ إِلَّا وَلَهَا لَاقِطَةٌ'' کوئی چیز ایسی گری ہوئی نہیں ہے جس کو اٹھا لینے والا نہ ہو۔ شعر

لِكُلِّ سَاقِطَةٍ فِی الْحَيِّ لَاقِطَةٌ　　　وَكُلُّ كَاسِدَةً يَوْمًا لَّهَا سُوْقُ

قبیلہ میں گری ہوئی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہے اور گری ہوئی چیز ایک نہ ایک روز بازار میں چلتی ہے۔

اجنبی عورت کو دیکھنے کے احکام

اجنبی عورت کی طرف بغیر حاجت کے نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ کہ مرد اتنا بوڑھا اور ناکارہ ہو جائے کہ جماع کی قدرت نہ ہو۔ ریشم وغیرہ کے پردے کے آڑ سے بھی اجنبی عورت کی طرف نظر کرنا جائز نہیں۔ برخلاف عورت کا عکس آئینہ یا پانی میں دیکھنا حرام نہیں ہے۔ اجنبی عورت سے مراد غیر محرم ہے اگر چہ کہ باندی ہو۔ اس عورت کو غیر محرم کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ یہی حکم چہرے اور ہاتھ کا بھی ہے۔ بغیر شہوت کے اجنبی عورت کے چہرے اور ہاتھ پر نظر کرنا بھی حرام ہے، اگر چہ کہ فتنہ وفساد کا خوف نہ ہو۔

جماع میں مقدماتِ جماع کی طرف میلانِ خاطر پیدا ہونے کو فتنہ کہتے ہیں۔

عورتوں کو چہرہ کھلا رکھ کر باہر نکلنے سے روکنے کی نسبت عام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ آیت کریمہ ہے: ﴿قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ أَبْصَارِهِمْ﴾ (النور:۳۰) کہہ دو ایمان والوں سے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

بعض کا قول ہے کہ چہرے اور ہاتھ کی طرف نظر کرنا حرام نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا﴾ (النور:۳۱) عورتیں اپنی زینت کو آشکارا نہ کریں، سوائے اس کے جو کھلا ہو یعنی چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ۔

یہ آیت نماز اور غیر نماز کے لیے عام ہے۔ پہلا قول معتمد ہے لیکن فی زماننا قول دوم کی تقلید کرنے میں مضایقہ نہیں ہے، جب کہ عورتیں کثرت سے راستہ اور بازار میں نکلتی ہیں۔

عورت کا مرد کی طرف دیکھنے کے احکام

جس طرح اجنبی عورت کی طرف نظر کرنا مرد کے لیے حرام ہے اسی طرح اجنبی مرد کی طرف نظر کرنا عورت کے لیے حرام ہے۔ بغیر حاجت کے نظر کرنا حرام ہے۔ شہادت، علاج اور معاملات کے لیے نظر کرنا حرام نہیں ہے، اس کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی۔

غیر جائز سے یہ مراد ہے کہ نظر کرنا حرام ہے، اگر چہ بغیر شہوت کے ہو۔ یہ حکم اس

صورت میں ہے جب کہ ارادہ کے ساتھ نظر کرے۔ اگر ارادہ کے بغیر اور اتفاقی طور پر نظر پڑ جائے تو حرام نہیں ہے، بشرطیکہ نظر کو باقی نہ رکھے۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ قاضی عیاض مالکی نے علماء سے مطلق طور پر نقل کیا ہے کہ عورت پر واجب نہیں ہے کہ راستہ میں اپنا چہرہ ڈھانپے مگر مسنون ہے۔ مردوں کو چاہیے کہ ان سے اپنی نظر بچائیں۔ اصح یہ ہے کہ عورت کی آواز چھپانے کے لایق نہیں ہے، مگر فتنہ کا خوف ہو تو عورت کی آواز توجہ سے سننا حرام ہے۔

اگر کسی نے عورت کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایسی ملائم آواز میں جواب نہ دے جس سے ترغیب پیدا ہو بلکہ درشت لہجہ میں، ہاتھ کی پشت کو منھ پر رکھ کر جواب دے۔ نبی ﷺ نے ان الفاظ میں نظر کی مذمت فرمائی ہے: ''اَلنَّظَرُ بَرِيْدُ الزِّنَا'' (حدیث رسول میں اس طرح کے الفاظ نہیں ملے، البتہ یہ عربوں کا قول یا علماء کی بات ہے۔) نظر زنا کا قاصد ہے۔ ''إِنَّهُ سَهْمٌ مَسْمُوْمٌ مِنْ سِهَامِ إِبْلِيْسَ'' (مسند حاکم میں اس معنی کی روایت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''النظرۃ سھم من سھام إبلیس مسمومۃ'' ۔۷۸۷۵۔ حاکم نے کہا ہے: صحیح الإسناد ولم یخرجاہ) وہ ایک زہریلا تیر ہے شیطان کے تیروں میں سے۔

اپنی بیوی اور باندی کے پورے بدن کی طرف نظر جائز ہے مگر شرمگاہ کی طرف مکروہ ہے۔ یہاں مرد سے آزاد عورت کا شوہر یا باندی کا مالک مراد ہے۔ حیض کی حالت میں بھی شہوت کے ساتھ شوہر اپنی بیوی کے بدن کے اس حصہ پر نظر کر سکتا ہے جو ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔ جو حکم شوہر کی نسبت ہے وہی بیوی کی نظر کی نسبت ہے، برخلاف اس کے کہ شوہر خاص طور پر منع کرے۔

یہاں مالک کی نظر کی حلت کے لیے ایسی باندی مراد ہے جس سے استمتاع حلال ہے۔ منکوحہ باندی کے بدن کے اس حصہ کی طرف مالک نظر نہیں کر سکتا جو ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔ جو حکم مالک کی نظر کی نسبت ہے وہی حکم باندی کی نظر کی نسبت ہے۔ یہ حکم عورت کی زندگی میں ہے، موت کے بعد بغیر شہوت کے ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ پر

بھی شوہر نظر کرسکتا ہے اور یہی قول معتمد ہے۔

خطیب نے لکھا ہے کہ موت کے بعد شوہر کی نظر کے متعلق محرم کا حکم عائد ہوتا ہے۔

محرم کے بدن کے اس حصہ پر نظر کرنا حرام ہے جو ناف اور گھٹنوں کے درمیان ہے۔

شرمگاہ میں اگلی اور پچھلی دونوں شرمگاہیں داخل ہیں۔پچھلی شرمگاہ کی نسبت تین اقوال ہیں:

۱۔بعض نے کہا ہے کہ اس کی طرف نظر کرنا مباح ہے

۲۔بعض نے مکروہ کہا ہے اور معتمد یہی قول ہے

۳۔اور بعض نے حرام کہا ہے

شرمگاہ کی طرف بغیر حاجت کے نظر کرنا مکروہ ہے اور شرمگاہ کے باطن کی طرف نظر کرنے میں کراہیت میں شدت بھی ہے۔عائشہ نے فرمایا: ''مَا رَأَيْتُ مِنْهُ وَلَا رَأَى مِنِّيْ تَعْنِي الْعَوْرَةَ''۔(جمع الوسائل فی شرح الشمائل: باب ماجاء فی شعر رسول اللہ۔عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری: باب ماجاء فی غسل البول ۵/ ۷)

شرمگاہ کی طرف نظر کرنے میں کراہت ہے مگر اس کے چھونے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

محرم کی طرف نظر کرنے کے حدود

محرم عورت یا منکوحہ باندی کے ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کے علاوہ دوسرے حصوں کی طرف نظر جائز ہے۔

اس رشتہ دار کو محرم کہتے ہیں جس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے۔عورت کے محرم رشتہ میں نسب، رضاعت اور مصاہرت کے رشتہ شامل ہیں، نسب کے رشتہ کی مثال بیٹی اور بہن وغیرہ، رضاعت یعنی دودھ کے رشتہ کی مثال دودھ کی ماں اور دودھ کی بہن وغیرہ اور مصاہرت یعنی ازدواجی رشتہ کی مثال ساس، باپ کی بیوی یعنی علاتی ماں، بہو اور بیوی کے دوسرے شوہر کی بیٹی۔

ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کو چھوڑ کر بقیہ بدن پر بغیر شہوت کے نظر کرنا جائز ہے۔شہوت کے ساتھ نظر کرنا حرام ہے۔ بلکہ شہوت کے ساتھ ہر اس چیز کی طرف نظر کرنا حرام ہے جس سے لطف اندوزی حلال نہیں ہے، اگر چہ کہ حیوان یا جمادات میں سے ہو۔

ناف اور گھٹنے کے درمیانی حصہ کی قید کی وجہ سے ناف اور گھٹنے خارج ہو جاتے ہیں اور ناف اور گھٹنوں کی طرف نظر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ وہ محرم سے ستر کے لائق نہیں ہیں۔

شادی شدہ باندی محرم رشتہ کی عورت کے حکم میں ہے۔عورت کی نظر اپنے محرم مرد رشتہ دار کی طرف اور شادی شدہ باندی کی نظر اپنے مالک کی طرف ان ہی قیود کے ساتھ جائز ہے جو مرد کے لیے بیان کئے گئے ہیں۔

نکاح کی غرض سے عورت کو دیکھنے کے احکام اور حدود

نکاح کی غرض سے کسی عورت کے چہرے اور ہاتھوں کو دیکھنا جائز ہے۔حدیث میں ہے: ''إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَّنظُرَ إِلَيْهَا إِذَا كَانَ إِنَّمَا يَنظُرُ إِلَيْهَا لِخِطْبَتِهِ وَإِنْ كَانَتْ لَا تَعْلَمُ ''۔(امام احمد نے اپنی مسند میں ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے جس کو شیخ ارناؤوط نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں: ۲۳۶۵۰)تم کسی عورت کے ساتھ شادی کے لیے پیام بھیجو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ تم اس کو دیکھ لو اگر چہ کہ اس عورت کو اس کا علم نہ ہو۔

یہ بھی روایت ہے: ''إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ امْرَأَةً فَلْيَسْئَلْ مِنْ شَعْرِهَا فَإِنَّ الشَّعْرَ أَحَدُ الْجَمَالَيْنِ ''۔(فتح القدیر شرح الجامع الصغیر۴/۲۳۱۔حدیث ۴۹۴۰)جب تم عورت کو پیام بھیجو تو اس کے بالوں کی نسبت دریافت کرو، اس لیے کہ بال دو خوبصورتیوں میں سے ایک ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے انصار کی ایک لڑکی کے ساتھ شادی کے لیے پیام بھیجا اور اس کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔آپ نے فرمایا: ''رأيتها؟''۔کیا تم نے اس کو دیکھا ہے؟ تو میں نے عرض کیا: نہیں۔آپ نے فرمایا: ''فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَن يُّؤْدَمَ بَيْنَكُمَا ''۔(ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے: النکاح، باب ماجاء فی النظر إلی

المخطوبۃ ۱۰۸۷۔ ابن ماجہ: النکاح، باب النظر إلی المرأۃ إذا أراد أن یتزوجھا ۱۸۶۵۔ یہ روایت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے ہے) تم اس کو دیکھ لو، یہ زیادہ مناسب ہے تاکہ تم دونوں کے درمیان اصلاحِ حال رہے۔ میں لڑکی کے والدین کے پاس آیا اور واقعہ بیان کیا۔ والدین نے ایک دوسرے کی طرف نظر کی (دونوں خاموش رہے) اور میں روانہ ہوا۔ لڑکی نے پکارا: اس مرد کو بلاؤ۔ لڑکی پردے کے بازو کھڑی رہی اور کہا: اگر تم کو رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھنے کا حکم دیا ہے تو تم مجھ کو دیکھ لو، میں خود تمہارے سامنے آجاؤں گی تاکہ تم دیکھ لو۔ میں نے اس کو دیکھا اور اس کے ساتھ شادی کی۔ میں نے جتنی عورتوں سے شادی کی ان سب میں یہ عورت مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اور میں اس کی بڑی قدر کرتا ہوں۔

نکاح کی غرض سے عورت کی طرف نظر کرنا صرف جائز نہیں بلکہ مستحب ہے۔ چھونے اور ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں، عورت کے لیے بھی حکم ہے کہ نکاح کا ارادہ کرنے کے بعد اور پیام بھیجنے سے پہلے ہونے والے شوہر کو دیکھ لے اور پسند کرے۔

دیکھنے کے لیے موزوں وقت نکاح کا ارادہ کرنے کے بعد اور پیام بھیجنے سے پہلے ہے۔ پیام بھیجنے کے بعد دیکھنے کی نسبت مختلف اقوال ہیں:

بعض نے کہا ہے کہ اولویت کے خلاف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مباح ہے اور بعض نے استحباب کی رائے دی ہے اور یہی رائے معتمد ہے، اس لیے کہ نکاح سے پہلے پسندیدگی اولی ہے۔

پیام بھیجنے کے بعد دیکھے اور لڑکی پسند نہ آئے تو بہتر ہے کہ خاموش رہے اور ناپسندیدگی کا اظہار نہ کرے تاکہ لڑکی کو رنج نہ پہنچے۔

اگر شوہر خود لڑکی کو نہ دیکھ سکے یا دیکھنا پسند نہ کرے تو کسی عورت کو بھیج کر دکھوالے اور تفصیل معلوم کرے۔ امام احمد نے مسند میں لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت (ام سلیم رضی اللہ عنہا) کو اپنے پیام کے لیے روانہ کیا اور ہدایت کی: ''اُنْظُرِیْ إِلٰی وَجْهِهَا وَكَفَّيْهَا وَعِرَاقَيْهَا وَشُمِّیْ عَوَارِضَهَا'' (حاکم کی روایت میں ام سلیم رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے

اوراس روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''انظری عرقوبیها وشمی عوارضها''۔۲۰/۱۶۶۔حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔) غور سے دیکھواس کا چہرہ اور دونوں ہاتھ اور دونوں کلائیاں اور رخساوں کا اٹھان۔

نکاح کی غرض سے دیکھنے میں شہوت اور فتنہ کا خوف نہ ہونے کی قید نہیں ہے۔اعتماد اس پر ہے کہ شہوت اور خوفِ فتنہ کے باوجود مرد عورت کو نکاح کی غرض سے دیکھ سکتا ہے۔ اطمینان خاطر کے لیے جتنے مرتبہ دیکھنے کی ضرورت ہے دیکھے، مگر پہلی نظر کے کافی ہونے کے بعد دوسری نظر دیکھنا حرام ہے۔

چہرے اور ہاتھوں کے علاوہ بدن کے دیگر حصے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ چہرے اور ہاتھوں کی حد تک نظر کو محدود کرنے کی وجہ یہ ہے کہ چہرے سے جمال کی نسبت اور ہاتھوں سے پورے بدن کے ڈول کی نسبت قیاس کیا جاسکتا ہے۔

نکاح کی غرض سے لڑکی کو دیکھنے کے لیے لڑکی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور نہ اس کے ولی کی، اس لیے کہ اس بارے میں شارع کی اجازت کافی ہے۔ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ بناؤ سنگھار کی گنجائش نہ رہنے سے عورت کا اصلی روپ ظاہر ہوتا ہے۔

نکاح کے لیے باندی کے ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کے علاوہ پورے بدن کو دیکھنا جائز ہے۔ابن رفعہ نے دونوں مفہوم کو اس عبارت میں جمع کیا ہے کہ نماز میں عورت کے لیے بدن کے جس حصہ کو ڈھانپنا واجب ہے اس کو چھوڑ کر بقیہ کی طرف نظر کی جاسکتی ہے۔

علاج کی غرض سے دیکھنے کے احکام

علاج کے لیے بدن کے اس حصہ کی طرف نظر کرنا جائز ہے جس کے علاج کی ضرورت ہے۔ عام اصول یہ ہے کہ علاج کے لیے طبیب اور مریض ہم جنس ہوں۔ مرد کا علاج مرد کرے اور عورت کا علاج عورت، ہم جنس موجود نہ ہو اور عورت کا علاج مرد کرے تو اجنبی طبیب کے معائنہ کے وقت محرم رشتہ دار یا شوہر یا اعتماد کے قابل عورت موجود رہے۔

مسلم طبیب کی موجودگی میں غیر مسلم طبیب سے مدد نہ لے، غیر مسلم عورت کی موجودگی میں مسلم مرد سے مدد نہ لے۔علاج کے لیے اجنبی طبیب عورت کی شرمگاہ کا معائنہ کرسکتا ہے

بشرطیکہ عورت طبیب موجود نہ ہو اور شدید ترین ضرورت ہو۔ چہرے اور ہاتھ کے معائنہ کے لیے مطلق ضرورت کافی ہے۔ چہرے کے علاوہ بدن کے دوسرے حصہ کے معائنہ کے لیے حاجت میں شدت کی ضرورت ہے اور شرمگاہ کے معائنہ کے لیے شدت حاجت میں زیادتی کی بھی ضرورت ہے۔ ضرورت ہو تو نظر کی طرح ہاتھ لگانا اور چھونا بھی جائز ہے، ورنہ نہیں۔

شہادت و گواہی کے لیے دیکھنے کے احکام و مسائل

شہادت کے لیے بدن کے اس حصہ کی طرف نظر کرنا جائز ہے جس کی نسبت شہادت دینی ہے۔ زنا یا زچگی کی نسبت شہادت دینے کے لیے عورت کی شرمگاہ کی طرف اور دودھ پلانے کے واقعہ کے تعلق سے عورت کے پستان کی طرف نظر کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اس کے بغیر شہادت کی تکمیل نہ ہوتی ہو۔ شہادت ادا کرتے وقت عورت کی شناخت کے لیے عورت کو چاہیے کہ چہرے کو ظاہر کرے۔ نتیجہ یہ کہ شہادت کی فراہمی کے لیے جس عضو بدن کے معائنہ کی ضرورت ہے اس کی طرف نظر کرنا اور شہادت ادا کرتے وقت صرف چہرے کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔

معاملات کے لیے دیکھنے کے احکام و مسائل

معاملات کے لیے چہرے کی طرف نظر کرنا جائز ہے، جیسا کہ مرد عورت سے کوئی چیز خریدے یا عورت کو کوئی چیز فروخت کرے۔ خرید و فروخت کے معاملات مرد اور عورت کے درمیان ہوں تو ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ سکتے ہیں اگر پہلے سے پہچان نہ ہو۔ غرض یہ کہ کسی عیب کے پائے جانے پر مال کی واپسی میں دشواری نہ ہو۔

باندی خریدتے وقت دیکھنے کے حدود

باندی کی خریدی کے وقت اس کے بدن کے ان مقامات کی طرف دیکھے جن سے کام لینا ہے یعنی جس سے اس کے کام کی صلاحیت کی نسبت قیاس کرنے میں مدد ملے، جیسا کہ ہاتھ پاؤں وغیرہ۔ ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ کی طرف نظر کرنا جائز نہیں ہے۔ یہی حکم عورت کی نسبت ہے جب کہ غلام کو خریدنا چاہے۔

تعلیم کے لیے دیکھنے کے مسائل

تعلیم کے لیے چہرے کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔سبکی کی رائے ہے کہ سورہ فاتحہ کی تعلیم کے لیے نظر کرنا جائز ہے، اس لیے کہ سورہ فاتحہ کا سیکھنا واجب ہے۔ان صنعتوں کی تعلیم کے لیے جن کی ضرورت معیشت کے لیے اور پس پردہ تعلیم نہ دی جاسکے تو نظر کرنا جائز ہے۔محلی کی رائے ہے کہ تعلیم کے لیے نظر کرنے سے منع کیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ نظر کئے بغیر تعلیم دینا دشوار ہو۔خطیب، بیجوری اور بجیرمی اتفاق کرتے ہیں کہ تعلیم کی غرض سے نظر کرنا مطلق طور پر جائز ہے، خواہ وہ تعلیم عورت کے لیے واجب ہو یا مباح۔

متفرقات

مرد کی نظر مرد کی طرف، عورت کی نظر عورت کی طرف، بغیر شہوت کے سوائے ناف اور گھٹنوں کے درمیان کے حصہ کے جائز ہے۔بغیر شہوت کے بھی ناف اور گھٹنوں کے درمیانی حصہ پر نظر کرنا حرام ہے۔عام اصول یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ نظر کرنا حرام ہے ہر اس چیز کی طرف جس سے لذت حاصل کرنا جائز نہیں ہے اگر چہ کہ حیوان یا جمادات میں سے ہو، عورت کی نظر عورت کی طرف کے عام حکم سے کافر عورت مستثنیٰ ہے۔کافر عورت مسلم عورت کے اس حصہ بدن کی طرف نظر کرسکتی ہے جو معمولی محنت اور کام کاج کے وقت کھلا رہتا ہے۔

ہمبستری یعنی ایک ہی بستر میں سونے کے احکام

ایک چادر میں دو مردوں یا دو عورتوں کا برہنہ لیٹنا یا سونا حرام ہے۔اگر چہ کہ ان میں سے ایک بستر کے دوسرے جانب میں ہو۔حدیث میں ہے: ''لَا يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى الرَّجُلِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ وَلَا الْمَرْأَةُ إِلَى الْمَرْأَةِ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ ''۔(مسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب تحریم النظر الی العورات ۷۹۴) مرد مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں نہ سوئے اور نہ عورت، عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں سوئے۔

اس سلسلہ میں محرم رشتہ داروں اور اجنبی اشخاص میں کوئی فرق نہیں ہے۔

مرد عورت کی مشابہت اور اس کے برعکس حرام ہے

دونوں کے لیے مشابہت کرنا حرام ہے، مرد عورت کی مشابہت کرے یا عورت مرد کی۔ حدیث میں ہے: ''لَعَنَ اللّٰهُ الْمُتَشَبِّهِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَالْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَاءِ بِالرِّجَالِ''۔ (بخاری: باب المتشبهين بالنساء والمتشبهات بالرجال ۵۸۸۵۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) اللہ تعالی نے عورتوں کے ساتھ تشبہ کرنے والے مردوں پر اور مردوں کے ساتھ مشابہت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی۔

مرد اور عورت کی خلوت کے احکام

مرد کا عورت کے ساتھ تخلیہ جائز نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَا يَخْلُوَنَّ أَحَدُكُمْ بِإِمْرَاَةٍ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ ثَالِثُهُمَا''۔ (مسند احمد: ۱۱۴ص ۱/ ۱۸۔ صحیح ابن حبان: ۶۷۲۸، یہ روایت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہے) مرد اور عورت دونوں تنہا ہوں تو ضرور ان کا تیسرا شیطان ہوگا۔

مصافحہ کے مسائل

مصافحہ دو مردوں کے درمیان مسنون ہے اور دو عورتوں کے درمیان بھی۔ حدیث میں ہے: ''مَا مِنْ مُسْلِمَيْنِ يَلْتَقِيَانِ فَيُصَافِحَانِ إِلَّا غُفِرَ لَهُمَا قَبْلَ أَن يَّتَفَرَّقَا'' (ابوداود نے براء رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب فی المصافحہ ۵۲۱۴۔ ترمذی: باب المصافحۃ ۲۷۲۷) دو مرد مسلم ملیں اور مصافحہ کریں تو اللہ تعالی انھیں جدا ہونے سے پہلے بخشتا ہے۔

عورتوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی بیعت الفاظ کے ذریعہ ہوا کرتی تھی، نہ کہ ہاتھ میں ہاتھ ملا کر۔ نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی عورت کے ساتھ مصافحہ نہیں کیا۔ (صحیح ابن حبان میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے: کتاب الحظر والإباحۃ ۵۵۸۰)

کسی شخص میں کوئی متعدی بیماری برص یا جذام جیسی ہو تو اس سے مصافحہ کرنا مکروہ ہے۔

معانقہ کے احکام

معانقہ یعنی بغل گیر ہونا یا گلے ملنا عام طور پر مکروہ ہے، البتہ کوئی شخص سفر سے واپس

آئے یا طویل مدت کے بعد ملاقات ہو تو مسنون ہے۔

ہاتھ پر بوسہ دینے کے احکام و مسائل

دینی امور؛ علم، زہد و تقوی کی وجہ سے، صلاح و فلاح کے لیے ہاتھ پر بوسہ دینا مسنون ہے، لیکن دنیاوی امور؛ شان وشوکت اور وجاہت کے لیے مالدار یا امیر کے ہاتھ کو چومنا مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے: ''مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهِ'' (انس بن مالک سے اس معنی کی روایت ہے جس کیا الفاظ یہ ہیں: ''من تواضع لغني لينال ما في يده أحبط الله ثلثي عمله''۔ الأمالي الخميسية للشجري: ۱۶۴۸۔ دوسری روایت میں ''أحبط الله عمله'' کے الفاظ ہیں۔ تنبیہ الغافلین ب أحادیث سید الأنبیاء والمرسلین للسمرقندی: ۱۵۸) کسی نے تونگری کی وجہ سے کسی تونگر کی تواضع کی تو گویا اس نے دو تہائی دین کو کھو دیا۔

تعظیم اور دوسرے کے لیے کھڑا رہنے کے احکام

اہل فضل کی بزرگی کے اظہار کے لیے کھڑا رہنا مسنون ہے۔ اس کے برخلاف کہ کسی غیر اہل فضل کے لیے بلا ضرورت کھڑا رہنا مطلوب نہیں ہے۔ ابن حجر کا قول ہے کہ امراء وغیرہ کے روبرو رکوع کی ہیئت میں جھکنا حرام ہے۔ روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو ہدایت کی تھی کہ آپ اگر گزریں تو کھڑے نہ ہوں، ایک مرتبہ آپ گزر رہے تھے، حسان کھڑے ہو گئے اور یہ دو شعر پڑھے:

قِيَامِيْ لِلْعَزِيْزِ عَلَيَّ فَرْضٌ	وَتَرْكُ الْفَرْضِ مَا هُوَ مُسْتَقِيْمٌ
عزیز کے لیے کھڑا ہونا مجھ پر فرض ہے	اور فرض کا ترک کرنا مناسب نہیں ہے
عَجِبْتُ لِمَنْ لَهُ عَقْلٌ وَفَهْمٌ	يَرٰى هٰذَا الْجَمَالَ وَلَا يَقُوْمُ
میں تعجب کرتا ہوں اس شخص پر جس کو عقل اور سمجھ ہے	ایسے جمال کو دیکھے اور کھڑا نہ ہو جائے

نکاح کے ارکان

ارکانِ نکاح پانچ ہیں: شوہر، بیوی، ولی، شاہدین یعنی دو گواہ اور صیغہ۔

ارکان ماہیت کے اجزاء ہوتے ہیں اور شرائط ماہیت سے خارج ہیں۔ یہاں ارکانِ نکاح سے وہ امور مراد ہیں جن کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوسکتا، خواہ وہ ارکان ہوں یا شرائط، شاہدین یعنی دو گواہ ماہیت سے خارج ہیں اور نکاح کے جزء نہیں ہیں۔ مہر بھی نکاح کے ارکان میں سے نہیں ہے، برخلاف قیمت کے جو بیع کے ارکان میں سے ہے۔ مہر کے فاسد ہونے کی وجہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، لیکن قیمت میں فساد ہو تو بیع باطل ہو جاتی ہے۔

شوہر کی شرطیں

شوہر کے لیے پانچ شرائط ہیں:

۱۔ حلال رشتہ رکھتا ہو، محرم کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا۔

۲۔ مختار ہو یعنی ناحق طور پر مجبور نہ ہو۔ اگر جبر کا استعمال واجبی ہو تو مضائقہ نہیں جیسا کہ شوہر نے اپنی بیوی کو تین سے کم تعداد میں طلاق بائن دی ہو اور عورت قسم (تقسیم) میں مظلوم رہی ہو تو شوہر کو اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور اس کی وجہ سے نکاح میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ بیویوں کے درمیان مساویانہ تقسیم کو قسم کہتے ہیں۔

۳۔ متعین ہو، غیر متعین یعنی دو مردوں میں سے کسی ایک کا نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔

۴۔ عورت کے نام، حسب ونسب کا یا اس کی شخصیت کا کہ فلاں عورت ہے علم رکھتا ہو، اس عورت کے ساتھ نکاح حلال ہونے کا بھی علم ہو، اگر ان امور کا علم نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔

۵۔ مرد ہونا یقینی ہو یعنی مخنث نہ ہو۔

بیوی کے لیے چار شرطیں ہیں:

۱۔ حلال رشتہ رکھتی ہو، محرم نہ ہو۔

۲۔ متعین ہو، غیر متعین کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا جیسا کہ دو عورتوں میں سے کوئی ایک، کسی وصف کے ذریعہ یا بتا کر تعین کر سکے تو کافی ہے، جیسا کہ کوئی شخص کہے کہ میں نے اپنی بیٹی کے ساتھ تیرا نکاح کیا اور اس کی ایک ہی بیٹی ہو۔

۳۔ دوسرے کے نکاح اور عدت سے خالی ہو، منکوحہ کے ساتھ نکاح نہیں ہوسکتا، عدت کے زمانہ میں بھی نکاح نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ عدت میں زوجیت کا تعلق باقی رہتا ہے، اپنی معتدہ کے ساتھ نکاح ہوسکتا ہے بشرطیکہ طلاق رجعی ہو یا بائن تین سے کم ہو۔

۴۔ عورت ہونا یقینی ہو، یعنی خنثی نہ ہو۔

ولی یعنی سرپرست اور دو گواہ

ولی اور دو عادل گواہ کے بغیر عقد نکاح نہیں ہوسکتا، ولی اور گواہوں کے لیے چھ شرائط ہیں: اسلام، بلوغ، عقل، آزادی، مرد اور عدالت۔ حدیث میں ہے: ''لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ وَشَاهِدَيْ عَدْلٍ''۔ (موارد الظمآن إلی روائد ابن حبان: النکاح، باب ماجاء فی الولی۔ ابوداود: النکاح، باب فی الولی ۲۰۸۵، اور ترمذی: النکاح، باب لا نکاح إلا بولی ۱۱۰۱ نے ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ''لا نکاح إلا بولی''۔) نکاح نہیں ہوسکتا سوائے ولی اور دو عادل گواہوں کے ذریعہ سے۔

ولی نہ ہو یا قصر کی مسافت سے دور ہو یا احرام کی حالت میں ہو تو حاکم اس کا قائم مقام ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''لَا يَنْكَحُ الْمُحْرِمُ وَلَا يُنْكِحُ''۔ (مسلم: النکاح، باب تحریم نکاح المحرم وکراهة خطبته ۱۴۰۹)

ولی کی ضرورت عورت کے نکاح کے لیے ہے، عورت اپنا نکاح آپ نہیں کرسکتی اور نہ دوسری عورت کا نکاح کرواسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ'' (النساء: ۳۴) مرد عورتوں پر ذمہ دار ہیں۔

حدیث میں ہے: ''لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تُزَوِّجُ نَفْسَهَا''۔ (دار قطنی: النکاح ۳/ ۲۲۷) عورت دوسری عورت کا نکاح نہیں کرسکتی اور نہ اپنی ذات کا۔

عورت سے عام طور پر حیا کی توقع کی جاتی ہے اور یہ عورت کے محاسن اور بہترین عادات میں سے ہے کہ اپنا نکاح خود نہ کروائے۔

ولی کے اہل ہونے کی شرطیں

ولی کے اہل ہونے کے لیے چھ شرائط ہیں:

۱۔ اسلام کی شرط ہے، غیر مسلم ولی نہیں ہوسکتا۔ ایسی صورت میں دور والا مسلم ولی نکاح کرائے گا

۲۔ بلوغ کی شرط ہے، کمسن اور نابالغ لڑکے کی ولایت سے نکاح نہیں ہوسکتا

۳۔ عقل کی شرط ہے، جنون کی وجہ سے ولایت کی صلاحیت نہیں رہتی۔ گونگا بھی ولی نہیں ہوسکتا جس کا اشارہ سمجھ میں نہ آئے اور جو لکھ کر اپنا مطلب نہ ادا کر سکے، ایسی صورت میں دور والا ولی نکاح کرائے گا۔ اندھا پن ولایت میں مانع نہیں ہے۔ عقل میں خلل ہو تو ولی نہیں بن سکتا۔

۴۔ حریت یعنی آزادی کی شرط ہے، غلام کی ولایت نکاح میں صحیح نہیں ہے۔

۵۔ ذکورت یعنی مرد ہونے کی شرط ہے، عورت ولی نہیں ہوسکتی۔

۶۔ عدالت کی شرط ہے، عدم فسق کے معنی میں۔ عدل کے معنی استطاعت اور اعتدال کے ہیں اور عام مفہوم میں عدل سے نفس کا ایسا ملکہ مراد ہے جو گناہ کے ارتکاب سے انسان کو روکے۔ لڑکا بالغ ہوگیا مگر اس میں ابھی گناہ سے بچنے کی عادت پیدا نہیں ہوئی یا ملکہ پیدا نہیں ہوا تو اس کو نہ فاسق کہا جائے گا اور نہ عدل، لیکن نکاح میں ایسے بالغ لڑکے کی ولایت صحیح ہوسکتی ہے۔

محرمات میں سے کسی ایک کے ارتکاب سے بھی فسق کی صفت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ شراب نوشی، چوری، زنا وغیرہ۔ نماز کا ترک کرنا بھی فسق میں شمار کیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے: ''لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ مُرْشِدٍ '' (السنن الکبری للبیھقی: باب لا نکاح إلا بولی ۱۴۰۲۱۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے۔ امام بخاری نے مرشد کے لفظ کے بغیر اپنا ترجمہ قائم کیا ہے: باب من قال لا نکاح إلا بولی۔ ابوداود نے ابوموسی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ۲۰۸۷۔ ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔) نیکوکار ولی کے سوائے نکاح نہیں ہوسکتا۔

امام شافعی کا قول ہے کہ مرشد سے عدل بمعنی غیر فاسق مراد ہے۔ قریب تر ولی میں یہ صفات نہ پائے جائیں تو دور والے ولی کا تقرر ہوگا۔

شاھدین یعنی دوگواہوں کی شہادت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوسکتا۔مسنون ہے کہ بہترین لوگوں کی جماعت کے روبروعقدِ نکاح انجام پائے۔شاہدین کی اہلیت کے لیے تقریباًوہی شرائط ہیں جوولی کے لیے مقرر ہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہیں:

اسلام: آیت میں ہے: ﴿وَأَشْهِدُوا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنكُمْ﴾ (الطلاق:۲) تم میں سے دوصاحبانِ عدل کوگواہ رکھو۔

''تم میں سے'' کی قید کی وجہ سے غیر مسلم خارج ہوجاتے ہیں۔

بلوغ: نابالغ لڑکا شہادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

عقل: مجنون شہادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

حریت: یعنی آزادی، غلام شہادت کا اہل نہیں۔

ذکورت کی شرط ہے، عورت اورخنثی شہادت کے اہل نہیں ہیں۔

عدالت کی پوری صفت گواہوں میں پائی جائے۔گناہوں سے بچے رہنے کا ملکہ ان میں موجود ہونا چاہیے۔صرف عدم فسق کافی نہیں ہے۔اگرکسی میں عدالت کی صفت مفقود ہوجائےتوفسق کے مدارج کے لحاظ سے کمتر کی ولایت کوترجیح دی جائے۔

سماعت، بصارت اورگویائی کی قوت رکھتا ہو، بہرا، اندھا اورگونگا گواہ نہیں ہوسکتا۔

ضبط: عاقدین کے الفاظ کوسن کران الفاظ کے درمیان مطابقت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

عقد کا معاہدہ کرنے والوں کی زبان سے واقف ہو۔

ولی نہ ہویعنی جوشخص نکاح میں عورت کا ولی ہووہی گواہ نہیں ہوسکتا۔

گواہوں کا کام یہ ہے کہ نکاح کے واقعہ کا مشاہدہ کریں، گواہ عورت کے نام،نسب وغیرہ سے واقف ہوں توکافی ہے یایہ کہ عورت کا چہرہ دیکھ کرشناخت کیا ہو۔

نکاح کا صیغہ یعنی ایجاب وقبول

صیغہ سے وہ الفاظ مراد ہیں جوایجاب وقبول کے لیے عاقدین استعمال کرتے ہیں،

جو الفاظ عورت کی جانب سے کہے جاتے ہیں ان کو ایجاب اور جو شوہر کی جانب سے کہے جاتے ہیں ان کو قبول کہتے ہیں۔

نکاح کے صیغہ کے شرائط وہی ہیں جو بیع کے صیغہ کے ہیں اور عبارت ایسی ہو جس کو عاقدین اور شاہدین سمجھ سکیں۔ ان الفاظ کو عربی زبان میں کہنا ضروری نہیں ہے، نکاح اور زواج کے الفاظ کے علاوہ بیچنے، مالک بنانے یا ہبہ کرنے کے الفاظ سے نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے: ''اِتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ''۔ (صحیح ابن خزیمۃ: باب صفۃ الخطبۃ یوم عرفۃ ۲۸۰۹۔ عن جابر رضی اللہ عنہ) اپنی عورتوں کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، تم نے انھیں اللہ تعالی کی امانت کے طور پر حاصل کیا ہے اور خدا کے حکم سے ان کی شرمگاہیں تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں۔

اللہ کی امانت کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالی نے عورتوں کو شرعی امانتوں کے مانند تمہارے قبضۂ اقتدار میں دیا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ امانت سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: '' فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ ''(البقرۃ:۲۲۹) بس بہترین سلوک کے ساتھ روکے رکھنا ہے یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔

کلمۃ اللہ سے اس آیت کی طرف اشارہ ہے: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ (النساء:۳)

کنایہ کے الفاظ سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اس لیے کہ کنایہ کے الفاظ میں عاقدین کی نیت ظاہر نہیں ہوتی اور شہادت کی تکمیل نہیں ہوتی۔

عموماً پہلے ایجاب عورت کی جانب سے اور اس کے بعد قبول شوہر کی جانب سے ہوتا ہے، لیکن قبول کے پہلے اور ایجاب کے بعد میں ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، جب کہ مقصد حاصل ہو جائے، اگر شوہر یوں کہے کہ میرے ساتھ نکاح کر دو۔ اور ولی کہے: میں نے تیرے ساتھ نکاح کر دیا تو بھی صحیح ہے۔ ولی کہے: اس سے نکاح کر لو اور شوہر کہے میں نے نکاح کر لیا تو کافی ہے۔

نکاح میں وکالت کے احکام

جب شوہر نے نکاح کے لیے اپنی جانب سے وکیل مقرر کیا تو شوہر کے وکیل سے عورت کا ولی کہے گا: میں نے اپنی بیٹی کا نکاح تمہارے فلاں موکل کے ساتھ کیا۔ تو شوہر کا وکیل کہے گا: میں نے اس عورت کا نکاح فلاں شوہر کے لیے قبول کیا۔

اگر ''فلاں شوہر کے لیے'' کے الفاظ چھوڑ دے تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔

اگر ولی وکیل مقرر کرے تو وکیل شوہر سے کہے گا: میں نے فلاں موکل کی بیٹی کے ساتھ تمہارا نکاح کیا۔ تو شوہر اس کو قبول کرے گا۔

اگر ولی بھی وکیل کا تقرر کرے اور شوہر بھی تو وکیل شوہر کے وکیل سے کہے گا: میں نے اپنے فلاں موکل کی بیٹی کا نکاح تمہارے فلاں موکل کے ساتھ کیا۔ تو شوہر کا وکیل کہے گا: میں نے اس عورت کا نکاح فلاں شوہر کے لیے قبول کیا۔

اختلاف: ابوحنیفہ کا قول ہے کہ ہر ایسے لفظ سے عقد منعقد ہوتا ہے جس کے ذریعہ زندگی میں دوامی ملکیت سپرد کردی جائے۔ امام مالک کا قول ہے کہ اس کے ساتھ مہر کا ذکر بھی ہو تو عقد ہوجائے گا۔ خصائص میں لکھا ہے کہ ہبہ اور ہبہ کے ہم معنی لفظ سے بھی عورت کی جانب سے نکاح کا ایجاب ہوسکتا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿**وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ**﴾ (الأحزاب: ۵۰) اور ایمان والی عورت اگر اپنی ذات نبی کے حوالہ کردے۔

نکاح میں تعلیق کے مسائل

تعلیق سے نکاح باطل ہوتا ہے، بیع کی طرح نکاح میں تعلیق جائز نہیں ہے۔ کسی شرط پر موقوف رکھنے کو تعلیق کہتے ہیں، انشاء اللہ یعنی اگر اللہ چاہے، کے الفاظ کہے اور اس سے تعلیق کا ارادہ کرے تو نکاح جائز نہ ہوگا اور اگر محض تبرکاً و تیمناً کہے تو مضائقہ نہیں۔

نکاح میں تاقیت صحیح نہیں

تاقیت سے نکاح باطل ہوتا ہے: نکاح کے لیے کسی مدت کے مقرر کرنے سے نکاح

باطل ہوتا ہے اگر چہ کہ مدت اتنی دراز ہو کہ فریقین میں سے کوئی بھی زندہ نہ رہ سکے جیسا کہ ہزار سال کی مدت۔

نکاحِ متعہ

متعہ تمتع سے مشتق ہے اور تمتع کے معنی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں، چوں کہ متعہ سے محض تمتع مقصد رہتا ہے، نہ کہ اولاد کی پیدائش اور وراثت، اس لیے اس کو متعہ کہا گیا۔ متعہ کے برخلاف نکاح سے اولاد مقصود رہتی ہے اور وراثت کی غرض ہوتی ہے۔ ایک مدتِ مقررہ کے لیے عورت کے ساتھ نکاح کرنے کو متعہ کہتے ہیں۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد زوجیت کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے۔ عقد متعہ موقتی ہونے کی وجہ سے باطل ہے، لیکن متعہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے، شرعی تعزیر کو حد کہتے ہیں۔ متعہ کا نکاح مباح تھا، پھر خیبر کی جنگ کے روز منسوخ کیا گیا، پھر فتح کے دن مباح کیا گیا پھر ایام فتح میں منسوخ کیا گیا اور اس کی حرمت قیامت تک جاری رہے گی۔

صدرِ اسلام میں متعہ کے بارے میں اختلاف تھا لیکن بعد ازاں یہ اختلاف دور ہو گیا اور اس کے حرام ہونے پر اجماع ہو گیا۔ بعض صحابہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رکن (یمانی) اور دروازہ (بیت اللہ) کے درمیان کھڑے ہو کر فرمایا: ''**إِنِّي كُنْتُ أَذِنْتُ لَكُمْ فِي الْاِسْتِمْتَاعِ، أَلَا وَإِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهَا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ كَانَ عِنْدَهُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ فَلْيُخَلِّ سَبِيْلَهَا وَلَا تَأْخُذُوْا مِمَّا آتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا** '' (مسلم: باب نکاح المتعۃ و بیان أنہ أبیح ثم نسخ ثم أبیح ثم نسخ ۳۴۸۸۔ یہ روایت سبرہ جہنی رضی اللہ عنہ سے ہے) بے شک میں نے تمہیں متعہ کی اجازت دی تھی مگر اللہ نے اس کو قیامت کے دن تک حرام کیا ہے۔ اگر تمہارے پاس ایسی عورتوں میں سے کوئی ہے تو اس کا راستہ خالی کر دو یعنی چھوڑ دو اور چلے جانے دو اور جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس کو واپس نہ لو۔

امام شافعی نے کہا ہے: ''**لَا أَعْلَمُ شَيْئًا حُرِّمَ ثُمَّ أُبِيحَ ثُمَّ حُرِّمَ إِلَّا الْمُتْعَةُ** '' میں ایسی چیز نہیں جانتا جو حرام کی گئی پھر مباح کی گئی پھر حرام کی گئی سوائے متعہ کے۔

حضرت ابن عباس سے متعہ جائز ہونے سے متعلق جو قول منقول ہے اس سے آپ نے رجوع کیا تھا، چنانچہ اس باب میں بعض کا قول ہے کہ "مَافَارَقَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلدُّنْيَا حَتّٰى رَجَعَ إِلٰى قَوْلِ الصَّحَابَةِ فِيْ تَحْرِيْمِ الْمُتْعَةِ" ابن عباس دنیا سے رخصت نہیں ہوئے حتی کہ آپ نے متعہ کی تحریم کی نسبت صحابہ کے قول کی طرف رجوع کیا۔

حضرت ابن عباس سے منقول ہے کہ عرفہ کے روز خطبہ میں آپ نے کہا تھا: "أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ الْمُتْعَةَ حَرَامٌ كَالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ وَالْخِنْزِيْرِ"۔ (ابن عباس سے موقوفاً یہ روایت ہے: "هی حرام كالميتة والدم ولحم الخنزير"۔ سنن البیهقی: ۱۳۹۴۵۔ البتہ اس معنی کی روایت مسلم میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ہے جو ابن ابی عمرہ انصاری سے ہے: "إنها كانت رخصة في أول الإسلام لمن اضطر إليها كالميتة والدم ولحم الخنزير ثم أحكم الله الدين ونهى عنها"۔ باب نکاح المتعۃ ۳۴۹۵) اے لوگو! متعہ اسی طرح حرام ہے جس طرح مردار، خون اور سور۔

مختصر یہ کہ متعہ ان تین امور میں سے ہے جو منسوخ کئے گئے۔ دوسری چیز پالتو گدھے کا گوشت اور تیسری چیز قبلہ۔ فقہائے شافعیہ کا قول ہے کہ حدیث صحیحین میں نکاح متعہ کی نہی ہے، اگر ابن عباس تک پہنچی ہوتی تو آپ ہرگز خوف زنا کی صورت میں بھی متعہ کی اباحت کی رائے پر قائم نہیں رہتے۔

حلبی نے السیرۃ میں امیر المؤمنین مامون اور قاضی یحیی بن اکثم کے درمیان ایک دلچسپ مناظرہ کا ذکر کیا ہے۔ مامون نے متعہ کی اباحت کی منادی کروادی۔ یہ سن کر قاضی یحیی، مامون کے پاس پہنچے، آپ کی حالت بدلی ہوئی تھی۔ مامون نے سوال کیا: میں آپ کو کچھ بدلے ہوئے پاتا ہوں، آخر کیا وجہ ہے؟

یحیی نے جواب دیا: اس حادثہ کی وجہ سے جو اسلام میں پیش آیا۔

مامون نے سوال کیا: وہ کیا؟

یحیی نے جواب دیا: وہی زنا کی تحلیل کی منادی۔

مامون نے پوچھا: کیا متعہ زنا ہے؟

یحیی نے جواب دیا، ہاں متعہ زنا ہے۔
مامون نے سوال کیا: یہ آپ کو کہاں سے پتہ چلا؟
یحیی نے جواب دیا: کلام اللہ سے اور اس کے رسول کی سنت سے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ.......... وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ إِلَّا عَلٰى أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ، فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْعَادُوْنَ﴾ (المومنون:۷) اچھے رہے ایمان والے..........اور وہ لوگ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں پر یا ان عورتوں پر جوان کے ملک یمین میں ہیں یعنی باندیوں پر، بے شک ان لوگوں پر کوئی الزام نہیں ہے، لیکن جو لوگ اس سے تجاوز کرتے ہیں وہ نافرمان ہیں۔
یا امیر المؤمنین! کیا متعہ کی عورت ملک یمین ہے؟ مامون نے جواب دیا: نہیں۔ یحیی نے کہا: جس نے ان دو سے تجاوز کیا وہ عادین یعنی نافرمانوں میں شمار ہوگا۔ اب رہی سنتِ رسول، زہری نے روایت کی ہے کہ علی بن ابی طالب نے کہا: ''أَمَرَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أُنَادِيَ بِالنَّهْيِ عَنِ الْمُتْعَةِ وَتَحْرِيْمِهَا بَعْدَ أَنْ كَانَ أَمَرَ بِهَا'' (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متعہ سے ممانعت کی روایت بخاری میں ہے: ''أن عليا رضى الله عنه قال لإبن عباس: إن النبى ﷺ نهى عن المتعة و عن لحوم الحمر الأهلية زمن خيبر''۔ باب نهى رسول اللہ ﷺ عن نکاح المتعة آخرا ۵۱۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو حکم دیا کہ متعہ کی نہی اور اس کی تحریم کی نسبت منادی کردوں حالاں کہ اس سے پہلے آپ ہی نے حکم دیا تھا۔
مامون حاضرین کی طرف پلٹے اور سوال کیا: کیا تمہیں یاد ہے، یہ زہری کی حدیث ہے؟ سبھوں نے تائید کی۔ مامون نے کہا: اللہ تعالی مجھے معاف کرے، متعہ کی تحریم کی منادی کرو۔

اولیائے نکاح

سب سے پہلے باپ، پھر دادا، پھر حقیقی بھائی، پھر علاتی بھائی، پھر حقیقی بھائی کا بیٹا، پھر علاتی بھائی کا بیٹا، پھر چچا، پھر چچا کا بیٹا اسی ترتیب سے۔

عصبات نہ ہوں تو مولی معتق (آزاد کرنے والا) اور پھر اس کے عصبات اور پھر حاکم۔

ولی نکاح کے ارکان میں سے ہے اور اس سے پہلے صراحت کر دی گئی ہے کہ ولی کے بغیر کسی عورت کا نکاح صحیح نہیں ہو سکتا۔ اب یہاں نکاح کے تعلق سے ولی کون اشخاص ہو سکتے ہیں اور ان کے مدارج کیا ہیں بیان کئے گئے ہیں۔

ولایت کے چار اسباب ہیں: ابوت، عصوبت، اعتاق اور سلطنت۔

ابوت باپ کے رشتہ کو کہتے ہیں۔

عصوبت کا لفظ عام ہے جو ابوت کے رشتہ پر بھی حاوی ہے، مگر اسباب ولایت کی تقسیم میں وہ عصوبت مراد ہے جو ابوت کے علاوہ ہے۔

اعتاق غلامی سے رہا کرنے کو کہتے ہیں۔

سلطنت سے مراد حکومت ہے۔

اولیاء کی جو فہرست بیان کی گئی ہے ان سب کو ولایت کا استحقاق ہے، مگر ترتیب کے ساتھ۔ ترتیب کے اظہار کے لیے عربی میں 'ثم' اور اردو میں 'پھر' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، ترتیب کے یہ معنی ہیں کہ پہلے شخص کی موجودگی میں دوسرے شخص کو ولایت کا حق نہیں ہے اور اگر دوسرے شخص کی ولایت سے نکاح کیا گیا تو صحیح نہ ہوگا۔

ابوت باپ اور دادا پر ختم نہیں ہے بلکہ ان کا سلسلہ مراد ہے۔ سب سے پہلے باپ، اس کے بعد دادا، پھر دادا کا باپ وغیرہ، مگر قریب بعید پر مقدم ہوگا۔ باپ اور دادا موجود ہوں تو باپ کو ولایت کا حق ہوگا۔ دادا اور پردادا موجود ہوں تو دادا کو حق ہوگا۔

حقیقی اور علاتی بھائیوں کا درجہ ایک ہی ہے، مگر رشتہ کی قوت کے لحاظ سے علاتی بھائی پر حقیقی بھائی مقدم ہے، اسی طرح حقیقی بھائی کا بیٹا علاتی بھائی کے بیٹے پر۔ حقیقی چچا کو علاتی چچا پر اور حقیقی چچا کے بیٹے کو علاتی چچا کے بیٹے پر تقدیم حاصل ہے۔

چچا کا لفظ عورت کے چچا اور عورت کے باپ کے چچا اور دادا کے چچا پر بھی حاوی ہے اور یہی تعبیر چچا کے بیٹے کے ساتھ ہے۔

نسب کے رشتے دار موجود نہ ہوں تو مولی معتق (آزاد کرنے والا) ولی ہوگا۔ حدیث میں ہے: ''اَلْوَلَاءُ لُحْمَةٌ كَلُحْمَةِ النَّسَبِ'' (مسند احمد ۱/۱۹۱۔۱۹۴) نسب کی طرح ولاء بھی رشتہ ہے۔

اس کے بعد مولی معتق کے عصبات وراثت کی ترتیب کے لحاظ سے ولی ہوں گے۔

حاکم سے قاضی، متولی وغیرہ ہر ایسا شخص مراد ہے جس کو حکومت نے مقرر کیا ہے، عام طور پر یا خاص طور پر شادی کرانے کے لیے۔ فرض کیا جائے کہ کسی عورت کا رشتہ دار صرف چچازاد بھائی ہے اور اسی کے ساتھ نکاح ہونا ہے تو حاکم کی ولایت سے نکاح ہوگا۔ اور کئی ہوں اور ان میں سے ایک کے ساتھ نکاح ہونا ہے تو دوسرے بھائی کی ولایت سے ہوگا۔

اگر عورت کا ولی قصر کے فاصلہ پر ہو تو بھی حاکم کی ولایت سے نکاح ہوگا۔ ولی قید میں ہو اور اس کی ولایت سے نکاح نہ ہوسکتا ہو تو حاکم کی ولایت ہوگی۔ بجیرمی نے لکھا ہے کہ اگر حاکم نہ ہو تو فریقین ایک مرد عادل کا انتخاب کریں گے کہ ان کا عقد کردے۔ اگر ایسا کوئی مرد دستیاب نہ ہو اور عورت کو زنا کا خوف ہو تو وہ خود اپنا نکاح کرواسکتی ہے۔

اختلاف: شافعیہ میں بیٹا اپنی ولایت سے اپنی ماں کا نکاح نہیں کرسکتا۔ بخلاف ائمہ ثلاثہ اور مزنی کے۔ شافعیہ کا استدلال یہ ہے کہ ماں اور بیٹا نسب میں ایک دوسرے کے شریک نہیں ہیں، اس لیے بیٹا ماں کی اولاد کے نسب کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ حنفیہ میں مرد عصبہ بنفسہ کو ولایت کا حق ہے اور ان کے بعد ماں، نانی، نانا کو بھی حق ہے۔ یعنی عورتیں بھی ولی بن سکتی ہیں۔

پیام

عورت کی عدت کے زمانہ میں صراحت کے ساتھ پیام دینا جائز نہیں۔ اشاروں میں جائز ہے، لیکن عدت کے گزرنے کے بعد نکاح ہوگا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ﴾ (البقرۃ: ۲۳۵) تم پر کوئی گناہ نہیں ہے جب کہ تم اشاروں میں عورت کو پیام دو۔

اس کے برخلاف پیام میں صراحت حرام ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلٰكِنْ لَّا

تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ (البقرۃ:۲۳۵)

اس آیت میں لفظ سر سے نکاح کی طرف اشارہ ہے یعنی تم آپس میں نکاح کا مت وعدہ کرو۔

عربی میں ''خِطبۃ'' نکاح کے اس پیام کو کہتے ہیں جو مرد کی جانب سے عورت یا اس کے ولی کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ پیام کے الفاظ صراحۃً ہوسکتے ہیں یا تعریضاً۔

صریح اور کنایہ پیام

صریح ایسے الفاظ کو کہتے ہیں جو نکاح کرنے کی خواہش کو صاف اور صریح طور پر ظاہر کریں جیسا کہ کہے: میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں ۔ جب تمہاری عدت گزر جائے تو نکاح کروں گا۔

تعریض ایسے الفاظ کو کہتے ہیں جو نکاح کرنے کی خواہش کو صاف اور صریح طور پر ظاہر نہ کریں بلکہ صرف نکاح کا احتمال پیدا کریں جیسا کہ کہے: تمہارے بہت سے خواہشمند ہیں، میں تمہاری طرف رغبت رکھتا ہوں ۔تم خوبصورت ہو۔ یا تم جیسی عورت کس کو ملے گی۔

عورت کی عدت کے دوران صریح الفاظ میں پیام دینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، اس لیے کہ صراحت کے ساتھ پیام دینے میں عورت کے دل میں نکاح کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس کا امکان ہوسکتا ہے کہ عدت گزرنے کے بارے میں دروغ بیانی کرے۔

شوہر کے انتقال یا طلاق باین کی وجہ سے عدت میں ہوتو کنایہ الفاظ میں پیام دینا جائز ہے، مگر عدت کے گزرنے کے بعد نکاح ہوگا۔

طلاق رجعی کی عدت میں تعریض کے الفاظ میں بھی پیام دینا جائز نہیں ہے۔اس لیے کہ طلاق رجعی کی عدت میں عورت کی زوجیت باقی رہتی ہے، طلاق رجعی میں شوہر بغیر نکاح کے ہر وقت رجوع کرسکتا ہے۔نکاح سے صرف رجوع کرنا مراد ہوتو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عورت خلع کی عدت میں ہوتو سابق شوہر کے لیے پیام کی تعریض اور تصریح دونوں جائز ہیں، جیسا کہ نکاح جائز ہے۔

جو عورت نکاح کی رکاوٹوں اور کسی دوسرے پیام سے خالی ہو اس سے نکاح کا پیام تعریض اور تصریح دونوں الفاظ میں جائز ہے۔

پیام کے جواب کی نسبت حلت اور حرمت کا حکم وہی ہے جو پیام کی نسبت ہے، اگر پیام جائز ہے تو اس کا جواب بھی جائز ہے۔ اگر پیام حرام ہے تو اس کا جواب بھی حرام ہے۔

مختصر یہ کہ عورت نکاح کی رکاوٹوں سے خالی ہو تو تصریح اور تعریض دونوں الفاظ میں پیام دینا جائز ہے۔ عورت منکوحہ ہو یا طلاق رجعی کی عدت میں ہو تو پیام دینا تصریح اور تعریض کے الفاظ میں حرام ہے۔ عورت طلاق رجعی کے سوائے دوسری کسی عدت میں ہو تو تصریح کے الفاظ میں پیام دینا حرام ہے اور تعریض کے الفاظ میں پیام دینا جائز ہے۔

پیام پر پیام دینے کے احکام

پیام پر پیام دینا حرام ہے۔ شیخین کی حدیث میں ہے جس کے الفاظ بخاری کے ہیں:

’’لَا يَخْطِبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتّٰى يَتْرُكَ الْخَاطِبُ قَبْلَهُ أَوْ يَأْذَنَ لَهُ الْخَاطِبُ‘‘ (بخاری: کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبۃ أخیہ ۴۸۴۸۔ مسلم: النکاح، باب تحریم الخطبۃ علی خطبۃ أخیہ ۱۵۴۱۲۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) کوئی مرد اپنے بھائی کے پیام پر نکاح کا پیام نہ بھیجے، یہاں تک کہ پہلا پیام بھیجنے والا ترک کر چکا ہو یا اس نے اجازت دی ہو۔

پانچ شرائط کی موجودگی میں دوسرا پیام حرام ہے:

۱۔ پہلا پیام جائز ہو؛ اگر پہلا پیام ہی عدت میں بھیجنے کی وجہ سے حرام ہے تو دوسرا پیام جو عدت کے بعد بھیجا گیا حرام نہیں ہے۔

۲۔ پیام قبول ہوا ہو؛ عورت کی جانب سے پیام کے قبول کا جواب صریحاً دیا گیا ہو۔

۳۔ دوسرے مرد کو پہلے پیام، اس کے جواز، اس کے قبول اور دوسرے پیام کی حرمت کا علم ہو۔

۴۔ روگردانی نہ ہوئی ہو: قبول کے بعد مرد کی جانب سے یا عورت کی جانب سے روگردانی ظاہر نہ ہوئی ہو۔

اگران شرائط میں سے کوئی شرط بھی مفقود ہوتو دوسرے مرد کی طرف سے پیام بھیجنے میں کوئی حرمت نہیں ہے۔

عیوب کا تذکرہ

جو شخص عیوب سے واقف ہو اس پر واجب ہے کہ جو نکاح کے لیے یا معاملات کے لیے دریافت کرے اس کے سامنے ان عیوب کو ظاہر کرے، جس قدر کہ ضرورت ہے اسی قدر بیان کرے، نہ کہ اس سے زیادہ۔

ایک عورت (فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ! میں ابوجہم سے شادی کروں یا معاویہ سے؟ آپ نے فرمایا: ''أَمَّا اَبُوْ جَهْمٍ لَا يَضَعُ الْعَصَا عَنْ عَاتِقِهِ وَأَمَّا مُعَاوِيَةُ فَصُعْلُوْكٌ'' (مسلم: الطلاق، باب المطلقة ثلاثا لا نفقة لها ۱۴۸۰۔ ترمذی: النکاح، باب ماجاء فی أن الرجل لا یخطب علی خطبة أخیه ۱۱۳۵) ابوجہم کے ہاتھ سے ڈنڈا نہیں چھوٹتا یعنی اس کی مار پیٹ سے چھٹکارا نہ ہوگا اور معاویہ تو فقیر ہیں۔

افلاس عرف میں عیب ہے، شرع میں عیب نہیں۔ عیوب کا لفظ شرعی اور عرفی دونوں عیوب کو شامل ہے، خواہ اس کا تعلق اپنی ذات سے ہو یا دوسرے کی ذات سے۔ بارزی کا قول ہے کہ عیوب کا تعلق اپنی ذات سے ہو اور وہ شوہر یا بیوی اختیار کرنے پر اثر کرتے ہوں تو عورت کے سامنے ان کا ذکر کرنا واجب ہے۔ اگر عیوب ایسے ہوں جو اختیار کرنے پر اثر نہ کریں مگر اس کی طرف رغبت میں کمی کریں جیسا کہ بدخلقی یا خساست تو اس کا ظاہر کرنا مستحب ہے۔

اگر وہ عیوب معصیت سے تعلق رکھتے ہوں تو اس پر واجب ہے کہ فوراً توبہ کرے اور باز آئے اور چھپائے، اگر کسی سے تولیت کے بارے میں مشورہ کیا جائے اور وہ جانتا ہو کہ خود کفایت نہیں کرے گا یا خیانت کرے گا تو اس پر واجب ہے کہ اپنے اس عیب کو یا اپنی عام اہلیت کو ظاہر کرے۔

غیبت

غیبت چھ صورتوں میں مباح ہے:

۱۔ لقب؛ کوئی شخص نہایت کریہہ لقب سے مشہور ہو گیا ہو تو تعارف کے لیے اس لقب سے اس کا ذکر کرے، نہ کہ حقارت کے طور پر۔

۲۔ استفتاء: تصفیہ کی غرض سے اپنا حال اور اپنے مقابل کا حال تفصیل سے بیان کرے۔

۳۔ فسقِ ظاہر: کسی شخص کے ظاہری فسق کو جس پر وہ علانیہ، بدنامی کے خوف کے بغیر عمل کرتا ہو، اس غرض سے ظاہر کرنا کہ لوگ اس سے واقف ہوں اور پرہیز کریں۔

۴۔ مدد و تعاون کے حصول کے لیے اس شخص کے پاس جو دادرسی کرتا ہو یوں کہے کہ فلاں نے مجھ پر ظلم کیا اور مجھ سے فلاں چیز چھین لی۔

۵۔ تحذیر یعنی آگاہ کرنے کے لیے جو نکاح کے بیان میں مقصود ہے۔

۶۔ ناگوار واقعہ کے ازالہ کے لیے اس شخص کے سامنے جو اس کے ازالہ پر قدرت رکھتا ہو جیسا کہ یہ کہے: فلاں شخص فلاں عورت کے ساتھ زنا کرے گا یا فلاں شخص شراب پئے گا۔

خطبہ نکاح کب مسنون ہے؟

نکاح کے تعلق سے تین مواقع پر خطبہ پڑھنا مسنون ہے:

۱۔ پیام دینے سے پہلے

۲۔ پیام قبول کرنے سے پہلے

۳۔ عقد نکاح سے پہلے

خطبہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی حمد بیان کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے، تقوی کی وصیت کرے اور اس کے بعد پیام کا مطلب ادا کرے۔ لڑکی کا ولی بھی اسی طرح خطبہ دینے کے بعد اپنی رضامندی کا اظہار کرے۔ عقد کے پہلے کا خطبہ کوئی بھی شخص، فقیہ وغیرہ جو عقد نکاح انجام دے رہا ہو پڑھ سکتا ہے۔

خطبۂ نکاح

حاکم نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطبہ کی

تعلیم دی تھی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِيْنُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّآتِ أَعْمَالِنَا، مَن يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَن يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَن لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوْتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ ۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَاءً، وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَاءَلُوْنَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ، إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا۔ يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا، يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَن يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ (یہ خطبہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً اور مرفوعاً مروی ہے۔ دیکھا جائے: شرح الشربینی علی المنهاج: کتاب النکاح ۳/ ۱۳۸) **أما بعد**

تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اس کی حمد بیان کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں اور مغفرت مانگتے ہیں اور ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اپنی ذات کی برائیوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے۔ اللہ تعالی جس کو ہدایت دیتا ہے اس کو کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جس کو اللہ تعالی گمراہ کرتا ہے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ایک ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور تحقیق محمد ﷺ اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جس طرح اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم اسلام کی حالت ہی میں مرو۔ اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتوں کو پھیلایا اور اللہ سے ڈرو جس سے سوال کرتے ہو اور قرابت داروں سے، بے شک اللہ تعالی تم پر نگراں ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور نیک بات کہو، وہ تمہارے اعمال ٹھیک کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخشے گا، جس نے اللہ تعالی اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس نے

بڑی کامیابی حاصل کر لی۔

دعا

عقد کے بعد مسنون ہے کہ برکت کے لیے زوجین کے حق میں دعا کرے:

بارك الله لك وبارك عليك وجمع بينكما فى خير وأخرج منكما نجلاً طيباً ۔ اللهم ألف بينهما كما ألفت بين سيدنا آدم وسيدتنا حواء عليهما الصلاة والسلام وسيدنا إبراهيم وسيدتنا سارة عليهما الصلاة والسلام وبين سيدنا يوسف وسيدتنا زليخا عليهما الصلاة والسلام وبين سيدنا موسى وسيدتنا صفوراء عليهما الصلاة والسلام وبين سيدنا سليمان وسيدتنا بلقيس عليهما الصلاة والسلام وبين سيدنا محمد صلى الله عليه وسلم وسيدتين خديجة الكبرى وعائشة الصديقة رضى الله تعالى عنهما وسيدنا على المرتضى وسيدتنا فاطمة الزهراء رضى الله عنهما۔ آمين يارب العالمين ۔اللهم بارك للحاضرين كلهم أجمعين ۔ سبحان ربك رب العزة عما يصفون وسلام على المرسلين والحمد لله رب العالمين۔

اجبار

باکرہ عورت کو باپ اور دادا نکاح کے لیے مجبور کر سکتے ہیں، ثیبہ کا نکاح جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ بالغ ہو اور اجازت دے۔ حدیث میں ہے: ''**اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَأْمِرُهَا أَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَإِذْنُهَا صُمَاتُهَا**'' (ترمذی: النکاح، باب ماجاء فی استئذان البکر والثیب ۱۱۰۸۔ مسلم: النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ۱۴۲۱۔ مسلم اور ترمذی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن. قالوا: يا رسول الله: وكيف إذنها؟ قال: أن تسكت''۔ مسلم: النکاح، باب استئذان الثیب فی النکاح بالنطق والبکر بالسکوت ۱۴۱۹۔ ترمذی: النکاح، باب ماجاء فی استئذان البکر والثیب ۲۱۰۷) ثیبہ اپنے نفس کی آپ مالک ہے اور باکرہ کا نکاح اس کا باپ کرے گا۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''لَا تُنْكِحُوا الْأَيَامٰى حَتّٰى تَسْتَأْمِرُوهُنَّ''
(دارقطنی ، السنن الکبری وغیرہ میں ''لا تنکحوا الیتامی'' کے الفاظ ہیں: دارقطنی: ۳۵۴۵۔ السنن الکبری: ۱۴۰۶۲۔ یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) بیوہ عورتوں کا اس وقت تک نکاح مت کرو جب تک کہ ان کی اجازت نہ لو۔

مطلب یہ کہ ثیبہ کی اجازت واجب ہے اور غیر ثیبہ کی اجازت مندوب ہے۔

اجبار کے معنی مجبور کرنے کے ہیں۔ بجیرمی نے لکھا ہے کہ اجبار سے اجازت نہ لینا مراد ہے، نہ کہ اس سے مراد اکراہ اور زبردستی ہے۔ باکرہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی بکارت جماع کی وجہ سے زائل نہ ہوئی ہو، خواہ بالغ ہو یا نابالغ، عاقل یا مجنون، عورت کو پیدائش سے بکارت کا پردہ نہ ہو یا گرنے، کودنے یا انگلی کرنے سے، یا حیض کی شدت کی وجہ سے پردہ پھٹ گیا ہو تو بھی وہ باکرہ کے حکم میں داخل ہے۔ بکارت کے بارے میں عورت کے بیان پر بغیر حلف کے اعتماد ہوگا۔

ثیبہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کی بکارت جماع کی وجہ سے زائل ہوئی ہو۔ بکارت کے ازالہ کے لیے اگلی شرمگاہ میں جماع کرنا لازم ہے۔ جماع کے لیے حلت اور حرمت کی قید نہیں ہے، شوہر کے جماع، زنا کے جماع سے بھی پردہ بکارت زائل ہوتا ہے۔

عقد سے پہلے ثبوت کا سوال ہو تو عورت کے حلفی بیان پر اعتماد ہوگا، تاکہ ولی کے اجباری حق کی تردید ہو۔ عورت سے بکارت کے ازالہ کا سبب دریافت کرنے کا حق نہ ہوگا، اگرچہ کہ عورت کا نکاح پہلے نہ ہوا ہو۔

باکرہ عورت کو باپ اور دادا نکاح پر مجبور کرسکتے ہیں، دادا کو اسی صورت میں اختیار ہے جب کہ باپ موجود نہ ہو یا یہ کہ باپ موجود ہو مگر اہلیت نہ رکھتا ہو۔

عورت بالغہ، عاقلہ اور باکرہ ہو تو اس کی رضامندی حاصل کرنا مسنون اور مستحسن ہے۔ حدیث میں ہے: ''وَالْبِكْرُ يَسْتَأْمِرُهَا أَبُوهَا'' (اس کی تخریج ابھی گزری ہے) باکرہ عورت کی رضامندی اس کا باپ بطور استحباب حاصل کرے گا۔

استفسار کے جواب میں عورت کی خاموشی کافی ہے۔ عورت مراہقہ ہو یعنی بلوغ کی عمر کے قریب پہنچ چکی ہو تو اس سے بھی استفسار مسنون ہے اور اس کی خاموشی کافی ہے۔

مسنون ہے کہ کم سن لڑکی کا نکاح بالغ ہونے اور اجازت دینے تک نہ کرے۔

اجازت اور رضامندی حاصل کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ معتبر عورتوں کے ذریعہ عورت کا ارادہ معلوم کرے اور ماں آسانی سے عورت کی مرضی دریافت کرسکتی ہے۔

صرف باپ اور دادا کو عورت کی اجازت کے بغیر نکاح کرنے کا اختیار ہے، بھائی، بھتیجے، چچا اور چچازاد بھائی کو یہ حق نہیں ہے۔ باپ اور دادا کے علاوہ دوسرا کوئی شخص نابالغ لڑکی کا نکاح ہی نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ نکاح کے لیے اجازت کی ضرورت ہے اور نابالغ عورت اجازت کی اہلیت نہیں رکھتی۔

اجبار صحیح ہونے کے شرائط

بغیر اجازت کے عورت کا نکاح کرنے کے لیے چار شرائط ضروری ہیں:

۱۔ عورت اور اس کے ولی کے درمیان کوئی ظاہری عداوت نہ ہو۔

۲۔ شوہر عورت کا کفو ہو۔

۳۔ شوہر مہرِ حال یعنی فوراً مہر ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

۴۔ شوہر اور عورت کے درمیان نہ ظاہری عداوت ہو اور نہ باطنی۔

نکاح کے بعد ولی کی ولایت ختم ہو جاتی ہے، اس لیے ولی کی نسبت صرف ایسی عداوت کا اعتبار کیا جائے گا جس کی محلّہ والوں میں شہرت ہو۔ البتہ ہونے والے شوہر کے لیے قید ہے کہ اس کو عورت سے عداوت نہ ظاہری ہو اور نہ باطنی، اس لیے کہ اس کے ساتھ عورت کو پوری زندگی بسر کرنا ہے۔

کفو سے مراد یہ ہے کہ شوہر معاشرت کے لحاظ سے عورت کا ہم مرتبہ ہو۔

کفو کی چھ خصلتیں ہیں: نسب، دین، پیشہ، آزادی، عیوب سے پاک ہونا اور فراخ دستی۔

ان شرطوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو تو ولی اجبار کا حق استعمال نہیں کرسکتا

یعنی عورت کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتا۔ اگر شرائط نہ پائے جانے کے باوجود لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا ولی نکاح کردے تو نکاح باطل ہوگا۔ البتہ باکرہ عورت کی اجازت کے بعد شرائط کی موجودگی اور عدم موجودگی کا کوئی اثر نہیں ہے۔

نکاح کے بعد جماع کے لیے شرطیں

عقد کے بعد جماع کے جواز کے لیے تین شرائط ہیں:

۱۔ عورت کا نکاح مہر مثل پر کیا گیا ہو۔

۲۔ مہر حال ہو سوائے اس کے کہ تاجیل کی عادت اور رواج ہو۔ حال اس مہر کو کہتے ہیں جو فوری ادا کرنا ہو، اور تاجیل؛ مہر کی ادائی کے لیے مدت مقرر کرنے کو کہتے ہیں۔

۳۔ مہر عورت کے شہر کی نقدی امور میں سے ہو یا جیسی عادت اور رواج ہو۔ ان شرائط کی خلاف ورزی کے لیے عورت کی صریح اجازت درکار ہوگی۔ زبان سے اجازت لازم ہے، خاموشی کافی نہیں ہے، اس لیے کہ ان امور کے اظہار میں حیا مانع نہیں ہے۔ ان شرائط کے بغیر نکاح کردیا جائے تو نکاح صحیح ہوگا مگر مہر مثل، مہر حال اور شہر کے نقدیات میں سے ہوگا۔

ثیبہ کا نکاح

ثیبہ عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز اور صحیح ہی نہیں ہے۔ حدیث میں ہے: ''اَلثَّيِّبُ أَحَقُّ بِنَفْسِهَا'' (اس کی تخریج گزر چکی ہے) یعنی شوہر کے پسند کرنے کے لیے یا اجازت دینے کے لیے عورت زیادہ حقدار ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت اپنا عقد آپ کروانے کا حق رکھتی ہے، جیسا کہ حنفیہ کا قول ہے، ثیبہ نابالغ ہو تو بھی اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ یہاں تک کہ بالغ ہوجائے اور اپنی زبان سے اجازت دے۔ ثیبہ اجازت دینے کے بعد رجوع کرے اور رجوع کی لاعلمی کے ساتھ نکاح کردے تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ ثیبہ نابالغ ہو تو بھی اس کا نکاح باپ اور دادا بلوغ سے پہلے نہیں کرسکتے۔

اختلاف: ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نابالغ عورت کا نکاح ولی کی ولایت سے ہوسکتا ہے۔

محرمات

محرمات سے وہ عورتیں مراد ہیں جن کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، تحریم کا تعلق ذات سے نہیں ہے، مرد یا عورت بذات خود حرام یا حلال نہیں ہیں، بلکہ نکاح کے اعتبار سے بعض کے لیے حلال ہیں اور بعض کے لیے حرام۔

دو طرح کی تحریم

تحریم کی تقسیم دو طرح ہوتی ہے: تحریم ذاتی یا غیر ذاتی، ایک عارضی مراد ہے جو حیض، احرام یا روزہ وغیرہ کی حالت میں خاص مدت کے لیے حرمت لاحق ہوتی ہے، ذاتی تحریم کے اسباب مختلف ہیں:

نسب، رضاعت، مصاہرت کی بناء پر جو تحریم پیدا ہوتی ہے وہ ذاتی ہے اور نکاح کے بیان میں محرمات سے یہی ذاتی تحریم مراد ہے۔

تحریم کی تقسیم دوسری طرح یوں ہے کہ حرمت دائمی ہے یا غیر دائمی۔ نسب، رضاعت اور مصاہرت کے اسباب کی وجہ سے جو تحریم پیدا ہوتی ہے وہ دائمی ہے اور ان کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ جمع کی وجہ سے جو حرمت پیدا ہوتی ہے وہ غیر دائمی ہے۔ ایک کی موت یا جدائی کی وجہ سے دوسرے کے ساتھ نکاح حلال ہے۔ نکاح میں جس رشتہ کی عورتوں کا ایک جگہ جمع کرنا حرام ہے۔ اس رشتہ کی باندیوں کا بھی جماع میں جمع کرنا حرام ہے۔

نصِ قرآن سے چودہ عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ آبَائُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (النساء:۲۲)

اور ان عورتوں کو نکاح میں نہ لاؤ جن کو نکاح میں تمہارے باپ لائے ہیں مگر جو گزر چکا۔

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (النساء:۲۳)

حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور جن ماؤں نے تم کو دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان عورتوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم نے جماع کیا اور اگر تم نے جماع نہیں کیا تو تم پر گناہ نہیں اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ دو بہنوں کو اکھٹی کرو، مگر جو گزر چکا۔

محرم عورتوں کی تفصیل

ان کی تفصیل یہ ہے: نسب سے سات، رضاعت سے دو، مصاہرت سے چار اور جمع میں ایک۔ جملہ چودہ ہوئے حالانکہ حقیقت میں جس طرح نسب سے سات عورتیں حرام ہیں اسی طرح رضاعت کے سبب سے بھی سات عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے اور مصاہرت کی چار عورتوں کو شامل کرنے کے بعد جملہ عورتیں جن کے ساتھ نکاح دائمی طور پر حرام ہے اٹھارہ ہو جاتی ہیں، وہ عورتیں جو ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں کی جاسکتیں تین ہیں: بیوی کے ساتھ بیوی کی بہن، بیوی کی پھوپھی اور بیوی کی خالہ، اب ان سب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

نسب سے سات:

ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ﴾ (النساء:۱۲۳)

نسب کے سبب سے جن عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے ان کے معلوم کرنے کے دو

طریقے ہیں:

ایک طریقہ یہ ہے کہ قرابت کی تمام عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے سوائے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں کے۔ان خاص رشتہ داروں کے بیٹوں اور بیٹیوں کے اور ان کی اولاد کے درمیان نکاح حلال ہے۔ان کے سوائے بقیہ سارے رشتہ داروں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مرد کے لیے اپنے اصول، فصول، اول اصول کے فصول اور اصل اول کے بعد کی اصل کی پہلی فصل کے ساتھ نکاح حرام ہے۔اصول سے مراد ماں، نانی، دادی، پرنانی وغیرہ اور فصول سے بیٹی، پوتی اور نواسی وغیرہ مراد ہیں۔اول اصول کے فصول میں اول اصول ماں اور باپ ہیں اور ماں اور باپ کے فصول میں بہنیں، بھتیجیاں اور بھانجیاں اور ان کی اولاد داخل ہیں جن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔اول اصول کے بعد کے اصول کی پہلی فصل کی صراحت یہ ہے کہ اول اصول ماں باپ ہیں اور ان کے بالکل بعد ہی کے اصول دادا، دادی، نانا اور نانی ہیں اور ان کے پہلے فصول میں پھوپھی اور خالہ ہیں اور ان کے ساتھ نکاح حرام ہے۔دوسری فصل اور تیسری فصل اس حکم سے خارج ہے، اس لیے چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹیوں اور ان کی اولاد کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

محرمات کے معلوم کرنے کا دوسرا طریقہ ابواسحاق اسفرائینی کا دریافت کردہ ہے اور پہلا طریقہ ان کے شاگرد شیخ ابن منصور بغدادی کا دریافت کردہ ہے اور بہ نسبت دوسرے طریقے کے زیادہ مختصر اور آسان بھی ہے۔

ماں سے مراد ہر اصولی عورت ہے جو پیدائش کی باعث ہوئی، ماں کی ماں، باپ کی ماں، ماں کے باپ کی ماں اور باپ کے ماں کی ماں، یہ سب اسی طبقہ میں داخل ہیں۔

بیٹی سے مراد ہر فروعی عورت ہے جو پیدا ہوئی، بیٹے کی بیٹی، بیٹی کی بیٹی، اور ان کا سلسلہ اس میں داخل ہے۔

زنا کے نطفہ سے جو عورت پیدا ہوئی ہے صاحبِ نطفہ کے لیے حرام نہیں ہے اور یہی قول

معتمد ہے، اس لیے کہ نطفۂ زنا کی حرمت نہیں ہے، نطفۂ زنا کے ساتھ سارے احکام کی نفی ہوتی ہے، وراثت وغیرہ جیسے حقوق نہیں پیدا ہوتے، اس لیے کہ شافعیہ میں احکام کی تبعیض نہیں ہوسکتی۔ ایک مسئلہ کے ایک جزء کی نسبت ایک حکم اور دوسرے جزء کی نسبت دوسرا حکم عائد کرنے کو تبعیض کہتے ہیں۔ حنفیہ میں تبعیض کو روا رکھتے ہوئے یہ حکم ہے کہ نطفۂ زنا کے ساتھ نکاح حرام ہے مگر وراثت کا حق پیدا نہیں ہوتا۔ نتیجہ یہ کہ نطفۂ زنا اور صاحبِ نطفہ کے درمیان وراثت نہ ہونے کی نسبت اجماع ہے۔ حنفیہ کی حرمت کی رائے کی توقیر کرتے ہوئے شافعیہ نے نطفۂ زنا کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اجماع اس پر ہے کہ زنا کے نطفہ سے جو لڑکا زانیہ کو پیدا ہوا زانیہ کے لیے اور اس کے محارم رشتہ داروں کے لیے حرام ہے اور ایک دوسرے سے وہ وراثت بھی پاتے ہیں۔

بہن میں حقیقی، علاتی اور اخیافی سب داخل ہیں۔

پھوپھی باپ کی بہن کو کہتے ہیں، باپ کی پھوپھی اور ماں کی پھوپھی بھی اس حکم میں داخل ہے۔

خالہ ماں کی بہن کو کہتے ہیں، باپ کی خالہ اور ماں کی خالہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔

بھتیجی بھائی کی بیٹی کو کہتے ہیں، بھائی کی اولاد کی اولاد بھی اس میں داخل ہے۔ اور بھائی میں حقیقی، علاتی اور اخیافی تینوں رشتے شامل ہیں۔

بھانجی بہن کی بیٹی کو کہتے ہیں۔ بہن کی اولاد اور اولاد کی اولاد بھی اس میں داخل ہیں اور بہن میں حقیقی، علاتی اور اخیافی تینوں بہنیں شامل ہیں۔

رضاعی محرم

رضاعت سے دو؛ رضاعی ماں اور رضاعی بہن کے ساتھ نکاح حرام ہے۔ رضاعت دودھ کے رشتہ کو کہتے ہیں، رضاعت کا رشتہ قائم ہونے کی شرط رضاعت کے بیان میں لکھی گئی ہے۔ رضاعت کے سبب سے ان سات عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے جن کے ساتھ نسب کی وجہ سے نکاح حرام ہے۔ دو کی حرمت کلام مجید سے ثابت ہے اور ابوشجاع نے اپنے متن میں صرف ان ہی دو کا تذکرہ کیا ہے۔ ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ

وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ ﴾(النساء:۱۲۳)بقیہ پانچ کی حرمت حدیث پر مبنی ہے:
''يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ ''(بخاری: الشہادات، باب الشہادۃ علی الأنساب والرضاع ۲۵۰۲، ۲۵۰۳۔ مسلم: الرضاع: باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من الولادۃ ۱۴۴۴، ۱۴۴۷)

دودھ کے رشتہ کی وہ عورتیں حرام ہیں جو نسب سے حرام ہیں۔

رضاعی ماں یا مرضعہ اس عورت کو کہتے ہیں جس نے ان شرائط کے ساتھ جو رضاعت میں ضروری ہیں رضیع کو دودھ پلایا ہے۔

جس عورت نے اصول یعنی باپ اور ماں کو دودھ پلایا وہ بھی اس طبقہ میں داخل ہے۔

رضاعی بہن سے وہ عورتیں مراد ہیں جو رضاعی ماں کی بیٹیاں ہیں، اس کے بطن سے یا جن کو اس نے دودھ پلایا ہو، خواہ ان بیٹیوں نے رضیع کے ساتھ دودھ پیا ہو یا اس سے پہلے یا اس کے بعد۔ رضاعی بہن کی حرمت کے لیے یہ قید نہیں ہے کہ رضیع کے ساتھ دودھ پیا ہو۔ رضاعی رشتہ رضیع کی حد تک محدود ہے۔ رضیع کے بھائی اور بہن کو اس سے تعلق نہیں ہے، بھائی یا بہن کی رضاعی ماں یا رضاعی بہن حرام نہیں ہے، رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت کلام مجید سے ثابت ہے اور بقیہ پانچ؛ رضاعی بیٹی، رضاعی پھوپھی، رضاعی خالہ، رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی کی حرمت حدیثِ بالا پر مبنی ہے۔

مصاہرت کی وجہ سے محرم

مصاہرت سے چار؛ بیوی کی ماں، ربیبہ، باپ کی بیوی اور بیٹے کی بیوی حرام ہیں۔

بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح حرام ہے۔﴿ وأمهات نسائكم ﴾(النساء:۱۲۳)اس طبقہ میں وہ ساری عورتیں داخل ہیں جو بیوی کی پیدائش کا باعث ہوئی ہیں جیسا کہ بیوی کی نانی اور دادی وغیرہ جو نسب سے ہوں یا رضاعت سے۔

ربیبہ بیوی کی بیٹی کو کہتے ہیں جو دوسرے شوہر سے ہے۔ کسی لڑکی کی ماں کے ساتھ جماع ہونے کے بعد ربیبہ (یعنی وہ لڑکی جو بیوی کی بیٹی ہو) کے ساتھ نکاح حرام ہے:
﴿وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِنْ نِسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِنْ لَمْ

تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ﴾ (النساء:۱۲۳)

بیوی کی رضاعی بیٹی اور اس کی اور رضاعی بیٹے کی بیٹی بھی اس حکم میں داخل ہے۔

مصاہرت کا اثر ملک یمین یعنی باندی کے ساتھ جماع کے سبب سے بھی پیدا ہوتا ہے۔ زنا کے تعلق سے حرمت کا ذکر نسب کے رشتہ میں کیا گیا ہے۔ جماع کے علاوہ دیگر مقدماتِ جماع؛ بوس وکنار وغیرہ مباشرت سے عورت کے اصول اور فروع کے ساتھ کوئی حرمت نہیں پیدا ہوتی۔

باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام ہے اگر چہ کہ دخول یعنی جماع نہ ہوا ہو۔ ﴿**وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاءُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ**﴾ (النساء:۱۲۳) (یعنی **قد مضى في الجاهلية قبل علمكم بتحريمه**) اس طبقہ میں تمام اصولی مرد رشتہ داروں کی بیویاں داخل ہیں، نسب سے ہوں یا رضاعت سے۔

بیٹے کی بیوی یعنی بہو کے ساتھ نکاح حرام ہے، اگر چہ کہ اس کے ساتھ دخول یعنی جماع نہ ہوا ہو۔ ﴿**وحلائل أبناء كم الذين من أصلابكم**﴾ اس آیت میں صلبی اولاد کی تخصیص سے یہ مقصود ہے کہ منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کو اس طبقہ سے خارج کیا جائے۔ متبنی کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام نہیں ہے۔ جو حکم بیٹے کی بیوی کی نسبت ہے وہی حکم پوتے اور نواسے کی بیوی کی نسبت ہے۔

ربیب کی بیوی کے ساتھ نکاح حرام نہیں ہے۔ ربیب بیوی کے بیٹے کو کہتے ہیں، جو دوسرے شوہر سے ہو۔

ماں کے شوہر کی بیٹی اور بیٹے کی بیوی کی ماں کے ساتھ نکاح حرام نہیں ہے۔

ان تمام رشتہ داروں کے ساتھ نکاح دائمی طور پر حرام ہے۔ ان رشتہ دراوں کی تعداد اجمالاً تیرہ اور تفصیلاً اٹھارہ ہے جیسا کہ اس سے پہلے بیان کیا گیا، سات نسب کے، سات دودھ کے اور چار مصاہرت کے۔

دو بہنوں کو جمع کرنے کی ممانعت

بیوی کے ساتھ اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنا حرام ہے، اگر چہ کہ بیوی اس پر رضامند ہو۔ بہنوں کو جمع کرنے کی حرمت کے سلسلہ میں یہ آیت ہے ﴿**وَأَنْ تَجْمَعُوا**

بَيۡنَ الۡاُخۡتَيۡنِ اِلَّا مَا قَدۡ سَلَفَ﴾ (النساء:۱۲۲)

پھوپھی اور خالہ کو جمع کرنے کی حرمت اس حدیث پر مبنی ہے: ''لَا تُنۡكَحُ الۡمَرۡأَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا الۡعَمَّةُ عَلٰى بِنۡتِ أَخِيۡهَا وَلَا الۡمَرۡأَةُ عَلٰى خَالَتِهَا وَلَا الۡخَالَةُ عَلٰى بِنۡتِ أَخِيۡهَا، وَ لَا الۡكُبۡرٰى عَلَى الصُّغۡرٰى وَلَا الصُّغۡرٰى عَلَى الۡكُبۡرٰى''۔

(بخاری: النکاح، باب لا تنکح المرأة علی عمتها ۴۸۲۰۔ مسلم: النکاح، باب تحریم الجمع بین المرأة وعمتها ۱۴۰۸۔ شیخین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''لا يجمع بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها''۔)

نکاح میں بیوی کے ساتھ اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کا جمع کرنا نسب سے اور رضاعت سے، بلاواسطہ یا بالواسطہ حرام ہے،، بیوی کے ساتھ بیوی کی ماں یا باپ کی پھوپھی اور خالہ کا جمع کرنا بھی حرام ہے۔

حلت یا حرمت کی نسبت قیاس کرنے کے لیے آسان طریقہ یہ ہے کہ ان دونوں عورتوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت فرض کیا جائے اور اس مفروضہ پر قیاس کیا جائے۔ اگر اختلاف جنس کے ساتھ ان دونوں کے درمیان نکاح جائز ہے تو پھر ان دونوں کو نکاح میں جمع کرنا بھی جائز ہے ورنہ نہیں۔

اگر بیوی کا انتقال ہوجائے یا بیوی سے علحیدگی ہوجائے تو اس بیوی کی بہن، پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح جائز ہے۔ البتہ بیوی کی طلاق رجعی کی عدت کے زمانہ میں اس کی بہن وغیرہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ طلاق رجعی کی عدت میں زوجیت قائم رہتی ہے۔

اگر کسی نے ایک ہی نکاح میں ایسی دو عورتوں کو جمع کیا جن کو جمع کرنا حرام ہے تو نکاح ہی سرے سے باطل ہوگا اور اگر ان کے ساتھ یکے بعد دیگرے نکاح کیا گیا تو پہلا نکاح باقی رہے گا اور دوسرا باطل ہوگا۔

جن رشتوں کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے ان رشتوں کا ملکِ یمین یعنی غلامی کے جماع میں جمع کرنا بھی حرام ہے۔

عیوب کی وجہ سے خیار

شوہر اور بیوی کو اختیار ہے کہ اگر کسی میں جنون، جذام یا برص پایا جائے تو ایک دوسرے کو رد کریں۔ اگر عورت میں رتق یا قرن پایا جائے تو وہ رد کی جاسکتی ہے اور اگر مرد میں جُبّ یا عنت پایا جائے تو مرد رد کیا جاسکتا ہے۔

عیوب کی وجہ سے خیار سے یہ مراد ہے کہ ان عیوب کے پائے جانے پر شوہر اور بیوی کو اختیار ہے کہ نکاح فسخ کروائیں۔

متعدی بیماری

احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جذامی سے احتراز کرنے کی ہدایت کی تھی۔ امام شافعیؒ نے ''الأم'' میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کے آثار میں بھی اس کا پتہ چلتا ہے۔ یہ احادیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آثار صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے: ''فَرِّ مِنَ الْمَجْزُوْمِ فِرَارَكَ مِنَ الْأَسَدِ'' (بخاری میں ''کما تفر من الأسد'' کے الفاظ ہیں: الطب، باب الجذام ۵۳۸۰۔ مسند احمد (۹۷۲۰) اور السنن الکبری (۱۴۱۴۶) میں یہی الفاظ ہیں۔) بھاگو جذامی سے جیسا کہ تم شیر سے بھاگتے ہو۔

صحیح مسلم نے روایت کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے وفد کے ایک جذامی سے فرمایا تھا: ''اِرْجِعْ فَقَدْ بَايَعْنَاكَ'' (ابن ماجہ: کتاب الطب، باب الجذام ۳۵۴۴۔ السنن الکبری ۵۴۶۷۔ یہ روایت شرید رضی اللہ عنہ سے ہے) ہم تم سے بیعت کر چکے، واپس جاؤ۔

مرفوع میں ہے: ''لَا تُدِيْمُوا النَّظَرَ إِلَى الْمَجْذُوْمِيْنَ'' (ابن ماجہ: کتاب الطب، باب الجذام۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) جذامیوں پر اپنی نظر کو دیر تک قائم مت رکھو۔

روایت کی گئی ہے: ''کَلِّمِ الْمَجْذُوْمَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهُ قَيْدَ رُمْحٍ ''(التیسیر بشرح الجامع الصغیر للمناوی ۲/۴۳۱۔ مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں: ''وإذا كلمتموهم فليكن بينكم وبينه قيد رمح''۵۸۱) بھالے برابر فصل کے ساتھ جذامی سے بات کرو۔

خطیب شربینی نے لکھا ہے کہ جذام اور برص کے امراض دوسرے پر اثر کرتے ہیں، اولاد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے مقابلہ میں یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لَا عَدْوٰى وَلَا طِيَرَةَ ''(بخاری: باب الجذام ۵۷۰۷۔ مسلم: لا عدوی ولا طیرۃ ۵۹۲۰۔ یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) نہ تعدی ہے اور نہ بدشگونی۔

زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ سفر وغیرہ پر روانہ ہونا چاہتے تو پرندہ اڑاتے، اگر پرندہ داہنی جانب گیا تو نیک شگون لیتے اور اگر بائیں جانب اڑا تو برا شگون لیتے، اسی طرح کسی بیماری یا آفت میں مبتلا ہوتے تو اس کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرتے اور خدا پر توکل نہ کرتے تھے۔ حدیث بالا سے ان امور کی تردید مراد تھی۔

یہ واقعہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جذامی کے ساتھ کھانا کھایا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے تھالے میں ڈالا اور فرمایا: ''كُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثِقَةً بِاللّٰهِ وَتَوَكُّلًا عَلَيْهِ ''(ابوداود: باب فی الطیرۃ ۳۹۲۷۔ ترمذی: ۱۸۱۷۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) کھاؤ اللہ کے نام سے، اللہ پر بھروسہ اور توکل کرتے ہوئے۔

آپ نے ایک طرف عام طور پر جذامی سے احتراز کرنے کی ہدایت کی اور دوسری طرف آپ نے خود جذامی کے ساتھ کھانا کھایا۔ ان متغایر واقعات پر عمل کرنے سے آپ کا منشا یہ تھا کہ قوی ایمان والے کو توکل کی طرف رہنمائی کریں اور ضعیف ایمان والے کو حفظ و احتیاط کا درس دیں۔

عقد سے پہلے ان عیوب کے پائے جانے یا عقد کے بعد اور جماع سے پہلے یا جماع کے بعد ظاہر ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان عیوب میں سے کسی ایک عیب کے پائے جانے پر نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے۔

معتمد قول یہ ہے کہ فریقین اپنی رضامندی سے ان اعذار کی بنا پر اپنا نکاح خود سے فسخ نہیں کر سکتے، بلکہ ان کو چاہیے کہ قاضی یا حاکم کے پاس رجوع ہوں اور قاضی اس کا تصفیہ کرے۔

ان امور میں فوری عمل کرنے کی بھی شرط ہے۔ جیسا کہ بیع میں عیب کی بنیاد پر خیار پر عمل کرنے کی صورت میں فوری کی شرط ہے۔

جملہ عیوب جن کی بنا پر نکاح فسخ ہوسکتا ہے سات ہیں، تین امور ایسے ہیں جو شوہر اور بیوی دونوں کے لیے عام ہیں اور دو امور بیوی کے لیے اور دو شوہر کے لیے مختص ہیں۔

جنون : دائمی ہو یا غیر دائمی، علاج کے قابل ہو یا علاج کے قابل نہ ہو۔ بے ہوشی جنون سے خارج ہے اور دوسری بیماریوں کی طرح باعث رسوائی نہیں ہے۔ متولی نے جنون کے ہلکے دورے کو بھی فسخ کی وجوہات سے خارج کیا ہے۔

جذام کے پختہ ہونے کی قید نہیں ہے اور نہ شدت کی ضرورت ہے۔ جذام کے آثار نمودار ہوں تو کافی ہے۔

برص میں جلد میں دوران خون بند ہوجاتا ہے اور جلد کے نیچے کے گوشت میں ہی اثر کرتا ہے اور جلد سفید پڑ جاتی ہے۔ بہق اس مرض کو کہتے ہیں جس میں صرف جلد کا رنگ تبدیل ہوتا ہے۔ بہق اس قید سے خارج ہے۔ جنون، جذام اور برص ان تینوں امراض کے عیوب شوہر اور بیوی دونوں کے لیے عام ہیں، کسی ایک میں یہ عیوب پائے جائیں تو دوسرا فسخِ نکاح کا دعوی کر سکتا ہے۔

رتق: عورت کی فرج یعنی اگلی شرمگاہ میں اتنا گوشت بھر جائے کہ جماع نہ ہو سکے۔

قرن: عورت کی فرج میں ہڈی پائی جائے جس کی وجہ سے جماع نہ ہو سکے۔ رتق اور قرن کے دو عیوب بیوی کے لیے مختص ہیں۔ ان میں سے کوئی عیب بیوی میں پایا جائے تو شوہر کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔

جُبّ: مرد کا عضو تناسل کٹا ہوا ہو اور باقی نہ ہو یا باقی ہو تو حشفہ سے کم مقدار میں ہو۔

عَنَت: مردانگی میں کمزوری کی وجہ سے جماع کرنے سے عاجز ہو۔ اس صورت میں

قاضی کے لیے لازم ہے کہ شوہر کو ایک سال کی مہلت دے۔ حضرت عمرؓ نے مہلت دی تھی اور فقہاء نے آپ کی اتباع کی ہے۔ مہلت کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بعض اوقات کسی خاص موسم میں مرد جماع کے قابل نہیں رہ سکتا ہے۔ جُبّ اور عنت کے عیوب شوہر کے لیے مختص ہیں، ان عیوب کے پائے جانے پر بیوی فسخ نکاح کا دعوی کر سکتی ہے، بشرطیکہ عنت میں نکاح کے بعد ایک سال گزر جائے۔

فوائد: ان عیوب کی بنا پر نکاح فسخ کیا جائے تو اس میں چار فوائد ہیں:

۱۔ طلاق کی تعداد یعنی تین میں کمی نہیں ہوتی، فسخ نکاح کے بعد دوبارہ فریقین کا نکاح ہو جائے تو طلاق کی تین تعداد باقی رہتی ہے۔

۲۔ جماع سے پہلے نکاح فسخ کیا جائے تو کسی چیز کی ادائی کی ذمہ داری شوہر پر نہیں رہتی، ورنہ جماع سے پہلے طلاق دینے کی صورت میں مہر کی نصف مقدار واجب ہوتی ہے۔

۳۔ اگر جماع کے بعد ان عیوب کی بنا پر نکاح فسخ کیا جائے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے ورنہ بصورت طلاق مہر مسمی واجب ہوتا ہے۔ فریقین کے درمیان مقررہ مہر کو مہر مسمی کہتے ہیں اور یہ مہر مہر مثل سے زیادہ بھی ہو سکتا ہے۔

۴۔ عقد کے قریب زمانہ میں نکاح فسخ کیا جائے تو بیوی کو کوئی نفقہ نہیں ملتا اگرچہ حمل سے ہو، ورنہ طلاق میں نفقہ واجب ہوتا ہے۔

مہر

مہر اس مال کو کہتے ہیں جو نکاح کے سبب سے مرد کی جانب سے عورت کو دیا جاتا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مہر اس منفعت کا معاوضہ ہے جو نکاح سے حاصل ہوتا ہے ورنہ دراصل یہ معاوضہ نہیں ہے، اس لیے کہ شوہر اور بیوی ایک دوسرے سے مساویانہ لطف اندوز ہوتے ہیں، بلکہ بعض کا خیال ہے کہ لطف اندوزی میں مقابلۃً بیوی کا حصہ شوہر سے زیادہ ہے۔ مہر درحقیقت اللہ تعالی کی جانب سے شوہر کے توسط سے عطیہ ہے، تاکہ دونوں کے درمیان محبت قائم رہے۔

رہا یہ معاملہ کہ اس کی ادائی شوہر کے ذمہ عائد کی گئی اور بیوی اس سے بری کی گئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر بیوی کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے اور شوہر میں کسبِ معاش کی زیادہ قابلیت ہے۔

مہر کے لیے عربی میں بہت سے الفاظ ہیں، ان میں سے چھ کلام مجید میں مذکور ہیں:

﴿وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ (النساء:۴)

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا﴾ (النور:۳۳)

﴿فَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ﴾ (النساء:۲۴)

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ﴾ (النساء:۲۴)

﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا﴾ (النساء:۲۵)

ان آیات میں صدقہ، نحلہ، نکاح، اجر، فریضہ اور طول کے الفاظ مہر کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

اللہ تعالی فرماتا ہے: ''وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً'' یعنی عورتوں کو ان کا مہر

اللہ تعالی کی جانب سے عطیہ کے طور پر دو۔

عام رائے ہے کہ اس آیت میں شوہروں کو خطاب کیا گیا ہے اور بعض کا قول ہے کہ عورتوں کے اولیاء کو مخاطب کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ جاہلیت میں عورتوں کے اولیاء مہر حاصل کرتے اور خود استفادہ کرتے تھے اور اس کو عطیہ کہتے تھے۔

بجیرمی لکھتے ہیں کہ شعیب علیہ السلام کی شریعت میں یہی عمل تھا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿إِنِّىٓ أُرِيدُ أَنۡ أُنكِحَكَ إِحۡدَى ٱبۡنَتَىَّ هَٰتَيۡنِ عَلَىٰٓ أَن تَأۡجُرَنِى ثَمَٰنِىَ حِجَجٍ﴾ (القصص:۲۷) بے شک میں چاہتا ہوں کہ میری ان دو لڑکیوں میں سے ایک کی شادی تم سے کروں بشرطیکہ تم آٹھ سال میری خدمت کرو۔

﴿فَـَٔاتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (النساء:۲۴) عورتوں کو ان کا مہر ادا کرو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے جو مفلس تھا اور نکاح کرنا چاہتا تھا فرمایا: ''اِلۡتَمِسۡ وَلَوۡ خَاتَمًا مِنۡ حَدِيۡدٍ''۔ (بخاری: فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ۱۴۱ ۴۷ ۔ مسلم: النکاح، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن وخاتم حدید......۱۴۲۵۔ یہ روایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہے) کوئی چیز ڈھونڈ لاؤ اور اس کو مہر قرار دو، اگرچہ کہ وہ لوہے کی انگوٹھی کیوں نہ ہو۔

اگر نکاح سے پہلے بغیر مہر کے نکاح کرنے پر بیوی رضامند ہو تو بھی بیوی کا مہر ساقط نہ ہوگا۔ مہر کا ذکر نہ کرنے سے نکاح صحیح ہوتا ہے لیکن کراہت کے ساتھ صحیح ہوتا ہے۔ مسنون ہے کہ جماع سے پہلے مہر کا کچھ حصہ بیوی کو ادا کرے۔ بیجوری لکھتے ہیں کہ بعض لوگ نصف مہر پہلے اور نصف بعد میں اور بعض لوگ دو تہائی پہلے اور ایک تہائی بعد میں ادا کرتے ہیں۔ ہندوستان میں اس کے خلاف فریقین کے درمیان نزاع پیدا ہونے پر مہر کا مطالبہ کیا جاتا ہے یا کسی فریق کے انتقال پر، اس سے پہلے مہر ادا کرنے کی بہت کم مثالیں ملیں گی۔ (قوم نوائط خصوصاً بھٹکل وآس پاس میں بسنے والے عمومی طور پر پورا کا پورا مہر نکاح کی مجلس میں ہی ادا کرتے ہیں، ہماری معلومات کی حد تک کوئی بھی مہر بعد میں ادا نہیں کرتا، بلکہ مجلس ہی میں مہر دیا جاتا ہے)

نکاح میں مہر متعین کرنا مستحب ہے۔ اگر مہر متعین نہ کیا جائے تو بھی نکاح صحیح ہوگا، لیکن

اس میں کراہت ہے، مہر کے مسنون ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر مہر کے نکاح نہیں کیا تھا۔ مہر ارکان نکاح میں داخل نہیں ہے۔ اس لیے کہ نکاح سے خواہشات کا استفادہ مقصود ہے جو فریقین کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور فریقین ارکان ہیں اور مہر ارکان میں سے نہیں ہے، برخلاف اس کے خرید وفروخت سے عوض حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے اور عوض بیع کے ارکان میں سے ہے اور بیع صحیح ہونے کے لیے عوض کا مقرر کرنا واجب ہے۔

مہر واجب نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ مہر کے بغیر نکاح صحیح ہے اور مہر کے فساد کی وجہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ مہر مستحب ہونے کے لیے مہر کی مقدار مقرر نہیں ہے۔ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مہر قرار دی جاسکتی ہے بشرطیکہ مالیت رکھتی ہو۔ ایسی چیز جو مالیت نہیں رکھتی مہر کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ مہر کے لیے اصل چیز کی ضرورت نہیں ہے، قرضہ یا منفعت بھی مہر میں مقرر کیا جاسکتا ہے۔

مہر تین امور سے واجب ہوتا ہے۔ مہر کی مقدار شوہر مقرر کرے یا قاضی۔ مہر کے تعین سے پہلے جماع کرے تو مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر کی قسمیں

مہر کی دو قسمیں ہیں: مہر مسمی اور مہر مثل اور پھر ادائی کے وقت کے لحاظ سے ان دونوں کی تین تین قسمیں ہیں۔ مہر معجّل، مہر مؤجل، اور مہر حال۔

مہر مسمی: اس مہر کو کہتے ہیں جو نکاح کے وقت فریقین کے درمیان مقرر کیا جائے۔ نکاح صحیح میں مہر مسمی کی ادائی شوہر پر واجب ہے، لیکن نکاح فاسد ہو یا نکاح صحیح ہو مگر مہر کا معاہدہ فاسد ہو تو صرف مہر مثل ادا کیا جائے گا۔ مہر مسمی مہر مثل سے زیادہ اور کم بھی ہوسکتا ہے۔

مہر مثل: اس مہر کو کہتے ہیں جو بیوی کے عصبی قرابتداروں؛ بہنوں، بھتیجیوں اور پھوپھیوں وغیرہ کے لیے مقرر کیا گیا ہے، یا جس کا رواج بیوی کے مساوی خاندان میں ہے۔ اگر عصبی رشتے دار نہ ہوں تو ذوی الارحام رشتے داروں کے مہر کی مقدار کا لحاظ کیا جائے۔ مہر کے تعین کے لیے بیوی کی عمر، ذہانت، عقل، حسن، بکارت اور دیگر صفات کی رعایت کی جائے۔

مہر معجل: وہ مہر ہے جس کی ادائی کے لیے مدت مقرر کی گئی ہے۔ مؤجل

اجل سے مشتق ہے جس کی معنی وقت کے ہیں۔

مہر حال : وہ مہر ہے جس میں تعجیل یا تاجیل کا ذکر نہیں ہے۔ یہ مہر عندالطلب ادا کرنا واجب ہے۔

مہر واجب ہونے کی صورتیں

مہر واجب ہونے کی تین صورتیں ہیں:

ا۔شوہر مہر کی مقدار مقرر کرے اور بیوی اس پر رضا مند ہو۔

۲۔مہر کے تعین کے بغیر نکاح عمل میں آئے تو بیوی کو اختیار ہے کہ مہر کے مقرر ہونے اور اس کے ادا ہونے تک سپردگی سے انکار کرے۔

۳۔بیوی کی رضامندی سے مقررہ مدت تک مہر کی ادائی التواء میں رکھنا جائز ہے۔

فریقین کی رضامندی سے مہر، مہر مثل سے زیادہ اور کم بھی ہوسکتا ہے۔مہر مثل کی قید نہیں ہے۔مہر قاضی مقرر کرے۔قاضی کے مقرر کردہ مہر کے لیے لازم ہے کہ مہر مثل کے قریب قریب ہو، اور اس صورت میں فریقین کی رضامندی مشروط نہیں ہے۔البتہ مہر مثل سے زیادہ کمی بیشی ہو تو فریقین کی رضامندی کی ضرورت ہے۔قاضی کے مقرر کردہ مہر کے لیے بھی یہ شرط ہے کہ مہر حال ہو۔قاضی کو اختیار نہیں ہے کہ مہر کو معجّل کرے اور ادائی کو ملتوی کرے۔

قاضی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ شہر کی نقدیات سے مہر مقرر کرے۔

مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد بیوی کو اختیار ہے کہ مہر کے حصول میں تاخیر کرے یا حصول کو بالکلیہ ترک کردے۔اس لیے کہ مہر بیوی کا حق ہے اور بیوی کو اختیار ہے کہ اپنے حق سے دست بردار ہو۔

مہر متعین ہونے سے پہلے شوہر بیوی کے ساتھ جماع کرے تو شوہر کے ذمہ مہر مثل واجب ہوگا۔

مہر مثل متعین کرنے کے لیے تین اوقات کا لحاظ کیا جائے گا:

ا۔عقد کا زمانہ

۲۔ جماع کا زمانہ

۳۔ان دونوں کے درمیان کا زمانہ

ان تینوں زمانوں میں سے جس زمانہ میں مقدار زیادہ قرار پائے اس کا لحاظ کیا جائے گا۔ مہر کی مقدار مقرر ہونے اور جماع کرنے سے پہلے شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے تو اظہر قول یہ ہے کہ مہر مثل واجب ہوگا، بشرطیکہ نکاح صحیح ہو۔ نکاح فاسد کی حالت میں موت ہو جائے تو مہر ہی واجب نہ ہوگا۔

مہر کی مقدار

مہر کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں ہے، لیکن مسنون ہے کہ دس درہم سے کم نہ ہو اور پانچ سو درہم سے زیادہ نہ ہو۔ حدیث میں ہے: ''**اِلْتَمِسْ وَلَوْخَاتَمًا مِنْ حَدِيْدٍ**''۔ (بخاری: فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ ۴۷۴۱۔ مسلم: النکاح، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم قرآن وخاتم حدید...... ۱۴۲۵۔ یہ روایت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے ہے) ڈھونڈ لاؤ اگرچہ کہ لوہے کی انگوٹھی کیوں نہ ہو۔

یعنی چھوٹی سی چھوٹی چیز بھی مہر کے لیے جائز ہے بشرطیکہ مالیت رکھتی ہو۔

غیر حرام کی قید ہے۔ شراب حرام ہے اور مہر کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ حرام چیز مقرر کی جائے تو اس کے عوض مہر مثل واجب ہوگا۔

اصول یہ ہے کہ ہر عین چیز یا اس کی منفعت جس کی قیمت ہو سکتی ہے وہ مہر ہو سکتی ہے۔ منفعت کی مثال علم، فن یا پیشہ کی تعلیم ہے۔ علم یا فن سکھانے کے معاہدہ کو مہر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہر وہ چیز جس کی بیع جائز ہے اس کو مہر قرار دینا جائز ہے۔

مسنون ہے کہ مہر دس درہم سے کم نہ ہو جو ہندوستان میں ڈھائی تولے چاندی کے برابر ہیں۔

اختلاف : حنفیہ میں دس درہم سے کم مقدار میں مہر جائز نہیں ہے۔ اس کی رعایت کرتے ہوئے شافعیہ نے اس مقدار کو مسنون قرار دیا ہے۔

مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کے لیے بھی کوئی حد معین نہیں ہے، لیکن مستحب ہے کہ مہر کی زیادتی میں مبالغہ نہ کیا جائے۔ عرب کا قول ہے: ''أَخَفُّهُنَّ مُهُورًا أَكْثَرُهُنَّ بَرَكَةً''، جن عورتوں کا مہر کم ہوتا ہے ان میں برکت زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں فرمایا: ''لَا تُغَالُوْا فِی الْمَهْرِ''۔ (مسند احمد اور اصحاب سنن کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''ولا تغلوا صَدَقَ النساء''۔ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے: النکاح، باب ماجاء فی مھور النساء ۱۱۱۴) مہر میں مبالغہ مت کرو۔

مسنون ہے کہ پانچ سو درہم سے زیادہ مہر نہ مقرر کیا جائے، جو ایک سو پچیس تولے چاندی کے برابر ہے۔ نبی ﷺ نے امہات المؤمنین اور اپنی صاحبزادیوں کے نکاح میں اسی قدر مہر مقرر فرمایا تھا۔ ام حبیبہ کا مہر چار سو دینار نجاشی نے تکریماً بھیجا تھا۔

مہر ساقط کب ہوتا ہے؟

جماع سے پہلے طلاق دینے پر نصف مہر ساقط ہوتا ہے۔ مہر کی ذمہ داری کے لحاظ سے چار صورتیں ہیں:

۱۔ عام طور پر کامل مہر واجب الادا ہے۔
۲۔ بعض حالات میں نصف مہر واجب الادا ہے۔
۳۔ بعض حالات میں پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔
۴۔ بعض وقت متعہ یعنی تھوڑی رقم دی جاتی ہے۔

کامل مہر

کامل مہر شوہر کے ذمہ دو صورتوں میں واجب الادا ہے:

۱۔ نکاح کے بعد؛ شوہر بیوی کے ساتھ ایک ہی مرتبہ جماع کیوں نہ کرے، پورا مہر ادا کرنا اس پر واجب ہے۔

اختلاف: خلوت صحیحہ شوہر اور بیوی کی ایسی تنہائی کو کہتے ہیں جس میں کوئی مخل نہ ہو۔ حنفیہ میں خلوتِ صحیحہ کے بعد بھی کامل مہر ادائی کے لائق ہوتا ہے۔ امام شافعی نے اپنے

قدیم قول میں امام ابوحنیفہ کی تائید کی تھی مگر جدید قول میں ان سے اختلاف کیا اور یہ قرار دیا کہ جماع سے مہر قرار پاتا ہے، نہ کہ خلوت سے۔

۲۔ نکاح کے بعد اور جماع سے پہلے شوہر یا بیوی کا انتقال ہو جائے تو کامل مہر واجب الادا ہوتا ہے۔

نصف مہر

نصف مہر اس وقت شوہر کے ذمہ ہے جب کہ نکاح کے بعد اور جماع سے پہلے دونوں میں علحید گی ہو جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے: ''**ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوْهُنَّ**'' (البقرۃ:۲۳۷) اور اگر تم ان کو چھونے سے قبل طلاق دے دو۔

سقوط مہر

مہر تین صورتوں میں شوہر کے ذمہ عائد ہی نہیں ہوتا:

ا۔ جب کہ نکاح کے بعد اور جماع سے پہلے عیوب کے سبب خیار کی وجہ سے (جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے) نکاح فسخ کیا جائے۔

۲۔ افلاس اور تنگدستی کی وجہ سے شوہر مہر ادا نہ کر سکے اور جماع سے پہلے نکاح فسخ کیا جائے۔

۳۔ نکاح فاسد ہوا اور جماع سے پہلے فسخ کیا جائے۔

متعہ

وہ عورت جو مہر کے بغیر نکاح کروانے پر رضا مند ہو اور نکاح کے بعد اور مہر مقرر کرنے اور جماع سے پہلے اس کو طلاق دی گئی تو بیوی کو متعہ ادا کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿**لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَمَتِّعُوْهُنَّ**﴾ (البقرۃ:۲۳۶) کوئی مضائقہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جن کو تم نے نہیں چھویا۔ جن کا مہر تم نے مقرر نہیں کیا، ان کو متعہ دے دو۔

متعہ تمتع سے ماخوذ ہے جس کے معنی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں اور شرع میں اس

مال کو متعہ کہتے ہیں جس کا ادا کرنا شوہر پر واجب ہے ایسی علحید گی کی صورت میں جس میں نصف مہر بھی واجب نہیں ہوتا۔

یہ علحید گی عورت کی وجہ سے نہیں ہوتی اور نہ عورت کے سبب سے اور نہ ان دونوں میں سے کسی کے انتقال کر جانے کی وجہ سے۔

متعہ کی مقدار

مسنون ہے کہ متعہ کی مقدار تیس درہم یعنی ساڑھے سات تولہ چاندی سے کم نہ ہو اور نصف مہر کی مقدار سے کم ہو۔ اگر اس بارے میں فریقین میں اختلاف ہو تو شوہر کے رتبہ اور حیثیت اور بیوی کے خاندان کی حیثیت کا اعتبار کرتے ہوئے متعہ کی مقدار قاضی مقرر کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (البقرۃ:۲۳۶) اور مال دو عورتوں کو، فراخ دست اپنی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق مال دے گا، رواج کے مطابق جو حق ہے احسان کرنے والوں پر۔

تفویض کے احکام

تفویض کسی امر کو دوسرے شخص کی مرضی پر چھوڑ دینے کو کہتے ہیں جیسا کہ ''فَوَّضْتُ أَمْرِيْ إِلَى اللّٰهِ''۔ میں نے اپنا کام اللہ کے سپرد کیا۔ تفویض کی دو قسمیں ہیں: تفویض نکاح اور تفویض مہر۔

تفویض نکاح میں صرف شوہر کا انتخاب ولی وغیرہ کے سپرد کیا جاتا ہے اور مہر کی نوعیت اور مقدار بیوی کی رضامندی پر موقوف رہتے ہیں۔ تفویض مہر میں عورت مہر کی نفی کرتی ہے۔ ولی اس کا نکاح کرے گا اور نکاح کے وقت مہر کی نفی کرے گا یا مہر کے بارے میں خاموش رہے گا۔ تفویض کے لیے شرط ہے کہ عورت بالغ اور عاقل ہو، ورنہ تفویض صحیح نہ ہوگی۔ تفویض کے ساتھ نکاح انجام پایا اور ابھی مہر مقرر نہ ہوا کہ شوہر نے طلاق دی تو عورت کو صرف متعہ ملے گا، ورنہ عام احکام کے تحت بیوی مہر پائے گی۔

ولیمہ

ولیمہ ''ولم'' سے مشتق ہے اور ''ولم'' کے معنی اجتماع کے ہیں اور شرع میں اس ضیافت کو ولیمہ کہتے ہیں جو عقد نکاح کے بعد شوہر کی جانب سے دی جاتی ہے۔ عام طور پر ولیمہ ہر اس ضیافت کو کہتے ہیں جو کسی قابلِ مسرت واقعہ کے رونما ہونے پر دی جاتی ہے۔

ولیمہ کا حکم

ولیمہ سنت مؤکدہ ہے، اس کا قبول کرنا اور اس میں جانا واجب ہے، سوائے اس کے کہ کوئی عذر ہو، چوں کہ نبی ﷺ کے قول اور فعل دونوں سے ولیمہ ثابت ہے اس لیے سنت مؤکدہ ہے۔ بخاری نے روایت کی ہے کہ آپ نے ام سلمہ اور صفیہ سے نکاح کے بعد ولیمہ کیا تھا۔ (بخاری کی روایت میں ہے کہ آپ نے اپنی کسی بیوی کی شادی میں دو مُد جو سے ولیمہ کیا: النکاح، باب من أولم بأقل من شاۃ ۴۸۷۷۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ صفیہ بنت حیی بن اخطب کا ولیمہ ستّو اور کھجور سے کیا: النکاح، باب ماجاء فی الولیمۃ ۱۰۹۵)

عبدالرحمٰن بن عوف نے نکاح کیا تو آپ نے فرمایا: ''أَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ'' (بخاری: النکاح، باب الولیمۃ ولو بشاۃ ۴۸۷۲۔ مسلم: النکاح، باب الصداق وجواز کونہ تصلیح قرآن ۱۴۲۷) ولیمہ کرو، اگر چہ کہ ایک بکری کیوں نہ ذبح کرو۔

گو مذکورہ حدیث میں امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے مگر قربانی اور دوسری ضیافتوں پر قیاس کرتے ہوئے اس سے مندوب مراد ہے۔

بالغ اور عاقل شوہر کے لیے ولیمہ کرنا مسنون ہے، نابالغ کی جانب سے اس کا باپ یا دادا، اپنے مال سے ولیمہ کرے تو کافی ہے۔ ولیمہ کے علاوہ دوسری ضیافتیں مسنون ہیں

جیسا کہ ختنہ کے موقع پر، دور دراز سفر سے واپس آنے پر۔ امام شافعی کا قول ہے کہ ولیمہ کا لفظ ہر اس ضیافت پر صادق آتا ہے جو کسی خوشی کے موقع پر دی جائے۔

ولیمہ کا وقت

ولیمہ کا وقت عقد کے بعد شروع ہوتا ہے۔ عقیقہ کی طرح ہی نہ زیادہ زمانہ گزرنے پر فوت ہوتا ہے اور نہ طلاق سے اور نہ شوہر کی موت ہونے سے ساقط ہوتا ہے۔ بعض کا قول ہے کہ بیوی باکرہ ہو تو سات روز تک اور ثیبہ ہو تو تین روز تک ولیمہ ادا ہو سکتا ہے اور اس کے بعد قضا کیا جائے گا۔ باکرہ کی زفاف کی مدت سات دن اور ثیبہ کی تین دن ہے اور اسی لحاظ سے ولیمہ کی ادائی کی مدت کو محدود کیا گیا ہے۔ افضل یہ ہے کہ جماع کے بعد ولیمہ کی ضیافت کی جائے، ولیمہ کی ضیافت کے لیے رات کا وقت مسنون ہے۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کا حکم

ابو شجاع کا قول ہے کہ نکاح کے ولیمہ کی دعوت قبول کرنا اور اس میں شرکت کرنا واجب ہے۔ ابن قاسم نے لکھا ہے کہ اصح قول یہ ہے کہ فرض عین ہے اور بعض نے لکھا ہے کہ فرض کفایہ۔ یہ سارے احکام نکاح کے ولیمہ سے متعلق ہیں، ورنہ دوسری ضیافتوں میں شریک ہونا مسنون ہے۔ امام غزالی نے احیاء میں لکھا ہے کہ دعوت ولیمہ کے قبول کرنے اور شرکت کرنے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور واجب کی ادائیگی مقصود ہو تو یہ آخرت کے امور میں سے ہے اور اس کا ثواب ملے گا، اس سے صرف کھانا اور بھوک مٹانا مقصود ہو تو یہ دنیوی امور میں سے ہے اور اس کا کوئی ثواب نہیں ہے۔

ولیمہ میں شرکت کا مقصد یہ ہے کہ اپنے مومن بھائی کو خوش کرے اور اس کی تکریم کرے۔ صحیحین کی حدیث میں ہے: ''إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَأْتِهَا'' (بخاری: النکاح، باب حق إجابۃ الولیمۃ والدعوۃ ۴۸۷۸۔ مسلم: النکاح، باب الأمر بإجابۃ الداعی إلی دعوۃ ۱۴۲۹۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اگر تم کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو تمہیں جانا چاہیے۔

ابوداؤد نے روایت کی ہے: ’’ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلْيُجِبْ عُرُسًا كَانَ أَوْ غَيْرَهُ ‘‘ (یہ روایت مستخرج أبي عوانة میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے: بیان إیجاب إجابة الدعوة قریبا کان أو غیره ۳۳۹۵) اگر تم کو کوئی دعوت دے تو تم کو جانا چاہیے۔ نکاح کا ولیمہ ہو یا کوئی اور۔

مذکورہ حدیث میں صیغہ امر سے نکاح کے ولیمہ میں شرکت کو واجب کہنے کی رائے دی گئی ہے، لیکن پہلے والی تعبیر کی تائید مسند احمد کے بیان کردہ واقعہ سے ہوتی ہے کہ عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ختنہ کی دعوت دی گئی تو آپ نے انکار کیا اور کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایسی دعوت نہیں دی گئی۔ صحیحین کی مرفوع حدیث یہ ہے: ’’ إِذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إِلٰى وَلِيمَةِ عُرْسٍ فَلْيُجِبْ ‘‘۔ (مسلم: باب الأمر بإجابة الداعی إلی دعوة ۳۵۸۴۔ ابن ماجہ: ۱۹۱۴۔ مسند احمد: ۴۷۳۰۔ یہ روایت بخاری میں نہیں ہے۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) اس میں نکاح کے ولیمہ کی قید ہے اور مسلم کی بیان کردہ حدیث بھی اس پر محمول ہے: ’’ بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعٰى إِلَيْهَا الْأَغْنِيَاءُ، وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ، فَمَنْ لَّمْ يَأْتِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ‘‘ (مسلم: باب الأمر بإجابة الداعی إلی دعوة ۱۴۳۲۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) اس ولیمہ کا کھانا برا ہے جس میں صرف مالداروں کو بلایا جائے اور فقیروں کو نظر انداز کیا جائے اور جس سے فخر ومباہات مقصود ہو (اور اگر ایسا نہ ہو) اور دعوت میں شرکت نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔

نکاح کے ولیمہ کے علاوہ دوسری ضیافتوں کا قبول کرنا اور اس میں شرکت کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنے کے شرائط

ولیمہ میں شریک ہونے کے وجوب کے لیے یہ شرائط ہیں کہ داعی نے محض مالداروں کو ان کی مالداری کی وجہ سے دعوت نہ دی ہو، جیسا کہ حدیث ’’ بِئْسَ الطَّعَامُ ‘‘ سے ظاہر ہے۔ اگر مالداروں کو ہم سایہ یا ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے دعوت دی گئی ہو تو مضائقہ نہیں۔ بہر حال مالداروں کے ساتھ تخصیص نہ کی گئی ہو۔ قبول کرنے کے لیے لازم ہے کہ داعی نے

مالداروں کے ساتھ فقیروں کو بھی بلایا ہو۔

اگر ولیمہ کی دعوت تین روز دی جائے تو پہلے دن کی شرکت واجب ہے، دوسرے دن مسنون اور تیسرے دن مکروہ ہے۔ ابوداؤد نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''اَلْوَلِيْمَةُ فِى الْيَوْمِ الْأَوَّلِ حَقٌّ وَفِى الثَّانِىْ مَعْرُوْفٌ وَفِى الثَّالِثِ رِيَاءٌ وَ سُمْعَةٌ'' (مسند احمد: ۲۸۱۵) ولیمہ پہلے روز ضروری ہے، دوسرے روز نیکی ہے اور تیسرے روز ریا اور نمائش ہے۔

اگر جگہ کی تنگی کی وجہ سے دعوت کو تین دنوں میں تقسیم کر کے ہر ایک روز ایک طبقہ کے لوگوں کو بلائے تو اس میں شرکت واجب ہے، خواہ کسی روز ہو۔

داعی اور مدعو مسلم ہوں۔ داعی تصرف کا حق رکھتا ہو۔ داعی یا اس کا نمائندہ مدعو کو معین کر کے دعوت دے، نہ کہ عمومی دعوت کے طور پر منادی کر دے۔

مدعو کو کسی خاص شخصی منفعت کے لیے دعوت نہ دے۔

داعی ظالم نہ ہو۔

مال حرام سے ضیافت کا اہتمام نہ کیا گیا ہو۔

عامل یا حاکم کو اس کے حدودِ مملکت میں دعوت نہ دی گئی ہو۔ حدود مملکت میں دعوت کا قبول کرنا حرام ہے۔

دعوت قبول نہ کرنے کے اعذار

بعض اعذار کی بناء پر ولیمہ میں شرکت سے انکار کیا جا سکتا ہے اور قبول کرنا واجب باقی نہیں رہتا:

محفل ولیمہ میں وہ شخص موجود ہو جس سے اذیت کا خوف ہو یا منہیات اور خرافات عمل میں لائے جائیں۔ اگر یہ توقع ہو کہ مدعو کی شرکت سے منہیات اور خرافات سے داعی احتراز کرے گا تو مدعو کی شرک دوہری واجب ہوگی۔ ایک تو اجابت ولیمہ کے لیے اور دوسری منہیات سے باز رکھنے کے لیے۔

ولیمہ کا کھانا

مالدار کے لیے ولیمہ کی اقل کمال مقدار یہ ہے کہ ایک بکری ذبح کرے، اور تنگ دست کے لیے اجازت ہے کہ اس کو جو میسر آئے کھلائے پلائے جیسا کہ چائے، قہوہ، کافی اور دیگر مشروبات۔

ولیمہ کے مستحبات

جو امور عقیقہ میں مستحب ہیں ولیمہ میں بھی مستحب ہیں۔ ہڈی نہ توڑے تاکہ بیوی کے لیے فال نیک ہو اور میٹھے کے ساتھ پکائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ کے ولیمہ میں شعیر (ایک گیہوں کی قسم) سے اور صفیہ رضی اللہ عنہا کے ولیمہ میں کھجور، گھی اور اقط سے تواضع کی تھی۔ (دونوں روایتوں کا حوالہ ابتدائے باب میں گزر چکا ہے)

ولیمہ میں کھانے کا حکم

ولیمہ میں شرکت واجب ہے لیکن اصح قول یہ ہے کہ کھانا کھانا واجب نہیں ہے بلکہ مندوب ہے۔ اگر روزہ نفل ہو اور کھانا نہ کھانے میں داعی کو گراں گزرنے کا خوف ہو تو افضل ہے کہ روزہ افطار کرے اور کھانا کھائے، اگر داعی کو گراں نہ گزرے تو روزہ کی تکمیل افضل ہے۔ روزہ فرض ہو تو افطار کرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ نذر کا روزہ، اس کا نتیجہ یہ کہ ولیمہ میں شرکت کا وجوب روزہ کی وجہ سے بھی ساقط نہیں ہوتا۔

داعی جو چیز پیش کرے اس کا کھانا جائز ہے، اگر چہ کہ زبان سے نہ کہے۔ جو چیز موجود ہو اس کو کھانے کی اجازت ہے، کسی دیگر تصرف کی اجازت نہیں ہے، مہمان صرف اپنے لقمہ کا مالک ہے۔ مہمان تکلف کرے اور کھانے سے ہاتھ اٹھالے تو داعی کے لیے مسنون ہے کہ کھانے کی ترغیب دے اور تین مرتبہ اصرار کرے، نہ کہ اس سے زیادہ۔

مہمان کے لیے مسنون ہے کہ صاحب خانہ کے لیے یہ دعا کرے: ''**أَكَلَ طَعَامَكُمُ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمُ مَلَائِكَةُ اللّٰهِ الْأَخْيَارُ وَذَكَرَكُمْ فِيْمَنْ عِنْدَهُ وَأَفْطَرَ**

عِنْدَكُمُ الصَّائِمُوْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اخْلُفْ عَلٰى بَاذِلِهٖ وَهَنِّئْ آكِلَهُ وَاطْرَحِ الْبَرَكَةَ فِيْهِ ‘‘۔(مسنداحمد وغیرہ میں ’’أكل طعامكم الأبرار، وأفطر عندكم الصائمون، وصلت عليكم الملائكة ‘‘ کے الفاظ ہیں۔مسند احمد: ۱۲۴۲۹۔شیخ ارناؤوط نے اس روایت کوصحیح علی شرط الشیخین کہا ہے۔مسند بزار: ۶۸۷۲۔مسند ابویعلی: ۴۳۱۹۔ابن ماجہ کی روایت میں اس کے بعد ’’وذكركم الله فيمن عنده ‘‘ کا اضافہ ہے۔بحوالہ فتح الباری: باب من لم یُظهر ۴/ ۸۸)تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں اوراللہ تعالی کے فرشتہ گانِ خیر تم پر درود بھیجیں ۔اللہ تعالی اپنے پاس والوں میں تمہارا ذکر کرے،تمہارے پاس روزہ دار افطار کریں ۔یا اللہ! میزبان کے پیچھے نیکی کو چھوڑ اور مہمان کی غذا کو خوشگوار کر اور اس میں برکت دے۔

نکاح کی مبارک بادی کے الفاظ:بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِيْ خَيْرٍ۔

خلع

خلع مشتق ہے ''خلع'' سے، جس کے معنی نزع کرنے، اتارنے اور نکالنے کے ہیں، اور شرع میں معلوم اور مقصود عوض کے بدلہ شوہر سے علحیدگی حاصل کرنے کو خلع کہتے ہیں۔ لغوی اور شرعی معنوں میں یہ مناسبت ہے کہ زوجیت کی حالت میں زوجین ایک دوسرے کے لیےلباس کے مانند ہیں۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرۃ:۸۷) عورتیں تمہارا لباس اور تم عورتوں کے لباس ہو۔

مراد یہ ہے کہ زوجین ایک دوسرے کے راز دار ہیں اور ایک دوسرے کو برائیوں سے روکتے ہیں۔ زوجین کے درمیان علحیدگی کو ظاہری لباس کے اتار دینے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

خلع جائز ہے، لیکن نکاحِ جدید کے بغیر طہر اور حیض دونوں حالتوں میں رجوع نہیں ہوسکے گا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيْئًا مَرِيْئًا﴾ (النساء:۴) پس اگر بیبیاں خوشی سے مہر کا کوئی جزء چھوڑ دیں تو تم اس سے مزے اور خوشگواری سے استفادہ کرو۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرۃ ۲۲۹) پس دونوں پر گناہ نہیں ہے کہ عورت بدلہ دے کر اپنی گلوخلاصی کرے۔

بخاری نے روایت کی ہے کہ سہل انصاری کی بیٹی ام حبیبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: یارسول اللہ! میرے شوہر ثابت بن قیس کے اخلاق اور دین کی نسبت مجھ کو کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن ایسی عورت ہوں جو اسلام میں کفر کو پسند نہیں کرتی، یعنی کفران نعمت کو پسند نہیں کرتی۔

شوہر نعمتِ دنیاوی ہے اس سے استفادہ نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''أَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهُ'' کیا تم اس کا باغ اس کو واپس کردوگی۔ ثابت بن

قیس نے یہ باغ مہر میں دیا تھا۔ ام حبیبہ نے رضامندی کا اظہار کیا۔ نبی ﷺ نے ثابت کو ہدایت کی کہ: ''اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً'' (بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق ۴۹۷۱) باغ قبول کرواور اس کو طلاق دے دو۔

اسلام میں خلع کا یہ پہلا واقعہ ہے۔

خلع بھی طلاق کی ایک قسم ہے، خلع جائز ہونے سے یہ مراد ہے کہ خلع صحیح ہے، لیکن دراصل طلاق کی طرح خلع بھی مکروہ ہے۔ حدیث میں ہے: ''أَبْغَضُ الْحَلَالِ إِلَى اللّٰهِ اَلطَّلَاقُ'' (ابوداود: الطلاق، باب فی کراھیۃ الطلاق ۲۱۷۸۔ ابن ماجہ: أول کتاب الصداق ۲۰۱۸) حلال چیزوں میں سے جو چیز اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کی باعث ہے وہ طلاق ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نکاح مطلوبِ شرعی ہے اور خلع نکاح کو منقطع کرتا ہے۔ کراہت سے استثناء کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ فریقین کو خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کی پابندی نہ کرسکیں گے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِلَّا يَخَافَا أَن لَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ، فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ﴾ (البقرۃ: ۲۲۹) مگر یہ کہ ڈریں اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ پس اگر تم کو خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کو قائم نہ رکھیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت بدلہ دے کر اپنی گلوخلاصی کرے۔

ایسی صورت میں خلع مستحب ہے۔

۲۔ کسی ایسے کام کے نہ کرنے کے لیے تین طلاق دینے کا حلف اٹھائیں جس کا کرنا لابدی ہو جیسا کہ کہے: اگر میں گھر میں داخل ہوا تو میری بیوی کو تین طلاق ہوں گے۔ اور گھر میں داخل ہونا ایسا لابدی امر ہے جس کو ٹالنا دشوار ہے۔

خلع عوض کے بدلہ ہوتا ہے

عوض کے بدلہ خلع جائز ہے۔ عوض مقدار میں کم ہو یا زیادہ، قرض ہو یا نقد، عین چیز ہو یا اس کی منفعت، مملوک ہو یا غیر مملوک، طاہر ہو یا نجس، معلوم ہو یا مجہول۔ اس لیے کہ آیت ﴿فَلَا

جُنَاحَ عَلَيۡهِمَا فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) عام ہے۔عوض متعین،معلوم اور طاہر ہوتو اس کا ادا کرنا بیوی پر ضروری ہوگا۔اگر عوض مجہول یا نجس ہو تو بیوی کے ذمہ مہر مثل ضروری ہوگا۔

خلع کے اثرات

خلع کے ذریعہ بیوی اپنے نفس کی خود مالک بن جاتی ہے اور شوہر کے حق میں اجنبی ہو جاتی ہے۔اس لیے خلع کے بعد بیوی سے شوہر جدید نکاح کے بغیر رجوع نہیں کرسکتا۔عدت کے زمانہ میں زوجین ایک دوسرے سے میراث نہیں پاتے،خلع کے بعد رجوع کرنے کے لیے نکاحِ جدید کی ضرورت ہے۔محلل کی ضرورت نہیں ہے۔محلل کی تفصیل گزر چکی ہے،طہر اور حیض دونوں حالتوں میں خلع جائز ہے،حیض کی حالت میں خلع حرام نہیں ہے۔

خلع کا طریقہ

خلع میں بیوی کی جانب سے ایجاب اور شوہر کی جانب سے قبول ہوگا۔بیوی کہے کہ مجھ کو خلع دو تو میں تمہارا مہر معاف کروں گی یا اس قدر معاوضہ دوں گی۔اور شوہر اس کو قبول کرے۔شوہر بھی کہہ سکتا ہے کہ تم اپنا مہر معاف کر دو یا اس قدر معاوضہ دو تو میں تمہیں خلع دوں گا اور عورت اس کو قبول کرے۔

خلع کے لیے تیسرے شخص کو بھی فریقین وکیل مقرر کر سکتے ہیں مگر وکیل فریقین کی ہدایات کا پابند ہوگا اور خلاف ورزی نہ کر سکے گا۔

خلع کے لیے زوجیت کی ضرورت ہے،طلاق رجعی کی حالت میں زوجیت باقی رہتی ہے اور خلع ہوسکتا ہے۔

معلوم اور متعین عوض ہو تو اس پر عمل ہوگا،ورنہ مہر مثل واجب ہوگا۔

بیوی کے لیے شرط ہے کہ ملکیت میں تصرف کا اختیار رکھتی ہو اور شوہر کے لیے شرط ہے کہ خلع دینے کی صلاحیت رکھتا ہو،نابالغ،مجنون اور مجبور نہ ہو۔صیغہ خلع میں وہ شرائط ہیں جو بیع کے لیے مقرر ہیں۔ایجاب وقبول دونوں کے الفاظ یا معنوں میں مطابقت ہو۔الفاظ صریح ہوں،اگر کنایہ کے الفاظ ہوں تو دونوں کی نیت میں مطابقت ہو۔

طلاق

طلاق کے معنی قید کھول دینے کے ہیں اور شرع میں نکاح کے قید و بند سے آزاد کرنے کو طلاق کہتے ہیں، بجیرمی نے لکھا ہے کہ اس امت سے پہلے بھی طلاق کا رواج تھا، مگر اس کی کوئی حد نہ تھی کہ کتنے بار دی گئی۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ پہلے لوگ بغیر حصر کے طلاق دیتے تھے۔ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور جب عدت پوری ہونے آتی تو رجوع کرتا اور پھر طلاق دیتا اور اسی طرح ستایا کرتا تھا۔ اس مذموم رواج کو روکنے کے لیے آیت نازل ہوئی ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) طلاق دو مرتبہ ہے یعنی طلاق کی تعداد دو ہے جس کے بعد رجوع ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد عورت کو عام رواج کے مطابق روکے رکھو یا احسان کے ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دو یعنی تیسری طلاق دے دو۔

حضرت عائشہؓ کے پاس ایک عورت نے شکایت کی کہ اس کا شوہر طلاق دیتا ہے اور پھر رجوع کرتا ہے اور پریشان کر رکھا ہے۔ آپؓ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا اور طلاق کے محدود کرنے کے لیے آیت نازل ہوئی۔ ''اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ'' کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا: ''أَيْنَ الثَّالِثَةُ''؟ تیسرا طلاق کہاں؟ تو آپ نے فرمایا: ''أَوْ تَسْرِيْحٌ بِإِحْسَانٍ'' (البقرۃ:۲۲۹) یا احسان کے ساتھ چھوڑ دینا۔ چنانچہ اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمایا: ''فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ'' (البقرۃ:۲۳۰) پس اگر طلاق دیا (تیسری مرتبہ) تو اس کے بعد عورت حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے۔ (مصنف عبدالرزق: کتاب الطلاق، باب البکر یطلقھا الرجل ثم یراجعھا ۱۰۷۹۸۔ السنن الکبری للبیھقی: کتاب الوصایا، باب من جعل الثلاث واحدۃ ۱۳۸۵۶۔ یہ روایت ابورزین سے مرسلاً ہے۔)

حدیث میں ہے: ”إِنَّهُ لَيْسَ شَىْءٌ مِّنَ الْحَلَالِ أَبْغَضُ إِلَى اللّٰهِ مِنَ الطَّلَاقِ “ (السنن الکبری میں عازب بن دثار رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہے: باب ماجاء فی کراھۃ الطلاق ۱۵۲۹۴) اللہ تعالی کے پاس طلاق سے زیادہ ناراض کرنے والی کوئی حلال چیز نہیں ہے۔

یہاں حلال سے مراد مکروہ ہے۔ طلاق جائز کے معنی میں حلال ہے، لیکن اللہ تعالی کی ناراضگی کا باعث ہے، اس لیے کہ اس بارے میں نہی تنزیہی ہے۔ بغض کا لفظ اللہ تعالی کی طرف منسوب ہو تو اس سے اللہ تعالی کی عدمِ رضامندی اور ناپسندیدگی مراد ہے۔ بجیرمی نے لکھا ہے کہ اس حدیث میں طلاق سے نفرت کرنے کی ہدایت ہوئی ہے۔ درحقیقت بغض مراد نہیں ہے، ورنہ بغض کے لفظ میں انتقام اور انتقام کے ارادہ کے معنی شامل ہیں اور اس کا وقوع حرام کے تعلق سے ہوسکتا ہے، نہ کہ حلال سے۔

طلاق صحیح ہونے کی شرطیں

طلاق صحیح ہونے کے لیے شرط ہے کہ شوہر بالغ، عاقل اور مختار ہو، عورت زوجیت میں داخل ہو، طلاق صریح ہو یا کنایہ۔

بلوغ کی قید کی وجہ سے بچہ اور نابالغ خارج ہوجاتے ہیں۔

عقل کی قید کی وجہ سے مجنون خارج ہوجاتا ہے لیکن بااختیار خود نشہ کئے ہوئے شخص کی طلاق سزا کے طور پر نافذ ہوتی ہے۔

مختار کی قید کی وجہ سے ناحق مجبور کیا ہوا شخص خارج ہوتا ہے۔ ناحق کی قید کی وجہ سے حق پر مجبور کرنے کی صورت خارج ہوجاتی ہے۔ حق پر مجبور کیا جائے اور طلاق دے تو طلاق ہوگی جیسا کہ شوہر ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد نان ونفقہ نہ دے اور طلاق بھی نہ دے تو حاکم اس کو طلاق دینے پر مجبور کرے گا، اس پر بھی طلاق نہ دے تو حاکم خود طلاق دے گا۔

جبر و اکراہ کی قید کی وجہ سے جبر سے طلاق دی جائے تو طلاق نہ ہوگی۔ حدیث میں ہے: ”رُفِعَ عَنْ أُمَّتِیَ الْخَطَأُ وَالنِّسْیَانُ وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ “ (ابن ماجہ: الطلاق، باب طلاق المکرّہ والناسی ۲۰۴۵) میری امت سے غلطی، بھول چوک اور جس بات پر وہ مجبور کئے

گئے ہیں اٹھائی گئی ،یعنی ان امور کی ذمہ داری میری امت پر نہیں ہے اور اس کا مواخذہ قیامت میں ان پر نہ ہوگا۔

حدیث میں ہے:" لَا طَلَاقَ فِــــيْ إِغْلَاقٍ "(ابن ماجہ:الطلاق،باب طلاق المکرّہ والناسی ۲۰۴۶۔اس روایت میں"لا طلاق" کے ساتھ"لا عتاق" کے بھی الفاظ ہیں) جبر واکراہ میں طلاق نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کا قول اس کے خلاف تھا۔

جبر و اکراہ میں نقصان، قید اور اتلافِ مال وغیرہ کی دھمکی بھی داخل ہے۔ دھمکی موقت اور فوری ہونا شرط ہے، نہ کہ آئندہ کا خطرہ ہو۔ نقصان شدید یا خفیف کی قید نہیں ہے، ایک شریف اور باحیثیت شخص کے لیے تذلیل اور تحقیر اور گالی گلوج بھی کافی ہے۔ بہر حال افراد کے حالات اور حیثیت کے لحاظ سے جبر وتشدد کی نوعیت مختلف ہوسکتی ہے۔

زوجیت کی قید ہے۔ترمذی کی روایت میں ہے:"لَا طَلَاقَ إِلَّا بَعْدَ النِّكَاحِ" (حاکم کی روایت میں"لا طلاق قبل النکاح" کے الفاظ ہیں:الطلاق،باب لاطلاق لمن لم یملک ۲/ ۲۰۵۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے) طلاق صحیح نہیں ہوتی مگر نکاح کے بعد۔

نکاح سے پہلے طلاق دی جائے تو نکاح کے بعد اس کا نفاذ نہیں ہوگا۔ برخلاف اس کے امام مالک کا استدلال یہ ہے کہ طلاق نہیں ہوتی ،سوائے نکاح کے بعد۔

طلاق کے الفاظ صریح ہوں یا کنایہ۔طلاق صریح کے لیے نیت کی شرط نہیں ہے،مگر طلاق کنایہ کے لیے نیت شرط ہے۔ طلاق کے الفاظ زبان سے ادا کیے جائیں جس کو سن سکے، برخلاف امام مالک کے۔آپ کا قول ہے کہ نیت بھی کافی ہے۔

گونگے کا اشارہ

گونگے کا اشارہ بولنے والے کے الفاظ کے برابر ہے، گونگا اشارہ سے طلاق دے جس کو ہر شخص سمجھ سکے تو وہ طلاق صریح ہوگی اور اگر اس کے اشارہ کو صرف خاص لوگ سمجھ سکیں تو طلاق کنایہ ہوگی ۔اگر اس کا اشارہ سمجھ ہی میں نہ آئے تو اس کی طلاق لغو ہوگی۔

گونگے کے نہ سمجھ میں آنے والے اشارہ سے تین امور مستثنیٰ ہیں:

۱۔گونگے کی نماز باطل نہیں ہوتی
۲۔گونگے کی شہادت یعنی گواہی صحیح نہیں ہوتی
۳۔گونگے کے اشارہ سے حلف کی خلاف ورزی نہیں ہوتی

طلاق کی قسمیں

طلاق کی تقسیم تین طرح ہوسکتی ہے:
۱۔الفاظ کے لحاظ سے
۲۔بیوی کی حالت کے لحاظ سے
۳۔احکام کے لحاظ سے

الفاظ کے لحاظ سے طلاق کی قسمیں

الفاظ کے لحاظ سے طلاق کی دو قسمیں ہیں: طلاق صریح اور طلاق کنایہ۔

صریح طلاق

طلاق صریح کے لیے تین الفاظ مقرر ہیں: طلاق، فراق اور سراح۔

نیت کی شرط نہیں ہے، طلاق صریح ایسے الفاظ میں طلاق دینے کو کہتے ہیں جن سے سوائے طلاق کے کوئی دوسرے معنی کا احتمال ہی نہ ہو، اسی لیے طلاق صریح کے لیے نیت کی شرط نہیں ہے۔

طلاق صریح کے لیے تین الفاظ معین ہیں:

۱۔طلاق اور جو الفاظ اس سے مشتق ہوں جیسے ''میں نے تجھ کو طلاق دی۔تو طالق ہے۔تو مطلقہ ہے''۔

۲۔فراق جیسے ''میں نے تجھ سے فراق کیا۔تو مفارقہ ہے''۔

۳۔سراح جیسے ''تجھ کو میں نے چھوڑ دیا۔تو چھوڑی ہوئی ہے''۔

اگر خلع میں عوض کے مال کی صراحت کی گئی تو طلاق صریح ہوگی۔طلاق صریح میں نیت شرط

نہیں ہے، اس لیے اگر طلاق صریح کے الفاظ کہنے کے بعد نیت سے انکار کرے تو ایسا عذر قابل قبول نہیں ہوگا۔ مگر جو طلاق صریح جبر و اکراہ کے سبب سے دی جائے وہ طلاقِ کنایہ کے برابر ہے۔ اگر طلاق کی نیت بھی اس میں شامل ہے تو طلاق ہوگی، ورنہ نہیں۔ محض نیت کی وجہ سے طلاق نہیں ہوتی۔ زبان سے کہنا ضروری ہے اور وہ بھی کم سے کم اتنی آواز میں کہ خود سن سکے۔ محض زبان کا ہلانا بغیر آواز کے کافی نہیں ہے۔ البتہ گونگے شخص کا اشارہ بولنے والے کے الفاظ کے برابر ہے۔

طلاق کنایہ

طلاق کنایہ میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن سے طلاق اور غیر طلاق دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کے لیے نیت کی شرط ہے۔ اگر کنایہ کے الفاظ کے ساتھ طلاق کی نیت کی جائے تو طلاق ہوگی، ورنہ نہیں۔ کنایہ کے الفاظ یہ ہو سکتے ہیں ''تم آزاد ہو''، تم خالی ہو، تم اپنے لوگوں سے مل جاؤ۔ طلاق صریح کے الفاظ میں تعداد کا ذکر نہ ہو تو وہ بھی طلاق کنایہ کے قائم مقام ہوگی اور اس میں نیت لازم ہوگی۔

بجیرمی نے لکھا ہے کہ جو شخص بولنے کی قابلیت رکھتا ہے اس کی جانب سے طلاق کی نسبت تحریر بھی کنایہ میں شمار ہوگی۔ اس لیے کہ الفاظ کی طرح تحریر بھی اپنی مراد سمجھانے کا ایک طریقہ ہے، اس لیے تحریر کے ساتھ طلاق کی نیت کرے تو طلاق ہوگی۔ اگر شوہر بیوی کو لکھے کہ میری یہ تحریر پہنچے تو تم کو طلاق ہے اور وہ تحریر بیوی کو پہنچ جائے تو طلاق ہوگی، اگر پہنچنے سے پہلے تحریر ضائع ہو جائے تو طلاق نہ ہوگی۔

بیوی کے حالات کے اعتبار سے طلاق کی قسمیں

بیوی کی حالت کے لحاظ سے طلاق کی تین قسمیں ہیں: طلاق سنی، طلاق بدعی اور طلاق لاولا۔

طلاقِ سنی

طلاق سنی یہ ہے کہ حیض والی عورت کو ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں جماع

نہ ہوئی ہو۔سنی کا لفظ حرام کے مقابلہ میں استعمال ہوا ہے اور اس سے جائز مراد ہے۔ یہ مراد نہیں ہے کہ اس طرح طلاق دینے میں ثواب ہے۔

حیض والی عورت کی قید سے صغیرہ جس کو ابھی حیض نہیں آیا اور آیسہ جس کا حیض بڑھاپے کی وجہ سے بند ہو گیا، خارج ہو جاتی ہیں۔

مدخول بہا اس عورت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ دخول یعنی جماع ہوا ہو۔ بیوی مدخول بہا ہو مگر حاملہ نہ ہو اور نہ مختلعہ (خلع لی ہوئی نہ ہو) ہو۔اس لیے کہ غیر مدخول، حاملہ اور مختلعہ کا طلاق نہ سنی ہے اور نہ بدعی۔

طہر؛عورت کی پا کی کے زمانہ کو کہتے ہیں۔اگر طہر کے زمانہ میں اور طہر سے پہلے حیض کے زمانہ میں جماع کرنے کے بعد طلاق دے تو طلاق بدعی ہوگی، یہ حکم شوہر کی طلاق کی نسبت ہے، حاکم کی طلاق اس سے خارج ہے، حاکم کی طلاق جھگڑا دور کرنے کے ضمن میں دی جاتی ہے، جس کے لیے کسی مدت کا انتظار مناسب نہیں ہے۔ جو حکم حیض کے زمانہ میں ہے وہی نفاس میں بھی ہے۔

طلاق بدعی

طلاق بدعی یہ ہے کہ حیض یا ایسے طہر کی حالت میں طلاق دی جائے جس میں جماع ہوا ہو۔حیض کے اثناء میں طلاق دے یا طہر کے زمانہ میں جماع کرے اور طلاق دے تو یہ دونوں طلاق بدعی ہیں اور بدعی کے معنی حرام کے ہیں۔اس طرح طلاق دینا حرام ہے اور اس میں گناہ ہے۔اس لیے کہ عدت کی مدت کے شمار کرنے کے لیے طہر کا انتظار کرنا پڑے گا اور اس وجہ سے عدت طویل ہوگی۔

اگر حیض کے زمانہ میں طلاق دے اور اس کو طہر کے زمانہ کے لیے معلق کرے تو پھر بدعی کے حکم سے خارج ہوگی اور سنی ہوگی۔ بہر حال طلاق کی تعلیق طہر میں ہو تو سنی اور حیض میں ہو تو بدعی ہوگی۔

مستثنیات

طلاق بدعی کے حکم سے مستثنیات بھی ہیں اوران میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے:

ایک طلاق طہر میں دے اور دوسرا طلاق اس کے بعد کے حیض میں دے تو دوسرا طلاق بھی سنی ہے، اس لیے کہ عدت کی ابتداء پہلے طلاق سے شروع ہوگئی۔

حاکم کی طلاق فریقین کے جھگڑے کا تصفیہ کرنے کے ضمن میں کسی وقت بھی دی جائے؛ بدعی نہ ہوگی۔

غلام کو طلاق دینے کے لیے مالک حکم دے۔

متحیرہ کی طلاق جس کے حیض کا زمانہ مقرر نہ ہو۔

عوض کے بدلہ خلع دی جائے۔

ان صورتوں میں طلاق بدعی حرام نہیں ہے۔

اگر ایک یا دو طلاق بدعی دی ہو تو مندوب ہے کہ رجوع کرے اور جب طلاق سنی کا وقت آئے اور چاہے تو طلاق دے یا نہ دے۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ تین سے کم طلاق دی ہو، اس لیے کہ تین طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا۔ صحیحین میں روایت ہے کہ حضرت ابن عمر نے حیض کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دی اور حضرت عمر نے اس واقعہ کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا تو ارشاد ہوا: ''مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا'' (بخاری: أول کتاب الطلاق ۴۹۵۳۔ مسلم: الطلاق، باب تحریم طلاق الحائض بغیر رضاھا ۱۴۷۱) اس کو ہدایت کرو کہ رجوع کرے اور پھر طہر کی حالت میں طلاق دے۔

طلاق لا ولا

نہ سنی اور نہ بدعی۔ مثلاً، آیسہ، صغیرہ، حاملہ، مختلعہ اور غیر مدخولہ کی طلاق۔ آیسہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کا حیض بڑھاپے کی وجہ سے بند ہوگیا ہو۔ صغیرہ کم سن لڑکی کو کہتے ہیں جس کو حیض نہ آیا ہو اور بالغ نہ ہوئی ہو۔ آیسہ اور صغیرہ کی طلاق کے لیے کوئی وقت نہیں ہے، اس لیے کہ ان کی

عدت مہینوں سے شمار کی جاتی ہے اور نقصان کا خوف نہیں ہے۔

حاملہ کی عدت حمل کے وضع ہونے پر ہے، طلاق کسی وقت دی گئی ہو۔

مختلعہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کو خلع دیا گیا ہو۔ چوں کہ عورت خود مال کے معاوضہ میں خلع کرواتی ہے اور خود فسخ نکاح کی طالب ہے اس لیے اس کی طلاق کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔

غیر مدخولہ اس عورت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ شوہر نے جماع نہ کیا ہو۔ غیر مدخولہ کی طلاق کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں ہے، اس لیے کہ غیر مدخولہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔

طلاق بدعی کے ضمن میں جو مستثنیات بیان کئے گئے ہیں وہ سب طلاق لا ولا میں داخل ہیں۔

احکام کے لحاظ سے طلاق کی قسمیں

احکام کے لحاظ سے طلاق کی پانچ قسمیں ہیں: واجب، مندوب، مباح، مکروہ اور حرام۔ شیخ ابوشجاع نے ان احکام کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ابن قاسم، خطیب وغیرہ کی شروح سے اس کو دریافت کیا گیا ہے۔

مالک، حاکم اور عاجز کی طلاق واجب ہے۔ مالک حکم دے یا یہ کہ فریقین کے اختلافات اور مصالح کا لحاظ کرتے ہوئے حاکم تصفیہ کرے یا یہ کہ شوہر خود عاجز ہو اور جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو اور حقوق زوجیت ادا نہ کر سکے تو طلاق واجب ہے۔

بدچلن عورت کو طلاق دینا مندوب ہے۔ برے اخلاق بھی بدچلنی میں داخل ہے۔

شوہر جب میلان نہ رکھتا ہو اور پرورش نہ کرتا ہو تو طلاق دینا مباح ہے۔

نیک چلن عورت کو طلاق دینا مکروہ ہے جس کی طرف رغبت بھی ہو۔ ''أَبْغَضُ الْحَلَالِ'' کی حدیث اسی صورت پر صادق آتی ہے۔

طلاق بدعی جس کی صراحت اس سے پہلے کی گئی ہے، حرام ہے۔

طلاق کی تعداد

آزاد مرد تین طلاق تک دے سکتا ہے اور غلام دو۔ آزاد مرد کو تین طلاق کا حق ہے، بیوی

آزاد ہو یا باندی۔ طلاق میں شافعیہ کے نزدیک شوہر کی حالت کا لحاظ کیا جاتا ہے، نہ کہ بیوی کا۔ بیہقی نے روایت کی ہے: ''اَلطَّلَاقُ بِالرِّجَالِ وَالْعِدَّةُ بِالنِّسَاءِ'' (السنن الکبریٰ للبیہقی نے زید بن ثابت سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے یہ بات کہی: باب ماجاء فی عدد طلاق العبد......۱۵۵۶۰۔ انھوں نے ابن عباس سے بھی یہ قول نقل کیا ہے: ۱۵۵۷۲) طلاق مردوں سے وابستہ ہے اور عدت عورتوں کے ساتھ۔

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ عدت کا تعلق عورت کے ساتھ ہے، اس لیے طلاق کی تعداد عورت کی حیثیت پر منحصر ہے، نہ کہ شوہر کی۔

اعتماد اس پر ہے کہ تین طلاق کا وقتِ واحد میں دینا حرام نہیں ہے۔ عمیر عجلانی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو اپنی بیوی کو لعان کیا اور تین طلاق دی۔ اگر یہ عمل حرام ہوتا تو ان کی اور عام لوگوں کی ہدایت کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم منع فرماتے۔

طلاق دینے کا مسنون طریقہ

مسنون طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق، دوسری طہر میں دوسری طلاق اور تیسری طہر میں تیسری طلاق دی جائے۔

غلام دو طلاق کا مالک ہے، بیوی آزاد ہو یا باندی۔ دارقطنی نے اس حدیث کی روایت کی ہے: ''طَلَاقُ الْعَبْدِ اِثْنَتَانِ'' (السنن الکبریٰ: ۱۵۵۶۴۔ دارقطنی: ۴۰۰۲۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

طلاق کی جس قدر تعداد کا حق ہے اس سے کم تعداد میں طلاق دے اور رجوع کرے تو طلاق کی بقیہ تعداد باقی رہے گی، اگر تین طلاق دے اور حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح کی نوبت آئے تو طلاق کی پوری تعداد دوبارہ نئے سرے سے شمار ہوتی ہے۔ حلالہ کی شرطیں رجوع کے بیان میں درج ہیں۔

طلاق کی تعداد میں استثناء کا حکم

طلاق کی تعداد میں استثناء کی صورت ہوسکتی ہے جب کہ دونوں جملے ملا کر کہے جائیں،

بشرطیکہ دونوں جملوں کے درمیان کسی اور گفتگو کی وجہ سے فصل نہ ہو اور استثناء کی نیت ہو اور مستثنٰی، مستثنٰی منہ میں مستغرق نہ ہو۔ (یعنی طلاق کی تعداد اور مستثنٰی کی ہوئی تعداد دونوں ایک ہی نہ ہو۔)

اگر یوں کہے: میں نے تین طلاق دیئے سوائے دو کے۔ تو ایک طلاق ہوگی۔ اگر یوں کہے: میں نے تین طلاق دی سوائے تین کے۔ تو چونکہ مستثنٰی مستثنٰی منہ میں مستغرق ہو جاتا ہے اس لیے استثناء باطل ہوگا اور تین طلاق ہو جائے گی۔

طلاق کو معلق بنانے کا حکم

طلاق کو کسی خاص صفت یا شرط کے ساتھ بھی معلق کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً کہا جائے: ''أَنْتِ طَالِقٌ فِیْ شَهْرِ كَذَا'' تجھ کو فلاں مہینے میں طلاق ہے۔ تجھ کو طلاق سنی ہے۔ تجھ کو طلاق بدعی ہے۔ اگر وہ زمانہ مقررہ طلاق کے مطابق ہو تو طلاق اسی وقت ہوگی، ورنہ آئندہ اس کا زمانہ آنے پر وہ طلاق ہوگی۔

طلاق کو کسی خاص شرط سے معلق کیا جاسکتا ہے۔ جملہ شرطیہ کے لیے حرف شرط کا استعمال ضروری ہے۔ اگر تم گھر میں داخل ہو تو تمہیں طلاق ہے۔

مشیت

مشیت کے فقرہ کے ساتھ تعلیق مراد ہے جیسا کہ کہے انشاء اللہ۔ اگر اللہ تعالی چاہے۔ تعلیق کے ارادے سے مشیت کے الفاظ کہے تو ایسی تعلیق سے نہ عبادت صحیح ہوتی ہے اور نہ بیع، نہ اجارہ اور نہ اقرار کے معاہدہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور نہ طلاق ہوتی ہے۔ مشیئت کے الفاظ صرف تبرکا کہے تو مضائقہ نہیں، اس صورت میں عبادت صحیح ہوگی، معاہدہ منعقد ہوگا اور طلاق ہوگی۔ مشیئت کے الفاظ مطلق طور پر کہے یا زبان سے نکل جائیں تو صرف عبادت باطل ہوگی، مگر طلاق ہوگی اور معاہدہ منعقد ہوگا۔

رجعت

رجعت رجوع سے ہے اوراس کے معنی لوٹنے اور پلٹنے کے ہیں اورشرع میں خاص طریقہ پر غیر بائن طلاق کی عدت کے اندر عورت کو طلاق سے نکاح کی طرف لوٹانے کو رجعت کہتے ہیں۔

طلاق اورعدت کے لحاظ سے بیوی کی زوجیت کوقائم رکھنے یا طلاق کے بعد دوبارہ نکاح کرنے کی نسبت تین صورتیں ہیں:

۱۔تین سے کم طلاق دی گئیں اورعدت نہ گزرے تو رجعت کرے۔

۲۔اگرعدت گزرجائے تو نکاح کی تجدید ہوگی۔

۳۔اگرتین طلاق دی گئیں تو حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح ہوگا۔

رجعت یعنی رجوع

اگرشوہراپنی بیوی کوایک یا دوطلاق دے اورعدت کے دن نہ گزرے ہوں تو بغیر اجازت کے رجوع کرسکتا ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْا إِصْلَاحًا﴾ (البقرۃ:۲۲۸) ان کے شوہران کوواپس لینے کا زیادہ حق رکھتے ہیں عدت کے زمانہ میں اگروہ واپس لینا چاہیں۔

امام شافعی کا قول ہے کہ اصلاح سے مراد رجوع ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہ بنت عمر کوطلاق دے کر رجوع کیا اورفرمایا: ”أَتَانِيْ جِبْرَئِيْلُ فَقَالَ لِيْ: يَا مُحَمَّدُ! رَاجِعْ حَفْصَةَ فَإِنَّهَا صَوَّامَةٌ وَ قَوَّامَةٌ وَأَنَّهَا زَوْجَتُكَ فِي الْجَنَّةِ“ (رجوع کی روایت ابوداود میں ہے: الطلاق، باب فی المراجعۃ ۲۲۸۳) جبرئیل میرے پاس

آئے اور کہا: اے محمد! حفصہ سے رجوع کرو کہ وہ دن میں روزہ رکھتی ہے اور رات میں عبادت کرتی ہے اور وہ جنت میں بھی تمہاری بیوی رہے گی۔

طلاق رجعی کی عدت کے زمانہ میں بیوی کی زوجیت باقی رہتی ہے، اس لیے عدت کے زمانہ میں رجوع کرنے کے لیے عورت کی اجازت یا رضامندی کی شرط نہیں ہے۔

رجوع کے ارکان

رجوع کے تین ارکان ہیں: شوہر، بیوی اور صیغہ۔

شوہر کے لیے شرط ہے کہ بالغ، عاقل اور مختار ہو اور رجوع کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ وہ مرد جو نشہ میں رہے رجوع کرسکتا ہے۔ مرتد رجوع نہیں کرسکتا اور نہ بچہ اور نہ مجنون۔

بیوی کے لیے شرط ہے کہ اس کے ساتھ شوہر نے جماع کیا ہو۔ اگر جماع سے پہلے طلاق دی گئی تو عورت غیر مدخولہ ہوگی اور اس کی طلاق بائن ہوگی اور رجوع نہیں ہو سکے گا۔ وہ عورت بھی خارج ہو جاتی ہے جس کا نکاح فسخ کیا گیا۔

صیغہ: ایسے الفاظ میں رجوع کیا جائے جو صریحاً رجوع پر دلالت کرتے ہوں یا کنایۃً، صریح الفاظ یہ ہیں: رَاجَعْتُكِ تجھ سے میں نے رجوع کیا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يَّتَرَاجَعَا ﴾ (البقرۃ:۲۳۰)

''رَدَدْتُکِ لِنِکَاحِیْ'' تجھے میں نے اپنے نکاح میں لوٹایا۔ آیت میں ہے ﴿أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (البقرۃ:۲۲۸)

''أَمْسَكْتُكِ عَلٰى نِكَاحِيْ'' تجھے میں نے اپنے نکاح میں روکے رکھا۔ آیت میں ہے: ﴿فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوْفٍ﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

کنایہ کے الفاظ یہ ہیں: ''تزَوَّجْتُکِ''۔ میں نے تجھ سے شادی کی۔

نَکَحْتُکِ: میں نے تجھ سے نکاح کیا۔

رجوع کے الفاظ میں تعلیق اور تاقیت صحیح نہیں ہے۔ الفاظ کے بغیر محض نیت سے رجوع نہیں ہوسکتا۔ بغیر نیت کے جماع وغیرہ کے فعل سے بھی رجوع نہیں ہوسکتا، برخلاف

حنفیہ کے۔حنفیہ میں جماع سے بھی رجوع صحیح ہوتا ہے۔

رجوع صحیح ہونے کی شرطیں

رجوع صحیح ہونے کے لیے چار شرائط ہیں:

۱۔طلاق تین کی تعداد سے کم ہو، تین طلاق دینے کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا۔

۲۔طلاق جماع کے بعد دی گئی ہو، دخول سے پہلے طلاق دی گئی تو بائن ہوگی اور اس کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا، جدید نکاح کی ضرورت ہوگی۔

۳۔طلاق عوض کے بدلہ نہ ہو، عوض کے بدلے طلاق دی گئی ہو تو رجوع نہیں ہوسکتا۔

۴۔عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کرے، عورت عدت میں نہ ہو یا عدت میں ہو مگر طلاق کی وجہ سے نہیں بلکہ فسخ کی عدت میں ہو تو رجوع نہیں ہوسکتا۔عدت کی مدت گزر جائے تو رجوع نہیں ہوسکتا اور نہ تین طلاق کے بعد۔

رجوع کے احکام

عام طور پر رجوع مباح ہے جیسا کہ آیت ''وبعولتهن'' سے ظاہر ہے۔

جب دو عورتوں میں سے ایک کا حق ادا کرنے سے پہلے اس کو طلاق دی گئی ہو تو رجوع واجب ہے۔

جب نان ونفقہ نہ دے سکے اور پرورش نہ کر سکے تو رجوع حرام ہے۔

جب طلاق دینا مسنون ہے تو رجوع مکروہ ہے۔

جب طلاق بدعی دی گئی ہو تو رجوع مندوب ہے۔

تجدید نکاح

اگر عدت کے دن گزر گئے ہوں تو عورت کے ساتھ جدید نکاح کرنا ہوگا۔عورت طلاق کی بقیہ تعداد تک شوہر کے ساتھ رہے گی۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرة:۲۳۲) پس جب عورتیں اپنی عدت

پوری کر چکیں تو شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے ان کو مت روکو۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے شوہر ابو دحداح نے طلاق دی اور پھر اپنے فعل پر نادم ہوئے اور عدت گزرنے کے بعد پیام بھیجا اور معقل کی بہن دوبارہ نکاح کے لیے راضی بھی ہوگئیں، مگر بھائی نے منع کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (بخاری: باب اِذا طلقتم النساء فبلغن ......۲۵۲۹۔ یہ روایت حسن رضی اللہ عنہ سے ہے)

عدت کس طرح پوری ہوتی ہے؟

عدت تین طرح گزر سکتی ہے:

۱۔ بیوی حمل سے ہوتو حمل وضع ہو جائے

۲۔ یا حمل نہ ہو اور حیض آتا ہو تو تین کامل طہر گزر جائیں

۳۔ یا حمل نہ ہو اور حیض بھی نہ آتا ہو تو تین مہینے گزر جائیں

وضع حمل اور رحم کی پاکی کی نسبت شوہر کو اختلاف ہو تو عورت کے بیان کی تصدیق اس کی قسم سے ہوگی۔ لیکن مہینوں سے شمار کی صورت میں شہادت اور گواہی سے تصدیق کی جائے گی۔

طلاق کے بعد عدت کے دن گزر جائیں تو عورت باین ہو جائے گی اور جدید نکاح کرنا ہوگا اور بغیر نکاح کے شوہر خود اپنی مرضی سے رجوع نہ کرے گا۔

طلاق کی بقیہ تعداد سے مراد یہ ہے کہ نکاح جدید سے پہلے ایک طلاق دی تھی تو نکاح جدید کے بعد شوہر کو دو طلاق کا حق رہے گا اور اگر دو طلاق دی تھی تو صرف ایک طلاق باقی رہے گی۔ بیہقی نے روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس بارے میں فتویٰ دیا اور صحابہ کی ایک جماعت نے آپ کے ساتھ اتفاق کیا اور کسی نے مخالفت نہیں کی۔ اس کو ''اجماع سکوتی'' کہتے ہیں۔

حلالہ

اگر تین طلاق دی ہو تو عورت پانچ شرطوں کے بغیر حلال نہ ہوگی:

۱۔ طلاق کے بعد عدت گزرے۔
۲۔ عورت دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرے۔
۳۔ دوسرا شخص اس عورت کے ساتھ جماع کرے۔
۴۔ عورت اس دوسرے شخص سے طلاق بائن لے۔
۵۔ اس دوسرے شخص کی طلاق کی عدت گزرے۔

تین طلاق کی قید ہے، ایک ہی وقت میں دئے ہوں یا ترتیب سے، یا یہ کہ مقررہ تین کی تعداد سے زیادہ طلاق دی ہو تو بیوی سے شوہر اپنے اختیار سے رجوع نہیں کرسکتا اور نہ اس سے پہلے جدید نکاح کرسکتا ہے کہ مذکورہ پانچ شرائط پوری ہوں۔

طلاق دینے والے شوہر کی عدت گزرجائے۔ غیر مدخولہ عورت کے لیے اس شرط کی ضرورت نہیں ہے اور غیر مدخولہ عورت کو صرف بقیہ چار شرائط کی تکمیل کرنی ہوگی، اس لیے کہ غیر مدخولہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔

دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرنے میں شرط ہے کہ نکاح صحیح ہو، فاسد نہ ہو۔ دوسرے مرد کے ساتھ نکاح فاسد ہو تو اس شرط کی تکمیل نہ ہوگی۔

دوسرے مرد کے ساتھ نکاح میں یہ شرط لگائی جائے کہ جب اس نے ایک مرتبہ جماع کیا تو طلاق ہوجائے گی تو وہ نکاح خود فاسد ہوگا اور اس فاسد نکاح سے تحلیل نہیں ہوگی۔ حدیث میں ہے: ''**لَعَنَ اللّٰهُ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ**'' (ابوداود نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب فی التحایل ۲۰۷۸۔ ابن ماجہ اور حاکم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ابن ماجہ: کتاب النکاح، باب المحلل والمحلل لہ ۱۹۳۶۔ مستدرک حاکم: کتاب الطلاق ۲۸۰۴) اللہ تعالی نے تحلیل کرنے والے مرد پر اور اس شخص پر لعنت کیا ہے جس کے لیے تحلیل کی گئی۔

یہ حدیث اسی صورت کے لیے آئی ہے۔

دوسرے مرد میں جماع کی صلاحیت ہو اور جماع عمل میں آئے۔ جماع میں کم سے کم حشفہ کا دخول کافی ہے، لیکن شرط ہے کہ مرد کے آلہ ذکر میں خیزی بالفعل ہو اور جماع کرے۔

حایل کے ساتھ بھی دخول کافی ہے، انزال کی قید نہیں ہے۔ عورت باکرہ ہو تو پردہ بکارت زائل کرنے کی قید ہے۔

دوسرے مرد سے علحیدگی حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ تین طلاق لے۔

۲۔ خلع کروائے۔

۳۔ طلاق رجعی کے بعد عدت گزر جائے۔

دوسرے شوہر کی طلاق کی عدت پوری کرے، اگرچہ کہ دوسرے شوہر نے جماع میں انزال نہ کیا ہو۔

تحلیل شرعی

بجیرمی نے لکھا ہے کہ کم سن لڑکے کا نکاح ولی مطلقہ ثلاثہ کے ساتھ کروائے اور وہ کم سن لڑکا دخول کرے۔ کمسن لڑکے کے آلہ میں انتشار ہو سکتا ہے اور جماع ہو سکتا ہے اور اس نکاح کے صحیح ہونے کی نسبت حاکم شرعی شافعی کا حکم حاصل کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد لڑکا حنبلیہ کے فتوی پر طلاق دے تو طلاق صحیح ہوگی اور اس طلاق کے بعد عدت نہ ہوگی۔ حنبلیہ میں شرط ہے کہ کم سن لڑکے کی عمر دس سال نہ ہوئی ہو، ورنہ عدت ضروری ہوگی۔

اس طرح شرائط کی تکمیل کے بعد پہلے شوہر کے لیے جائز ہوگا کہ مطلقہ کے ساتھ نکاح کرے۔ امام احمد کے پاس دس سال سے کم عمر والا لڑکا خود نکاح کر سکتا ہے اور طلاق بھی دے سکتا ہے۔ اس کا نکاح اور طلاق دونوں صحیح ہیں اور کوئی عدت نہیں ہے۔ اگر اس کی عمر دس سال ہو جائے تو عدت واجب ہوگی۔

ایلاء

ایلاء کے معنی حلف اٹھانے کے ہیں اور شرع میں ایک خاص مدت تک بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کا حلف اٹھانے کو ایلاء کہتے ہیں۔ طلاق کی شرط کے ساتھ جماع بھی ایلاء کے حکم میں داخل ہے۔

چوں کہ ایلاء سے عورت کو اذیت پہنچتی ہے، اس لیے ایلاء حرام ہے اور اس کا ارتکاب گناہ صغیرہ میں داخل ہے اور معتمد یہی قول ہے، ورنہ بعض نے اس کو گناہ کبیرہ میں شمار کیا ہے۔

زمانہ جاہلیت میں ایلاء کا رواج تھا اور طلاق بائن کا اثر رکھتا تھا اور ایلاء کے بعد شوہر اپنی بیوی کی طرف رجوع نہیں کر سکتا تھا۔ شرع نے ایلاء کے اس دائمی اور قطعی اثر کو تبدیل کر دیا۔

ایلاء شوہر کے اس بات کا حلف اٹھانے کو کہتے ہیں کہ بیوی کے ساتھ جماع نہ کرے گا، مطلقاً یا کسی مقررہ مدت کے لیے جو چار مہینوں سے زیادہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ﴾ (البقرۃ:۲۲۶) جو لوگ کہ اپنی عورتوں سے قسم کھاتے ہیں ان کو چار مہینوں کی مہلت ہے۔

ایلاء کے لیے شوہر میں جماع کرنے کی صلاحیت کا موجود رہنا بھی شرط ہے، اگر شوہر عنین یعنی نامرد ہو تو ایلاء نہیں کر سکتا۔

طلاق صحیح ہونے کے لیے بلوغ اور عقل کے جو شرائط ہیں وہ ایلا میں بھی ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ عنین طلاق دے سکتا ہے، مگر ایلاء نہیں کر سکتا۔

جماع کی صلاحیت نہ ہونا عورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ عورت کی فرج میں رتق یا قرن یعنی گوشت یا ہڈی ایسی ہو جس کی وجہ سے جماع ہی نہ ہو سکتا ہو۔ ایسی عورت کے ساتھ ایلاء

نہیں ہوسکتا۔

اگلی شرمگاہ میں جماع نہ کرنے کی قسم کھانے کی قید ہے۔اگر جماع کے علاوہ دوسرے طریقوں سے لذت نہ حاصل کرنے کی قسم کھائے تو ایلاء نہیں ہے۔اسی طرح عارضی امتناعی حالت میں عورت کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم کھانے سے بھی ایلاء نہیں ہوتا جیسا کہ کوئی شخص حلف اٹھائے کہ حیض، نفاس یا احرام کی حالت میں عورت کے ساتھ جماع نہیں کرے گا۔

مطلقاً سے یہ مراد ہے کہ کوئی مدت مقرر نہ کرے، بلکہ اپنے کہے ہوئے جملہ کو زمانہ کے تعلق سے خالی چھوڑے۔لفظ مطلق بھی کہنے کی ضرورت نہیں۔بغیر مدت کے تعین کے ایلاء کرے تو بھی ایلاء ہوجائے گا۔موبد یعنی دائماً بھی مطلقاً میں داخل ہے۔

اگر کوئی مدت مقرر کی ہو تو وہ مدت چار مہینوں سے زیادہ ہو، چار مہینوں سے کم کی مدت سے ایلاء نہیں ہوتا۔اگر کوئی شخص اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ چار مہینوں کے لیے جماع نہیں کرے گا تو ایلاء نہیں ہوگا، مگر حلف کی تعریف میں یہ شامل ہے۔

حضرت عمر فاروق ایک رات مدینہ کی گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک عورت کی آواز سنی جو رات کی تاریکی میں اپنے شوہر کی جدائی کی شکایت میں کچھ اشعار گا رہی تھی۔آپ نے اس بارے میں بعض مستورات کی رائے طلب کی اور معلوم کیا کہ عورت دو مہینے آسانی کے ساتھ اپنے شوہر کی جدائی پر صبر کرسکتی ہے اور تین مہینے کسی قدر دشواری سے مگر چار مہینوں کے گزرنے پر عورت کے صبر کا پیالہ بھر جاتا ہے، تو آپ نے فوج کے تمام سرداروں کے نام حکم جاری کیا کہ کسی شوہر کو اس کی بیوی سے چار مہینوں سے زیادہ نہ روکا جائے۔

صیغہ ایلاء کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرے جو صاف اور صریح طور پر ایلاء پر دلالت کریں۔صریح الفاظ کے استعمال کے بعد کوئی دوسری تعبیر تسلیم نہ کی جائے گی۔اگر کنایہ کے الفاظ استعمال کیے جائیں تو نیت کی ضرورت ہوگی۔

ایلاء کی قسمیں

ایلاء کی تین صورتیں ہیں:

۱۔اللہ تعالی کی ذات کا حلف اٹھائے۔

۲۔اللہ تعالی کی صفات میں سے کسی صفت کا حلف اٹھائے۔

۳۔بیوی کے ساتھ جماع کو طلاق کے ساتھ مشروط کرے اور کہے: اگر تیرے ساتھ جماع کروں گا تو تجھ کو طلاق ہے۔ایسا حلف اٹھانے کے بعد جماع کرے تو عورت کو طلاق ہوگی۔

ارکانِ ایلاء

ایلاء کے چھ ارکان ہیں:

۱۔حالف یعنی شوہر حلف اٹھانے والا۔

۲۔محلوف بہ یعنی جس چیز کا حلف اٹھائے جیسے اللہ کی ذات کا حلف اٹھائے۔

۳۔محلوف علیہ یعنی جس بات کا حلف اٹھائے، جیسا کہ جماع نہ کرنے کا۔

۴۔ بیوی؛ بیوی کے ساتھ جماع نہ کرنے کا حلف اٹھائے، غیر بیوی کے ساتھ ایلاء نہیں ہوسکتا۔

۵۔صیغہ؛ الفاظ صاف وصریح ایلاء پر دلالت کرنے والے استعمال کرے۔

۶۔ مدت؛ چار مہینوں سے زیادہ مدت مقرر کرے یا کوئی مدت مقرر ہی نہ کرے۔

شوہر کو چار مہینوں کی مہلت ہے اور اس کو اختیار ہے کہ جماع کرے اور کفارہ دے یا طلاق دے۔ اگر شوہر ان دونوں امور سے انکار کرے تو حاکم طلاق دے گا۔

وہ زمانہ مدت میں شمار نہ ہوگا جس میں جماع سے مانع کوئی امر عورت یا شوہر کے لیے پیدا ہو جائے۔ مانع دو قسم کے ہیں: حسی یا شرعی۔

حسی کی مثال بیماری یا جنون وغیرہ اور شرعی کی مثال روزہ، احرام یا اعتکاف وغیرہ جو فرض ہیں۔

مانع حسی یا شرعی کے زائل ہونے کے بعد دوبارہ مدت کا آغاز ہوگا، سابقہ گزری ہوئی مدت شمار نہ ہوگی۔حیض اور نفاس کی مدت کی چوں کہ تکرار ہوتی رہتی ہے شمار ہوگی۔

جن رکاوٹوں کا تعلق شوہر سے ہو ان کے پیش آنے سے مدت منقطع نہیں ہوتی، اس

لیے کہ باوجود رکاوٹوں کے شوہر کو ہر وقت اختیار رہے کہ اپنے الفاظ واپس لے اور کفارہ دے یا طلاق دے۔

فیئہ

فیئہ فاء سے ہے اور جماع کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں، چار مہینوں کے گزرنے کے بعد شوہر کو دو امور کا اختیار رہے گا: فیئہ کرے یعنی جماع کی طرف لوٹے، جماع کرے اور کفارہ ادا کرے یا طلاق دے۔ کفارہ کی تفصیل کفارہ یمین میں بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ فَاؤُوا فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ، وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (البقرۃ: ۲۲۶۔۲۲۷) پس اگر مرد لوٹیں (جماع کی طرف) تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اگر طلاق ہی کا ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ سنتا ہے اور جانتا ہے۔

شوہر کا انکار

اگر شوہر جماع اور طلاق دونوں سے یا صرف جماع سے انکار کرے تو عورت کو حق حاصل ہے کہ حاکم کے پاس فریاد کرے۔ حاکم حالات دریافت کرنے کے بعد اور بشرط ضرورت ایک طلاق رجعی دے گا اور کہے گا کہ میں فلاں عورت کو طلاق دیتا ہوں۔ حاکم کی طلاق شوہر کی جانب سے بطور نیابت ہوگی اور اس کا نفاذ چار مہینوں کے اندر نہ ہوگا جس کی مہلت شوہر کو دی گئی ہے۔

ظہار

ظہار ماخوذ ہے ’’ظہر‘‘ سے اور ظہر کے معنی پیٹھ کے ہیں۔

شرع میں ظہار یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسی عورت سے تشبیہ دے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔

اسلام سے پہلے یہ رواج تھا کہ ایک مرتبہ ظہار کرنے کے بعد عورت کو طلاق دی جاتی اور ہمیشہ کے لیے عورت اپنے شوہر پر حرام ہو جاتی اور کوئی صورت نہ تھی کہ ان میں دوبارہ زوجیت کے تعلقات قائم ہو سکیں۔ اسلام نے غلط رواج کو توڑا اور ایسی بنیادی ترمیم کردی کہ شوہر ندامت کے ساتھ اپنے سابقہ الفاظ واپس لے اور کفارہ ادا کر کے اپنی غلطی کا خمیازہ برداشت کرے۔

ایلاء کی طرح ظہار بھی حرام ہے اور اس کا ارتکاب گناہ کبیرہ میں شمار کیا گیا ہے۔ ظہار میں یمین یعنی قسم کے معنی غالب ہیں، اس لیے ظہار میں بھی کفارہ عائد ہوتا ہے جو یمین یعنی قسم میں مقرر ہے۔ اسی لیے ظہار میں توقیت ہو سکتی ہے، اس طرح کہ ظہار کے لیے ایک مدت مقرر کرے۔ ظہار طلاق کے بھی مشابہ ہے اور اس مشابہت کی وجہ سے ظہار میں بھی تعلیق ہو سکتی ہے۔ بہر حال ظہار میں یمین اور طلاق کے دونوں پہلو شامل ہیں۔

حضرت اوس بن صامت ایک انصاری تھے اور بعض اسلامی لڑائیوں میں بھی حصہ لیا تھا۔ انھوں نے کسی جذبہ میں اپنی بیوی خولہ سے ظہار کے الفاظ کہہ دیے، ان کی بیوی اپنے شوہر کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گزرا ہوا واقعہ عرض کر کے داد خواہ ہوئیں۔ آپ نے فرمایا: ’’حُرِّمْتِ عَلَيْهِ‘‘ تم اس کے حق میں حرام ہو گئیں۔ خولہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حال زار پر غور فرمایئے، ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر یہ باپ کے سپرد کر دئے جائیں تو چوں کہ وہ بوڑھا اور نابینا ہے، ان کی کما حقہ پرداخت نہ کر سکے گا

اور بچے تباہ و برباد ہو جائیں گے اور اگر ان کو میرے پاس رکھوں تو میری تنگدستی اور افلاس کی وجہ سے بھوکوں مریں گے۔ آپ نے پھر فرمایا: '' حُرِّمَتِ عَلَيْهِ ''۔ سہ بارہ اس عورت نے وہی سوال کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ خولہ نے مایوس ہو کر آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور فریاد کی: یا اللہ! میں تجھ سے دادرسی چاہتی ہوں اور اپنی مصیبت پیش کرتی ہوں۔ اسی وقت اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورہ مجادلہ کی یہ آیتیں نازل ہوئیں:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِىْ تُجَادِلُكَ فِىْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِىْٓ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ، اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ، إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الّٰئِىْ وَلَدْنَهُمْ ، وَإِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَإِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ، وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا، ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ. فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَّتَمَاسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا، ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ أَلِيْمٌ﴾ (المجادلة: ۱-۴)

(ترجمہ) تحقیق کہ اللہ نے اس عورت کی بات سنی جو تم سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑتی تھی اور اللہ سے فریاد کرتی تھی۔ تم دونوں کی گفتگو اللہ سنتا تھا، بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں، وہ عورتیں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جنھوں نے ان کو جنا ہے اور بے شک وہ لوگ ایک ناپسندیدہ اور جھوٹ بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ تعالی معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں پھر اس چیز کی طرف لوٹ جاتے ہیں جو انھوں نے کہا تھا، پس آزاد کرو ایک باندی کو قبل اس کے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں۔ تم کو اس بات کی نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تعالی خوب خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو۔ پس جو نہ پائے تو دو مہینے کے پے در پے روزے رکھے، اس سے پہلے کہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، پس جو نہ کر سکے تو ساٹھ

مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس لیے کہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ یہ حدود اللہ نے مقرر کیے ہیں اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (ابن ماجہ: الطلاق، باب الظھار ۲۰۶۳۔ ابوداود: الطلاق، باب فی الظھار ۲۲۱۴۔ مستدرک حاکم: التفسیر، تفسیر سورۃ المجادلۃ ۲/۴۸۱)

حضرت عمر بن خطاب اپنی خلافت کے زمانے میں چند ساتھیوں کے ساتھ گذر رہے تھے کہ ایک نہایت سن رسیدہ عورت راستے میں ملی اور آپ کو بہت دیر تک باتوں میں مصروف کرلیا اور پند و نصائح کے طور پر کہنے لگی: اے عمر! ایک دن وہ تھا جب تم چھوٹے تھے اور عمیر پکارے جاتے تھے، پھر بڑے ہوئے اور عمر کہلانے لگے اور آج امیر المؤمنین کے لقب سے خطاب کئے جاتے ہو۔ عمر! اللہ تعالی سے ڈرتے رہو۔ جس کو موت کا یقین ہوگا فرایض کے فوت ہونے سے ڈرے گا، جس کو حساب کا یقین ہوگا عذاب سے ڈرے گا۔ بڑھیا کھلے منہ نصیحت کررہی تھی اور عمر کھڑے سن رہے تھے۔ آپ کے ساتھیوں کو صبر نہ آیا اور کہہ دیا: یا امیر المومنین! کیا آپ اس بڑھیا کی بکواس سنتے کھڑے رہیں گے۔ آپ نے کہا: خدا کی قسم! اگر یہ عورت صبح سے شام تک اسی طرح مجھ کو روکے رکھے تو میں اس کے روبرو سے ہرگز نہ ٹلوں گا، سوائے نماز کے۔ تم جانتے بھی ہو یہ بڑھیا کون ہے؟ یہ بڑھیا وہ ہے جس کی بات اللہ تعالی نے سات آسمان کے پرے سے سنی تھی۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ جس کی بات یوں اللہ تعالی نے سنی اس کی بات سننے سے عمر انکار کرے۔

ظہار کیا ہے؟

ظہار یہ ہے کہ شوہر بیوی سے کہے: تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کے مانند ہے۔ ایسا کہنے کے بعد طلاق نہ دے اور رجوع کرے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

ظہار کے ارکان

ظہار کے چار ارکان ہیں: مظاہر۔ مظاہر منہا۔ مشبہ بہ اور صیغہ۔

مظاہر یعنی ظہار کرنے والے کے لیے شرط ہے کہ وہ شوہر ہو اور ظہار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، عاقل اور بالغ ہو، غلام یا عنین یعنی نامرد بھی ظہار کرسکتا ہے۔

مظاہر منہا یعنی عورت جس سے ظہار کیا جائے، زوجیت میں ہو، اگرچہ کہ

طلاق رجعی دی گئی ہو۔ اجنبی عورت یا خلع کی ہوئی عورت سے ظہار نہیں ہوسکتا۔ ظہار کے لیے عورت کی موجودگی کی شرط نہیں ہے، عورت کی غیر حاضری میں بھی ظہار ہوسکتا ہے۔ حیض اور نفاس ظہار کے لیے رکاوٹ نہیں ہیں اور نہ عورت میں جماع کی صلاحیت شرط ہے۔

مشبہ بہ یعنی جس کے ساتھ تشبیہ دی جائے، وہ عورت ذات ہو اور نسب، رضاعت یا مصاہرت کی بناء پر محرم رشتہ رکھتی ہو اور شروع سے حلال نہ ہو جیسا کہ ماں، بیٹی اور بہن نسب سے اور اپنے ماں اور باپ کی رضاعی ماں اور اپنے باپ کی بیوی جس کے ساتھ باپ کا نکاح اپنی پیدائش سے پہلے ہوا تھا اور رضاعی بہن جو دودھ پینے کے بعد پیدا ہوئی۔

عورت کی قید کی وجہ سے مرد رشتہ دار خارج ہو جاتے ہیں اور محرم کی قید کی وجہ سے بیوی کی بہن خارج ہو جاتی ہے، جس کا جمع کرنا بیوی کے ساتھ حرام ہے۔ پہلے سے حلال نہ ہونے کی شرط کی وجہ سے بہو اور باپ کی بیوی جس کے ساتھ باپ نے اس کی پیدائش کے بعد نکاح کیا اور رضاعی بہن جو دودھ پینے کے وقت موجود تھی خارج ہو جاتی ہیں اور ان سے تشبیہ دینے سے ظہار نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ سب پہلے سے حلال تھے اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے بعد میں حرام ہوئے۔

صیغہ: الفاظ ایسے استعمال کیے جائیں جن سے ظہار کے معنی سمجھ میں آئیں۔ ظہار کے صریح الفاظ کی مثال یہ ہے: تو یا تیرا سر یا تیرا ہاتھ وغیرہ میری ماں کی پیٹھ یا اس کے ہاتھ یا پاؤں کے مانند ہے، مگر شرط ہے کہ بدن کے ظاہری اعضاء سے مشابہت دے، نہ کہ باطنی اعضاء سے جیسا کہ جگر یا دل وغیرہ۔ کنایہ کے الفاظ سے ظہار اسی صورت میں ہوگا جب کہ ظہار کی نیت ہو۔

ظہار کا کفارہ

ظہار کرنے کے بعد طلاق نہ دے اور زوجیت کی حالت میں لوٹ آئے تو شوہر پر کفارہ دینا واجب ہے۔

کفارہ یہ ہے کہ ایک مسلمان صحیح اور تندرست غلام کو آزاد کرے اور اگر یہ نہ ہوسکے تو دو مہینے مسلسل روزہ رکھے اور اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا ایک مد کے حساب سے کھلائے۔

کفارہ ادا کرنے تک مظاہر کے لیے جماع کرنا حلال نہیں ہے۔

کفارہ کفر سے مشتق ہے اور اس کے معنی چھپانے کے ہیں اور چوں کہ کفارہ سے گناہ کی نفی مقصود ہوتی ہے اس لیے اس کو کفارہ کہا گیا۔

شرع میں کفارہ سے ایسا مال یا مال کا بدل مراد ہے جو ظہار یا حلف کی خلاف ورزی کی وجہ سے مسکینوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

کفارہ کی ادائی کی تین صورتوں؛ غلام کی رہائی، روزہ اور مسکینوں کو کھانا کھلانے میں ترتیب بھی ہے۔ پہلی صورت پر قدرت ہونے کے باوجود دوسری صورت پر عمل نہیں ہوسکتا اور دوسری صورت کے امکان کی حالت میں تیسری صورت پر عمل نہیں کرسکتا۔ گویا کفارۂ ظہار میں ابتدا سے انتہا تک ترتیب ہے۔

برخلاف یمین کے کفارہ میں ابتدا میں اختیار اور انتہا میں ترتیب ہے: غلہ دینے، کپڑا تقسیم کرنے اور غلام کے آزاد کرنے میں اختیار ہے، اگر تینوں امور پر عمل نہ کرسکے تو تین روزے رکھے۔

غلام کی رہائی میں کفارہ کے علاوہ کوئی دوسری غرض شامل نہ ہو۔

عیوب: غلام کا صحیح الاعضاء ہونا بھی مشروط ہے۔

روزوں میں تسلسل کی شرط ہے۔ آخری ایک روزہ بھی فوت ہوجائے تو تسلسل منقطع ہوجائے گا اور دوبارہ از سر نو روزہ رکھنا ہوگا۔ روزوں کی تعداد ہلالی دو مہینے ہیں جن میں کفارہ کی ادائی کی نیت کرے۔

مسکینوں کو کھانا کھلانا ہی شرط نہیں ہے بلکہ غلہ دینا بھی کافی ہے۔ ساٹھ مسکینوں کو ساٹھ مد اور فی کس ایک مد کے حساب سے غلہ دینا شرط ہے۔ اگر ایک مد یا ایک مسکین کی بھی کمی ہو تو کفارہ کی تکمیل نہ ہوگی۔ ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز، روزانہ ایک مد کے حساب سے غلہ دینے سے بھی کفارہ ادا نہ ہوگا۔

فقیر اور مسکین میں وہی صفات ہونے چاہئے جو زکاۃ کے لیے مقرر ہیں۔ ہاشمی اور مطلبی کو کفارہ کا غلہ نہ دیا جائے اور نہ غلام کو یا اس شخص کو جو دوسرے کی پرورش میں ہو۔

غلہ کے لیے بھی وہی صفات مقرر ہیں جو فطرہ کی زکاۃ میں ہیں۔ ایسا غلہ تقسیم کرے جس کا رواج اس شہر میں عام ہو۔

ایک مد بارہ چھٹانک یعنی ساٹھ تولے کے مساوی ہے۔ (تین پاؤ)

یہ بھی شرط ہے کہ سالم غلہ تقسیم کرے، پسا ہوا آٹا یا ستو نہ دے۔ رویانی نے ابن ابی ہریرہ اور امام ابوحنیفہ کی تائید کرتے ہوئے روٹی کے جواز کی رائے دی ہے۔

کفارہ سے کوئی عاجز ہو

اگر کوئی شخص تینوں طریقوں سے کفارہ ادا کرنے سے قاصر ہو تو کفارہ اس کے ذمہ باقی رہے گا اور جب کبھی اور جس کسی صورت پر اس کو قدرت پیدا ہو ادا کرے گا۔ البتہ غلہ کی حد تک یہ سہولت ہے کہ جس مقدار میں غلہ دینے کی استطاعت حاصل ہوتی جائے غلہ دے سکتا ہے۔ مگر وہی فی کس ایک مد کے حساب سے۔ اصول یہ ہے کہ ''إِنَّ الْمَيْسُوْرَ لَا يَسْقُطُ بِالْمَعْسُوْرِ'' ایک امر دشوار ہو اور دوسرا امر آسان ہو تو دشوار امر کی وجہ سے آسان امر ساقط نہیں ہو سکتا۔

مختلف نوعیت کے طریقوں کو ملا کر کفارہ کی تعمیل نہیں ہو سکتی۔ کچھ جزء غلام کا رہا کرے اور کچھ روزے رکھے اور کچھ غلہ تقسیم کرے تو صحیح نہیں ہو سکتا۔

کفارہ کی ادائی تک بیوی کے ساتھ جماع کرنا منع ہے، جماع کے علاوہ دوسرے طریقوں سے لذت حاصل کرنا ممنوع نہیں ہے، البتہ عورت کے ناف اور گھٹنے تک کے بدن کے حصہ سے لذت حاصل کرنا حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کے مالی حقوق جو بغیر کسی سبب کے عائد ہوتے ہیں ادا کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں جیسا کہ فطرہ کی زکات۔ مگر جو حقوق کسی سبب کی بنا پر عائد ہوتے ہیں جیسا کہ حرم میں شکار کا کفارہ یا ظہار کا کفارہ یا قسم کا کفارہ وغیرہ استطاعت نہ ہونے کے باوجود باقی رہیں گے۔ کسی طریقہ سے بھی کفارہ کی ادائی نہ کر سکے اور جماع کو زیادہ مدت تک ترک بھی نہ کر سکے اور گناہ کا خطرہ ہو تو جماع کی بھی اجازت دی گئی ہے۔

عدت

عدت اسم مصدر ہے اور عدد سے ماخوذ ہے اور شرع میں ایسی مدت تک عورت کو انتظار میں رکھے جانے کو عدت کہتے ہیں جس میں حیض آنے یا مہینوں کے گزرنے یا حمل کے وضع ہونے کے سبب سے رحم کے پاک ہونے کا یقین کرے اور حکم شرعی کی تعمیل کرے اور شوہر کی وفات پر سوگ کر سکے۔

مقصد یہ ہے کہ نسب کی حفاظت ہو سکے اور اشتباہ نہ پیدا ہو اور شوہر، بیوی، بچے اور نکاح ثانی کے شوہر کے حقوق کی رعایت کی جائے۔ حکم شرعی کی تعمیل تعبدی امر ہے اور عدت کے تعین میں یہی غالب ہے، ورنہ ایک طہر سے بھی رحم پاک ہو سکتا ہے۔

عورت کے لیے عدت نئی بات نہیں ہے، سابقہ شریعتوں میں بھی اس پر عمل ہوا ہے۔

شوہر کے لیے صرف دو صورتوں میں عورت کی عدت مکمل ہونے کا انتظار لازم ہے:

۱۔ شوہر بیوی کو طلاق رجعی دے اور اس بیوی کے ایسے رشتہ دار سے نکاح کرنا چاہے جس کو اس کے ساتھ جمع نہیں کر سکتا جیسا کہ بیوی کی بہن، پھوپھی وغیرہ۔

۲۔ دوسری صورت یہ کہ چار بیویوں میں سے ایک کو طلاق رجعی دے اور پانچویں عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہے، اس لیے کہ طلاق رجعی میں زوجیت باقی رہتی ہے۔

عدت کی قسمیں

عدت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عدت شوہر کی وفات کے سبب سے ہو اور عورت حمل سے ہو تو وضع حمل تک عدت ہے، اگر حمل نہ ہو تو چار مہینے دس روز تک عدت ہے۔

۲۔عدت کسی دوسرے سبب سے ہواور عورت حمل سے ہوتو وضع حمل تک اور اگر حمل نہ ہواور حیض آتا ہوتو تین طہر تک اور صغیرہ اور آیسہ ہوتو اس کی عدت تین مہینے ہے۔

اس عورت کے لیے عدت نہیں ہے جس کو جماع سے پہلے طلاق دی گئی ہو۔

اسباب کے لحاظ سے عدت کی قسمیں

اسباب کے لحاظ سے عدت کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ایک وہ عدت جو شوہر کے انتقال کی وجہ سے ہو۔

۲۔دوسری وہ عدت جو کسی دوسرے سبب کی وجہ سے ہو۔

شوہر کی وفات کے بعد بھی دوصورتیں ہیں: عورت حمل سے ہو، یا حمل سے نہ ہو۔

حمل سے ہوتو حمل کے وضع ہونے پر عدت ختم ہوجاتی ہے اور بچہ متوفی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق:۴) جو عورتیں حمل سے ہیں ان کی عدت یہ ہے کہ حمل وضع ہوجائے۔

مضغہ یعنی وہ گوشت جس میں خلقت کی خفیف صورت ظاہر ہو حمل میں داخل ہے۔

علقہ: جو صرف خون کا لوتھڑا ہوتا ہے حمل میں شمار نہیں کیا جاتا اور نہ اس کے نکلنے سے عدت پوری ہوتی ہے۔

علقہ کے نکلنے پر تین احکام عائد ہوتے ہیں:

ا۔روزہ ٹوٹتا ہے۔

۲۔غسل واجب ہوتا ہے۔

۳۔اس کے بعد جو خون نکلتا ہے اس کو نفاس کہا جاتا ہے۔

یہ تینوں احکام مضغہ کے نکلنے پر بھی عائد ہوتے ہیں اور ان پر اضافہ یہ کہ مضغہ کے نکلنے پر عدت بھی پوری ہوجاتی ہے بشرطیکہ مضغہ میں صورت کچھ نہ کچھ ظاہر ہوئی ہو۔

حمل نہ ہو

شوہر کی وفات کے وقت عورت حمل سے نہ ہوتو چار مہینے قمری اور دس روز تک عدت

ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ يَتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرۃ:۲۳۴) جو لوگ فوت ہو جائیں اور عورتوں کو پیچھے چھوڑ دیں تو ان کو چار مہینے اور دس دن تک انتظار کرنا چاہیے۔

مہینے کے جز کے حساب کے لیے مہینے کے تیس دن شمار ہوں گے۔

وفات کے علاوہ کسی دوسرے سبب کی وجہ سے عدت

غیر متوفی عنہا سے مراد یہ ہے کہ شوہر کی زندگی میں عورت کے ساتھ جدائی ہو جائے، طلاق کی وجہ سے یا کسی عیب کی بنا پر یا رضاعت کے سبب سے نکاح فسخ ہو جائے۔

جدائی کے آغاز کے وقت عورت حمل سے ہو تو وضعِ حمل تک عدت ہے اور اگر حمل نہ ہو اور عورت میں حیض کی صلاحیت ہو تو اس کی عدت تین کامل طہر تک ہے۔ اگر طلاق رجعی کی عدت شروع ہونے کے بعد شوہر کا انتقال ہو جائے تو شوہر کی وفات کی عدت شمار ہو گی، اس لیے کہ طلاق رجعی میں زوجیت باقی رہتی ہے اور عورت میراث بھی پاتی ہے، برخلاف طلاق باین کے۔ طلاق بائن کی عدت کے زمانہ میں شوہر کا انتقال ہو جائے تو طلاق کی عدت جو پہلے سے جاری ہے باقی رہے گی۔ اس لیے کہ زوجیت شوہر کی وفات سے پہلے ہی ختم ہو چکی تھی۔

اگر طہر کے زمانہ میں طلاق دی گئی ہو اور طلاق کے بعد طہر کے کچھ دن باقی رہے ہوں تو تیسرے حیض کے شروع ہونے کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی۔

اگر حیض کی حالت میں طلاق دی جائے تو چوتھے حیض کے آغاز کے ساتھ عدت ختم ہو جائے گی۔

اگر عورت کم سن یا عمر رسیدہ ہو مگر حیض نہ آتا ہو اور یاس کی عمر کو نہ پہنچے یا آیسہ یعنی کبر سنی کی وجہ سے حیض بند ہو گیا ہو تو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّائِيْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِيْ لَمْ يَحِضْنَ﴾ (الطلاق:۴) وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں اگر تم کو شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور یہ عدت ان عورتوں کی ہے جن کو حیض ہی نہیں آیا۔

اگر عدت کے تین مہینوں کے اندر کسی عورت کو حیض آجائے تو تین طہر کے شمار کرنے سے عدت ختم ہوگی۔ اگر تین مہینوں کی عدت گزرنے کے بعد حیض آئے تو اس کے بعد دوبارہ طہر کا حساب ضروری نہیں ہے۔

جماع سے پہلے طلاق شدہ کی عدت

اس عورت کے لیے جس کو جماع سے پہلے طلاق دی گئی ہو کوئی عدت نہیں ہے۔ یہاں جماع کی قید ہے۔ مباشرت وغیرہ پر عمل کرنے سے کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ﴾ (الأحزاب:۴۹) اے ایمان والو! جب تم ایمان والیوں کے ساتھ نکاح کرو اور اس سے پہلے طلاق دے دو کہ انھیں ہاتھ لگاؤ تو تمہارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں ہے۔

باندی کی عدت

حاملہ کی عدت وہی ہے جو آزاد عورت کی ہے۔ حیض والی ہو تو اس کی عدت دو طہر اور شوہر کی وفات کے سبب سے ہو تو دو مہینے پانچ رات اور طلاق کے سبب سے ہو تو ڈیڑھ مہینے ہے، لیکن اولی دو مہینے ہے۔

حمل کی صورت میں آزاد عورت اور باندی میں کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے کہ آیت کا حکم عام ہے: ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق:۴) اور جو عورتیں حمل سے ہیں ان کی مدت یہ ہے کہ حمل وضع کریں۔

اسقاط حمل

بجیرمی نے لکھا ہے کہ منی محض جمادی حالت میں نازل ہوتی ہے اور حیات پر دلالت کرنے والی کوئی صفت اس میں نہیں ہوتی، البتہ رحم میں داخل ہونے اور قرار پانے کے بعد خلق کے ابتدائی مدارج طے کرنا شروع کرتی ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ بیالیس دن

گزرنے کے بعد تخلیق کی علامتیں شروع ہوتی ہیں۔ایک سو بیس دن یعنی چار مہینوں کے گزرنے کے بعد حمل میں جان پڑتی ہے۔

جان پڑنے سے پہلے اسقاط کی نسبت فقہاء میں اختلاف ہے۔بعض کی رائے ہے کہ حمل کو جڑ سے منقطع کرنے والی چیز کا استعمال حرام ہے مگر ایسی چیز کا استعمال حرام نہیں ہے جو حمل کو صرف ایک مدت تک ملتوی کرے اور قطعی طور پر منقطع نہ کرے، بلکہ اولاد کی تربیت کرنے کے لحاظ سے ایسا کیا جائے تو اس میں کراہت بھی نہیں ہے۔ابن حجر کی رائے ہے کہ تخلیق کے مبادیات کے آغاز ہونے سے پہلے اسقاط حرام نہیں ہے۔

عدت میں نفقہ کے احکام

طلاق رجعی کی عدت میں شوہر پر عورت کی سکونت اور نفقہ واجب ہیں اور بائن کی صورت میں فقط سکونت واجب ہے، لیکن حمل سے ہو تو نفقہ بھی واجب ہے۔

جہاں تک ہو سکے جس مکان میں شوہر سے جدائی ہوئی ہو اسی مکان میں عورت عدت کے دن گذارے اور اس کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا۔

نفقہ کے ساتھ لباس اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی بھی واجب ہے اور یہ سب امور میاں بیوی کی زندگی کے معیار کے لحاظ سے واجب ہوں گے۔

اگر عورت طلاق رجعی کی عدت میں ہو اور شوہر کا انتقال ہو جائے تو اس کا نفقہ منقطع ہو جائے گا، اگر چہ کہ حمل سے ہو، اس لیے کہ شوہر کی وفات کی وجہ سے عورت طلاق رجعی کی عدت سے وفات کی عدت کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور شوہر کی وفات کی عدت میں عورت کو نفقہ نہیں ملتا، چاہے حمل سے ہو، برخلاف طلاق بائن کے۔طلاق بائن میں عورت سکونت کی مستحق ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم﴾ (الطلاق:٦) رکھوان کو جیسا کہ تم رہتے ہو۔

طلاق بائن کے وقت عورت حمل سے ہو تو سکونت اور نفقہ دونوں ملیں گے۔آیت میں ہے:﴿وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

(الطلاق:٦) اگر وہ حمل سے ہوں تو ان کو نفقہ دو یہاں تک کہ وضع حمل کریں۔

جس عورت کو خلع دیا گیا ہو یا تین طلاق دئے گئے ہوں یا جن کا نکاح فسخ کیا گیا ہو، بائن کے حکم میں داخل ہیں۔ جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو، اگر چہ کہ حمل سے ہو نفقہ نہ ملے گا۔ حدیث میں ہے: ''لَيْسَ لِلْحَامِلِ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا نَفَقَةٌ'' (دارقطنی نے جابر رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: ۳۹۵۰) جو عورت حمل سے ہو اور جس کے شوہر کا انتقال ہو گیا ہو اس کے لیے نفقہ نہیں ہے۔

طلاق سے پہلے یا طلاق کے دوران میں عورت کی جانب سے نشوز یعنی نافرمانی ہو تو اس کو نفقہ وغیرہ کوئی چیز نہیں ملے گی۔ نشوز جھگڑے کی ابتداء کو کہتے ہیں۔ نشوز کی ایک مثال یہ ہے کہ عورت بغیر ایسی ضرورت کے گھر کے باہر چلی جائے جس کے لیے باہر جانا اس کے لیے مباح نہیں ہے۔

اِحداد

احداد ''حد'' سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی منع کرنے اور روکنے کے ہیں اور شرع میں زینت اور خوشبو سے روکنے کو احداد کہتے ہیں۔شوہر کے انتقال پر عدت کے زمانہ میں عورت کے لیے زینت اور خوشبو سے بچنا واجب ہے۔

جس عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہو یا جس کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کو واجب ہے کہ سابقہ مسکن ہی میں رہے،سوائے اس کے کہ کوئی حاجت ہو۔حدیث میں ہے: ''**لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا**'' (بخاری:الطلاق،باب تحدّ المتوفی عنھا زوجھا ۵۰۲۴۔مسلم:الطلاق،باب وجوب الاِحداد فی عدّة الوفاة ۱۴۸۶۔۱۴۸۹۔ یہ روایت ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے ہے) اس عورت پر جو اللہ تعالی اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں ہے کہ کسی میت پر تین روز سے زیادہ سوگ کرے۔سوائے شوہر کے جس کے لیے چار مہینے دس دن سوگ کرے۔

کسی کام سے منع کرنے کے بعد اس کو جائز بتایا جائے تو وہ واجب ہوتی ہے۔اس حدیث میں شوہر کے مرنے پر سوگ کے حلال ہونے سے مراد یہ ہے کہ سوگ واجب ہے اور اسی پر اجماع ہے۔اس لیے کہ ممانعت کے بعد جواز کا حکم وجوب پر دلالت کرتا ہے۔حدیث میں ہے: ''**اَلْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ**'' (ابوداود نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے: باب فیما تجتنبہ المعتدة ۲۳۰۶) جس کے شوہر کا انتقال ہوجائے، وہ نہ پیلا لباس پہنے اور نہ سرخ اور نہ زیور اور نہ بدن کو رنگے اور نہ سرمہ لگائے۔

شوہر کے انتقال کی قید کی وجہ سے جدائی کی دیگر صورتوں میں زینت اور خوشبو کا ترک

کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ مسنون ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ طلاق رجعی کی صورت میں عورت کو اگر ذرا بھی امید ہو تو عدت کے زمانہ میں زیب و زینت کے ساتھ رہنا اس کے لیے اولی ہے۔ تاکہ شوہر اس کی طرف مائل ہو اور رجوع کرے۔

متوفی عنہا کی عدت قمری چار مہینے اور دس دن ہیں، زیور اور لباس دونوں کی زینت ممنوع ہے، چھوٹے قسم کا زیور بھی استعمال کرنا ممنوع ہے۔ جیسا کہ انگوٹھی یا کان کی بالی۔

دن کی قید ہے، اس لیے رات میں زیورات کا استعمال جائز ہے، مگر مکروہ ہے۔

بدن کی قید ہے، اس لیے فرش اور خانہ داری کے اسباب کی زینت ممنوع نہیں ہے اور نہ بدن اور لباس کی پاکی اور صفائی ممنوع ہے۔ بال نکالنا، ناخن کاٹنا، میل دور کرنا اور دھونا جائز ہے۔ بغیر تیل لگائے کنگھا کرنا جائز ہے۔

اگر عدت کی مدت ختم ہونے کے بعد شوہر کے وفات پانے یا طلاق دینے کی خبر پہنچے تو چوں کہ وفات اور طلاق کے بعد عدت کی میعاد گزر چکی ہے، اس لیے بیوی پر کوئی مزید سوگ ضروری نہ ہوگا۔

لباس میں رنگین اور رنگوں میں زرد اور سرخ رنگ ممنوع ہیں۔ ایسا رنگ جس کا شمار زینت میں نہ ہو یا سیاہ رنگ کا لباس پہننا ممنوع نہیں ہے۔ کپڑے کی نوعیت کی قید نہیں ہے، سوتی، ریشمی اور اونی لباس عورت پہن سکتی ہے بشرطیکہ رنگا ہوا نہ ہو۔ رنگے ہوئے تانے بانے سے بنا ہوا لباس بھی ممنوع ہے اور بغیر رنگ کے ہم رنگ دھاگے سے نقش و نگار کیا ہوا کپڑا بھی ممنوع ہے۔ کپڑے کے سخت اور موٹا ہونے کی قید نہیں ہے، باریک اور مہین کپڑے کا لباس بھی استعمال کر سکتی ہے۔

خوشبو کا استعمال بدن، لباس اور غذا میں ممنوع ہے۔ خوشبو کے حرام ہونے کے لیے وہی شرائط ہیں جو احرام کی حالت میں حرام قرار دی گئی ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ احرام سے پہلے خوشبو کا استعمال مسنون ہے۔ عدت کے آغاز کے ساتھ ہی عورت پر لازم ہے کہ خوشبو کو دور کر دے، برخلاف محرم کے، محرم سابقہ خوشبو دور نہیں کرتا۔ خوشبو کا استعمال دن رات کے

دونوں اوقات میں ممنوع ہے۔

سرمہ لگانا زینت اور خوشبو کے لیے ممنوع ہے اور ضرورت اور علاج کے لیے جائز ہے جیسا کہ آنکھ کی تکلیف دور کرنے کے لیے سفید سرمہ کا استعمال جس کو ''توتیا'' کہتے ہیں جائز ہے۔ حضرت ابوسلمہ کے انتقال پر ان کی بیوی حضرت ام سلمہ عدت میں تھیں اور آنکھوں میں سرمہ لگایا تھا، ''صبر'' ایک سفید سرمہ ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ام سلمہ کو دیکھ کر سوال کیا کہ یہ کیا ہے؟ تو انھوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ صبر ہے، جس میں خوشبو نہیں ہے۔ تو آپ نے فرمایا: رات میں لگاؤ اور دن میں پونچھ دو۔ (حدیث میں ''صِبر'' کا تذکرہ ہے جس سے مراد سرمہ نہیں ہے، بلکہ ایک قسم کا پودہ ہے جس سے چہرہ کی خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے، ام سلمہ یہی لگائی ہوئی تھی، مکمل حدیث یہ ہے: ''عن أم سلمة قالت: دخل علی رسول الله ﷺ حین توفی أبو سلمة، وقد جعلت علی صبرا، فقال؛ ما هذا یا أم سلمة؟ فقالت: إنما هی صبر لیس فیه طیب. قال: إنه یشب الوجه، فلا تجعلیه إلا فی اللیل، وتنزعیه بالنهار، ولا تمتشطی بالطیب ولا بالحناء...... ''۔ شرح السنۃ ۹/ ۳۰۹۔ بیان مشکل الآثار۔ طحاوی ۳......۱۲۲)

اسی حدیث سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ اجنبی عورت کے چہرے پر نظر کرنا جائز ہے، جب کہ شہوت کا خوف نہ ہو۔

سکونت یعنی رہائش

جس مکان میں شوہر سے جدائی ہوئی ہو اسی مکان میں عدت کے زمانہ میں قیام رکھنا عورت پر واجب ہے، خواہ شوہر کا انتقال ہوا ہو، طلاق بائن دی گئی ہو یا نکاح فسخ کیا گیا ہو، شوہر یا اس کے ورثاء قیام گاہ سے عورت کو نکال نہیں سکتے اور نہ عورت شوہر کی رضامندی کے باوجود ناگزیر حالات کے سوائے اپنی قیام گاہ سے باہر جاسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق: ۱) تم ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ نکلیں سوائے اس کے کہ ان سے کوئی فاش غلطی سرزد ہوئی ہو۔

مکان نہ چھوڑنے کی پابندی اللہ تعالی کا حق ہے اور ایسا حق کسی فریق کی رضامندی کی وجہ سے ساقط نہیں ہوسکتا۔ عورت اپنے والدین کی ملاقات یا مزاج پرسی یا زیارتِ قبور یا اپنے متوفی شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے بھی نہیں جاسکتی اور نہ تجارت اور کاروبار کے لیے جاسکتی ہے۔ البتہ پہلے سے احرام کی نیت کر چکی ہو تو حج اور عمرہ کے لیے نکل سکتی ہے۔

ضرورت کی صورت میں گھر سے باہر جانا عورت کے لیے جائز ہے جیسا کہ غذا خریدنے یا کاتنے کے لیے کپاس لانے یا کپڑا بنائی کے لیے دھاگا لانے کے لیے جائے۔ پڑوسی کے مکان پر بھی ضرورت پر جاسکتی ہے۔ کسی خوف یا خطرہ کے لاحق ہونے پر گھر سے باہر جاسکتی ہے۔

دیگر صورتیں

شوہر کے علاوہ دوسرے قریبی رشتہ دار باپ، بیٹے وغیرہ یا کسی اجنبی شخص کی لیے اس کے غیر معمولی علم وفضل یا زہد وتقوی کی وجہ سے تین روز یا اس سے کم مدت کے لیے عورت زینت ترک کرسکتی ہے۔ مگر تین روز سے زیادہ سوگ حرام ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ عورت جس شخص کے جنازہ کے لیے باہر جانے کی مجاز ہے اس کے لیے سوگ بھی کرسکتی ہے۔

رضاعت

رضاعت کے معنی چھاتی سے دودھ پینے کے ہیں اور شرع میں ایک خاص عمر تک خاص دفعات (تعداد) میں عورت کا دودھ چھاتی سے یا نکالنے کے بعد پینے کو رضاعت کہتے ہیں۔لغوی معنی میں خصوصیت اور شرعی معنی میں عمومیت ہے، برخلاف مطلقاً استعمال کرنے کی صورت میں۔

اس عورت کو جس نے دودھ پلایا مرضعہ، بچے کو جس نے دودھ پیا رضیع کہا جاتا ہے۔

رضاعت کا رشتہ عورت کا دودھ پینے سے پیدا ہوتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ دودھ جو مرضعہ کے بدن کا جزء ہے رضیع کا جزوِ بدن ہو جاتا ہے۔

رضاعت ثابت ہونے کی شرطیں

جب کسی بچے کو کوئی عورت دودھ پلائے تو رضیع دو شرائط پر اس کا بچہ ہو جائے گا:

۱۔ بچے کی عمر دو سال سے کم ہو۔

۲۔ پانچ متفرق دفعات میں دودھ پیا ہو۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِنَ الرَّضَاعَةِ﴾ (النساء:۲۳) اور جن عورتوں نے تم کو دودھ پلایا تمہاری مائیں ہیں اور تمہاری بہنیں ہیں دودھ کے رشتہ سے۔

رضاعت کے ارکان

رضاعت کے تین ارکان ہیں: مرضعہ، رضیع اور دودھ۔

مرضعہ کے لیے شرط ہے کہ دودھ پلاتے وقت اس کی عمر قمری نو سال ہو۔نو سال کی قید تقریبی ہے۔ایک حیض اور ایک طہر کی مجموعی اقل مقدار سولہ دنوں سے کم ہو تو مضایقہ

نہیں۔نوسال کی قید اس لیے مقرر کی ہے کہ بلوغ کی اقل عمر یہی ہے اور اس عمر کو پہنچنے پر عورت کی نشو ونما مکمل ہوتی ہے اور بچہ جننے کے قابل اور رضاعت کے لائق ہوتی ہے۔

بلوغ کی اکثر مدت پندرہ سال ہے یا اس سے پہلے جب کہ احتلام ہو جائے یا حیض آئے۔

رضاعت کا یہ اثر ہے کہ شروع میں اور دائمی طور پر نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ حدیث میں ہے: ''يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ'' (بخاری: الشھادات، باب الشھادة على الأنساب ۲۵۰۲۔ مسلم: الرضاع، باب تحريم ابنة الأخت من الرضاعة ۱۴۴۷۔ یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے) دودھ کے رشتہ کی وجہ سے حرام ہو جاتے ہیں وہ لوگ جو نسب کے رشتہ کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

رضاعت کی وجہ سے نظر اور خلوت بھی جائز ہو جاتی ہے اور چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ البتہ نسب کے دوسرے احکام عائد نہیں ہوتے، جیسا کہ میراث، نفقہ، عتیق الملک، قصاص کی معافی اور شہادت رد کیا جانا وغیرہ۔

مرضعہ کے قصد و ارادے کی قید نہیں ہے، مرضعہ سو رہی ہو اور رضیع نے خود دودھ پی لیا یا نکالا ہوا دودھ رضیع کے پیٹ میں پہنچ جائے تو کافی ہے۔ دو مختلف بچے بکری یا گائے کا دودھ پئیں تو ان کے درمیان ایک دوسرے کو محرم بنانے والی اخوت پیدا نہیں ہوتی۔

رضیع کی عمر دودھ پینے کے وقت قمری دو سال سے کم ہو۔ اگر دو سال یا اس سے زیادہ ہو تو رضاعت کا رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا﴾ (الأحقاف: ۱۵) بچے کے حمل میں رہنے اور دودھ پینے کا زمانہ تیس مہینے ہے۔

جمہور کی رائے ہے کہ اس میں حمل کی کم سے کم مدت چھ مہینے اور رضاعت کی اکثر مدت دو سال شامل ہے اور دونوں مل کر تیس مہینے یا ڈھائی سال ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ (البقرة: ۲۳۳) مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ پلا سکتی ہیں جب کہ شوہر رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہے۔

حدیث میں ہے: ''لَا رِضَاعَ إِلَّا مَا كَانَ فِی الْحَوْلَیْنِ '' (دار قطنی: الرضاع ۴/۱۷۴) دودھ کا رشتہ قائم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ دو سال کے اندر ہو۔

حضرت ابوحذیفہ کا ایک آزاد کردہ غلام سالم نامی تھا، جو ابوحذیفہ کے گھر میں وقت بے وقت آتا جاتا تھا، یہ بات ابوحذیفہ کی بیوی کو ناگوار گزرتی تھی۔ شکایت کے طور پر بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قضیہ کو حل کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ اس کو اپنا دودھ پلا دو۔ (مسلم: باب رضاعۃ الکبیر ۳۶۷۷۔ نسائی: ۳۳۱۹۔ یہ روایت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

یہ ایک مخصوص صورت تھی جس میں عمر کی قید نہ تھی۔

دودھ کے لیے شرط ہے کہ پانچ متفرق دفعات میں پلایا گیا ہو، حضرت عائشہؓ نے روایت کی ہے کہ پانچ دفعات سے کم دودھ پلانے سے حرمت کا رشتہ قائم نہیں ہوتا۔ (مسلم: الرضاع، باب التحریم بخمس رضعات ۱۴۵۲)

ابن حجر کا قول ہے کہ ''حدیث خمس'' صحیح طریقوں سے پہنچی ہے، لیکن اس میں اضطراب ہے۔

پلائے ہوئے دودھ کی کمی یا زیادتی یا دودھ کے چھاتی سے پلانے یا نکال کر کسی برتن یا آلہ کے ذریعہ پلانے میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پانچ دفعات کی تعداد یقینی ہونی چاہیے۔ اگر تعداد میں شبہ ہو یا کم تعداد ہو تو رضاعت کا حکم صادق نہیں آتا، اس لیے کہ اصل رشتہ نہ ہونا ہے۔

دودھ کی مقدار کی قید نہیں ہے کہ پیٹ بھر کر پلایا گیا ہو۔ دودھ کا ایک قطرہ بھی بچے کے پیٹ میں پہنچ جائے تو کافی ہے۔

بچہ چھاتی کو چھوڑ دے یا ماں کسی کام کی وجہ سے بچے کو چھاتی سی جدا کردے اور فصل زیادہ ہو جائے تو دفعہ کی مقدار ختم ہو جائے گی۔ دودھ پیتے پیتے بچہ کھیلنے لگے یا اونگنے لگے اور تھوڑی دیر میں دوبارہ دودھ پینا شروع کرے تو فصل نہیں ہوگا۔ بہر حال فصل کے لحاظ سے دفعات کی تعداد شمار ہوگی۔

اختلاف: امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک ایک دفعہ دودھ پلانا رضاعت کا رشتہ قائم کرنے کے لیے کافی ہے۔ ان کا یہ استدلال ہے کہ ﴿**وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ**﴾ (النساء:۲۳) کی آیت مطلق ہے۔

رضاعی رشتے داری

مرضعہ کا شوہر بچے کا باپ اور مرضعہ ماں ہو جائے گی اور بچے پر مرضعہ اور وہ عورتیں جو اس کے ساتھ نسب یا رضاعت کا تعلق رکھتی ہیں حرام ہوں گی۔ مرضعہ کے لیے اس بچے کے ساتھ یا اس کی اولاد کے ساتھ نکاح حرام ہے، سوائے ان لوگوں کے جو قرابت میں اس بچے کے درجہ میں ہوں، یا اوپر کے درجہ میں ہوں۔

دودھ پلانے کی وجہ سے دودھ پلانے والی، دودھ پینے والے بچے کی ماں ہو جاتی ہے اور اس کا شوہر جس کے سبب سے عورت میں دودھ پیدا ہوا، باپ ہو جاتا ہے۔ اس عورت کے جملہ نسبی اور رضاعی رشتہ کے محرم رشتہ دار بچے کے لیے بھی محرم ہو جاتے ہیں اور ان کے ساتھ بچے کا نکاح حرام ہو جاتا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے: ''**يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ**'' (بخاری و مسلم: اس کی تخریج باب کے شروع میں گزر چکی ہے)

رضیع اور اس کی اولاد کے ساتھ مرضعہ کا نکاح حرام ہے۔ البتہ وہ لوگ جو رضیع کے درجہ میں ہیں جیسا کہ رضیع کا بھائی اور جو رضیع کے درجہ سے اوپر ہیں جیسے کہ رضیع کے باپ، دادا یا چچا اس حکم سے خارج ہیں۔

رشتہ

رشتے تین قسم کے ہوتے ہیں: اصول، فصول اور حواشی۔

اصولی رشتہ میں باپ، دادا، ماں، نانی وغیرہ۔

فصولی رشتہ میں بیٹا، پوتی، پوتا، بیٹی اور نواسی۔

اور حواشی میں بھائی اور بہنیں شمار کی جاتی ہیں۔

رضیع کے لیے اصولی، فصولی اور حواشی تینوں قسم کے رشتہ دار حرام ہوتے ہیں، مگر مرضعہ کے لیے بچے کے صرف فصولی رشتہ دار حرام ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہو اس پر دودھ پلائی ہوئی عورت اور اس کی جملہ بیٹیاں پہلے کی اور بعد کی اس بیٹی کے ساتھ ساتھ حرام ہو جاتی ہیں جس کے ساتھ اس نے دودھ پیا ہے، اس لیے کہ یہ سب کے سب اس کی بہنیں ہیں۔

جس لڑکے نے دودھ نہیں پیا اس پر مرضعہ حرام نہیں ہوتیں اور نہ اس کی بیٹیاں، یہاں تک کہ وہ لڑکی جس کے ساتھ اس کے بھائی نے دودھ پیا تھا۔ لڑکی جس نے دودھ پیا اس پر مرضعہ کے سب لڑکے، پہلے کے اور بعد کے حرام ہو جاتے ہیں، اس لڑکے کے ساتھ ساتھ جس کے ساتھ اس نے دودھ پیا، اس لیے کہ یہ سب کے سب اس کے بھائی ہیں۔

جس لڑکی نے دودھ نہیں پیا اس پر مرضعہ کے بیٹے، پہلے کے اور بعد کے حتی کہ وہ بیٹا جس کے ساتھ اس کی بہن نے دودھ پیا تھا حرام نہیں ہوتے۔

نسب یا رضاعت کی وجہ سے رشتہ میں جو تحریم پیدا ہوتی ہے اس کی صراحت محرماتِ نکاح میں بیان کی جا چکی ہے۔

نفقہ

نفقہ کے معنی کارِ خیر میں خرچ کرنے کے ہیں۔ خیر کے علاوہ دوسرے کاموں میں خرچ کرنے کو اسراف کہتے ہیں۔ زمخشری نے کیا خوب کہا ہے: ''لَا سَرَفَ فِی الْخَیْرِ کَمَا لَا خَیْرَ فِی السَّرَفِ''۔ نیکی میں اسراف نہیں اور اسراف میں کوئی خوبی نہیں۔

نفقہ واجب ہونے کے اسباب

تین اسباب کی بنا پر نفقہ واجب ہوتا ہے: قرابت، ملکیت اور زوجیت۔

قرابت میں اصول اور فروع کا نفقہ ایک دوسرے پر واجب ہے۔ ماں باپ کے حقوق کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے: ﴿وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان:۱۵) والدین کے ساتھ دنیا میں بھلائی کا برتاؤ کرو۔

مراد یہ ہے کہ ان کی حاجتوں کو پوری کرو۔

حدیث میں ہے: ''أَطْیَبُ مَا یَأْکُلُ الرَّجُلُ مِنْ کَسْبِهِ وَوَلَدُهُ مِنْ کَسْبِهِ فَکُلُوْا مِنْ أَمْوَالِهِمْ'' (ابوداود: البیوع والإجارات، باب فی الرجل یأکل من مال ولده ۳۵۲۸۔ ترمذی: الأحکام، باب الوالد یأخذ من مال ولده ۱۳۵۸ وغیرہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے: ''إن من أطیب ما أکل الرجل من کسبه، وولده من کسبه''۔ ابوداود کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''أنت ومالک لأبیک، إن أولادکم من أطیب کسبکم، فکلوا من کسب أولادکم''۔ کتاب البیوع والإجارات، باب فی الرجل یأکل من مال ولده ۳۵۳۰) سب سے پاک غذا مرد کی وہ ہے جو اس نے کمائی ہے اور لڑکے بھی اس کی کمائی میں سے ہیں، پس ان کا مال کھاؤ۔

اگرچہ اس آیت اور حدیث دونوں کے الفاظ وجوب پر دلالت نہیں کرتے لیکن اجماع

اس پر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٦) اگر انھوں نے تمہارے لیے دودھ پلایا ہے تو انھیں ان کی اجرت دو۔

جب دودھ پلانے کی اجرت واجب ہوتی ہے تو نفقہ بدرجہ اولی واجب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہندہ سے فرمایا: ''خُذِيْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ'' (بخاری: النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل فللمرأة أن تأخذ...... ۵۰۴۹۔ مسلم: الأقضية، باب قضية هند ۱۷۱۴۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے) جو تم کو اور تمہاری اولاد کو رواج کے مطابق کفایت کرے وہ لو۔

اصول؛ ماں باپ، دادا، دادی وغیرہ کو اور فروع؛ بیٹا، بیٹی، پوتا اور نواسے وغیرہ کو کہتے ہیں۔ نفقہ میں مرد اور عورت کی قید نہیں ہے۔

اصول اور فروع کی قید کی وجہ سے دوسرے قرابت دار بھائی، بہن، چچا اور پھوپھی وغیرہ خارج ہو جاتے ہیں۔

آزادی کی قید ہے، غلامی کی حالت میں نفقہ واجب نہیں ہوتا، اس لیے کہ غلام کا نفقہ مالک پر واجب ہے۔

معصوم ہونے کی قید ہے، حربی، مرتد اور تارک صلاۃ کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

نفقہ حاجت اور ضرورت پر مبنی ہے، دین اور مذہب میں اتفاق ہو یا اختلاف۔ معصوم کافر کا نفقہ مسلم پر اور مسلم کا نفقہ کافر پر واجب ہے۔ نفقہ بقدر کفایت واجب ہے۔ سدرمق کے برابر نفقہ کافی نہیں ہے، پیٹ بھرنے کے لائق ہونا چاہیے۔ کھانے کے ساتھ سالن بھی واجب ہے۔ غذا کے علاوہ لباس اور سکونت کا انتظام کرنا چاہیے، ضرورت ہو تو خدمت، علاج اور ادویہ بھی مہیا کی جائیں۔

اصول کا نفقہ فروع پر فقر کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔ فقر مال کے نہ رکھنے یا ہنر کے نہ جاننے کی حالت کو کہتے ہیں۔ اصول کے نفقہ کے وجوب کے لیے صرف فقر کافی ہے۔ بیماری یا بیچارگی کی قید نہیں ہے۔ اصول یہ ہے کہ آباء و اجداد کو کسب معاش پر مجبور نہ کیا جائے، اگرچہ کہ ان میں سکت ہو اور معتمد یہی ہے، اس لیے کہ مصاحبت بالمعروف کا حکم

ہے۔اس کے خلاف ابوشجاع نے فقر کے ساتھ ناکاری اور بیچارگی کی شرط لگائی ہے۔

فروع کا نفقہ اصول پر فقر کے علاوہ صغر سنی یا کسی آفت یا جنون کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔لڑکا کم سن اور مالدار ہو یا سن رسیدہ اور فقیر ہو تو نفقہ واجب نہیں ہے۔کام کرنے کے لائق ہو تو اس کو کام کرنا پڑے گا۔

غلام اور مویشی کا نفقہ

غلام اور مویشی کا نفقہ مالک پر واجب ہے،ان کو ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے جس کی طاقت ان میں نہ ہو۔حدیث میں ہے: ''**لِلْمَمْلُوكِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ مَا لَا يُطِيقُ** ''(موطا امام مالک: باب الأمر بالرفق بالمملوک ۱۷۶۹۔مسلم: باب إطعام المملوک مما یأکل ۴۴۰۶۔یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) غلام کے لیے اس کا کھانا اور کپڑا ہے اور اس سے ایسا کام نہ لیا جائے جس کی طاقت اس میں نہ ہو۔

یہ بھی روایت ہے: ''**لِلْمَمْلُوكِ نَفَقَتُهُ وَكِسْوَتُهُ بِالْمَعْرُوفِ** ''(السنن الکبری للبیھقی: باب ما علی مالک المملوک من طعام المملوک وکسوتہ ۱۶۱۹۱۔یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے)

ملکیت میں غلام اور جانوروں کا نفقہ مالک پر واجب ہے۔

مویشی میں ان جانوروں کی قید ہے جو محترم ہیں،غیر محترم جانور کا نفقہ واجب نہیں ہے،کوا،چوہا،گھونس،بچھو اور دیوانہ کتا غیر محترم جانور ہیں جن کو فواسق خمسہ کہتے ہیں۔ان کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہے۔ان کو چھوڑ دینا چاہیے،ان کو رکھ کر بھوکوں مارنا جائز نہیں ہے۔حدیث میں ہے: ''**إِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ** ''(مسلم نے یہ روایت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب الأمر بإحسان الذبح ۵۱۶۷) جب قتل کرو تو تم احسان کرو مقتولین کے ساتھ یعنی آسان طریقہ اختیار کرو۔

مویشی چوں کہ جاندار ہیں اور جان کی حرمت واجب ہے،اس لیے ان کا نفقہ واجب ہے۔حدیث میں ہے: ''**دَخَلَتِ امْرَأَةٌ النَّارَ فِيْ هِرَّةٍ رَبَطَتْهَا، فَلَا هِيَ أَطْعَمَتْهَا وَلَا هِيَ أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ هَزَلًا** ''(بخاری: المساقاۃ،

باب فضل سقی الماء۲۲۳۶۔ مسلم: کتاب البر والصلۃ والآداب، باب تحریم تعذیب الھرۃ ونحوھا۲۶۱۹۔ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) ایک عورت ایک بلی کو باندھ کر رکھنے کی وجہ سے دوزخ میں داخل ہوئی، جس کو نہ تو کھانا دیتی تھی اور نہ چھوڑ دیتی تھی کہ زمین پر گرا پڑا کھالے۔

مویشی کا نفقہ یہ ہے کہ اس کے لائق دانہ چارہ پانی کافی مقدار میں دے۔ اگر ایسا نہ کرے اور جانور ماکول ہو تو تین صورتیں ہیں:

جانور کو بیچ دے یا دانہ چارہ دے یا ذبح کرے۔

غیر ماکول کے لیے دو صورتیں ہیں: جانور کو بیچ دے یا دانہ چارہ دے۔ غیر ماکول کو ذبح کرنا حرام ہے۔

جانور ماکول نہ ہو اور کارآمد نہ ہو اور کوئی خریدے نہیں تو اس کی غذا میں صرف کرنا اسراف ہے، اس لیے کہ اس جانور کو ضائع کرنا ہماری رائے میں جائز ہے۔

دودھ والے جانور کے تھن میں اتنا دودھ چھوڑنا مسنون ہے جو اس کے بچے کے لیے کافی ہو سکے۔ حدیث میں ہے: ''دَعْ دَاعِیَ اللَّبَنِ'' (مسند احمد: ۱۶۷۴۸۔ ابن حبان: ذکر أمر للحالب إذا حلب أن یترک داعی اللبن ۵۲۸۳۔ یہ روایت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ سے ہے) چھوڑ دو اس کے لیے جس کے لیے دودھ پیدا ہوتا ہے۔

چوپائے سے سواری اور باربرداری کا کام لیتے وقت اس کی قوتِ برداشت کا خیال رکھے۔ کوئی کام ایسا نہ لے جس کی طاقت اس میں نہ ہو۔

بیوی کا نفقہ

بیویٔ ممکنہ یعنی خود کو شوہر کے حوالے کرنے والی عورت کا نفقہ شوہر پر واجب ہے۔

شوہر خوشحال ہو تو جس غلہ کا عام رواج ہے اس کے دو مد اور سالن حسبِ عادت بھی دینا واجب ہے۔

شوہر تنگدست ہو تو عام غلہ سے ایک مد اور غریبوں کا سالن اور لباس دینا ہوگا۔

اور شوہر متوسط الحال ہو تو غلہ، سالن اور لباس بھی متوسط الحال لوگوں کے مطابق دینا

ہوگا۔ اگر عورت کی حیثیت کا تقاضا ہو تو شوہر اس کی خدمت کا انتظام بھی کرے گا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلْيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِنْ سَعَتِهِ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللّٰهُ﴾ (الطلاق:۷) خوشحال آدمی کو خرچ کرنا چاہیے اپنی خوشحالی کے مطابق اور جس کے لیے رزق میں تنگی کی گئی ہو وہ خرچ کرے جو اللہ نے اس کو دیا ہے۔

یہ بھی فرمانِ باری تعالی ہے: ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (البقرۃ:۲۳۳) مولود یعنی شوہر کے ذمہ ان عورتوں کی غذا اور لباس حسب عادت ہے۔

حدیث میں ہے: " فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوْهُنَّ بِأَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ " (مسلم: الحج، باب حجۃ النبی ﷺ ۱۲۱۸۔ یہ روایت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) اللہ تعالی سے عورتوں کے بارے میں ڈرتے رہو۔ تمہارے قبضہ اختیار میں عورتیں اللہ تعالی کی امانت ہیں، خدا کے کلمہ سے وہ عورتیں تمہارے لیے حلال ہوئی ہیں اور تمہارے ذمہ ان کی غذا اور لباس ہے جو ان کے لائق ہے۔

حدیث میں ہے: " وَإِنَّ حَقَّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوْا إِلَيْهِنَّ فِيْ كِسْوَتِهِنَّ وَطَعَامِهِنَّ " (ترمذی نے یہ روایت عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ سے کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے: باب ۱۰ من سورۃ التوبۃ) اور تم پر ان کا حق ہے کہ تم ان کے لباس میں اور ان کی غذا میں ان پر احسان کرو۔

ممکنہ اس عورت کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو شوہر کے سپرد کرے اور شوہر کی مطیع اور فرمانبردار رہے۔ جو عورت غیر ممکنہ ہو اور اپنے آپ کو شوہر کے سپرد نہ کرے اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

نکاح سے مہر واجب ہوتا ہے اور تمکین یعنی خود کو شوہر کے حوالہ کرنے سے نفقہ واجب ہوتا ہے۔ نکاح کے ساتھ ہی نفقہ واجب نہیں ہوتا جب تک کہ تمکین نہ ہو۔ مد کے بارہ چھٹانک ہوتے ہیں اور دو مد کا ڈیڑھ سیر غلہ ہوتا ہے۔ (ایک مد کا تین پاؤ ہوتا ہے)

نفقہ میں شوہر کی حیثیت کا لحاظ

شوہر کی حیثیت کے لحاظ سے نفقہ دیا جائے، نہ کہ عورت کی حیثیت کے اعتبار سے، غذا لباس وغیرہ سب چیزوں میں رواج اور عادت کا لحاظ کیا جائے۔ لباس میں وہ سب دئے جائیں جس کا رواج اور عادت ہے۔ لباس میں موسم کی ضرورتوں کی بھی رعایت ہوگی، گرما کے لیے الگ اور سرما کے لیے الگ لباس ہوگا۔ لباس کی نوعیت بھی شوہر کے حالات کے لحاظ سے مختلف ہوگی۔

پکوان کے برتن بھی فراہم کرنا ہوگا اور حیثیت کے لائق سکونت کا انتظام کرنا ہوگا۔

عورت کی ضروریات کی قسمیں

عورت کی ضروریات کے سامان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ایک وہ جو عورت کو دے دیا جاتا ہے جیسا کہ نفقہ، لباس اور برتن وغیرہ۔ اس قسم کے مال میں شوہر کی حیثیت کا لحاظ کرنا ہوگا۔

۲۔ دوسرا وہ مال ہے جس کے صرف استعمال کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ گھر اور خدمت۔ ایسے مال کے لیے عورت کی حیثیت اور ضرورت کا لحاظ ہوگا۔

شوہر نفقہ نہ دے سکے تو بیوی نکاح فسخ کرواسکتی ہے۔ شوہر جماع سے پہلے مہر ادا نہ کر سکے تو بھی عورت نکاح فسخ کرواسکتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَاِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ﴾ (البقرۃ:۲۲۹) پس حسب عادت روکے رکھو یا احسان کے ساتھ چھوڑ دو یعنی طلاق دے دو۔

دار قطنی نے روایت کی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو نفقہ نہ دے سکے تو بیوی کو دو امور میں اختیار ہے؛ صبر کرے اور اپنے ذاتی مال کو صرف کرے یا قرض لے کر گذارا کرے۔ اور اس طرح جو خرچ کرے اس کی ادائی شوہر کے ذمہ رہے گی۔ یا نکاح فسخ کروائے، فسخ نکاح کے لیے عورت حاکم کے پاس رجوع ہوگی اور حاکم ضروری دریافت کے بعد شوہر کو تین روز کی مہلت دے گا۔

اس اثناء میں شوہر نفقہ کا انتظام نہ کر سکے تو چوتھے روز حاکم نکاح فسخ کر دے گا۔

نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد عورت اس بارے میں کوئی عہد کرے کہ تنگدستی کی وجہ سے نفقہ نہ دینے کے باوجود اس کے ساتھ زندگی بسر کرے گی تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس لیے کہ نفقہ کے حق کی تحدید ہر روز ہوتی ہے، برخلاف مہر کے، اگر مہر کی نسبت عورت کوئی اقرار کر چکی ہے تو نکاح فسخ نہیں کرواسکتی۔

فسخ نکاح سے عورت کو جدائی حاصل ہوگی اور یہ جدائی طلاق میں شمار نہ ہوگی اور اس فسخ کی وجہ سے طلاق کی مقررہ تعداد میں کمی نہیں ہوگی۔

اگر شوہر اتنا تنگ دست ہو کہ جماع سے پہلے مہر ادا نہ کر سکے تو بھی عورت نکاح فسخ کرواسکتی ہے۔ البتہ شوہر کی تنگدستی اور مہر کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھنے کا علم رہتے ہوئے اس نے نکاح کیا ہو تو مہر کے نہ ملنے پر نکاح فسخ کروانے کا حق نہ رہے گا۔

حضانت

حضانت ''حضن'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی پہلو اور گود کے ہیں اور شرع میں حضانت سے ایسے شخص کی تربیت اور حفاظت مراد ہے جو کم سن ہونے یا عقل میں فتور کی وجہ سے اپنے صلاح وفلاح پر عمل نہ کر سکے اور نقصان سے اپنے آپ کو بچا نہ سکے، جیسا کہ کم سن بچہ اور مجنون۔

بعض نے حضانت اور کفالت کو مترادف بتایا ہے اور بعض نے یہ فرق بتایا ہے کہ کم سنی سے تمیز کی عمر تک کے زمانہ کی نگرانی کو حضانت اور تمیز پیدا ہونے کے بعد سے سن بلوغ تک کے زمانہ کی نگرانی کو کفالت کہتے ہیں۔

اگر شوہر اپنی بیوی کو علحیدہ کرے اور بیوی کو شوہر سے بچہ ہو تو بیوی بچے کی حضانت کا ترجیحی حق اس کے تمیز کی عمر کو پہنچنے تک رکھتی ہے، یعنی تقریباً سات سال کی عمر تک۔ اس عمر کے بعد بچے کو اختیار ہے کہ وہ دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہے رہے۔

حضانت کے احکام ثابت ہونے کے لیے شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کی شرط ہے، خواہ طلاق کی وجہ سے ہو یا فسخِ نکاح کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ہو۔ جدائی نہ ہو اور زوجیت باقی ہو تو بچہ دونوں کے ساتھ رہے گا اور دونوں اس کی نگرانی کریں گے۔ باپ بچے کی پرورش کے اخراجات سنبھالے گا اور ماں اس کی پرورش اور تربیت کرے گی۔

کم سن بچے کی قید نہیں ہے، بعض وقت بڑا آدمی بھی عقل میں فتور کی وجہ سے دوسرے شخص کی نگرانی کا محتاج ہوتا ہے، جیسا کہ مجنون۔

حضانت میں بچے کی پرورش، کھلانا، پلانا، نہلانا، کپڑے پہنانا، سلانا، تربیت اور تیمار داری جیسے امور داخل ہیں۔

اگر بچے کی کوئی جائیداد یا مال ہو تو مصارف واخراجات اس کی جائیداد سے پورے

کیے جائیں گے، ورنہ جس شخص پر بچے کا نفقہ واجب ہے اسی پر ان مصارف کا بار ہوگا۔

اگر بچے کی حضانت سے ماں انکار کرے تو مجبور نہیں کی جائے گی، البتہ ماں کی حضانت کا حق ختم ہو جائے گا اور حضانت کا حق نانی یا پرنانی کی طرف منتقل ہوگا۔ بچے کی کوئی جائداد نہ ہو اور نہ باپ موجود ہو تو ماں پر بچے کا نفقہ واجب ہوگا اور ماں بچے کی پرورش پر مجبور ہوگی۔

حضانت کا حق

حضانت کے حق کے لیے نسبی رشتہ کی قید ہے، رضاعت یا مصاہرت کے رشتہ سے حضانت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ حضانت میں ماں کا حق سب پر مقدم اس لیے ہے کہ ماں میں بچے کے ساتھ محبت وشفقت کا مادہ طبعاً بہت زیادہ ہے۔

حضانت میں ترجیح کے لیے تین جہات ہیں: ولادت، وراثت اور قرابت اور یہ تینوں جہات ماں میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ ماں کے انکار کرنے پر یہ حق نانی کی طرف منتقل ہوگا۔

زیر پرورش اولاد کی جنسیت کے لحاظ سے ان کی تین حالتیں ہیں: مرد وعورت دونوں، صرف عورتیں یا صرف مرد۔

اجتماع ذکور وانا ث

لڑکے اور لڑکیاں دونوں پرورش کے لائق ہوں تو حضانت کے لیے ماں سب پر مقدم ہے، اس کے بعد نانی اور پرنانی جو اس کے وارث ہیں۔ ماں اور نانیوں کے بعد باپ کا حق مقدم ہے اور باپ کے بعد دادی اور پردادی جو وارث ہیں۔ ماں، نانی، باپ اور دادی چاروں کی عدم موجودگی میں حواشی کے رشتہ داروں میں سے قریب تر رشتہ دار کو حضانت کا حق ہوگا جیسا کہ بھائی، بھائی کا بیٹا، بہن، بھائی کی بیٹی، اور پھر محارم کے بعد غیر محارم کو حق ہوگا جیسا کہ چچا کا بیٹا لیکن مشتہات غیر محرم کے سپرد نہ ہوگی۔ مشتہات اس لڑکی کو کہتے ہیں جو بلوغ کی عمر کے قریب پہنچ چکی ہو۔

قرابت کا درجہ مساوی ہو لیکن ذکورت اور انوثت میں اختلاف ہو تو عورت کو مرد پر ترجیح ہوگی اور اگر ذکورت اور انوثت میں بھی مساوی ہوں تو قرعہ ڈالا جائے گا۔

اجتماع اناث

صرف لڑکیاں پرورش کے لائق ہوں تو حضانت کے لیے ماں کو تقدیم حاصل ہے۔ اس کے بعد نانی اور پرنانی پھر دادی، پھر بہن، پھر خالہ، پھر بہن کی بیٹی، پھر بھائی کی بیٹی، پھر پھوپھی، خالہ کی بیٹی، پھوپھی کی بیٹی، چچا کی بیٹی، پھر ماموں کی بیٹی۔

اجتماع ذکور

فقط لڑکے ہی لڑکے ہوں تو باپ کو تقدیم حاصل ہے پھر دادا، بھائی، بھائی کا بیٹا، چچا اور پھر چچا کا بیٹا۔

تمیز

حضانت کی مدت کے لیے بچے کی عمر کی قید نہیں ہے بلکہ بچے میں تمیز کی قوت پیدا ہونا شرط ہے جو عموماً سات سال کے لگ بھگ پیدا ہوتی ہے۔ تمیز کی قوت کو پہنچنے کے معنی یہ ہیں کہ بچہ اس قابل ہوجائے کہ اپنی غذا خود سے کھائے، پانی پئے، سوئے، لباس پہنے، پیشاب پاخانہ سے فارغ ہوسکے اور طہارت لے سکے۔ بچے کو سات سال کی عمر سے پہلے نماز کے لیے حکم نہیں دیا جائے گا۔

بچے میں تمیز کی قوت پیدا ہونے کے بعد بچے کو اختیار رہے گا کہ ماں اور باپ دونوں میں سے جس کے پاس چاہے رہے۔ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکے کو اختیار دیا تھا کہ ماں اور باپ دونوں میں جس کو چاہے انتخاب کرے۔ (ترمذی نے یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کی ہے: الأحکام، باب ماجاء فی تخییر الغلام بین أبویہ إذا افترقا ۱۳۵۷)

بچہ باپ کے ساتھ رہنا چاہے تو باپ کے ساتھ رہے اور ماں کے ساتھ رہنا چاہے تو ماں کے ساتھ رہے۔ اگر دونوں کو مساوی طور پر چاہے تو دونوں کے درمیان قرعہ ڈالا جائے

اور اگر دونوں میں سے کسی کو انتخاب نہ کرے تو ماں کے پاس رکھا جائے، اس لیے کہ حضانت کے لیے ماں کو اولویت حاصل ہے۔

تبدیلِ حضانت

کسی ایک کو حضانت کے لیے انتخاب کرنے کے بعد بچے کو یہ حق باقی رہے گا کہ اس کو تبدیل کر کے دوسرے کا انتخاب کرے اور اسی طرح تیسرے شخص کو یا دوبارہ پہلے شخص کو انتخاب کرے، اس لیے کہ بچے کے لیے یہ ممکن ہے کہ اس کا گمان غلط نکلے، جس شخص کو ہمدرد تصور کیا تھا اس کو ہمدرد نہ پایا اور اس کی مرضی کے خلاف نکلا۔

بچہ ماں کے پاس رہتا ہے تو ماں اس کو باپ کی ملاقات سے نہ روکے گی اور اسی طرح باپ ماں کی ملاقات سے نہ روکے گا۔ ماں اور باپ ایک دوسرے کے گھر بچے کو دیکھنے کے لیے جا سکیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بچہ رات ماں کے پاس بسر کرے اور علوم دینی اور دنیاوی کے حصول کے لیے دن باپ کے ساتھ گزارے۔ **فَمَنْ أَدَّبَ وَلَدَهُ صَغِيْرًا سُرَّ بِهِ كَبِيْرًا**۔ جس نے بچپن میں لڑکے کو ادب سکھایا اس کے بڑے ہونے پر مسرور ہوا۔ **اَلْأَدَبُ عَلَى الْآبَاءِ وَالصَّلَاحُ عَلَى اللّٰهِ**۔ ادب سکھانا باپ دادا کا فرض ہے اور بھلائی اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر موقوف ہے۔

ماں اور باپ دونوں میں سے کسی میں مرض ہو تو دوسرا اس مرض کے ازالہ تک حضانت کا مستحق ہے۔ اگر باپ موجود نہ ہو تو بچہ کو دادا اور ماں کے درمیان، اور دادا موجود نہ ہو تو ماں اور بھائی اور چچا کے درمیان انتخاب کا اختیار رہے گا۔

حضانت کی شرطیں

حضانت کے شرائط سات ہیں: عقل، حریت، دین، عفت، امانت، اقامت اور خلو۔ ایک شرط بھی مفقود ہو تو حضانت ساقط ہوگی۔

حاضن (حضانت کرنے والا) میں عقل کی قید ہونے کی وجہ سے اس شخص کو حضانت

کا حق نہ ہوگا جس کے دماغ میں فتور یا خلل ہو، اگر چہ مسلسل نہ ہو۔

حریت یعنی آزادی کی قید کی وجہ سے غلام کو حضانت کا حق نہیں ہے اگر چہ کہ مالک اجازت دے۔

دین یعنی مذہب اسلام کی قید ہے، کافر عورت مسلم بچے کی حضانت کا حق نہیں رکھتی۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ وَلَن يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ (النساء:۱۴۱) اللہ تعالی نے کافروں کو مسلمانوں پر قطعاً راستہ یعنی غلبہ نہیں دیا ہے۔

مذہب کے تعلق سے چار صورتیں پیدا ہوسکتی ہیں:

۱۔ مسلم کو مسلم بچے کی حضانت کا حق ہے۔

۲۔ کافر کو کافر بچے کی حضانت کا حق ہے۔

۳۔ مسلم کو کافر بچے کی حضانت کا حق ہے۔

۴۔ مگر کافر کو مسلم بچے کی حضانت کا حق نہیں ہے۔

بچہ کا نفقہ

بچہ کے پاس جائیداد ہو تو اس جائیداد سے پرورش کے مصارف پورے کئے جائیں، ورنہ وہ شخص برداشت کرے جس کے ذمہ اس کا نفقہ ہے، ورنہ بیت المال سے ادا کئے جائیں۔ بیت المال نہ ہو تو مالدار مسلمان ان اخراجات کو پورا کریں۔

عفت: بدچلن عورت کو حضانت کا حق نہیں ہے۔ عفت ان امور سے باز رہنے کو کہتے ہیں جو حلال نہیں ہیں یا مذموم ہیں۔ تارک نماز فاسق کی تعریف میں داخل ہے۔ اگر ماں نماز نہ پڑھتی ہو تو حضانت کا حق نہیں رکھتی۔

امانت خیانت کی ضد ہے۔ جس شخص میں امانت اور راست بازی کی صفت نہ ہو وہ حضانت کا مستحق نہیں۔

مذکورہ بالا صفات کی قید اس وجہ سے ہے کہ بچے کی نشو نما کے ساتھ ساتھ عمدہ صفات بھی اس میں اثر پذیر ہوتے جائیں۔

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْئَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ   فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

کسی شخص کے حالات راست دریافت نہ کرو۔ بلکہ اس کے ساتھ رہنے والے کی نسبت دریافت کرو۔اس لیے کہ ایک ساتھی دوسرے ساتھی کی صفات کی تقلید کرتا ہے۔

اقامت اسی شہر میں ہو۔اگر ماں اور باپ دونوں میں سے کوئی ایک عارضی طور پر سفر پر چلا جائے تو بچہ مقیم کے ساتھ رہے گا اور سفر سے واپسی کے بعد اس کے سپرد ہوگا۔اگر ماں اور باپ دونوں میں سے کوئی ایک مستقل طور پر اپنا مقام چھوڑ دے تو بچہ باپ کے ساتھ رہے گا۔ایک ہی شہر کے مختلف محلوں اور مقامات کی نقل وحرکت سفر کی تعریف میں داخل نہیں ہے اور نہ اس کی وجہ سے حضانت کے حق میں کوئی فرق آ سکتا ہے۔

طاعون کے شہر میں داخل ہونا حرام ہے اور بغیر ضرورت کے ایسے شہر سے دوسرے شہر کو جانا بھی حرام ہے۔

خلو یعنی بچے کی ماں زوجیت سے خالی ہو اور شوہر نہ رکھتی ہو۔البتہ بچے کے محرم قرابتدار چچا وغیرہ کے ساتھ نکاح کرے اور ایسا دوسرا شوہر بچے کی پرورش کی اجازت بھی دے تو ماں کا حق باقی رہے گا۔حدیث میں ہے: إِنَّ امْرَأَةً قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! إِنَّ ابْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً، وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً، وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً، وَإِنَّ أَبَاهُ طَلَّقَنِيْ وَزَعَمَ أَنْ يَنْزِعَهٗ مِنِّيْ. فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : "أَنْتِ أَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَنْكِحِيْ" (ابوداود: الطلاق، باب من أحق بالولد ۲۲۷۶۔یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہے) ایک عورت نے کہا: یارسول اللہ! یہ میرا بیٹا ہے جو میرے پیٹ میں تھا اور میری گود میں رہتا تھا، جس کو میں نے اپنی چھاتیوں سے دودھ پلایا ہے، اس کے باپ نے مجھ کو طلاق دی ہے اور کہتا ہے کہ مجھ سے چھین لے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کی زیادہ مستحق ہو جب تک کہ نکاح نہ کرو۔

ابوشجاع نے اپنے متن میں یہ سات شرائط بیان کیے ہیں، مگر خطیب شربینی اور شیخ بیجوری کے حوالہ سے مزید شرائط درج کیے جاتے ہیں۔

حق حضانت کا دعوی کرنے والا کم سن نہ ہو، اس لیے کہ کم سن شخص حضانت اور ولایت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

نہایت سخت گیر نہ ہو، اس لیے کہ سخت گیر شخص ٹھیک رہنمائی نہیں کرسکتا۔

اندھا نہ ہو، اس لیے کہ اندھا آدمی بچے کی پرورش نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کے پاس ایسے لوگ نہ ہوں جو اس کی ہدایت کے تحت کام کریں۔

برص، جذام، فالج یا سل جیسے دائمی امراض میں مبتلا نہ ہو، اس لیے کہ ایسا شخص خود معذور ہے اور اپنی ضروریات کے لیے محتاج ہے، دوسرے کی پرورش کرنا اس کے لیے محال ہے۔

رضاعت میں رکاوٹ نہ ہو جیسا کہ ماں کو دودھ ہو اور دودھ پلانے سے انکار کرے اور دودھ پلانے کے لیے علحیدہ ضرورت لاحق ہو۔

متفرقات

ردت یعنی ارتداد

ردت کے معنی کسی ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف رجوع کرنے کے ہیں اور شرع میں کفر کی نیت سے کفر کے قول یا کفر کے فعل سے استہزاءاً، عناداً یا اعتقاداً اسلام چھوڑنے کو ردت کہتے ہیں۔

کفر کا ارادہ بھی دل میں پیدا ہونا کافی ہے، اگر چہ کہ اس کو آئندہ کے لیے ملتوی رکھے۔ ایمان اور کفر کے درمیان تردد بھی کفر ہے اس لیے کہ ایمان کی استدامت (ہمیشگی) واجب ہے اور تردد کی وجہ سے استدامت باقی نہیں رہتی ہے۔

کفر کے قول کی مثال یہ ہے کہ کہے: تینوں میں تیسرا اللہ ہے۔

کفار کے ملک میں کفار کے خوف سے کفار کے حکم پر فعلِ کفر کرے یا قولِ کفر کہے تو اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النحل: ۱۰۶) مگر جس شخص پر جبر و تشدد کیا جائے حالاں کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

پتھر، سورج یا چاند کو سجدہ کرنا کفر ہے۔ غیر اللہ کو اللہ کی طرح تعظیم کے لیے رکوع کرنا بھی کفر ہے، لیکن تعظیم کے ارادہ کے بغیر رکوع کرنا حرام ہے۔

کفر کا فعل یا قول مذاق کے طور پر بھی کفر ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِؤُونَ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ (التوبۃ: ٦٦-٦٧) کہہ دو کہ کیا اللہ تعالی اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے تمسخر کرتے تھے، تم عذر خواہی مت کرو، تحقیق کہ تم نے ایمان کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے۔

اسلام سے مرتد ہونے کی صورتیں

اسلام سے مرتد ہونے کی مختلف صورتیں ہیں:

اللہ تعالیٰ کے وجود سے یا اس کی قدامت یا بقاء سے انکار کرے۔

یا اللہ تعالیٰ کی ایسی صفات سے انکار کرے جن کی نسبت ائمہ کا اجماع ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ یا اس کے اوامر اور نواہی اور وعدہ یا وعید کو خفیف ٹھہرائے یا قرآن کی ایسی آیت سے انکار کرے جس کے ثابت ہونے پر اجماع ہے۔

یا یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کہنے پر بھی فلاں کام نہ کروں گا۔

حقارت سے کہے کہ ایمان کیا چیز ہے۔

کسی مسلمان کو کافر ٹھہرائے۔

یا دین کے ضروری اور اہم امور سے جن کی نسبت اجماع ہے انکار کرے۔

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے پیغمبروں اور نبیوں میں سے کسی کی تکذیب کرے، گالی دے یا ان کی خفت ظاہر کرے یا اس کی رسالت یا نبوت کی نفی کرے یا اس سے انکار کرے۔

اس چیز کو جو اجماع سے حرام قرار دی گئی ہو حلال ٹھہرائے جیسا کہ زنا اور شراب خوری، اس چیز کو جو اجماع سے حلال ہے حرام ٹھہرائے جیسا کہ نکاح یا بیع۔

ارتداد سب سے بڑا گناہ ہے

ارتداد گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ میں بھی بدترین ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ شرک کے بعد اس کا درجہ ہے اور بعض نے اس کو شرک میں شمار کیا ہے۔ مرتد جزیہ دے کر بھی امان نہیں پا سکتا۔ اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اور نہ اس کا نکاح حلال ہے، برخلاف کافر اصلی کے۔

ارتداد کی وجہ سے اعمال ضائع ہوتے ہیں

ردت کی وجہ سے سارے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ لیکن مرنے سے پہلے اسلام کی طرف رجوع ہو جائے تو قدیم اعمال صالحہ لوٹ آتے ہیں، مگر ان کا ثواب واپس نہیں آتا۔ نتیجہ

یہ کہ اعمال کی قضا کرنا واجب نہیں اور نہ آخرت میں ان کا مطالبہ کیا جائے گا، برخلاف امام ابو حنیفہ کے۔ آپ کا قول ہے عمل کے اعادہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (الزمر: ۶۵) اگر تو شرک کرے گا تو تیرا عمل ضائع ہو جائے گا۔

مرتد کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے؟

مرتد کو تین روز تک توبہ کی ہدایت دی جائے۔ اس اثناء میں توبہ کرے تو بہتر ہے، ورنہ امام کے حکم سے قتل کیا جائے، اس کی میت کو غسل نہ دیا جائے، اس پر نماز نہ پڑھی جائے اور نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔

واضح قول یہ ہے کہ مرتد کو فوراً توبہ کی ہدایت کرنا واجب ہے اور اس کے بعد تین روز کی مہلت دی جائے، ممکن ہے کہ افاقہ پائے اور اسلام کی طرف رجوع کرے۔

دار قطنی نے جابرؓ سے روایت کی ہے کہ ام رومان نامی ایک عورت مرتد ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اسلام کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت دی جائے، اگر اس نے توبہ کیا تو بہتر ہے، ورنہ قتل کر دی جائے۔ (دار قطنی: ۳/ ۱۱۸)

تین دن کی مہلت حضرت عمرؓ کے آثار میں سے ہے اور امام مالک نے اسی سے حکم اخذ کیا ہے۔ حضرت علیؓ نے دو مہینوں کی مہلت دی تھی۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو امور ظاہر ہوئے ہیں ان کو آیات اور جو پیغمبر سے ظاہر ہوئے ان کو اخبار اور جو صحابہ سے ظاہر ہوئے ان کو آثار کہا جاتا ہے۔

توبہ کر کے اسلام کی طرف عود کرنے کی نسبت اس آیت میں ہدایت دی گئی: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ﴾ (الأنفال: ۳۸) کہہ دو ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں کہ اس سے باز رہیں تو بہتر ہے، انھیں بخش دیا جائے گا جو کچھ گزرا۔

حدیث میں ہے: ''فَإِذَا قَالُوهَا عَصَمُوا مِنِّي دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ '' (بخاری: باب ''فإن تابوا وأقاموا الصلاة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم'' ۲۷۔ ابن حبان ۱۷۵۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) پس جب کہیں گے (شہادتین) تو مجھ سے اپنی جانیں اور

اپنے مال بچالیں گے، ورنہ بحق اسلام (یہ دونوں چلے جائیں گے)۔

مرتد کو امام یا اس کے نائب کے حکم سے گردن مار کر قتل کیا جائے، نہ کہ کسی اور طریقہ سے۔حدیث میں ہے: ''إِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ'' (مسلم نے یہ روایت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب الأمر بإحسان الذبح ۵۱۶۷) جب تم قتل کرو تو مقتول کے ساتھ احسان کرو۔

پھانسی دے کر، گردن مروڑ کر، کمر توڑ کر یا دو ٹکڑے کر کے مار ڈالنا حرام ہے۔

مرتد کو قتل کرنا واجب ہے۔حدیث میں ہے: ''مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ'' (بخاری نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے: الجهاد، باب لایعذب بعذاب اللہ ۲۸۵۴) جس نے اپنا دین تبدیل کیا اس کو قتل کر ڈالو۔

مرتد کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا، نہ کہ سزا کے طور پر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یمامہ والے مرتد ہو گئے تو ابوبکر صدیق نے ان سے لڑائی کی تھی۔امام کے سوائے کوئی دوسرا شخص قتل نہیں کر سکتا۔جو حکم مرد کی نسبت ہے وہی عورت کی نسبت ہے۔

مرتد کی میت کے احکام

مرتد کی میت کو غسل دینا واجب نہیں ہے، بلکہ جائز ہے، اس لیے کہ ارتداد کی وجہ سے وہ واجب غسل کی اہلیت نہیں رکھتا۔مرتد کی تکفین واجب نہیں ہے بلکہ جائز ہے۔مرتد کی میت پر نماز پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا﴾ (التوبۃ: ۸۴) ان میں سے کوئی مر جائے تو اس پر ہرگز نماز نہ پڑھو۔

مرتد کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا جائز نہیں ہے۔کفار کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے۔اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (البقرۃ: ۲۱۷) تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے مرتد ہو جائے اور مر جائے اور وہ کافر ہے تو اس کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے اور وہ لوگ

دوزخی ہیں اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

مرتد کی ملکیت

ارتداد کے ساتھ ہی مرتد کی ملکیت وقف ہو جاتی ہے۔اس مال سے مرتد کو اور اس کی بیوی اور بچوں کو نفقہ دیا جائے گا اور ارتداد سے پہلے کا قرضہ ادا کیا جائے گا۔

مرتد کی نابالغ اولاد

مسلمانوں کی اولاد بلوغ سے پہلے انتقال کر جائے تو قطعی رائے یہ ہے کہ جنت میں جائے گی۔اس لیے کہ بچے مکلّف نہیں ہیں، ان کے لیے عذاب نہیں ہے۔قبر میں ان سے سوال بھی نہ ہوگا۔اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾(بنی اسرائیل:۱۵) ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کہ رسول کو نہ بھیجیں۔

یہ بھی ارشاد الٰہی ہے:﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ أُخْرٰى﴾(بنی اسرائیل:۱۵) ایک شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

حنفیہ، حنابلہ، مالکیہ اور ابن حجر کا قول ہے کہ بچوں سے قبر میں سوال ہوگا۔

اس امت کے کافروں کی اولاد جو نابالغ فوت ہوئی وہ دوزخ میں جائے گی لیکن ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔حدیث میں ہے:''كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ''(بخاری: باب ما قیل فی أولاد المشرکین ۱۳۸۵۔مسلم: ما من مولود إلا یولد علی الفطرة، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة ۶۹۲۶۔یہ روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہے) ہر ایک مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کے ماں باپ اس کو یہودی بناتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی۔

تارک نماز

پانچ وقت کی اصالۃً فرض عین نمازوں میں سے کسی ایک نماز کو بھی چھوڑنے والے کو تارک نماز کہتے ہیں۔

فرض نماز کی قید کی وجہ سے نفل نمازیں خارج ہوجاتی ہیں اور فرض عین کی قید کی وجہ سے فرض کفایہ خارج ہوجاتی ہیں جیسا کہ جنازہ کی نماز۔

اصالۃً کی قید کی وجہ سے نذر کی ہوئی نماز خارج ہوجاتی ہے۔

عذر کے بغیر ترک کرنے کی قید ہے، اگر کوئی شخص سوگیا یا بھول گیا تو اس پر واجب ہے کہ قضا کرے اور تاخیر کے بغیر فوری قضا کرنا مسنون ہے۔

امام غزالی کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص تصوف کے حلیہ میں دعوی کرے کہ اللہ تعالی اور اس کے درمیان ایسا تعلق پیدا ہوگیا ہے کہ سارے شرعی مکلّف امور اس پر سے برخاست ہوچکے ہیں، روزہ اور نماز وغیرہ واجب نہیں ہیں، شراب خوری اور دوسروں کا مال اس کے لیے حلال ہوگیا ہے۔ تو امام پر واجب ہے کہ ایسے شخص کو قتل کرے۔ بعض نے یہاں تک کہا ہے کہ ایسے ایک شخص کو قتل کرنا، سو حربی کو قتل کرنے سے افضل ہے۔

تارک نماز ہی کی قید نہیں۔ نماز کی غرض سے تارکِ طہارت بھی اس حکم میں داخل ہے۔ طہارت کا ترک کرنا ترکِ صلاۃ کی طرح ہے۔

طہات کے ان ارکان اور شرائط کا ترک جن کے بارے میں ائمہ میں اختلاف نہ ہو اس حکم میں داخل ہے۔ وضو یا غسل کی نیت چھوڑنا یا شرمگاہ یا عورت کو چھونا، ایسے امور ہیں جن میں ائمہ کا اختلاف ہے اس لیے ان کی خلاف ورزی میں یہ حکم عائد نہیں ہوتا۔ فاقد الطہورین کے نماز چھوڑنے سے بھی یہ حکم عائد نہیں ہوتا، اس لیے کہ فاقد الطہورین کی نماز کے جواز میں بھی اختلاف ہے۔

ایک نماز چھوڑنے سے بھی یہ حکم عائد ہوتا ہے بلکہ فرض عین نماز کی ایک رکعت چھوڑنے سے بھی یہ حکم عائد ہوتا ہے۔

اگر کسی نے توبہ کیا اور اقرار کیا کہ آئندہ نماز ترک نہیں کرے گا تو یہ حکم برخاست ہو جائے گا۔ نماز جمعہ کے ترک کرنے سے بھی یہ حکم عائد ہو گا جب کہ وجوبِ جمعہ کی نسبت اجماع ہو۔ امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ نماز جمعہ صرف اہلیانِ مصر یعنی شہر والوں کے لیے واجب ہے۔ مصر ایسی بستی کو کہتے ہیں جہاں بازار ہو اور حاکم شرعی اور پولس موجود ہوں، یعنی سول اور کوتوالی کے عہدہ داروں کا مستقر ہو۔

تارکِ نماز کی قسمیں

تارک صلاۃ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ مکلّف یعنی بالغ عاقل اور مختار ہو۔

تارک صلاۃ کی دو قسمیں ہیں: ایک وہ شخص جو کہ اعتقاد نہ ہونے کی وجہ سے نماز ترک کرے، اس کا حکم مرتد کا حکم ہے۔

نماز دو اسباب کی وجہ سے ترک ہوتی ہے:

نماز کے وجوب سے انکار کرے یا محض سستی کی وجہ سے۔ جو شخص نماز کے وجوب سے انکار کرے وہ مرتد کے حکم میں داخل ہے۔ ایسے شخص کو توبہ کی ہدایت کرنا واجب ہے۔ توبہ نہ کرنے کی صورت میں اس کو امام کے حکم سے قتل کیا جائے گا۔ اس کی میت کو غسل دینا، تکفین کرنا اور اس پر نماز پڑھنا یا مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا حرام ہے۔ مشرکین کے قبرستان میں دفن کرنا جائز ہے۔

دوسرا وہ شخص ہے جو نماز کے وجوب کا اعتقاد رکھتا ہو مگر سستی کی وجہ سے نماز ترک کرے، اس کو توبہ کی ہدایت دی جائے گی۔ اس نے توبہ کی اور نماز پڑھی تو ٹھیک، ورنہ سزا کے طور پر اس کو قتل کیا جائے گا اور اس کا حکم مسلمانوں کا حکم ہو گا۔ سستی کی وجہ سے پوری نماز چھوڑنا ہی ضروری نہیں ہے، کسی ایک رکعت کا چھوڑنا یا نماز کے ان شرائط یا ارکان میں سے جن کی نسبت ائمہ کا اجماع ہے کسی ایک امر کا چھوڑنا بھی اس حکم میں داخل ہے۔

برخلاف اس شخص کے جو وضو اور غسل میں نیت نہ کر کے نماز پڑھے یا طہارت کی

حالت میں عورت کو یا شرمگاہ کو چھونے کے بعد نماز پڑھے یا فاقد الطہورین جو نماز نہ پڑھے تو اس حکم سے خارج ہے۔ اس لیے کہ ان امور میں ائمہ میں اختلاف ہے۔

جو شخص سستی کی وجہ سے نماز نہ پڑھے اور وقت نکل جائے تو اس کو توبہ کی ہدایت دینا مندوب ہے اور معتمد یہی قول ہے، اگرچہ کہ بعض کا قول ہے کہ واجب ہے۔ تیسرا قول یہ بھی ہے کہ تین روز کی مہلت دی جائے۔ ہدایت کے باوجود جو شخص توبہ نہ کرے اور نماز نہ پڑھے تو اس کو امام کے حکم سے تلوار سے گردن مار کر سزا کے طور پر قتل کیا جائے گا، نہ کہ کسی اور طریقہ سے۔ اگر اس نے توبہ کیا اور نماز پڑھی تو قتل کا حکم ساقط ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہاں نماز کے لیے جو صرف اللہ کا حق ہے مجبور کرنا مقصود ہے، برخلاف دوسرے حدود یعنی سزاؤں کے جو معصیت کی سزا کے لیے مقرر کی گئی ہیں۔ ایسی سزائیں توبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہوں گی۔ اس کی مثال زنا اور شراب نوشی ہے۔

صحیحین کی روایت ہے: ''فَإِذَا فَعَلُوا ذٰلِکَ عَصَمُوا مِنِّیْ دِمَائَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ'' (بخاری: الإیمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلاۃ...... ۲۵۔ مسلم: الإیمان، باب الأمر بقتال الناس حتی یقولوا لا إلہ إلا اللہ ۲۲۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے) پس جب ان لوگوں نے ایسا کیا تو اپنی جان اور مال کو ہم سے بچا لیا، سوائے اسلام کے حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالی پر ہے۔

یہ قول مردود ہے کہ روزہ، حج اور زکاۃ کی خلاف ورزی کی طرح نماز چھوڑنے پر بھی قید میں رکھا جائے اور تعزیری سزا دی جائے۔ اس لیے کہ روزہ نہ رکھنے کا اظہار نہیں ہوتا اور روزہ نہ رکھے تو قید میں رکھ کر کھانے پینے سے روکا جاتا ہے۔ حج کے حکم میں مہلت ہے، عمر بھر میں اس کی تعمیل کر سکتا ہے اور زکاۃ نہ دینے کی صورت میں جبراً اور قہراً وصول کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے ان امور کو نماز چھوڑنے کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

سستی کی وجہ سے جو شخص نماز ترک کرے اور سزا کے طور پر قتل کیا جائے تو اس کی میت کی نسبت وہی احکام ہیں جو عام مسلم کی میت کی نسبت ہیں؛ غسل، کفن، نماز اور دفن چاروں امور فرض کفایہ ہیں۔ نووی کی رائے ہے کہ حدود کے نفاذ کی وجہ سے گناہ ساقط ہو جاتے ہیں اور ان گناہوں کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔

مسابقہ

مسابقت سبق سے مشتق ہے اور سبق کے معنی آگے بڑھنے کے ہیں اور شرع میں ایک دوسرے کے مقابلہ میں گھوڑے وغیرہ کے دوڑانے اور تیر اندازی کرنے کو مسابقت کہتے ہیں۔

سَبق باء کے زبر کے ساتھ اس مال کو کہتے ہیں جو گھوڑ دوڑ وغیرہ میں بطور صلہ مقرر کیا جاتا ہے۔ عربی میں گھوڑ دوڑ کو ''رہان'' اور تیر اندازی کو ''نضال'' کہتے ہیں اور مسابقت کا لفظ ان دونوں کو شامل ہے۔

نیزہ بازی، برچھا پھینکنا، تلوار پھرانا، تیر پھینکنا اور گوپن چلانا اور کشتی لڑنا یہ سب فنون جائز ہیں، بشرطیکہ مضرت کا خطرہ نہ ہو۔ امام شافعی پہلے شخص ہیں جنھوں نے مسابقت کے مسائل کو ایک جگہ مدون کیا، ورنہ آپ سے پہلے چیدہ چیدہ ان مسائل کا ذکر کیا جاتا رہا۔

چوپایوں کے دوڑانے اور تیر لگانے میں معینہ مسافت اور طریقہ پر ایسے عوض پر مسابقت صحیح ہے جس کو مسابقین میں سے کوئی ایک اپنے ذمہ لے۔ وہ خود سبقت لے گیا تو عوض اسی کا ہوگا، ورنہ دوسرا پائے گا۔

اگر دونوں ایک ساتھ عوض مقرر کریں تو تیسرے محلل کے بغیر جائز نہ ہوگا۔ محلل سبقت لے گیا تو دونوں عوض پائے گا، ورنہ کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔

گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی دونوں مسلمان مرد کے لیے مسنون ہیں اور اجماع اسی پر ہے۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ''وَأَعِدُّوا لَهُم مَا اسْتَطَعْتُم مِنْ قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ'' (الأنفال:٦٠) اور کافروں کے لیے جس قدر ہو سکے ہتھیار سے اور گھوڑوں سے تیاری کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ قوت سے مراد تیر اندازی کی قوت ہے۔ مدینہ طیبہ کے قریب ایک مقام کا نام حیفا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

حیفاء سے ثنیۃ الوداع تک پانچ چھ میل اپنی 'مضمرہ' (یعنی وہ گھوڑی جس کو خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کیا جاتا ہے، پھر اس کو کئی دنوں تک بھوکا رکھا جاتا ہے اور اس کو خوب دوڑایا جاتا ہے جس سے اس کی قوت اور دوڑنے کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے، یہ گھوڑوں کے لیے ایک قسم کی ٹریننگ ہوتی ہے) گھوڑی کو دوڑایا تھا۔ (موطا امام مالک: باب ماجاء فی الخیل والمسابقۃ ۱۰۰۰۔ نسائی: باب إضمار الخیل للسبق ۳۵۸۴۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

دوسری مرتبہ ثنیۃ الوداع سے بنی زریق کی مسجد تک ایک میل ایک دوسری غیر مضمرہ گھوڑی کو دوڑایا تھا۔ (بخاری: المساجد، باب ھل یقال مسجد بنی فلان ۴۱۰۔ مسلم: الإمارۃ، باب المسابقۃ بین الخیل وتضمیرھا ۱۸۷۰۔ یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)

آپ کی ایک سانڈنی عضباء تھی، یہ سانڈنی تیز رفتاری میں مشہور تھی، کوئی سانڈنی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی تھی، ایک اعرابی مقابلہ کے لیے اپنی چھوٹی سانڈنی جس کو قعود کہتے ہیں لایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سانڈنی کے ساتھ دوڑایا۔ اعرابی کی سانڈنی سبقت لے گئی۔ یہ واقعہ مسلمانوں کو ناگوار گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''إِنَّ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ لَا يَرْفَعُ شَيْئًا مِنْ هٰذِهِ الدُّنْيَا إِلَّا وَضَعَهُ '' (بخاری نے یہ روایت انس رضی اللہ عنہ سے کی ہے: باب التواضع ۶۵۰۱) اپنی مخلوق کے ساتھ اللہ تعالی کی یہ عادت رہی ہے کہ اس دنیا میں کسی چیز کو بلند کیا تو پھر اس کو پست کرتا ہے۔

آپ کی سانڈنیوں کے نام قصوی، جدعاء اور عضباء تھے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تینوں نام ایک ہی سانڈنی کے تھے۔

راوی بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت فرمانے کے بعد آپ کی سانڈنی نے چارہ پانی ترک کردیا تھا۔

عائشہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں مل کر دوڑے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سبقت کی تھی۔ (صحیح ابن حبان: ذکر إباحۃ المسابقۃ بالأقدام ۴۶۹۱۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)

آپ نے رکانہ کے ساتھ کشتی کی اور غالب آئے تھے۔ رکانہ نے کشتی ہارنے کے

بعد اسلام قبول کیا۔ (معرفۃ الصحابۃ ۲۴۶۳ ۔ص ۸/ ۶۱)

امام شافعی بہترین تیرانداز تھے۔ آپ ایسے ماہر تھے کہ دس میں سے نو تیر نشانہ پر لگاتے اور دسواں تیر خطا کرتے تا کہ نظر بد سے محفوظ رہیں۔ اس فن کے ساتھ آپ کی دلچسپی کا اظہار اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ آپ نے ایک تیرانداز کو تین سو دینار دیئے اور پھر اپنی کوتاہی کا یوں اقرار کیا: ''لَا تُؤَاخِذْنَا لَوْ كَانَ مَعَنَا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ لَأَعْطَيْنَاهُ لَكَ '' ہم سے قیامت میں مواخذہ مت کرنا، اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ ہوتا تو وہ بھی ہم تم کو دیتے۔

عورتوں کے لیے مسابقت بغیر کسی عوض کے جائز ہے مگر عوض کے ساتھ جائز نہیں۔

حکم

فنونِ سپہ گری سے مقصود اسلام کی حفاظت ہو تو واجب ہیں۔ محض مسابقت کے لیے ہوں تو مسنون ہیں۔ بغیر کسی ارادے کے مباح ہیں۔ اگر ان لوگوں کے خلاف ہوں جن سے اسلام کو کوئی مضرت نہیں پہنچی تو مکروہ ہیں۔ رہزنی وغیرہ کے لیے ان فنون کو استعمال کیا جائے تو حرام ہو جاتے ہیں۔ کسی فن سپاہ گری کی مہارت حاصل کرنے کے بعد اس کا چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

عوض

مقابلہ کے لیے جو عوض مقرر کیا جائے اس کا ایک طرفہ ہونا شرط ہے، عوض کو انعام یا صلہ کہہ سکتے ہیں۔ مقابلہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک شخص عوض اپنے ذمہ مقرر کرے، اگر وہ خود سبقت لے گیا تو عوض اسی کا ہوگا اور اگر دوسرا سبقت لے گیا تو وہ عوض دوسرا پائے گا۔

یہ بھی جائز ہے کہ مقابلہ کرنے والوں میں سے کوئی شخص عوض مقرر نہ کرے بلکہ ایک تیسرا شخص یا حاکم اپنی ذات سے یا بیت المال سے عوض مقرر کرے۔ عوض مقرر کرنے کے بعد مقابلہ کے پہلے اور نہ بعد، عوض کی مقدار کو بڑھانے، گھٹانے یا فسخ کرنے کا اختیار رہتا ہے۔ البتہ عوض مقرر کرنے والا خود مقابلہ میں سبقت لے گیا تو اس کو اختیار ہے، وہ اپنا حق چھوڑ سکتا ہے۔

اگر دو اشخاص ایک ساتھ عوض مقرر کریں تو تیسرے محلل کے مسابقت میں داخل ہوئے بغیر مسابقت جائز نہ ہوگی۔ محلل اس شخص کو کہتے ہیں جس کی شرکت کی وجہ سے شرط حلال اور جائز ہوتی ہے۔ محلل سبقت لے گیا تو وہ دونوں عوض پائے گا، اگر پیچھے رہ گیا اور فریقین جنھوں نے عوض مقرر کیا تھا برابر آئے تو ان کو کوئی عوض نہ ملے گا۔ اگر عوض مقرر کرنے والوں میں ترتیب ہو یعنی آگے پیچھے آئیں تو پہلے آنے والے کو اس کا مقرر کیا ہوا عوض ملے گا اور دوسرے شخص کا مقرر کیا ہوا عوض بھی ملے گا۔ اگر فریقین میں سے ایک فریق اول آیا اور محلل درمیان میں رہا تو اول آنے والے کو اپنا عوض ملے گا اور دوسرے کا عوض بھی اور محلل کو کچھ نہ ملے گا۔

اگر محلل دوسرے فریق کے برابر رہا تو بھی اول آنے والا فریق اپنا عوض اور دوسرے فریق کا عوض پائے گا۔

یہ احکام ان جملہ فنون پر صادق آتے ہیں جن کا تعلق فنونِ حرب سے ہے اور جن میں مقابلہ ہوسکتا ہے اور مسابقت کرنے والوں کو کسی مضرت کا خطرہ نہیں ہے لیکن قمار بازی اور جوا قطعاً حرام ہے۔

مسابقہ صحیح ہونے کے شرائط

ایسے چوپایوں کی شرط ہے جو لڑائی میں کار آمد ہوں، گھوڑے اور اونٹ کا دوڑانا قطعی طور پر ثابت ہے اور اظہر قول یہ ہے کہ ہاتھی، خچر اور گدھے کو بھی دوڑا سکتے ہیں اور یہی قول معتمد ہے۔ ان پانچوں جانوروں کا دوڑانا عوض کے ساتھ اور بغیر عوض جائز ہے۔ بیل، کتے اور پرندہ کا دوڑانا بغیر عوض کے جائز ہے۔ چوپایوں اور پرندوں کا لڑانا عوض پر یا عوض کے بغیر حرام ہے۔

مسابقت میں دوڑانے والے جانوروں اور سواروں کو پہلے سے متعین کیا جائے۔

مقابلہ برابر کا ہو اور سبقت کا امکان ہو۔

ایک جانور قوی اور دوسرا نحیف و لاغر نہ ہو۔

جانوروں کو بغیر سوار کے نہ دوڑایا جائے۔

مسافت اتنی ہو کہ طے کی جاسکے یعنی جانور کی طاقت سے باہر نہ ہو۔

مسافت معلوم اور متعین ہو۔

آغاز کا طریقہ پہلے سے مقرر ہو۔

مسابقین کی ترتیب مقرر ہو کہ کون پہلے تیر چلائے اور کون بعد اور ہر شخص کتنے تیر چلائے۔(مولف)

نیزہ بازی، رائفل اور پستول کے ذریعہ نشانہ بازی کی نسبت بھی اسی طرح قیاس کیا جائے گا۔

مسابقت کرنے والے اپنی سواریوں کو کوڑا لگا سکتے ہیں اور دوڑنے پر ابھار سکتے ہیں، مگر چیخ و پکار نہیں کر سکتے، سواری کے جانور کو اکسانے کے لیے کوتل کو ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ حدیث میں ہے: ''لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ'' (ابوداود نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے: باب فی الجلب علی الخیل فی السباق ۲۵۸۳) نہ چیخے اور نہ کوتل جانور ساتھ رکھے۔

مسابقت کا طریقہ پہلے سے مقرر کیا جائے۔ نشانہ، گردن اور سر کے کون سے حصہ کے آگے بڑھنے سے سبقت تصور کی جائے گی طے ہو۔

نشانہ بازی میں اس امر کا تعین کیا جائے کہ تیر نشانہ کے پار نکلے، نشانہ پر چسپاں ہو جائے یا چھوتا نکلے تو کیا عمل ہوگا۔

عوض اور انعام کی نوعیت اور مقدار پہلے سے مقرر کی جائے۔

دو گواہ نشانہ کے دیکھنے کے لیے مقرر کیے جائیں کہ کس کا نشانہ کہاں لگا۔ ان گواہوں کا یہ کام نہیں ہے کہ کسی کے نشانہ کی تعریف یا مذمت کریں۔

کوئی شرط مفسد نہ ہو جیسا کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اگر تم سبقت کرو تو یہ انعام مقرر ہے، اس شرط پر کہ تم اس میں سے اس قدر رقم فلاں کام پر صرف کرو، اس لیے کہ ایسی شرط تصرف کے حق میں کمی پیدا کرتی ہے۔

اگر دونوں مقابلہ کرنے والے عوض مقرر کریں تو تیسرے محلل کی شرکت ضروری ہے۔

جیتنے والے کے لیے ممنوع ہے کہ ہارے ہوئے شخص پر فخر و مباہات کرے۔

أیمان

أیمان یمین کی جمع ہے اور یمین اصل میں داہنے ہاتھ کو کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ جب حلف لیتے تو ایک دوسرے کے داہنے ہاتھ کو پکڑ تے۔ اسی عمل کی وجہ سے حلف کو یمین کہا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ یمین کے اصل معنی قوت کے ہیں جیسا کہ اس آیت ﴿لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ﴾ (الحاقۃ: ۴۵) میں استعمال ہوا ہے۔ داہنے ہاتھ کو یمین اس لیے کہا گیا کہ داہنے ہاتھ میں نسبتاً زیادہ قوت ہوتی ہے، اور چوں کہ عمل اور ترکِ عمل کو حلف کی وجہ سے تقویت پہنچتی ہے اس لیے حلف کو یمین کہا گیا۔ یہ تو لغوی معنی ہوئے۔

شرع میں ایسے امر کی نسبت جس میں مخالفت کا احتمال ہو، اللہ کے نام کا یا اس کی ذات کی صفت کا ذکر کر کے تحقیق اور تاکید کرنے کو یمین کہتے ہیں۔ یمین، حلف، قسم اور ایلاء چاروں الفاظ مترادف ہیں۔

یمین فقط اللہ کی ذات سے، اس کے نام سے یا اس کی ذات کی صفت سے منعقد ہوتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (البقرۃ: ۲۲۵) لیکن وہ مواخذہ کرتا ہے تم سے جو عمل تمہارے قلوب نے کیا ہے۔

حدیث میں ہے: ''وَاللّٰهِ لَأَغْزُوَنَّ قُرَيْشًا'' (ابوداود: الأیمان والنذور، باب الاستثناء فی الیمین بعد السکوت ۳۲۸۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا اور ان شاء اللہ کا بھی اضافہ کیا۔

صحیحین کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ''لَا وَمُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ'' (بخاری نے یہ روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کی ہے: الأیمان والنذور، باب کیف کان یمین النبی ﷺ ۶۲۵۳۔ باب مقلب القلوب وقول اللہ تعالی: ونقلب أفئدتھم وأبصارھم ۷۳۹۱) کے الفاظ کے ساتھ حلف اٹھاتے اور بعض وقت ''وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ'' (بخاری: کتاب الأیمان والنذور، باب کیف کان یمین النبی ﷺ

۶۲۵۴) کے الفاظ کے ساتھ۔ یہ بات مشہور ہے۔ ’’إِيمَانُ الْمَرْءِ يُعْرَفُ بِأَيْمَانِهِ‘‘ آدمی کا ایمان اس کی قسموں سے پہچانا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں تین مقامات پر حلف اٹھانے کا حکم دیا ہے۔ سورہ یونس میں: ﴿قُلْ إِيْ وَرَبِّيْ إِنَّهُ لَحَقٌّ﴾ (یونس: ۵۳) کہہ دو قسم ہے میرے پروردگار کی بے شک وہ حق ہے۔

سورہ سبا میں: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَأْتِيْنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَأْتِيَنَّكُمْ﴾ (سبأ: ۳) جن لوگوں نے انکار کیا ہے کہتے ہیں ان پر قیامت نہ آئے گی۔ کہہ دو: ہاں، قسم ہے میرے پروردگار کی، البتہ قیامت آئے گی۔

سورہ تغابن میں: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ﴾ (التغابن: ۷) انکار کرنے والے دعویٰ کرتے ہیں کہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہہ دو: ہاں، قسم ہے میرے پروردگار کی، تم ضرور اٹھائے جاؤ گے۔

اللہ کے ناموں کی قسمیں

لفظ اللہ سے ایسا نام مراد ہے جو اللہ کی ذات پر دلالت کرے۔ اللہ کے ناموں کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ پہلی قسم وہ نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہیں جیسا کہ لفظ اللہ۔

۲۔ دوسری قسم کے وہ نام ہیں جو غالب طور پر اللہ کی ذات پر دلالت کرتے ہیں، ان ناموں سے یمین منعقد ہوتی ہے بشرطیکہ ارادہ اس کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ تیسری قسم کے وہ نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر اور دوسروں پر بھی دلالت کرتے ہیں، اگر ان میں ارادہ شامل ہو تو یمین ہوگی ورنہ نہیں۔

صفات میں ثبوتی اور سلبی صفات داخل ہیں جو قدیمی ہیں۔ جیسا کہ علم، قدرت، عظمت، مشیئت وغیرہ۔ فعلی صفات چوں کہ حدوثی ہیں، اس لیے ان صفات سے یمین صحیح نہیں ہوتی، برخلاف حنفیہ کے۔

حلف وقسم کے ارکان

حلف کے چار ارکان ہیں: حالف، محلوف بہ، محلوف علیہ اور صیغہ۔

حالف یعنی حلف اٹھانے والے کے لیے شرعی طور پر مکلّف ہونا شرط ہے، یعنی مسلم، بالغ، عاقل اور مختار ہو۔ گویائی کی قوت رکھتا ہو، گونگا نہ ہو اور ارادہ بھی شامل ہو۔

محلوف بہ یعنی جس کے نام سے حلف اٹھائے، اس کے لیے شرط ہے کہ اللہ تعالی کے نام یا اللہ تعالی کی صفات کا حلف اٹھائے۔ کسی مخلوق کے نام سے حلف صحیح نہیں ہے۔ غیر اللہ کی قسمیں جو قرآن مجید میں ہیں ان کی نسبت دو جواب دئے جاتے ہیں: ایک یہ کہ مضاف الیہ مقدر ہے والشّمس اصل میں ورب الشّمس تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ قسم کا یہ طریقہ اللہ تعالی کے لیے مخصوص ہے۔ اللہ تعالی کو اپنی بعض مخلوق کی وقعت بڑھانا مقصود ہوتا ہے تو اس کی قسم کھاتا ہے۔

محلوف علیہ یعنی جس غرض کے لیے حلف اٹھایا جائے، شرط ہے کہ واجب نہ ہو۔ واجب کے وجوب میں حلف کی وجہ سے اضافہ نہیں ہوتا۔ محلوف علیہ کے پیش آنے کا احتمال ہو یا مستحیل یعنی ناممکن ہو۔ احتمال کی مثال یہ ہے کہ کہے: وَاللّٰهِ لَأَدْخُلَنَّ الدَّارَ۔ قسم خدا کی میں ضرور گھر میں داخل ہوں گا۔ مستحیل کی مثال یہ ہے کہ کہے: وَاللّٰهِ لَأَصْعَدَنَّ السَّمَاءَ۔ قسم خدا کی میں ضرور آسمان پر چڑھوں گا۔

صیغہ: عربی میں قسم کے حروف باء پھر واو اور پھر تاء ہیں۔ بغیر ان حروف کے استعمال سے صرف لفظ اللہ کہنے میں کنایہ ہے اور ارادہ شامل ہو تو یمین منعقد ہوگی، ورنہ نہیں۔ اگر کوئی شخص دوسرے کو قسم دے اور کہے: ''أسئلک بالله''۔ میں تجھ سے مانگتا ہوں خدا کی قسم۔

یا کہے: ''بِاللّٰهِ عَلَيْكَ لَتَفْعَلَنَّ كَذَا'' تجھ پر قسم خدا کی، تو ایسا ضرور کرے۔

اگر ان الفاظ سے خود حلف اٹھانا مقصود ہو تو یمین منعقد ہوگی اور اگر مخاطب کا حلف مقصود ہو یا حلف سے مخاطب پر دباؤ مقصود ہو تو یمین منعقد نہ ہوگی۔

کسی مخلوق کے نام سے یمین منعقد نہیں ہوتی، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جبرئیل اور کعبہ وغیرہ کے نام سے، چاہے یمین کا اردہ ہو۔ بلکہ یمین مخلوق کے نام کے ساتھ مکروہ

ہے۔حدیث میں ہے:''مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ''(بخاری:الأیمان والنذور، باب لاتحلفوا بآبائکم ۶۲۷۰۔مسلم:الأیمان، باب النھی عن الحلف بغیر اللہ تعالی ۱۶۴۶۔ یہ روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ہے)حلف اٹھانے والا اللہ تعالی کے نام سے حلف اٹھائے۔

اختلاف: امام احمد کا قول ہے کہ خاص کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے یمین منعقد ہوتی ہے،اس لیے کہ شہادت کے دوکلموں میں سے ایک میں آپ کے نام کی بھی شہادت ہے۔

حکم

عام طور پر حلف اٹھانا مکروہ ہے،سوائے چند خاص صورتوں کے؛کسی نیک کام کے لیے یا حاکم کے روبرو اپنے بیان کی تصدیق کے لیے یا کسی خاص حالت میں تاکید کی غرض سے حلف اٹھایا جاسکتا ہے۔حدیث میں ہے:''فَوَاللّٰهِ لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا''(بخاری:باب أحب الدین إلی اللہ أدومہ ۴۳)اللہ کی قسم!اللہ تعالی اکتا تا نہیں یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ۔

کسی امر کی عظمت کے اظہار کے لیے۔حدیث میں ہے:''وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلاً وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا''(بخاری:الأیمان والنذور ۶۶۳۱۔مسلم:باب صلاۃ الخسوف ۲۱۲۷۔ یہ روایت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے)قسم خدا کی،اگر تم جانتے جو میں جانتا ہوں تو ہنستے کم اور روتے زیادہ۔

کسی معصیت کے کام یا حرام کے ارتکاب کے لیے یا واجب چھوڑنے کے لیے حلف اٹھائے تو اس کی خلاف ورزی اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

مندوب چھوڑنے یا مکروہ عمل کے لیے حلف اٹھائے تو اس کی خلاف ورزی اور کفارہ دونوں مندوب ہیں۔

مندوب کام کرنے یا مکروہ چھوڑنے کے لیے حلف اٹھائے تو اس کی خلاف ورزی مکروہ ہے۔

مباح کام کرنے یا مباح کام نہ کرنے کے لیے حلف اٹھائے تو اللہ تعالی کے نام کی عظمت کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا مسنون ہے،امام شافعی نے کہا ہے:

''مَا حَلَفْتُ بِاللّٰهِ صَادِقًا وَلَا كَاذِبًا قَطُّ''میں نے کبھی کسی واقعہ کی تصدیق یا تکذیب کے لیے اللہ تعالیٰ کا حلف نہیں اٹھایا۔

کسی ولی کی قبر کے پاس مخالف کو قسم کھلانے میں کوئی اصلیت نہیں ہے۔

یمینِ لغو

یمین لغو کی صورت میں جو ارادہ کے بغیر زبان سے نکل جائے کوئی مضائقہ نہیں ہے، یمین لغو اس حلف کو کہتے ہیں جو ارادہ اور نیت کے بغیر غصہ یا عجلت کی حالت میں زبان سے نکل جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْ أَيْمَانِكُمْ﴾ (المائدۃ:۸۹) اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں کے بارے میں مواخذہ نہ کرے گا۔

اس آیت میں اشارہ ہے کہ قسم صحیح ہونے کے لیے ارادہ کی شرط ہے، حلف کی نیت ہی نہ ہو اور حلف کے الفاظ زبان سے بے ساختہ نکل جائیں، یا یہ کہ ایک چیز کے بارے میں حلف اٹھانے کا ارادہ ہو اور کسی دوسری چیز کے بارے میں الفاظ زبان سے نکل جائیں، یہ دونوں صورتیں یمین لغو میں داخل ہیں۔ ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی نے گمان غالب کی بنا پر یہ کہا کہ فلاں شخص آیا اور فلاں کام کیا اور پھر اس کا گمان غلط نکلا تو بھی اس پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اگر کسی نے کسی کام کے نہ کرنے کا حلف اٹھایا اور کسی دوسرے کو اس کے کرنے کے لیے حکم دیا تو اس میں حلف کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔

اگر کسی نے اس صراحت کے ساتھ حلف اٹھایا کہ نہ خود فلاں کام کرے گا اور نہ دوسرے سے وہ کام لے گا اور پھر دوسرے سے وہ کام لے تو حلف کی خلاف ورزی ہوگی۔

اگر کسی نے دو کاموں کے نہ کرنے کا حلف اٹھایا اور ان دو کاموں میں سے ایک کام کیا تو حلف کی خلاف ورزی نہیں ہوئی۔

قسم کا کفارہ

قسم کے کفارہ میں حالف کو تین امور میں اختیار ہے: ایک مسلمان غلام آزاد کرے یا

دس مسکینوں کو فی کس ایک مد کے حساب سے غلہ دے یا ان کو لباس دے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو تین روزے رکھے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ. فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ﴾ (المائدۃ:۸۹) پس اس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلانا ہے اس اوسط درجہ کی غذا سے جو تم اپنے اہل کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس پہنانا ہے یا ایک غلام کی رہائی ہے۔ پس جو شخص یہ نہ پائے تو تین دن کے روزے رکھے۔

لفظ کفارہ کی تحقیق کے لیے ظہار کے کفارہ کی بحث دیکھی جائے۔

حلف کی خلاف ورزی ہونے کی صورت میں حلف اٹھانے والے کو تین باتوں میں اختیار ہے: غلام آزاد کرے، محتاجوں کو غلہ یا لباس دے، ان تینوں باتوں میں اختیار ہے جس پر چاہے عمل کرے۔ لیکن اگر تینوں صورتوں میں سے کسی صورت پر بھی قدرت نہ ہو تو چوتھی صورت پر جو روزہ رکھنے کی ہے، عمل کرے۔ ابتدائی تین باتوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل کرنا ممکن ہو تو چوتھی صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ اسی کے معنی ہیں کہ کفارہ یمین میں ابتداء میں اختیار اور انتہا میں ترتیب ہے۔

غلام میں عورت اور مرد دونوں داخل ہیں۔ غلام کے لیے شرط ہے کہ مسلم ہو اور ایسے جسمانی نقایص سے پاک ہو جس کی وجہ سے کاروبار کی انجام دہی میں خلل ہوتا ہو۔

غلام کے نصف حصہ کی رہائی یا دس مسکینوں کے عوض پانچ مسکینوں کو غلہ یا کپڑا دینے سے کفارہ کی تکمیل نہیں ہوتی، دوسرے الفاظ میں کفارہ کی تجزی نہیں ہو سکتی۔

ایک مد تین پاؤ یعنی بارہ چھٹانک کے مساوی ہے۔ کھانا کھلانا شرط نہیں ہے بلکہ غلہ دینا شرط ہے۔ ایسا غلہ دیا جائے جو فطرہ کی زکات کے لائق ہے اور جو شہر کا عام غلہ ہے۔ فی کس ایک مد کے حساب سے غلہ دینا بھی شرط ہے۔ ایک شخص کو دس مد یا گیارہ اشخاص کو دس مد دینے سے کفارہ کی تکمیل نہ ہو گی۔

لباس میں سوت، کتان اور ریشم اور اون کا لباس دینا جائز ہے۔ دس محتاجوں کو ایک

ایک لباس ایسا دے جو پہننے کے لائق ہو۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو لباس جس شخص کو دیا جائے اسی شخص کے پہننے کے لائق ہو، بلکہ اس کے، اس کی بیوی کے اور بچوں کے پہننے کے لائق ہو تو کافی ہے۔ لباس کی قید کی وجہ سے جوتے، موزے اور دستانے خارج ہو جاتے ہیں۔ استعمال کیا ہوا لباس بھی دیا جا سکتا ہے لیکن نیا لباس دینا مندوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران: ۹۲) تم نیکی ہرگز حاصل نہ کرو گے یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز کو جس کو تم پسند کرتے ہو۔

اختلاف: امام مالک اور امام احمد کا قول ہے کہ ایسے لباس کا دینا واجب ہے جو ستر چھپانے والا ہو۔ ستر سے مراد بدن کا وہ حصہ ہے جس کا ڈھانپنا واجب ہے۔

کفارہ یمین کے روزہ کے لیے کفارہ کی نیت کرنا واجب ہے۔ معتمد یہ ہے کہ ان روزوں کا مسلسل رکھنا واجب نہیں ہے۔ اس لیے کہ آیت مطلق ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے۔

نذر

نذر کے معنی مطلق وعدہ کے ہیں، کارخیر کی نسبت ہو یا برے کام کی نسبت۔

اور شرع میں ایسے کارِ خیر کے وعدہ کو نذر کہتے ہیں جو اللہ تعالی سے تقرب حاصل کرنے کے لیے کیا جائے اور اصلاً شرع میں لازم نہ ہو۔

أیمان اور نذور ایسے معاہدات ہیں جو ایک شخص خود اپنی ذات پر عائد کرتا ہے اور اس پر عمل کی پابندی کے لیے تاکید کرتا ہے۔

اوامر کی پابندی اور نواہی سے اجتناب کو اطاعت کہتے ہیں۔ اللہ تعالی کی معرفت کے ساتھ قربت حاصل کرنے کے لیے کسی کام کے کرنے کو قربت کہتے ہیں اور معبود کی معرفت اور نیت کے ساتھ ذکر کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔

نذر جو نیکی کے طور پر کسی مباح کام اور طاعت کے لیے کی جاتی ہے اس کو پورا کرنا لازم ہے، جیسا کہ کوئی یہ کہے کہ اللہ مجھ کو مرض سے شفا دے تو میں اللہ کے لیے نماز پڑھوں گا، روزہ رکھوں گا یا صدقہ دوں گا۔

معصیت کے لیے کوئی نذر نہیں ہے، مباح کام چھوڑنے کے لیے بھی نذر نہ ہوگی۔ جیسا کہ کوئی کہے: گوشت نہ کھاؤں گا، دودھ نہ پیوں گا۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ﴾ (الحج:۲۹) اور اپنی نذروں کو پوری کریں۔

حدیث میں ہے: ''مَنْ نَذَرَ أَن يُطِيعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ أَن يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ '' (بخاری نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کی ہے: کتاب الأیمان والنذور، باب النذر فی الطاعۃ ۶۳۱۸) جس نے نذر کی کہ اللہ تعالی کی اطاعت کرے گا تو اس کو چاہیے کہ اطاعت کرے اور جس نے نذر کی کہ اللہ تعالی کی نافرمانی کرے گا تو اس کو چاہیے کہ نافرمانی نہ کرے۔

نذر کے ارکان

نذر کے ارکان تین ہیں: ناذر، منذور اور صیغہ۔

ناذر نذر کرنے والے کو کہتے ہیں۔ ناذر کے لیے شرط ہے کہ مسلم، بالغ، عاقل، مختار اور تصرف کی اہلیت رکھتا ہو اور عمل کرنا ممکن ہو۔

مسلم کی شرط صرف اس نذر کے لیے ہے جس کا تعلق عبادت سے ہے جیسا کہ نذر تبرر۔ اس لیے کہ کفر کے ساتھ عبادت نہیں ہوسکتی۔

مختار کی قید کی وجہ سے وہ نذر خارج ہو جاتی ہے جو جبر واکراہ کی بناء پر کی گئی ہو۔

تصرف کی قید کی وجہ سے نابالغ اور فضول خرچ خارج ہو جاتے ہیں جن کو تصرف کا اختیار نہیں۔

امکان کی قید کی وجہ سے وہ نذر صحیح نہیں جس کی تعمیل کے لیے وقت میں گنجائش نہیں جیسا کہ اسی سال حج کی نذر کرے جب کہ مکہ مکرمہ پہنچنا ممکن نہ ہو۔

منذور: اس چیز کو کہتے ہیں جس کی نذر کی جائے۔ منذور کے لیے شرط ہے کہ معصیت میں سے نہ ہو اور اللہ سے قربت کے لیے ہو اور فرض عین نہ ہو۔ معصیت کی قید کی وجہ سے شراب خوری وغیرہ جیسے برے کام خارج ہو جاتے ہیں۔ برے کام کے لیے نذر نہیں کی جاسکتی۔ حدیث میں ہے: ''**لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ** (مسلم: النذر، باب لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللہ ۱۶۴۱) **وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُهُ ابْنُ آدَمَ**'' (مسلم کی دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''لا وفاء لنذر فی معصیة و لا فیما لا یملک العبد'' ۴۳۳۳۔ یہ روایت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ہے) اللہ تعالی کی نافرمانی کے لیے نذر نہیں ہوسکتی اور نہ اس چیز کے بارے میں جس میں آدمی کو ملکیت ہی حاصل نہ ہو۔

قربت کی قید کی وجہ سے، معصیت کے علاوہ مکروہ اور مباح امور بھی خارج ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ مکروہ یا مباح کے ذریعہ اللہ تعالی سے قربت حاصل نہیں ہوتی۔ حدیث میں ہے: ''**لَا نَذْرَ إِلَّا فِيْمَا ابْتَغٰى بِهِ وَجْهَ اللّٰهِ**'' (ابوداود: الأیمان والنذور، باب الیمین فی قطیعۃ

الرحم۳۲۷۳) نذر نہیں ہوسکتی سوائے ایسی چیز کے جس سے کہ اللہ تعالی کی خوشنودی مقصود ہو۔

مکروہ فعل کے لیے بھی نذر نہیں ہوسکتی۔ مباح میں مباح کام کرنا اور ترکِ مباح دونوں داخل ہیں۔ مباح کے لیے بھی نذر صحیح نہیں ہے جیسا کہ کھڑے رہنے، بیٹھنے یا نہ کھڑے رہنے یا نہ بیٹھنے کی نذر کرنا صحیح نہیں ہے۔

فرض عین کی شرط کی وجہ سے پانچ وقت کی فرض نمازیں خارج ہوجاتی ہیں۔اس لیے کہ نذر کے بغیر بھی ان نمازوں کی ادائی فرض ہے،البتہ فرض کفایہ اور نفل نمازیں اس میں داخل ہیں۔

غلام کی رہائی، مریض کی مزاج پرسی، کسی خاص سورہ کی تلاوت یہ امور مسنون ہیں۔

جنازہ کی نماز اور جماعت کے ساتھ فرض نمازوں کی ادائی فرض کفایہ ہیں۔

صیغہ: زبان سے نذر کے الفاظ کہے جائیں۔صرف نیت کافی نہیں ہے۔ایسے الفاظ کہے جائیں جن سے پابندی کا اظہار ہوتا ہو جیسا کہ **لِلّٰهِ عَلَيَّ كَذَا**۔اللہ تعالی کے لیے مجھ پر فلاں چیز ہے۔

نذر کی قسمیں

نذر کی دو قسمیں ہیں: نذر لجاج اور نذر تبرر۔

نذر لجاج

لجاج، خصومت میں طوالت دینے کو کہتے ہیں اور شرع میں لجاج سے ایسی نذر مراد ہے جس میں کار خیر یا عبادات کی غرض نہ ہو بلکہ محض کسی کام کی ترغیب دینا، کسی کام سے منع کرنا یا کسی واقعہ کی تحقیق کرنا مقصود ہو۔ترغیب کی مثال یہ ہے ''اگر میں گھر میں داخل نہ ہوا تو اللہ کے لیے مجھ پر فلاں چیز ہے''۔منع کی مثال یہ ہے: اگر میں فلاں سے بات کروں تو اللہ کے لیے فلاں چیز ہے۔تحقیق کی مثال یہ ہے: اگر واقعہ ایسا نہ ہو جیسا کہ فلاں نے کہا تو مجھ پر اللہ کے لیے فلاں چیز ہے۔گویا کہ اس نذر کی بھی تین قسمیں ہیں: ترغیب، منع اور تحقیق۔نذر لجاج کی تعمیل کرے اور اگر تعمیل نہ کرے تو یمین کا کفارہ دے۔

نذر تبرر

تبرر ''برّ'' سے مشتق ہے جس کے معنی کار خیر کے ہیں۔ نذر تبرر کار خیر یا عبادت کے لیے کی جاتی ہے اور اس میں شرط ہے کہ معصیت کے لیے نہ ہو۔''**لَا نَذْرَ فِیْ مَعْصِیَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی**''۔(مسلم: النذر، باب لا وفاء لنذر فی معصیۃ اللہ ۱۶۴۱)

نذر تبرر کی پھر دو قسمیں ہیں:

ا۔ نذر مجازات؛ ایسے امر کی نذر کو کہتے ہیں جو غیر لازم ہو اور جس کی تعمیل کو کسی پسندیدہ واقعہ پر معلق یا موقوف رکھا جائے۔

غیر لازم کی قید کی وجہ سے فرض عین خارج ہو جاتا ہے۔

نذر مجازات کی یہ مثال ہے: اللہ مجھ کو شفا دے تو میں اللہ کے لیے نماز پڑھوں گا، روزہ رکھوں گا یا صدقہ دوں گا۔ یہاں نماز، روزہ اور صدقہ سے مراد وہ امور ہیں جو فرض عین نہیں ہیں بلکہ فرض کفایہ یا مسنون ہیں۔

نماز، روزہ اور صدقہ میں تعین نہ کرے اور مطلق چھوڑ دے تو اقل نماز دو رکعت، اقل روزہ ایک دن اور اقل صدقہ پانچ درہم یا نصف دینار مراد ہوں گے۔ جو واجب زکاۃ کی اقل مقدار ہے۔ پانچ درہم ایک تولہ تین ماشہ پانچ رتی کے مساوی ہیں اور نصف دینار دو ماشہ دو رتی کے مساوی ہیں۔ (علامہ یوسف قرضاوی کی تحقیق کے مطابق ایک درہم 2.975 گرام ہے اور ایک دینار 4.25 گرام ہے۔)

اس نذر کی تعمیل مہلت کے ساتھ واجب ہے، نہ کہ فوری طور پر۔

مباح کام کرنے یا مباح کام چھوڑنے کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ کوئی شخص نذر کرے کہ فلاں چیز کھاؤں گا اور فلاں چیز پیوں گا یا فلاں لباس پہنوں گا، یا کہے: گوشت نہ کھاؤں گا، دودھ نہ پیوں گا۔ معتمد یہ ہے کہ ایسی نذریں منعقد ہی نہیں ہوتی۔ بخاری نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، ایک شخص کو دھوپ میں کھڑا دیکھ کر آپ نے وجہ دریافت کی۔ لوگوں نے کہا: اس کا نام ابو اسرائیل ہے، نذر کی ہے کہ وہ روزہ

رکھے گا اور بیٹھے گا نہیں، اور نہ سایہ میں جائے گا اور نہ بات کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلِيُتِمَّ صَوْمَهُ''۔ (بخاری نے یہ روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کی ہے: الأیمان والنذور، باب النذر فیما لا یملک وفی معصیۃ ۶۳۲۶) اس کو حکم دو کہ بات کرے، سایہ میں جائے، بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ بات نہ کرنے کی نذر منعقد نہیں ہوتی۔ نذر کے منعقد نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ نذر کی تعمیل لازم نہیں ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کفارہ بھی لازم نہیں ہے۔

نذر غیر مجازات: وہ نذر ہے جو مطلق ہے اور کسی واقعہ پر معلق یا موقوف نہیں رکھی گئی ہے جیسا کہ مرض سے شفا پانے کے بعد کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالی کی مجھ پر فلاں چیز ہے۔

متفرقات

اگر کسی نے نذر کی کہ حرم کعبہ کو کوئی چیز تحفہ لے جائے اور اس چیز کا تحفہ لے جانا آسان ہو تو لے جائے، ورنہ اس کی قیمت لے جائے۔

اگر کوئی شخص کسی خاص شہر کے محتاجوں کو کچھ صدقہ دینے کی نذر کرے تو اس شہر کے محتاجوں کو صدقہ دے۔

اگر کسی نے مسجد میں چراغ روشن کرنے کی نذر کی اور اس مسجد میں نمازی آتے ہوں یا کوئی شخص رات میں سوتا ہو تو ان کے استفادہ کے لیے چراغ روشن کرے، ورنہ نہیں، اس لیے کہ مال کا ضائع کرنا صحیح نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص نذر کرے کہ افضل اوقات میں نماز پڑھے گا تو شب قدر میں پڑھے۔

اگر کوئی شخص حرم کعبہ کو پیادہ جانے کی نذر کرے تو پیادہ جائے۔

اگر کوئی شخص نذر کرے کہ ایک خاص وقت میں روزہ رکھے یا نماز پڑھے اور وہ وقت فوت ہو جائے تو اس کی قضا کرنا واجب ہے۔

اگر کوئی شخص بیٹھ کر نماز پڑھنے کی نذر کرے تو اس کے لیے جائز ہے کہ کھڑے رہ کر نماز پڑھے، اس لیے کہ کھڑے ہو کر نماز پڑھنا افضل ہے۔

سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ (البقرة:۳۲)

ضمیمہ

سوانح امام شافعی رضی اللہ عنہ

نام ونسب

اسم گرامی ابوعبداللہ محمد بن ادریس ہے اور آپ کا نسب یہ ہے: ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف۔

عبد مناف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چوتھی پشت کے دادا ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ یہ ہے: محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف۔ عبد مناف کے فرزند ہاشم کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور عبد مناف کے دوسرے فرزند مطلب کے سلسلہ میں امام شافعی ہیں۔ شافعی اپنے تیسرے دادا شافع کی نسبت سے شافعی کہلائے۔ امام شافعی کی والدہ ماجدہ کا نسب یہ ہے: فاطمہ بنت عبداللہ بن الحسن بن الحسین بن علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، دونوں جانب سے آپ کا تعلق عرب کے مشہور ومعروف بنی ہاشم کے خاندان سے ہے۔

ولادت

امام شافعی کی ولادت غزہ میں ۱۵۰ھ میں ہوئی۔ غزہ وہی مقام ہے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہاشم نے وفات پائی تھی، بعض کا خیال ہے کہ امام شافعی عسقلان میں پیدا ہوئے تھے۔ عسقلان بڑا شہر ہے جس کے مضافات میں غزہ واقع ہے۔ امام شافعی کے قول: ”ولدت بغزة وحملتني أمي إلى عسقلان“ میں غزہ میں پیدا ہوا اور میری والدہ

عسقلان لے گئیں۔ سے تائید ہوتی ہے۔اور بعض کا خیال ہے کہ منیٰ میں پیدا ہوئے تھے۔

جس سال امام شافعی پیدا ہوئے اسی سال امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی نے بغداد میں وفات پائی۔

پرورش

والد کے انتقال کے بعد شافعی نے اپنی والدہ کی آغوش میں پرورش پائی۔دو سال کی عمر میں مکہ مکرمہ پہنچے اور ابتدائی نشو نما وہیں ہوئی۔کچھ عمر بڑھی تو مکتب بھیجے گئے۔یتیم تھے، ماں کا مقدور اتنا نہ تھا کہ مکتب کے معلم کو کچھ معاوضہ دیتیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ معلم ان کی طرف کافی توجہ نہ کرتے۔شافعی فطرتاً ذہین تھے۔معلم کسی دوسرے لڑکے کو پڑھاتے تو آپ چپکے سے سن لیتے اور یاد کر لیتے اور معلم کی غیر حاضری میں مکتب کے لڑکوں کو درس یاد کرنے میں مدد کرتے۔جب معلم نے دیکھا کہ شافعی کی تعلیم کا جو معاوضہ انھیں ملنا چاہیے تھا اس سے زیادہ ہی شافعی مکتب کی خدمت کرتے ہیں تو پھر انھوں نے ان کی طرف خاص توجہ کی اور قرآن پڑھایا۔

تعلیم

امام شافعی سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہوئے اور دس سال میں حدیث میں موطا حفظ کیا۔مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ سے فقہ پڑھی اور پندرہ سال کی عمر میں افتاء کی اجازت پائی۔لڑکپن میں علماء کی صحبت میں رہتے اور جو استفادہ کرتے اس کو لکھ لیتے۔

تعلیمی اسفار

مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ پہنچے اور امام مالک کی شاگردی میں داخل ہوئے اور ایک مدت تک آپ سے فیض حاصل کیا۔بالآخر ۱۹۵ھ میں آپ بغداد آئے۔ان دنوں بغداد علم و فضل کا گہوارہ تھا۔آپ کی بڑی قدر و منزلت ہوئی۔آپ نے یہاں دو سال گزارے اور یہاں آپ نے مذہبِ قدیم پر تصنیف لکھی۔کچھ دنوں مکہ مکرمہ گئے اور پھر ۱۹۸ھ میں بغداد واپس ہوئے اور مزید ایک مہینہ قیام کر کے مصر روانہ ہو گئے۔

درس وتدریس اور وفات

مصری قدیم درسگاہ جامع عمرو میں چھ سال درس وتدریس میں مصروف رہے اور مذہب جدید شافعی کی بنیاد ڈالی اور جمعہ کے روز اواخرِ رجب ۲۰۴ھ میں چوّن سال کی عمر میں وفات پائی اور ''تربت اولاد حکم'' مصر میں دفن ہوئے۔ جدید قاہرہ کی جنوب میں اور قدیم قاہرہ کی مشرق میں تھوڑے فصل پر آپ کا مزار ایک گنبد میں واقع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی موت ایک زخم کے بگڑنے کا نتیجہ تھی جو آپ کو مباحثہ کے دوران میں مصر کے مالکی فقیہ اشہب بن عبدالعزیز کے ہاتھ سے پہنچا تھا۔ اشہب شافعی کے ہم عصر تھے۔ دونوں ایک سال پیدا ہوئے اور شافعی کی وفات کے اٹھارہ روز بعد اشہب نے وفات پائی۔

شافعی ان الفاظ میں اشہب کے علم وفضل کی تصدیق کرتے ہیں: ''مَا رَأَيْتُ أَفْقَهَ مِنْ أَشْهَبَ، لَوْلَا طَيْشٌ فِيهِ، وَالطَّيْشُ خِفَّةُ الْعَقْلِ ''میں نے اشہب سے بہتر فقیہ نہیں دیکھا۔ کاش ان میں غصہ نہ ہوتا۔ غصہ عقل کو کم کرتا ہے۔

قریش کا عالم

''عَالِمُ قُرَيْشٍ يَمْلَأُ الْأَرْضَ عِلْمًا''۔ (عون المعبود فی شرح سنن أبی داود: ۹/ ۱۳۴۷، مسند طیالسی میں یہ الفاظ ہیں: ''لاتسبوا قريشا فإن عالمها يملأ الأرض علما''۔ ۳۰۷ص ۱/ ۲۴۴۔ معرفۃ السنن والآثار ۹۹ص ۱/ ۲۰۶۔ یہ روایت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ہے) قریش کا ایک عالم اپنے علم سے روئے زمین کو معمور کرے گا۔

محدثین بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث میں امام شافعی کی طرف اشارہ ہے۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ ائمہ فقہاء کی پانچ مخصوص صفات ہیں: عابد، زاہد، عالم بعلوم آخرت، خلق کے مصالح میں فقیہ اور اپنی فقہ سے اللہ تعالی کی خوشنودی چاہتے ہیں۔ امام شافعی کی سوانح حیات سے ان صفات کی توضیح انھوں نے کی ہے۔

عابد: امام شافعی رات کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ایک تہائی علم کے لیے، ایک تہائی

عبادت کے لیے اور ایک تہائی استراحت میں صرف کرتے تھے۔ ربیع کہتے ہیں کہ شافعی رمضان میں قرآن کے ساٹھ دور کرتے اور یہ سب نماز میں۔ امام شافعی کے صاحب (استاد وشیخ) بویطی رمضان کے ایک روز میں قرآن کا ایک دور کرتے تھے۔

حسن کرابیسی کہتے ہیں کہ شافعی کے ساتھ ایک سے زیادہ راتیں گزاریں۔ آپ تقریباً ایک تہائی رات نماز پڑھتے اور اس میں پچاس سے زیادہ آیتیں پڑھتے نہ دیکھا اور بہت زیادہ پڑھیں تو سو آیتیں۔ جب آیت رحمت آتی تو اللہ تعالیٰ سے خود اپنے لیے طالب رحمت ہوتے اور تمام مسلمین کے لیے، اور جب عذاب کی آیت آتی تو پناہ مانگتے اور نجات کے لیے دعا کرتے اپنے لیے اور مؤمنین کے لیے۔ اس طرح آپ امید وبیم کو ایک ساتھ جمع کرتے۔

اسرار قرآن پر جو آپ کو عبور حاصل تھا اس کے باوجود پچاس آیتوں کی تعداد کی کمی غور کا مقام ہے۔ ربیع کہتے ہیں کہ شافعی کے مکان میں کئی راتیں گزاریں، شافعی رات میں کم سوتے تھے۔

اقوالِ زرین

شافعی کہتے ہیں کہ سولہ سال سے پیٹ بھر نہیں کھایا۔ اس لیے کہ شکم سیری جسم کو بوجھل کرتی ہے اور دل کو سخت بناتی ہے۔ ذہن کو کند کرتی ہے، نیند لاتی ہے اور عبادت میں سستی پیدا کرتی ہے۔

آپ کہتے ہیں کہ میں نے کبھی اللہ کی قسم نہیں کھائی، نہ تصدیق میں اور نہ تکذیب میں۔

شافعی سے ایک مسئلہ پوچھا گیا اور آپ خاموش رہے تو کہا گیا: خدا آپ پر رحم کرے، کیا آپ جواب نہ دیں گے؟ تو آپ نے کہا: اس وقت تک نہ دوں گا جب تک یہ نہ سمجھوں کہ خاموشی میں فضیلت ہے یا جواب میں۔

شافعی کہتے ہیں کہ ایک حکیم نے دوسرے حکیم کو لکھا: تم کو علم ملا ہے، اپنے علم کو گناہ کی تاریکی سے نہ ملا دو، ورنہ تم اندھیرے میں ہو جاؤ گے اس دن جب کہ اہل علم اپنے علم کے نور میں دوڑیں گے۔

احمد بن یحیی بن الوزیر کہتے ہیں کہ شافعی سوق القنادیل سے گزر رہے تھے، ہم ان

کے ہمراہ تھے، ایک شخص اہل علم کی نسبت سخت سست کہہ رہا تھا۔شافعی ہماری طرف پلٹے اور کہا: اپنے کانوں کو اس کی بدکلامی سے محفوظ رکھو جیسا کہ اپنی زبان کو محفوظ رکھتے ہو۔اس لیے کہ سننے والا بھی قائل کے ساتھ شریک ہو جاتا ہے۔

زہد کے متعلق شافعیؒ کہتے ہیں: جس نے یہ دعوی کیا کہ حب دنیا اور حب خالق کو اپنے دل میں جمع کیا تو اس نے جھوٹ کہا۔

حمیدی کہتے ہیں کہ شافعی نے بعض والی (حاکم ولایت) کے ساتھ یمن کی طرف سفر کیا اور جب مکہ معظّمہ کی طرف لوٹے تو آپ کے ساتھ دس ہزار درہم تھے۔مکہ مکرمہ سے باہر ایک مقام پر آپ ٹھہرے رہے اور پوری رقم تقسیم کرنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئے۔

امام شافعی کی سخاوت

آپ کے ہاتھ سے ایک مرتبہ کوڑا گرا۔جس نے اٹھا کر دیا اس کو آپ نے پچاس دینار دئے، شافعیؒ کی سخاوت مشہور ہے اور زہد کا سر سخاوت ہے، اس لیے کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے تو اس کو روکے رکھتا ہے اور جدا نہیں کرتا۔ مال کو وہی شخص جدا کرتا ہے جس کی نظر میں دنیا اور دنیا کا مال کوئی وقعت نہ رکھے اور زہد کے معنی یہی ہے۔

شافعی سے متعلق علماء کے تجربات

عبداللہ بن محمد بلوی کہتے ہیں کہ میں اور عمر بن بنانہ بیٹھے عابدین اور زاہدین کا ذکر کر رہے تھے۔عمر بن بنانہ نے مجھ سے کہا کہ میں نے محمد بن ادریس شافعی سے زیادہ پرہیزگار اور افصح شخص کو نہیں دیکھا، میں، شافعی اور حرث بن لبید ایک مرتبہ صفا کی طرف گئے۔حرث صالح المری کے شاگرد اور خوش الحان تھے۔انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ﴾ (المرسلات:۳۶) میں نے دیکھا کہ شافعی کے چہرے کا رنگ تبدیل ہونے لگا اور آپ کانپتے اور لرزتے بے ہوش ہو کر گر پڑے اور جب افاقہ ہوا تو کہا: أَعُوْذُبِكَ مِنْ مُقَامِ الْكَاذِبِيْنَ وَإِعْرَاضِ الْغَافِلِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ

لَكَ خَضَعَتْ قُلُوْبُ الْعَارِفِيْنَ وَذَلَّتْ لَكَ رِقَابُ الْمُشْتَاقِيْنَ. اِلٰهِيْ هَبْ لِيْ جُوْدَكَ وَجَلِّلْنِيْ بِسِتْرِكَ وَاعْفُ عَنِّيْ تَقْصِيْرِيْ بِكَرَمِ وَجْهِكَ ۔میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں جھوٹوں کے مقام سے اور غفلت کرنے والوں کے اعراض سے ۔ یا اللہ! تیرے لیے عارفین کے دل جھک گئے اور مشتاقوں کی گردنیں پست ہوگئیں ۔ یا اللہ! تو اپنی نوازش عطا کر اور تیرے پردہ سے مجھ کو اور میرے گناہ کو ڈھانپ دے، میری کوتاہیوں کو اپنی ذات کی بخشش سے درگذر کر۔

اس کے بعد عراق پہنچا تو شافعی بھی عراق میں تھے ۔ میں دریا کے کنارے وضو کر رہا تھا۔ ایک صاحب وہاں سے گزرے اور کہا: اے لڑکے! اچھی طرح وضو بناؤ۔ اللہ تعالی تمہاری دنیا اور آخرت بھلی کرے ۔ پلٹ کر دیکھا تو شافعی ایک جماعت کے ساتھ جارہے تھے ۔ میں جلد وضو کر کے ساتھ ہو گیا اور عرض کیا: اللہ تعالی نے آپ کو علم دیا ہے، مجھ کو کچھ سکھائیے ۔آپ نے کہا: أَنَّ مَنْ صَدَّقَ اللّٰهَ نَجَا وَمَنْ أَشْفَقَ عَلٰى دِيْنِهِ سَلِمَ مِنَ الرَّدٰى وَمَنْ زَهِدَ فِي الدُّنْيَا قَرَّتْ عَيْنَاهُ بِمَا يَرَاهُ ثَوَابَ اللّٰهِ غَدًا ۔جس نے اللہ تعالی کی تصدیق کی نجات پائی اور جو اس کے دین پر مائل ہوا تباہی سے محفوظ ہوا، جس نے دنیا میں زہد اختیار کیا کل جو اللہ تعالی کے ثواب میں سے دیکھے گا اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔

جس میں یہ خصلتیں ہوں گی اس کا دین مکمل ہوا، نیک کام کی ہدایت ہوئی اور اس پر عمل کیا۔ برے کام سے منع کیا گیا تو اس سے باز آیا اور اللہ تعالی کے مقرر کئے ہوئے حدود کی حفاظت کی ۔ دنیا سے علحیدہ رہو، آخرت کی طرف راغب رہو اور اپنے سارے کاموں میں اللہ تعالی کی تصدیق کرو۔ نجات پانے والوں کے ساتھ تم بھی نجات پاؤ گے۔

یہ باتیں آپ کے زہد اور غایتِ خوف پر دلالت کرتی ہیں ۔ یہ خوف اور زہد اللہ تعالی کی معرفت ہی سے حاصل ہوتا ہے ۔ اللہ تعالی سے جاننے والے بندے ہی ڈرتے ہیں ۔شافعی نے یہ خوف اور زہد کتب فقہ کے علم سے حاصل نہیں کیا تھا بلکہ اس کا تعلق آخرت کے علم سے ہے جو قرآن اور احادیث سے حاصل ہوتا ہے۔اولین وآخرین کا علم ان دونوں میں رکھا ہوا ہے۔

امام کے اقوال

اسرارِ قلب اور علوم آخرت سے آپ کی آگاہی کا پتہ ان فقروں سے ملتا ہے:

کسی نے ریا کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا: ریا ایک فتنہ ہے جس کو نفس نے علماء کے دل کی دونوں آنکھوں کے درمیان باندھ دیا ہے۔ ایک مرتبہ بڑی خواہشات کی طرف للچائی ہوئی نظر کی اور اعمال ساقط ہو گئے۔

شافعی کہتے ہیں: اگر تم اپنے کسی عمل سے عجب کا خوف کرو تو سوچو اس کی رضا جوئی کی نسبت جس کو تم ڈھونڈتے ہو۔ ان باتوں میں سے کسی ایک پر بھی تم دھیان لگاؤ تو پھر تمہاری نظر میں تمہارا عمل چھوٹا معلوم ہو گا۔

غور کرنے کا مقام ہے، آپ نے ریا کی حقیقت اور عجب کے علاج کو کس طرح بیان کیا۔ ریاء اور عجب دونوں قلب کے اہم آفات میں سے ہیں۔

شافعیؒ کہتے ہیں: جس نے اپنے نفس کی حفاظت نہیں کی اس کو اس کا علم فائدہ نہ دے گا۔ جس نے علم کے ساتھ اللہ تعالی کی اطاعت کی اس کو اس کا بھید (دل) فائدہ دے گا۔

عبدالقادر بن عبدالعزیز نے جو ایک مرد صالح اور زاہد تھے آپ سے سوال کیا: صبر، محنت اور تمکین میں افضل کیا ہے؟ تو شافعی نے جواب دیا: **اَلتَّمْكِيْنُ دَرَجَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَلَا يَكُوْنُ التَّمْكِيْنُ إِلَّا بَعْدَ الْمِحْنَةِ فَإِذَا امْتُحِنَ صَبَرَ وَإِذَا صَبَرَ مُكِّنَ**۔ تمکین انبیاء کا درجہ ہے۔ تمکین امتحان کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ جب امتحان کیا گیا تو صبر کیا اور جب صبر کیا تو تمکین حاصل ہوئی۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالی نے ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا اور پھر تمکین دی۔ موسی علیہ السلام کا امتحان لیا اور پھر تمکین دی۔ ایوب علیہ السلام کا امتحان لیا پھر تمکین دی۔ سلیمان علیہ السلام کا امتحان لیا اور تمکین دی اور حکومت دی۔ تمکین بہت بڑا درجہ ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے ﴿**وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْأَرْضِ**﴾ (یوسف:۲۱) ایوب علیہ السلام کو بڑے امتحان کے بعد تمکین دی اور فرمایا: ﴿**وَوَهَبْنَا لَهٗ أَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ**﴾ (الأنبیاء:۸۴)

شافعی کے اقوال اسرارِقرآن پرآپ کے تبحر کو ظاہر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ عارفین باللہ، انبیاء اور اولیاء اللہ کے مقامات کی اطلاع کس حد تک آپ کو حاصل تھی۔ یہ سب امورِآخرت سے تعلق رکھتے ہیں۔

کسی نے جالینوس حکیم سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ ایک بیماری کے لیے بہت سی دوائیں ملا کر دیتے ہیں۔ اس نے جواب دیا: غرض تو ایک ہی ہے، مگر اس کے ساتھ دوسری چیزوں کو اس لیے شریک کرتا ہوں کہ اس کی حدت دور ہو۔ اس لیے کہ افراد (تنہا) قاتل ہے۔

ایسی ہی بہت سی باتیں اللہ تعالی کے بارے میں شافعی کی معرفت اور آخرت کے امور کے متعلق ان کی واقفیت پر دلالت کرتی ہیں۔

فقہ میں آپ کے مناظروں کی نسبت آپ کا ارادہ لوجہ اللہ یوں ظاہر ہوتا ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ اس علم سے اور اس علم کے مختلف شعبوں سے پورا استفادہ کریں۔ آپ کہتے ہیں کہ کسی کے ساتھ مناظرہ کرنا میری خواہش کبھی نہ رہی کہ میرے مقابل سے غلطی ہو۔ میں نے کسی سے بات کی تو چاہا کہ اس کی تائید کرسکوں اور اسی کا ساتھ دے سکوں۔ میں کسی سے گفتگو کرتا ہوں تو کوشش کرتا ہوں کہ اللہ تعالی میری زبان سے یا دوسرے کی زبان سے حق کا اظہار کرے۔ میں حق کی حجیت کو کسی شخص پر پیش کرتا ہوں اور اس کو اس نے قبول کیا تو میں اس کو دے دیتا ہوں اور اس کی محبت میرے دل میں ہوتی ہے۔ کسی نے حق کے بارے میں مجھ سے حجت کی تو وہ میری نظر سے گر گیا اور میں نے اس کو چھوڑ دیا۔

یہی علامتیں ہیں جو فقہ اور مناظرہ سے اللہ تعالی کے پاس کیا مقصود ہے دلالت کرتی ہیں۔ پھر غور کرنے کا مقام ہے کہ ان پانچ خصلتوں میں سے صرف آپ کی ایک خصلت کی پیروی لوگوں نے کی۔ ابوثورؒ کہتے ہیں کہ شافعی کے مانند میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔

امام سے متعلق علماء کے خیالات

احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ چالیس سال سے میں ہر نماز کے ساتھ شافعی کے لیے دعا کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے نے سوال کیا: آخر شافعی کیسے مرد تھے جن کے

لیے آپ اتنی دعائیں دیتے ہیں؟ تو احمد بن حنبل نے جواب دیا: ''یَا بُنَیَّ کَانَ الشَّافِعِیُّ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی کَالشَّمْسِ لِلدُّنْیَا وَ کَالْعَافِیَۃِ لِلنَّاسِ فَانْظُرْ ھَلْ لِھٰذَیْنِ مِنْ خَلَفٍ '' پیارے بیٹے! شافعی رحمۃ اللہ علیہ دنیا کے لیے سورج کے مانند اور لوگوں کے لیے عافیت کے مانند تھے، غور کرو! ان دونوں صفتوں میں کوئی باقی رہا۔

امام احمد کہتے ہیں: ''مَا مَسَّ أَحَدٌ بِیَدِہِ مِحْبَرَۃً إِلَّا وَلِلشَّافِعِیِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ فِیْ عُنُقِہِ مِنَّۃٌ''۔ جس کسی نے قلم اور سیاہی کو ہاتھ لگایا وہ یقینی طور پر شافعی کا زیر بار احسان ہوا۔

یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں: میں چالیس سال سے ہر نماز میں شافعی کے لیے دعا کرتا ہوں، اس علم کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیب کیا تھا اور اس خوبی کی وجہ سے جو ان کو حاصل تھی۔

شیخ نصر بن ابراہیم المقدسی کی تصنیف مناقب شافعی سے اس اقتباس کو امام غزالی نے اخذ کیا ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل ہم عصر تھے۔ ان دونوں میں گہری دوستی تھی۔ احمد ابن حنبل شافعی کے شاگرد بھی تھے اور اکثر آپ کا ذکر کرتے اور تعریف وتوصیف بیان کرتے تھے۔ احمد حنبل کی صاحبزادی آپ کی زبانی شافعی کی توصیف سنا کرتی تھیں اور شافعی کی ملاقات کی مشتاق تھیں۔ ایک مرتبہ شافعی اپنے دوست احمد بن حنبل کے گھر مہمان آئے اور وہیں رات بسر کی۔ لڑکی نہایت غور سے ان کی بات چیت سنتی اور ان کی حرکات وسکنات کا مطالعہ کرتی رہی۔ رات میں انھوں نے دیکھا کہ ان کے باپ تو نوافل اور ذکر میں مصروف رہے اور شافعی ساری رات چت لیٹے رہے۔ لڑکی کو تعجب ہوا اور صبح سویرے اپنے باپ سے سوال کر دیا کہ آپ تو دن رات شافعی کی مدح سرائی فرماتے ہیں، مگر میں نے انھیں رات میں عبادت کرتے نہیں دیکھا۔ یہاں عبادت سے متعلق نوافل و ذکر مراد ہے۔ باپ سے بیٹی نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ شافعی پہنچ گئے۔ احمد ابن حنبل نے عرب کے دستور کے موافق پوچھا: ''کَیْفَ کَانَتْ لَیْلَتُکَ '' رات کیسے بسر کی؟ شافعی نے جواب دیا: ''مَا بِتُّ

بِلَيْلَةٍ أَطْيَبَ مِنْهَا وَلَا أَبْرَكَ ''اس سے بہتر اوراس سے زیادہ برکت والی رات میں نے نہیں گزاری۔ احمد حنبل نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو جواب دیا: لِأَنِّيْ اِسْتَنْبَطْتُ فِيْ هٰذِهِ اللَّيْلَةِ مِأَةَ مَسْئَلَةٍ وَأَنَا مُسْتَلْقٍ عَلٰى ظَهْرِيْ فِيْ مَنَافِعِ الْمُسْلِمِيْنَ ۔اس لیے کہ میں نے اس ایک رات میں سو مسئلے حل کیے ہیں حالاں کہ میں مسلمانوں کے مفاد میں چت لیٹا رہا۔ یہ کہا اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔ احمد ابن حنبل اپنی صاحبزادی کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: هٰذَا الَّذِيْ عَمِلَهُ اللَّيْلَةَ أَفْضَلُ مِنَ الَّذِيْ عَمِلْتُهُ وَأَنَا قَائِمٌ۔ انھوں نے رات جو عمل کیا وہ میری عبادت سے افضل تھا۔

ربیع کا قول ہے کہ شافعی کے انتقال سے چند روز قبل انھوں نے ایک خواب دیکھا کہ آدم کی موت ہوئی اور جنازہ اٹھانے کی تیاری تھی۔ صبح بعض اصحاب سے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو جواب ملا کہ یہ دنیا کے بہت بڑے عالم کی موت کی خبر ہے۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ شافعی نے وفات پائی۔

شافعی کے انتقال کے کچھ دنوں بعد خیال ہوا کہ ان کی نعش کو بغداد منتقل کیا جائے۔ قبر کھولی جا رہی تھی کہ اندر سے اتنی تیز خوشبو مہکنے لگی کہ ان لوگوں کے حواس مختل ہو گئے اور ویسا ہی چھوڑ دیا۔

سوانح شیخ ابوشجاع رحمۃ اللہ علیہ

شیخ امام ابوطیب مشہور بہ ابی شجاع شہاب الملۃ والدین تقی الدین احمد بن الحسین بن احمد الاصفہانی مصنف التقریب یا غایۃ الاختصار، نہایت باخدا، متقی، عابد اور زاہد تھے۔ اپنے وقت کے امام مانے جاتے تھے۔ علم، فضل و دیانت میں خاص شہرت رکھتے تھے۔ قاضی تھے اور منصب وزارت پر بھی فائز ہوئے تھے۔ آپ نے اپنے زمانہ وزارت میں دین وعدل کی اشاعت کی۔ نماز پڑھے اور کچھ تلاوت کیئے بغیر گھر سے باہر نہیں جاتے تھے۔ آپ نے اپنی زندگی ایسی منضبط گزاری کہ لومۃ لائم (اعتراض) کی گنجائش نہ تھی۔ آپ کے تمول کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ مستحقین پر صدقات کی تقسیم کے لیے آپ کی جانب سے دس اشخاص مامور تھے اور ہر ایک کے ہاتھ پر سالانہ ایک لاکھ بیس ہزار دینار صرف ہوتے تھے۔

دنیا ترک کر کے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کی۔ آخر عمر تک مسجد نبوی میں جھاڑو دیتے اور صاف صفائی کرتے، فرش بچھاتے اور چراغ روشن کرتے تھے۔ حجرۂ شریف کے خادموں میں سے کوئی انتقال کر گیا تو اس کی خدمت بھی آپ انجام دیتے رہے۔ آپ کا مزار مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی کے مشرق میں باب جبریل سے متصل ہے۔ ایک سو ساٹھ سال کی طویل عمر پائی مگر آپ کا کوئی عضو بیکار نہیں ہوا تھا۔ سبب پوچھا گیا تو فرمایا: **حَفِظْنَاهَا فِی الصِّغَرِ فَحَفِظَهَا اللّٰهُ فِی الْكِبَرِ** ۔ ہم نے بچپن میں اپنے اعضاء کی حفاظت کی تو اللہ تعالی نے بڑھاپے میں ان کی حفاظت کی۔

اِشاریہ

اگر کسی مضمون کے مقابل متعدد صفحات کا حوالہ درج ہے اور ان میں سے کسی خاص صفحہ پر اس مضمون کی نسبت پوری صراحت موجود ہے تو اس صفحہ پر خط کھینچ دیا گیا ہے، تا کہ مطلوبہ مضمون برآمد کرنے میں سہولت ہو۔

یہ کتاب المکتبة الشافعیة ادارہ رضیة الابرار بھٹکل میں شامل کیا جارہاہے،

https://telegram.me/shafayibooks